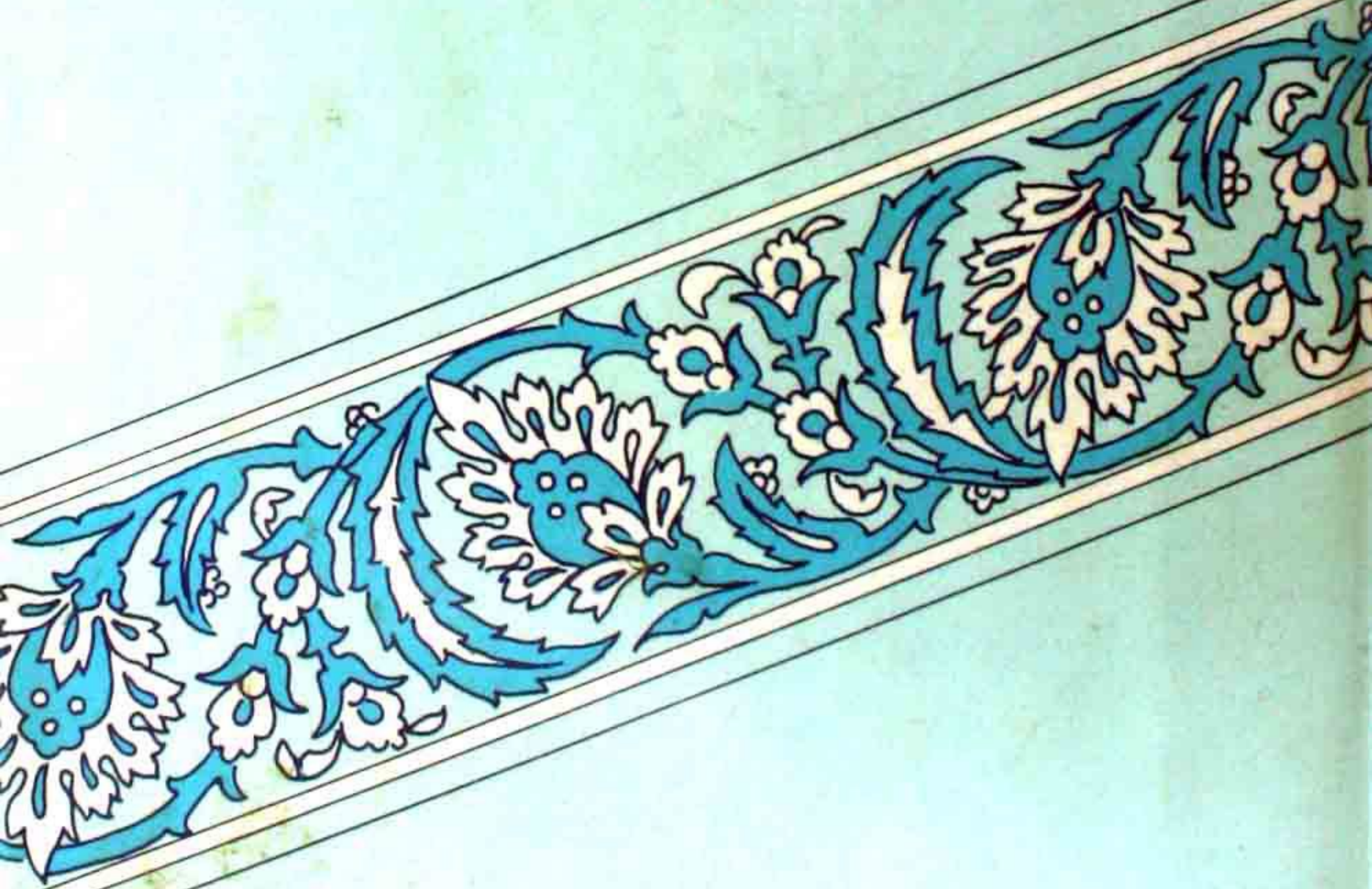


تذکرہ ماضی محمد شاہ اللہ پانی پتی
رحمۃ اللہ علیہ

مؤلف تفسیر منطہری

ڈاکٹر محمود احسن عارف



ادارہ ثقافت اسلامیہ

۲۔ کلب وڈ، لاہور

تذکرہ کافی محمد شہناشاد پانی پتی

رحمۃ اللہ علیہا

مؤلف تفسیر منظرہری

ڈاکٹر محمود الحسن عارف

قسم معلوم و فنی تذکرہ تحقیقی مقالہ

الرقم الفنی

مجلد / اجزاء (۱)

مطالع ارارہ ثقافت اسدیس

تاریخ عروج مکتبہ محمد الہام ۱۴۲۳ھ

ادارہ ثقافت اسلامیہ

۲۔ کلب روڈ، لاہور

marfat.com

جملہ حقوق محفوظ

1995ء	طبع اول:
550	تعداد:
ڈاکٹر رشید احمد جالندھری ناظم ادارہ ثقافت اسلامیہ طیبہ پرنٹرز لاہور	ناشر:
300 روپے	مطبع:
	قیمت:

اس کتاب کی طباعت و اشاعت اکادمی ادبیات پاکستان اسلام آباد
کی مالی معاونت کی بدولت ممکن ہوئی۔ شکریہ!

انتساب

اپنے والد محترم

میاں عمر دین

(المتوفی ۱۹ مارچ ۱۹۸۴ء)

کے نام

جن کی محبت و شفقت نے زندگی
کی اونچی نیچی راہوں پر چلنا سکھایا۔

(مؤلف)

پیش لفظ

ایک ایسے وقت میں جب عالم اسلام اندرونی اور بیرونی خطرات میں گھرا ہوا کسی فیسی اور آسمانی امداد کا منتظر ہے۔

ایک ایسے وقت، جب ملت اسلامیہ کسی مخلص اور بے لوث قیادت کی منتظر ہے۔

ایک ایسے وقت جب مغرب نے، عالم اسلام پر غیر اعلان کردہ صلیبی جنگ مسلط کر رکھی ہے اور پوری دنیائے اسلام میدان کارزار کا منظر پیش کر رہی ہے۔

ایک ایسے وقت، جب بہت سے مظلوم مسلمان ملکوں کی ستم رسیدہ خواتین کی آہوں اور سکیوں سے عرش بریں کانپ رہا ہے اور مسلمان کسی نجات دہندہ کے منتظر ہیں خاکسار اپنی یہ کتاب آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہے۔

یوں تو ہر صغیر پاک و ہند کی خاک سے ہزاروں نفوس قدسیہ، لاکھوں علماء، حفاظ اور رجال کار نے جنم لیا۔ جن کے تذکروں سے کتب سیر و تذکرہ معمور ہیں۔ مگر ان میں ایسی بستیاں، جنہوں نے کوئی تاریخی کارنامہ سر انجام دیا اور جریدہ عالم پر اپنے نام کو مہر دوام و بقا سے ثبت کیا۔ کچھ زیادہ نہیں ہیں۔ ہماری اس کتاب کے موضوع قاضی محمد شہناز علیہ السلام تلیمذرشہید شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور خلیفہ اعظم و فیض تربیت یافتہ مرزا مظہر جانجانا کا شمار انہی تاریخ علم و ادب کی گرانقدر شخصیتوں میں ہوتا ہے۔

قاضی صاحب ۴۵ کے قریب چھوٹی بڑی کتابوں کے مصنف ہیں۔ جن میں سب سے

بڑی "تفسیر مظہری" ہے، جسے بین الاقوامی شہرت اور پذیرائی حاصل ہو چکی ہے۔

قاضی صاحب نے جنہیں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی "بہت ہی وقت" کہا کرتے تھے، اس تفسیر میں بہت سے علوم و فنون کو محفوظ اور مدون فرما دیا ہے۔ مگر شومی قسمت سے ان کے متعلق ہماری معلومات چند صفحات سے زیادہ نہ تھیں۔ ان حالات کو سامنے رکھ کر خاکسار کو قاضی صاحب کی شخصیت و سوانح پر، کام کرنے کا شوق ہوا جو بحمد اللہ پانچ برسوں کی محنت و کاوش کے بعد اپنے انجام کو پہنچا جس پر جامعہ پنجاب کی طرف سے، خاکسار کو اعلیٰ ترین علمی سند (پی ایچ ڈی) عطا ہوئی۔ بعض دوستوں نے مشورہ دیا کہ اگر اس مقالے کو ضروری ترمیم و اضافے کے ساتھ شائع کر دیا جائے تو وہ اہل علم کے لئے بے حد مفید ہوگا۔ اس طرح قلم ایک بار پھر ہاتھ میں پکڑا اور اس کو کتابی شکل میں مرتب کیا۔ نتیجاً اس وقت آپ کے ہاتھ میں ہے۔

نامناسب ہوگا اگر اس موقع پر اپنے ان محسنوں کا شکریہ ادا نہ کریں، جنہوں نے اس کتاب کی ترتیب و تدوین میں میری مدد کی۔ اس طویل فہرست میں شیخ محترم مولانا عبدالمجید صاحب (شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ، باب العلوم کہروڑ پکا)، ڈاکٹر ظہور احمد اظہر (موجودہ پرنسپل و ڈین اور نیٹل کالج لاہور) ڈاکٹر سید محمد عبدالرشید مرحوم (سابق صدر شعبہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ) پروفیسر عبد القیوم مرحوم (سابق استاد عربی اور نیٹل کالج لاہور) ڈاکٹر عبد الغنی مرحوم (استاد فارسی گورنمنٹ کالج لاہور) اور ان کے فرزند ارجمند جناب اکرام الحق، مولانا ایف اللہ عثمانی (فاضل دارالعلوم دیوبند، ساکن سرگودھا)، جناب محمد اقبال مجددی (استاد فارسی، ایم اے او کالج، لاہور) ڈاکٹر ایس ساجدہ علوی (استاد فارسی، ایم سی گل یونیورسٹی کینیا)، پنجاب یونیورسٹی کے لائبریرین جناب سید محمد جمیل رضوی، پروفیسر محمد علی،

(استاد انگریزی ، ایچی سن سکول لاہور) وغیرہ کے اسمائے گرامی شامل ہیں ۔

اس کی طباعت کے ضمن میں ادارہ ثقافت اسلامیہ کے موجودہ ڈاکٹر رشید جالندھری

اور جناب پروفیسر محمد اسحاق بھٹی کا اگر تعاون حاصل نہ ہوتا تو یہ علمی کام شاید قارئین کرام تک

اتنے خوبصورت اور عمدہ طریقے پر نہ پہنچ پاتا ۔

اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو اس کارِ خیر میں شرکت پر اجر عظیم عطا فرمائے ! آمین

ڈاکٹر محمود الحسنی عارف

دارالعرفان

رحمان پارک ، گلشن راوی ، لاہور

فہرست عنوانات تذکرہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی علیہ رحمۃ اللہ

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۶۳	نام والقاب اساتذہ کرام اور حصول تعلیم		پیش لفظ مقدمہ
۶۵	ابتدائی تعلیم		تعارف و پس منظر
۶۹	ابتدائی کتب درسیہ	۱	مولد و مسکن پانی پت
۷۱	نصاب تعلیم	۲	تعلیم
۷۷	اعلیٰ تعلیم	۴	پانی پت کی جنائس
۷۷	حضرت مرزا مظہر کی خدمت میں	۶	پانی پت کے مشہور اہل علم
۸۰	امام العمر شاہ ولی اللہ کے حلقہ درس میں		سیاسی پس منظر
۸۵	شاہ صاحب تلمذ اور عدم تلمذ کا مسئلہ	۸	عام سیاسی تاریخ
۸۸	زمانہ تدریس	۱۰	مرتبہ گردی
۹۰	شاہ محمد فاخر الہ آبادی کی درس گاہ میں	۱۳	سکھ گردی
۹۱	شاہ فاخر الہ آبادی کا مختصر تذکرہ	۲۰	انگریز راج
۹۴	تکمیل کے وقت قاضی صاحب کی عمر	۲۲	قاضی صاحب کا سیاسی شعور
۹۵	علمی اسناد	۲۳	اخلاقی تنزیل و انخطاط
	حصول فیض باطنی	۲۵	حضرت مجدد الف ثانی کی
۹۹	شیخ محمد عابد سنائی		تحریک احیائے دین کی باقیات
۱۰۱	قاضی صاحب کی تربیت باطنی کی بنیاد	۲۸	قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی اور تحریک مجددی
"	حضرت مظہر جانجاناں شہید		قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی کے اجداد
۱۰۸	حضرت مظہر سے تعلق کی ابتداء		
۱۱۱	تربیت فیض باطنی کی تکمیل	۳۱	نسب نامہ جدیدی
۱۱۳	بشراوت صالحہ	۳۶	سلسلہ عثمانی کے بزرگوں کا ہندوستان میں ورود
۱۱۵	اجازت و خلافت	۴۳	نسب نامہ جدیدی کا حصہ دوم
۱۱۹	مرشد کی نظروں میں مقبولیت	۴۳	نسب نامے کے متعلق قاضی صاحب کی ایک نادر تحریر
۱۲۱	خلفائے حضرت مظہر میں قاضی صاحب کا امتیاز	۴۴	قاضی صاحب کی نخیال
۱۲۳	جاشینی کا مزد		والدین اور خاندان
۱۲۵	خاندان میں خلفائے حضرت مظہر کی کثرت	۴۹	والد گرامی: قاضی محمد حبیب اللہ عثمانی
	تدریس عہدہ و فیض باطنی	۵۰	والد ماجدہ بادشاہ بیگم
۱۲۷	تدریس طلبا	۵۵	قاضی محمد فضل اللہ
۱۲۹	خطابت	"	خاندان کی مالی حالت
۱۳۱	فیض باطنی کا ملکہ		ولادت، نامہ والقاب
۱۳۲	پیر بھائیوں کو توجہ	۶۰	ولادت

۲۱۴	مدفن حضرت قاضی صاحب	۱۳۴	مردین کا اپنا حلقہ
۲۱۵	عادات و نحمائل		۹ <u>قاضی کی حیثیت کی خدمات</u>
۲۱۹	زہد و عبادت	۱۴۰	قضا اور اس کے حدود و اختیارات
۲۲۰	جذبہ فرغ شناسی	۱۴۱	ذوی منغلہ میں عدلیہ
۲۲۵	حضرت مظہر اور ان کے متوسلین کی نبوت	۱۴۴	عہد قضا کا توارث
۲۲۶	زوجہ حضرت مظہر کی خدمت	۱۴۵	زمانہ تقرری
۲۲۲	متروکات	۱۵۰	اختیارات عہد قضا
۲۲۴	لابری	۱۵۲	مختلف اختیارات
۲۳۶	تبرکات	۱۵۴	مصلحین کا تقرر
	<u>ازواج و اولاد و مستفیدین</u>	۱۵۵	ڈویژن پنج کی صورت میں
۲۳۸	ازواج		بادشاہان دہلی
	<u>اولاد</u>	۱۵۸	نواب نجیب الدوای
۲۲۹	تلامذہ و مستفیدین	۱۶۳	حضرت مظہر جانجاناں کے پاس شکایات
۲۵۷	قاضی صاحب کے معاصر علماء اور ان سے	۱۶۸	نواب نجف خان
	خوشگوار مرآسم	۱۷۱	ملا رحیم داد و ہسیا
	<u>تفسیر مظہری</u>	۱۸۰	قلعہ داری کی سند بنام قاضی صاحب
۲۵۹	مقدم	۱۸۱	غیر مسلم حکومت کا زمانہ
۲۶۰	تفسیر کا معنی و مفہوم	۱۸۳	قاضی صاحب مرہٹوں کی ملازمت میں
۲۶۸	تفسیر مظہری کے اصولی تفسیر	۱۸۵	اختتام
۲۷۰	عقل و فکر کے لیے مجال سخن		خصوصیات (در قضا)
۲۷۳	دلستان تفسیر اور قاضی صاحب کا جہان طبع	۱۸۷	خدمت خلق کا جذبہ
۲۷۶	تاریخ تفسیر اور عہد بعد ارتقا	۱۸۹	مصلحت دینی کا صلحت دنیوی پر تقدم
۲۷۸	ا۔ التفسیر بالماثور	۱۹۰	السد ایشوت ستانی
۲۸۰	ب۔ التفسیر بالرای الجائز		سوانح نگاروں کے بیانات
۲۸۲	ج۔ التفسیر العقل	۱۹۲	<u>تصدیق و تحقیق</u>
"	د۔ التفسیر الفقہی	"	وسیع مطالعہ
"	ه۔ التفسیر الصونی	۱۹۶	منصب قضا سے وابستگی
۲۸۳	و۔ التفسیر الشیبی	۱۹۵	سوالات
	<u>نسخہ تفسیر مظہری</u>	۲۰۱	منفرد علمی مقام
	<u>کی حفاظت و طباعت</u>		ذوق شعری
۲۸۶	نسخہ مولف		<u>وصیت و وفات، شمائل و</u>
۲۸۸	مطبوعہ نسخہ	۲۰۵	<u>عادات، متروکات</u>
	نام و جہ کہ یہ مختلف اجزاء کی تقسیم	۲۰۷	وصیت نامے کی علمی اہمیت
۲۸۹	تنبہید	۲۱۲	وصیت نامے کا تجزیہ و تعارف
			ساختہ ارجمال

۲۱۰	منفرد اجتهادات	۲۹۵	تفسیر مظہری کے مصادر و مآخذ
۲۱۱	شہادتِ عادل کا مسئلہ	۲۹۶	کتاب علم تفسیر
۲۱۲	زانی کو جو کرنے کا مسئلہ	۲۹۹	علم حدیث و درایت حدیث
۲۱۵	دوسرے فقہی مسالک کی تائید و حمایت	۳۱۳	فقہ و اصول
۲۱۸	مسالک جمہور کی موافقت	۳۱۸	تاریخ سیرت و مغازی
۲۲۰	عشر و خراج کے واجب ہونے کا مسئلہ....	۳۲۳	تصوف و سلوک
۲۲۲	سورہ فاتحہ بطور رکنِ صلاۃ	۳۲۵	فلسفہ و کلام
۲۲۴	قرآن مجید کے سجدہ ہائے تلاوت ...	۳۲۶	زمانہ تصنیف
۲۲۵	شوائع کی ہمنوائی	۳۲۶	مباحث علومِ قرأت و تفسیر
۲۳۰	حنابلہ کی مطابقت	۳۳۲	استناد و علمی پایہ
	<u>تفسیر مظہری اور علم حدیث</u>		تفسیرِ نظری اور قرأت متواترہ
۲۳۴	روایت حدیث	۳۳۹	مقاصدِ اساسی
۲۳۸	فاضل مفتی کا محترم نامہ پایہ	۳۴۵	تفسیر مظہری کی علومِ قرأت و تجوید
۲۴۴	مقاصد		میں جامعیت
۲۴۵	فہم حدیث	۳۴۶	لغت، اشتقاق اور علومِ نحو کے مباحث
۲۴۶	تفسیر مظہری....		علوم لغت کی اہمیت و افادیت
"	معرفت حدیث	۳۴۸	لغوی مصادر و مآخذ
۲۵۵	خبر و اس کی حیثیت	"	لذت نگاری، تفسیرِ مظہری کا اسلوب
"	مرفوع روایت کے مقابلے میں آٹھ صحابہ کی حیثیت		تفسیرِ مزوجہ، رابطہ بین الآیات
۲۶۳	اسرائیلیات کے سلسلے میں تفسیرِ مظہری کا محتاط رویہ		روایات، شان نزول،
۲۶۶	تفسیرِ مظہری کا قدامت پسند پہلو	۳۴۱	تفسیرِ مزوجہ
	<u>تفسیر مظہری اور علم تصوف</u>	۳۴۳	تفسیرِ مزوجہ کے اسالیب....
۲۶۸	تفسیر اشاری	۳۶۰	اسباب نزول
۲۷۲	تفسیر اشاری کی چار شرائط اور تفسیر مظہری	۳۷۵	مباحث فقہ و اصول فقہ
۲۷۹	غلط فہمیوں کا ازالہ	۳۸۱	طریقہ ہائے استنباط
۲۹۰	حروفِ عطفات کا مسئلہ	۳۸۶	مسائل فقہ
۲۸۱	اللہ تعالیٰ کا من علی العرش		مصادر و مآخذ پر ایک نظر....
	<u>تفسیر مظہری سے استفادہ اور اس کے متعلق محقق علم کا آرا</u>	۳۹۱	فقہی آراء بغرض تائید و استنباط
۲۸۴	ابتدائی دور		<u>تفسیر مظہری اور فقہی اجتہاد</u>
۲۸۶	متاخر دور	۳۹۴	ہندوستان اور فقہ حنفی
۲۸۸	مقبولیت کا دورِ سوم	۳۹۶	اجتہاد اور اس کے مباحث
۲۹۰	دورِ جدید	۳۹۸	قاضی صاحب اور اجتہاد
	<u>حوالہ شی اور تراجم</u>	۴۰۰	مجتہدین میں قاضی صاحب کا مقام....
۲۹۳	حاشیہ مصنف	۴۱۰	مجتہد فی المذہب کی حیثیت سے

۵۴۳	قاضی صاحب کا مناظراتی اسلوب	۵۰۳	تراجم تفسیر
۵۴۵	رسالہ دیگر در رد اعترافات بر کلام مجدد	۵۰۴	حرف آخر
۵۴۶	فصل الخطاب فی نصیحتہ اولی الالباب		قاری صاحب کی دوسری تصانیف
۵۸۰	مضامین و محتویات	۵۰۷	علم حدیث
۵۸۱	قاضی صاحب کی انصاف پسندی	۵۰۹	رسالہ پہل حدیث مع شرح و بیان
	الشہاب الثاقب		علم الفقہ
۵۸۵	کتب سیر و تذکرہ	۵۱۲	مالا بدمنہ
"	سرور دو عالم	۵۱۹	مالا بدمنہ کی خصوصیات
۵۸۶	رسالہ در بیان اولاد امام ربانی	۵۲۶	فتاویٰ مظہری
۵۸۷	تذکرۃ العلوم والمعارف	۵۲۷	فتوئے در جواز تعلیمہ
۵۸۸	تمخیص و ترجمہ		فتوئے در بارۃ اراضی بنہ
"	تذکرۃ الموتی والقبور	۵۲۹	علم کلام و عقائد
۵۹۰	مضامین کتاب	۵۳۳	الباب و مضامین
	تذکرۃ المعاد	"	رسالہ در عقائد حقہ
۵۹۵	خصوصیات		کتب علم تصوف
	اللباب (عربی)	۵۳۴	ارشاد الطالبین
۶۰۲	رسالہ وصیت نامہ	۵۳۷	مطبوعہ نخب
۶۰۴	مکتوبات		ارشاد الطالبین کی خصوصیات
۶۰۶	مضامین و محتویات		ازالۃ العنود فی مسئلۃ السماع
۶۱۰	خصوصیات		و وحدۃ الوجود
	حضرت ظہیر جاناناں کے نام	۵۳۳	رسالہ بصورت مکتوب
۶۱۷	پانچ مکتوبات	۵۳۶	بہ مولوی محمد سالار گنگوہی
	اخوندزادہ ملا نسیم کے نام		خصوصیات
۶۱۹	چار خطوط	۵۳۸	رسالہ وحدت الوجود
۶۲۲	سید نعیم اللہ بیہراچی کے نام	۵۵۲	کتب علم الاخلاق
	دو خط	۵۵۶	مضامین و محتویات
۶۲۳	قاضی صاحب کے ذاتی قلمی مکتوبات	۵۶۰	تراجم
	(شمولہ در بشارات مظہریہ)	۵۶۳	کتب علم البعث و المناظرہ
۶۲۸	قاضی صاحب کے دیگر مکتوبات	۵۶۸	مضامین و محتویات
		۵۷۰	خصوصیات

مقدمہ

تعارف و پس منظر

مولد و مسکن - پانی پت

قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتیؒ ہندوستان کے مشہور اور مردم خیز شہر "پانی پت" میں پیدا ہوئے اور یہیں اسی سال سے زیادہ عمر پا کر وفات پائی۔ پانی پت کا یہ شہر صدیوں سے آباد چلا آتا ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی تک یہ شہر بجائے کرنال کے ضلعی (پرگنہ کا) صدر مقام رہا۔

قاضی صاحبؒ کے زمانے میں یہ شہر چار بڑے حصوں میں تقسیم تھا، یہ تقسیم زیادہ تر خاندانی اور پیشہ ورانہ تفریق پر مبنی تھی، انصاریوں کے محلہ قاضیاں میں قاضی صاحبؒ کی رہائش تھی۔

انتظامیہ

مغلیہ عہد میں ضلعی صدر مقام ہونے کی بنا پر یہاں ضلعی دفاتر قائم تھے، یہ دفاتر اب

۱۔ مولانا محمد میاں (پانی پت اور بزرگان پانی پت، مطبوعہ پانی پت، ص ۵) نے اس کا باقی راجا ارجن کو قرار دیا ہے جو ہندوستان کے عہد عتیق کا مشہور سینا پتی (سپہ سالار) تھا، مگر کسی اور ذریعے سے اس کی تائید نہ ہو سکی۔

۲۔ عبدالحی: دہلی اور اس کے اطراف، ص ۸۵۔

”باغ کابل“ کے پاس شکستہ صورت میں موجود ہیں۔ یہیں وہ کچھرنی تھی۔ جس میں قاضی صاحب اپنے زمانے میں مسندِ عدالت پر بیٹھا کرتے تھے۔ یہ علاقہ ہر زمانے میں مرکزِ سلطنت دہلی کے ماتحت رہا۔ مقامی طور پر ایک قلعے دار (علی مل) اور ایک یادو قائمی یہاں تعینات کیے جاتے تھے۔

تعلیم

مذہبی اور قرآن کی تعلیم کے لیے یہ شہر بڑی شہرت رکھتا ہے۔ یہ رہنمائی تعلیم قرآن جاری ہونے کی بنا پر ایک خاص لہجہ پیدا ہوا، جسے ”پانی پتی“ لہجہ کہا جاز سے و نسبی سبب نے ابتدائی تعلیم اسی شہر میں حاصل کی۔ متاخر عہد (شعبان ۱۳۱۲ھ / ۱۸۹۴ء) کے ایک سفر نامے کی رو سے اس شہر میں ایک سو چودہ مساجد، آٹھ سو سے زیادہ تحفاظ اور تدریس نرس کے متعدد مدرسے موجود تھے۔ یہ جدید تعلیم کا آغاز انگریزی حکومت کی عمل داری میں آنے کے بعد ہوا۔

پیشہ: زراعت

اس علاقے کے لوگ زیادہ تر زراعت پیشہ ہیں، یہاں کے زمینداروں میں مخدوم زادے، انصاری (قاضی صاحب کا ننھیالی خاندان)، افغان اور راجپوت شامل ہیں۔ یہ خود قاضی صاحب کا مستقل ذریعہ آمدنی زراعت تھا۔ زمینوں کو نہری اور چاہی دونوں طریقوں سے کاشت کیا جاتا تھا، تاہم آس پاس کا بہت بڑا علاقہ بارانی تھا۔

تجارت

یہاں کا دوسرا ذریعہ معاش تجارت تھا (اور ہے) یہ شہر بالخصوص اجناس کی غلہ منڈی

۳۷ حکیم عبدالحمی: دہلی اور اس کے اطراف، ۸۵

۳۸ کرنال ڈسٹرکٹ گزیٹیر، ص ۱۶۲

کے طور پر مشہور تھا۔ صاحب "مخزن پنجاب" کے مطابق یہاں کے ساہوکاروں کا کاروبار (بڑا وسیع ہے اور) کئی ملکوں میں پھیلا ہوا ہے اور یہاں کے بازار پر از تجارت میں شہے قاضی صاحب کے استاد و مربی مرزا مظہر کے مکتوبات سے پتا چلتا ہے کہ یہاں ایشیا کے نرخ دہلی سے بہت کم تھے، اسی بنا پر مرزا مظہر اکثر ایشیا سے صرف پانی پت سے منگوا یا کرتے تھے۔

وقوعی اہمیت

پانی پت کا یہ شہر اس تنگ نالے میں واقع ہے، جو راجپوتانے کے ریگستان کے شمال مشرقی سرے اور ہمالیہ کے مابین جہنا اور گنگا کی سرسبز و شاداب وادیوں میں داخل ہونے کے لیے کلید کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے ایک طرف راجپوتانے کا طویل و عریض صحرا اور دوسری طرف ہمالیہ کی بلند و بالا چوٹیاں واقع ہیں۔

ہندوستان کے شمال مغرب میں واقع مردم خیز خطے (افغانستان) سے جو سب سے سہل راستہ پنجاب کے میدانوں تک آتا ہے وہ درّہ خیبر، ٹوچی، کرم اور درّہ گول کا ہے، تمام شہنشاہ مغربی حملہ آور اسی راستے سے دریا سے سندھ کو عبور کر کے ہندوستان پر حملہ کرتے رہے ہیں اور چونکہ دہلی دارالسلطنت تھا اور سلاطین اپنے مرکز و مستقر سے نکل کر حملہ آور سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے اسی شہر کا انتخاب کیا کرتے تھے، اسی لیے اس مقام پر تاریخ ہند کی متعدد لڑائیاں لڑی گئیں۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

عہد قدیم کی مشہور کوروں اور پانڈوں کی جنگ (مہا بھارت) جو تھانیسہر (پانی پت سے ۲۰ میل دور) کے آس پاس (تقریباً ۲۰۰۰ مربع میل کے علاقے میں) لڑی گئی، اس علاقے

۵ تاریخ مخزن پنجاب، ص ۶۵ -

۶ دیکھیے مکاتیب (مرتبہ قریشی)، ۱۹۶۶ء، بموقع عدیدہ

۷ سبجان رائے بنالوی، خلاصۃ التواریخ، مطبوعہ مرکزی اردو بورڈ، (اردو ترجمہ)، ص ۱۵۲

کی پہلی قابل ذکر لڑائی ہے۔ مسلم دور حکومت میں خاندان تغلق کے زمانہ اقتدار (۶۲۰ھ / ۶۱۳۲ - ۸۱۵ھ / ۶۱۴۱۲) اور سلطان محمود شاہ بن سلطان فیروز شاہ (۸۱۵ھ / ۶۱۴۱۲) کے زمانہ حکومت میں بھی یہاں سلطان محمود شاہ بن سلطان فیروز شاہ کے وزیر تاتار خاں اور اس کے حریف سپہ سالار نصرت شاہ فضل اللہ بلخی (المعروف بہ اقبال خان) (۸۰۹ھ / ۶۱۴۰۶) کے درمیان ایک جنگ لڑی گئی، جس میں مؤخر الذکر فاتح رہا۔ تاہم متاخر عہد میں جو تین خوف ناک جنگیں لڑی گئیں، وہ نتائج کے اعتبار سے زیادہ شہرت کا باعث ہوئیں۔

۱۔ پانی پت کی پہلی جنگ (۹۳۲ھ / ۱۵۲۴ء)

یہ جنگ لودھی خاندان (۸۵۵ھ / ۱۴۵۱ء - ۹۳۰ھ / ۱۵۲۴ء) کے آخری فرماں روا ابراہیم بن سکندر لودھی (م ۹۳۰ھ / ۱۵۲۴ء) اور سلطان ظہیر الدین بابر (م ۹۳۰ھ / ۱۵۳۰ء) کے مابین لڑی گئی۔ بابر کے اس سے پہلے چار حملے غیر فیصلہ کن رہے تھے۔^{۱۱} خوش قسمتی سے دو لودھی امرا دولت خان اور غازی الدین بابر سے آئے تھے جنہاں بابر کی مختصر مگر چاق و چوبند فوج اور سلطان ابراہیم کی ایک لاکھ فوج اور ایک ہزار ہاتھیوں پر مشتمل سواروں کے مابین اسی جگہ گھمسان کارن پڑا جس میں اگلے کئی سو سالوں کے لیے ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ بابر کے حق میں ہو گیا۔ ابراہیم لودھی اس جنگ میں کھیت رہا۔^{۱۲} (۹۳۲ھ / ۱۵۲۴ء)

^{۱۱} اسٹینلے لین پول: سلاطین اسلام، مترجمہ ڈاکٹر غلام جیلانی برق، ص ۳۰۷ تا ۳۰۸، مطبوعہ لاہور

^{۱۲} ولیم ٹامس بیل: مفتاح التواریخ، ص ۱۱۲

^{۱۳} سجان رائے بٹالوی: خلاصہ التواریخ، ص ۲۵۵ تا ۲۵۶

^{۱۴} دیکھیے اسٹینلے لین پول: سلاطین اسلام، بذیل لودھی خاندان

^{۱۵} محمد صالح کمبوہ: عمل صالح، ترجمہ اردو، ص ۲۵۵ تا ۲۵۷

^{۱۶} دیکھیے مقالہ ابراہیم لودھی، در اردو دائرہ معارف اسلامیہ بذیل مادہ -

^{۱۷} محمد صالح کمبوہ: عمل صالح، ص ۲۵۵-۲۵۶، سجان رائے بٹالوی: خلاصہ، ص ۳۵۸ تا ۳۶۰

بابر نے فتح کی یادگار کے طور پر ایک مسجد کے علاوہ ایک باغ اور حوض بھی پانی پت میں تعمیر کرایا۔ ہمایوں نے اس جگہ چبوترہ فتح تعمیر کرایا، اسے باغ کابل کہا جاتا ہے، اس پر "بنا ۶ ربيع الاول ۹۳۲ھ / ۱۵۲۶ء" کے الفاظ کندہ ہیں۔ ۱۵ھ

۲۔ پانی پت کی دوسری جنگ (۱۰ محرم الحرام ۹۶۴ھ / ۱۵۵۶ء)

پانی پت کے اسی میدان میں ایک مرتبہ پھر ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ ہوا، اس مرتبہ یہ جنگ سلطان جلال الدین اکبر (م ۱۰۱۴ھ / ۱۶۰۵ء) اور سلطان محمد عادل (م ۹۶۲ھ / ۱۵۵۴ء) کے ہندو سپہ سالار ہیمو بھال کے درمیان لڑی گئی۔ ہیمو بائیس جنگوں میں فتح یا ہونے کے بعد پورے ہندوستان پر حکومت کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا ۱۵ھ مگر اپنی پچاس ہزار فوج، ۱۵ سو ہاتھیوں، ۵۱ بڑی توپوں اور پانچ سو شتر سواروں کے باوجود اکبر کے ہراول دستے سے، جس کی قیادت سکندر خان اوزبک (م ۹۶۹ھ / ۱۵۷۱ء) اور علی قلی شیبانی (م ۹۶۴ھ / ۱۵۶۷ء) کر رہے تھے، بری طرح ہار گیا (۹۶۴ھ / ۱۵۵۶ء)۔

۳۔ پانی پت کی تیسری جنگ (۱۳ جنوری ۱۷۱۷ء / ۱۱۷۴ھ)

پانی پت کے اسی میدان میں تاریخ ہندوستان کی تیسری اور انتہائی خوف ناک جنگ احمد شاہ ابدالی (۱۱۸۶ھ / ۱۷۷۲ء) اور مرہٹہ اقوام کے درمیان لڑی گئی، اس جنگ میں تقریباً دو لاکھ مرہٹے کام آئے، "شاہِ درانی نمودہ باز فتح" اس کا مصرعہ تاریخ ہے۔ ۱۹ھ

۱۵ھ کرنال ڈسٹرکٹ گزیٹیر، ص ۲۱۲

۱۶ھ دیکھیے شاہ نواز خاں، صمصام الدولہ، آثار الامرا، ۲، ص ۸۳: ۸۳ بعد

۱۷ھ ایضاً، ص ۸۳ و ۶۲۲۔

۱۸ھ ولیم ٹامس بیل: مفتاح التواریخ، ص ۳۵۰

۱۹ھ ایضاً، ص ۳۲۲-۳۲۳، لیشر الدین: واقعات دار الحکومت دہلی، ۱: ۶۶۲-۶۶۴۔

پانی پت کے مشہور اہل علم

پانی پت ہندوستان کا مشہور اور مردم خیز شہر ہے، جہاں سے بہت سی ملکی و بین الاقوامی شہرت کی حامل شخصیتوں نے جنم لیا۔ پانی پت کے ان فضلا کا ذکر بہت سی کتب سوانح اور تذکروں کا حصہ ہے، ان میں سے چند مشہور ہستیوں کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

- ۱۔ خواجہ عبدالرحمن گادرونی (پانچویں صدی ہجری / گیارھویں صدی عیسوی) ^{۲۱}
- ۲۔ مولانا فخر الدین عراقی (تھپٹی۔ ساتویں صدی ہجری / بارھویں تیرھویں عیسوی) ^{۲۲}
- ۳۔ شیخ شرف الدین بوعلی قلندر پانی پتی (۶۰۴-۶۲۴ھ / ۱۲۰۶-۱۲۳۳ء) ^{۲۲}
- ۴۔ شیخ شمس الدین ترک پانی پتی (۱۱۵ھ / ۱۳۱۵ء یا ۱۸۷ھ / ۲۱۳۱۸ء) ^{۲۳}
- ۵۔ مخدوم جلال الدین کبیر الاولیا پانی پتی (۱۳ ربیع الاول ۷۴۵ھ / ۲۱۳۶۳ء) ^{۲۴}
- ۶۔ شیخ شبلی بن شیخ جلال الدین پانی پتی صابری (۸۵۲ھ / ۲۱۴۴۸ء) ^{۲۵}
- ۷۔ شیخ امان پانی پتی (۸۷۶ھ / ۲۱۴۷۱ء - ۹۹۷ھ / ۲۱۵۸۸ء) ^{۲۶}

۲۰۔ قاضی صاحب کے ایک جد امجد (تفصیل کے لیے محمد میاں پانی پت اور بزرگان پانی پت، ص ۲۰ تا ۲۷)

۲۱۔ مشہور پانی پتی بزرگ بوعلی قلندر کے والد (دیکھیے محمد میاں پانی پت...، ص ۳۱ تا ۳۲)

۲۲۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، مفتی غلام سرور، خزینۃ الاصفیاء، ص ۳۲۷ و بعد، عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخبار (اردو ترجمہ) ص ۲۷۹ - ۲۸۱ -

۲۳۔ پانی پت کے مشہور بزرگ (دیکھیے خزینۃ الاصفیاء، ص ۳۲۱ تا ۳۲۶، محمد عبدالستار بیگ سہرامی، مسالک، ۲: ۳۴۵ - ۳۴۸)

۲۴۔ قاضی صاحب کے جد امجد اور مشہور حشتی بزرگ (دیکھیے محمد عبدالستار سہرامی: مسالک السالکین، ۲: ۳۵۰ تا ۳۵۲، خزینہ، ص ۳۶۱، ۳۶۵ -

۲۵۔ شیخ جلال الدین کے صاحب زادے اور جانشین (دیکھیے خزینہ، ص ۳۹۳ -

۲۶۔ صوفی اور توحید پرست بزرگ تھے (عبدالحق، اخبار الاخبار، ص ۲۹۶ - ۲۹۹؛ غوثی مانڈوی، گلزار ابرار، ص ۲۶۶ تا ۲۶۷ -

- ۸ - قاضی عبدالغفور پانی پتی رحمہ معاشرہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمہ (م ۱۹۴۵ھ / ۱۳۶۳ھ) ۲۷
- ۹ - شیخ عبدالملک بن قاضی عبدالغفور رحمہ (دسویں صدی / سولہویں صدی عیسوی) ۲۸
- ۱۰ - قاضی محمود پانی پتی رحمہ (دسویں صدی / سولہویں صدی عیسوی) ۲۹
- ۱۱ - قاضی عبدالقادر پانی پتی رحمہ ثم اجینی رحمہ (م ۱۱۰۱ھ / ۱۷۱۰ھ) ۳۰
- ۱۲ - شیخ نظام الدین بن شیخ عثمان زندہ پیر پانی پتی رحمہ (م ۱۰۱۸ھ / ۱۶۹۹ھ) ۳۱
- ۱۳ - شاہ اعلیٰ چشتی پانی پتی رحمہ (م ۱۰۳۳ھ / ۱۶۲۳ھ) ۳۲
- ۱۴ - شاعر محمد افضل پانی پتی (ادائل گیارہویں ہجری / سترہویں صدی عیسوی) ۳۳
- ۱۵ - ملا سعد اللہ مسیحا پانی پتی (عمد جہانگیر تا اورنگ زیب عالمگیر) ۳۴
- ۱۶ - نواب لطف اللہ خان صادق بہادر تہور جنگ (وفات بعد احمد شاہ) ۳۵
- ۱۷ - نواب شاکر خاں پسر نواب لطف اللہ خان صادق (قاضی صاحب کے ہم عصر) ۳۶

۲۷ - شیخ وقت اور فقیہ عصر تھے (رکن الدین محمد عبدالقدوس: لطائف قدوسی، ص ۵۵ - ۵۶)۔

۲۸ - قاضی عبدالقادر (عدد ۱۱) کے استاد اور مشہور عالم دین (محمد اسحاق بھٹی، فقہائے ہند ۲۱۴: ۱۲۲)

۲۹ - فقیہ اور نامور عالم دین تھے۔ (ایضاً، بحمل مذکور)

۳۰ - قاضی محمود کے بیٹے اور عبدالملک (عدد ۹) کے شاگرد، بہت سے علوم میں تبحر حاصل تھا

(افکار: ابرار، ص ۴۶۱ تا ۴۶۲؛ فقہائے ہند، ۲/۳: ۱۲۴)

۳۱ - مشہور چشتی بزرگ (دیکھیے غلام سرور: خزینہ، ص ۴۵۵)

۳۲ - صاحب مراتب اعلیٰ چشتی شیخ تھے (خزینہ، ص ۴۵۹ - ۴۶۱، اللہ دیا: سیرالقطاب)

۳۳ - مشہور شاعر تھے۔ گیارہویں صدی میں بکٹ کمانی لکھی جو بہت مقبول ہوئی۔

(دیکھیے قائم چاند پوری: تذکرہ، بحوالہ شیرانی: پنجاب میں اردو، ص ۱۷۹)

۳۴ - فارسی کے قاور الکلام شاعر اور مثنوی "رام و سیتا" کے مؤلف (مظفر حسین: روز روشن،

مطبوعہ بھوپال، ۱۳۹۷ھ، ص ۲۶۸)

۳۵ - دیکھیے آثار الامراء، ۲، ص ۱۵۳

۳۶ - یہ قاضی صاحب کے ماموں اور ایک اہم تاریخی مخطوطہ "تذکرہ شاکر خان کے" کے مؤلف ہیں

دیکھیے سرکار: Fall of the Mughals، ص ۳، ماخذ)

- ۱۸۔ قاضی محمد ثنا اللہ پانی پتی رح (م ۱۲۲۵ھ / ۲۱۸۱۰) ہماری اس کتاب کے موضوع -
 ۱۹۔ قاری عبدالرحمن : محدث پانی پتی رح (م ۱۳۱۴ھ / ۲۱۸۹۶) ۳۷
 ۲۰۔ مولانا رابع اللہ پانی پتی رح (م ۱۳۲۰ھ / ۲۱۹۰۲)
 ۲۱۔ خواجہ الطاف حسین حالی (م ۱۳۳۳ھ / ۲۱۹۱۴) ۳۸

سیاسی پس منظر

عام سیاسی تاریخ

قاضی ثنا اللہ پانی پتی کا عہد (نواح ۳-۱۱۴۱ھ / ۲-۱۷۳۰) تا ۱۲۲۵ھ / ۲۱۸۱۰ تقریباً ۸۰-۸۳ سالوں پر محیط ہے، ہندوستان کی تاریخ کا یہ زمانہ سخت افراتفری اور کشمکش کا زمانہ تھا۔ قاضی صاحب نے جب ہوش کی آنکھیں کھولیں تو ہندوستان پر محمد شاہ رنگیلے کی حکومت تھی اور جب مدت عمر پوری کر کے انتقال کیا تو اس وقت پنجاب اور بعض ساحلی علاقوں کے سوا تمام ہندوستان پر انگریزی راج شروع ہو چکا تھا۔ انھوں نے جس سیاسی اہتری کی حالت میں زندگی بسر کی، اس کا اندازہ وصیت نامے کی حسب ذیل عبارت سے کیا جاسکتا ہے۔
 لکھتے ہیں :

”فیر پر تفصیر کہ جس نے زیادہ تر عمر زمانہ فاسد میں گزاری۔“ ۳۹

عہد محمد شاہی (۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۹ - ۱۱۶۱ھ / ۱۷۴۸) تک مغلیہ سلطنت میں جو زوال و انحطاط آچکا تھا، درحقیقت اس کا آغاز سلطان عالمگیر کی وفات (۱۱۱۹ھ / ۱۷۰۷) سے ہو چکا تھا۔ سلطان عالمگیر کے پہلے جانشین بہادر شاہ اول (۱۱۱۹ھ / ۱۷۰۷ - ۱۱۲۴ھ / ۱۷۱۲) سے اس انحطاط کی ابتدا ہوئی، غلام حسین طباطبائی اہل کی نسبت لکھتا ہے :

۳۷ دیکھیے قاری عبد العظیم انصاری، تذکرہ رحمانیہ، مطبوعہ پانی پتی ۱۳۵۷ھ / ۱۹۳۸

۳۸ مشہور شاعر اور تذکرہ نویس (اردو دائرہ معارف اسلامیہ)

۳۹ دیکھیے کلمات طیبات، مطبوعہ مجتہبی دہلی، ص ۱۵۵

” اس کے زمانے سے اعلیٰ خطاب اور مقتدر عہدوں کی تقسیم جدا بتدال کو پہنچ گئی اور مستحق اور غیر مستحق میں کوئی امتیاز نہ رہا۔۔۔ عہدے اور خطاب اپنا اثر و اعتبار کھو بیٹھے۔“

اس کے بعد ہندوستان کی مغلیہ سلطنت کے حالات ابتر سے ابتر ہوتے گئے، یہاں تک کہ ۱۸۵۷ء میں اس کا خاتمہ ہو گیا۔

محمد شاہ (روشن اختر) کے عہد حکومت میں قاضی صاحب کی ولادت ہوئی۔ مجموعی طور پر محمد شاہ اچھا آدمی تھا، مگر اسے کسی معاملے میں دخل اندازی کی اجازت نہ تھی۔ اس کے عہد میں حکومت کی رہی سہی سا کھ بھی جاتی رہی، خانی خان اس کے متعلق لکھتا ہے:

”خاندان تیموریہ کا عمل دخل انتظامی امور میں ختم ہو گیا تھا اور سید برادران اور رتن چند (ہندو) کے انتظامی اور ملکی امور پر تسلط کے باعث کہ جو ہارہم والوں اور سبزی فروشوں کے سوا، کسی کو درخور اعتنا نہیں سمجھتے تھے، ہر قوم کا چھوٹا بڑا شخص ان سے متنفر ہو گیا تھا۔“

پھر بہت جلد ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ دہلی کی مرکزیت کو سخت نقصان پہنچا۔ سکھوں، مرہٹوں اور جاٹوں کے حملوں اور لوٹ مار کے واقعات میں تیزی آگئی، دوسری طرف امرائے دربار خود اپنے جھگڑوں میں مبتلا ہو گئے۔

انہی حالات میں ایرانی حکمران نادر شاہ درانی نے ہندوستان پر حملہ کیا اور دہلی کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ یہ حادثہ (۱۱۵۲ھ / ۱۷۳۹ء) میں رونما ہوا۔ اس کے فوجیوں کے ہاتھوں قتل ہونے والے نہتے شہریوں کی تعداد ایک لاکھ تک بیان کی جاتی ہے، کسی روز گلیوں اور

۱۷۰ سیر المتاخرین، مطبوعہ نو لکھنؤ، ۲: ۳۸۱ و بعد

۱۷۱ خانی خاں، ۲: ۹۰۲ و بعد

۱۷۲ دیکھیے واقعات دارالحکومت دہلی، آگرہ، ۱۳۳ھ، ۱: ۶۲۵-۶۲۶، ممدی بن محمد نصیر

استرآبادی: تاریخ تہانکشا سے نادری، مطبوعہ بمبئی، ۱۳۰۹، ص ۳۵۸۔

سرہکوں کی صفائی میں لگ گئے۔

اس سے کچھ مدت بعد شمال کی طرف سے ایک اور حملہ ہوا، جس کی قیادت احمد شاہ ابدالی (م ۱۱۸۶ھ / ۱۷۷۲ء) کر رہا تھا۔ اس میں مدافعتاً جنگ لڑتے ہوئے پہلے وزیر قمر الدین سینے میں گولی لگنے سے چل بسا (۱۱۶۱ھ / ۱۷۷۷ء)، پھر یہ خبر سن کر محمد شاہ بھی بتاریخ ۲۷ ربیع الاول ۱۱۶۱ھ / ۸ - ۲۱۷۷ء کو راہی ملک بجا ہوا،^{۳۳} بعد ازاں سلطنت ہند کا ایک اور رکن ۴ جمادی الاول ۱۱۶۱ھ کو یعنی نواب آصف جاہ بھی موت کی آغوش میں چلا گیا۔ اس طرح ایک ہی سال میں یکے بعد دیگرے تینوں اعیان سلطنت وفات پا گئے۔

تاریخ کے اس دور کے واقعات میں بعض دیگر تاریخی عناصر کا بھی بکثرت ذکر ملتا ہے جن میں حسب ذیل واقعات بہت نمایاں ہیں۔

مرہٹہ گردی

مرہٹے قاضی صاحب کے عہد کی تاریخ کا سب سے نمایاں اور خوف ناک ترین عنصر رہے ہیں۔ مرہٹہ اقوام بنیادی طور پر علاقہ ہمارا شتر (راجستان) کی رعایا تھیں۔^{۳۴} جنہیں ایک نظام شاہی جرنیل ملک عنبر (م ۱۰۳۵ھ / ۱۶۲۵ء) نے کسان سے سپاہی بنا دیا تھا،^{۳۵} اور جنہیں بعد ازاں اورنگ زیب عالمگیر کی شمالی ہندوستان کی مہمات سے چھاپہ مار جنگ کی تربیت حاصل ہو گئی تھی۔ اس طوائف الملوک کے زمانے میں مرہٹے تاریخ ہند کا ایک حصہ بن کر ابھرے۔

اورنگ زیب عالمگیر کی وفات (۱۱۱۸ھ / ۱۷۰۷ء) نے ان کے لیے آسانیاں پیدا کر دیں۔ اس کے جانشین بہادر شاہ (م ۱۱۲۴ھ / ۱۷۱۲ء) نے جیسے ہی "ساہو" کو رہا کیا اس نے

^{۳۳} مفتاح التواریخ، ۳۲۶: سیر المتاخرین، جلد سوم

^{۳۴} مقالہ محی الدین اورنگ زیب، در اردو دائرہ معارف اسلامیہ، بذیل بارہ

^{۳۵} Cambridge History of India: Sir Haig

اپنے علاقے میں پہنچ کر بہت جلد اپنی سابقہ قوت بحال کر لی۔ فرخ سیر کے عہد حکومت میں امیر الامراء سید حسین علی خاں نے، جنھیں مرہٹوں کی سرکوبی کے لیے مامور کیا گیا تھا، نہ صرف ان سے مصالحت کر کے پپائی اختیار کر لی، بلکہ انھیں دکن کے صوبوں (خاندیس، برار، اورنگ آباد، حیدر آباد اور بیجاپور) سے چوتھہ حاصل کرنے کی اجازت بھی دے ڈالی۔ امیر الامراء کا یہ اقدام مغلیہ حکومت کے لیے سخت نقصان دہ ثابت ہوا۔^{۲۶۶}

نواب نظام الملک آصف جاہ نے تو وقتی طور پر "ریاست حیدر آباد دکن" اور نواحی علاقوں کو ان کی دستبرد سے بچائے رکھا، لیکن دوسرے صوبوں میں حالات ذرا مختلف تھے۔ چنانچہ گجرات میں جب صوبے دار سر بلند خان فاتح کنبیاج کو معزول کر کے اس کی جگہ "ابھی جنگ" کو تعینات کیا گیا، تو مرہٹوں نے ایک حشر برپا کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس موقع پر نواب آصف جاہ نے انھیں "تسخیر بند" کی ترغیب دلائی تھی۔ ان کی سرکوبی کے لیے خود بادشاہ نے رجب ۱۱۴۵ھ / ۱۷۳۲ء کو جونا عبور کیا، مگر پھر یہ مہم مصمام الدولہ مظفر خاں کے سپرد کر دی۔ لیکن ان کو قابو کرنا اب اس کے بس کا روگ نہ تھا۔^{۲۶۷}

مرہٹے بہت خود سر ہو گئے تھے اور خود بادشاہ کے عزل و انتخاب میں ان کا عمل دخل تھا۔ اگر احمد شاہ ابدالی دو مرتبہ انھیں شکست دے کر ان کا قتل عام نہ کرتا (پہلی مرتبہ بمقام باؤلی ۱۱۷۳ھ / ۱۷۶۰ء، دوسری بار پانی پت ۱۱۷۴ھ / ۱۷۶۱ء) تو عین ممکن تھا کہ وہ مغلوں کی اس برائے نام سلطنت کا قصہ ہی ختم کر ڈالتے اور پایہ تخت دہلی میں اپنا شاہی سلسلہ قائم کر لیتے۔ پانی پت کی لڑائی کے بعد مرہٹوں نے پھر سر اٹھایا اور لوگوں کو بہت پریشان کیا۔ ان کی خوں آشامی کا مسلمان ہی نہیں بلکہ ہندوستان کے تمام لوگ بلا تفریق مذہب و ملت شکار تھے۔

چنانچہ اس عہد کی تمام تحریروں میں ان کے ظلم و ستم اور ان کی خوفناکی و دہشت کا

^{۲۶۶} مصمام الدولہ، آثار الامراء: ۳۲۰ (ذکر سید حسین علی خان)، اردو ترجمہ۔

^{۲۶۷} تفصیل کے لیے دیکھیے طباطبائی، سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۴۶۱ تا ۴۶۷۔

حال ملتا ہے، اس سلسلے میں علما اور مشائخ کی تحریرات بھی اس عمد کی بہت اچھی طرح تصویر پیش کرتی ہیں۔

حضرت مظہر کے قاضی صاحب کے نام مکاتیب میں بھی بکثرت مرہٹہ گردی کا ذکر آتا ہے، چنانچہ ان خطوط میں وہ تمام تشویش، بے اطمینانی اور خوف و ہراس کی کیفیت پوری طرح نمایاں ہے جو اس زمانے کے لوگوں کو اپنے اور اپنے اہل و عیال کے متعلق درپیش تھی۔ مثلاً

”چونکہ حدود گنگا پار میں مرہٹوں کے متوقع حملے کی بنا پر بہت تشویش ہے... اس لیے میں پانی پت جلنے کا ارادہ رکھتا ہوں“ ۱۴۸

”اُس ہنگامے اور آشوب کے زمانے میں یہاں سے حرکت کرنا مناسب نہیں ہے۔ اس (دہلی کی) طرف مرہٹوں کی آمد کی خبر زباں زد عوام ہے“ ۱۴۹

اسی طرح ایک مکتوب میں جو قیاساً ۱۱۸۶ھ/۱۷۷۲ء کے زمانے میں لکھا گیا، جب مرہٹہ فوجیں دہلی پر قابض ہو گئی تھیں، حضرت مظہر لکھتے ہیں:

”اس علاقے پر مرہٹوں کے قبضے، قوم روہیلہ کے فرار اور قصابات و دیہات کے تاراج ہونے کے متعلق اور کیا لکھوں“ ۱۵۰

حضرت مظہر کی طرح قاضی صاحب کے خطوط میں بھی مرہٹہ گردی سے تاثر بہت نمایاں ہے، مثلاً:

شاہجہاں آباد (دہلی) کا راستہ پر خطر ہے۔ ۱۵۱

تقریباً دس سال سے حکومت پر مرہٹوں کا تسلط ہے۔ گو دنیوی طور پر زیادہ تکلیف

۱۴۸ مکاتیب حضرت مظہر دریافت شدہ از مکان قاضی صاحب، مرتبہ عبدالرزاق قریشی، مطبوعہ بمبئی (۱۹۶۶ء) ص ۲۶، ۲۷، ۳۲ -

۱۴۹ ایضاً، ص ۲۸، ۳۵

۱۵۰ مرزا مظہر جان جاناں کے خطوط، مرتبہ و مترجمہ انجم، ص ۲۶، ۵ -

۱۵۱ لوائح خانقاہ مظہریہ، مرتبہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ، حیدرآباد، ۱۹۷۲ء، ص ۲۳۸، ۲۴۲ -

نہیں ہے۔ مگر رسوم کفر کا غلبہ اور اہل اسلام کی مغلوبیت درویشوں کو بہت کبیدہ خاطر رکھتی ہے۔" ۵۲

اسی بنا پر قاضی صاحب نے بالخصوص اپنی تفسیر میں "جہاد" پر بڑا زور دیا ہے، کیونکہ مسلمانوں کی مغلوبیت اور پستی کا ایک ہی علاج تھا وہ یہ کہ مسلمان صحیح جذبے سے فریضہ جہاد ادا کریں۔" ۵۳

سکھ گردی

قاضی صاحب کے عہد کی سیاست کا ایک اور اہم عنصر پنجاب کے سکھ تھے، جنہیں دسویں گرو گوبند سنگھ (م ۱۰۷۲ھ / ۱۶۶۱ء - ۱۱۹۶ھ / ۱۷۰۸ء) اور بندہ بیراگی (م ۱۱۲۹ھ / ۱۷۱۷ء) نے فوجی و عسکری تربیت دے کر میدان سیاست میں لاکھڑا کیا تھا۔ سکھوں کے دسویں گرو گوبند سنگھ کی پراسرار موت نے، جسے مغل حکومت کی جانب منسوب کیا گیا ہے، بندہ بیراگی کے لیے سکھوں کی تنظیم سازی آسان کر دی۔ ان کی تاریخ میں پہلی نمود سر ہند پر خوف ناک حملے (۱۱۲۱ھ / ۱۷۰۹ - ۱۷۱۰ء) کی صورت میں ہوئی۔ ۵۴ مرکز حکومت کی کمزوری کے باعث بندہ بیراگی کئی سال تک ادھر ادھر لوٹ مار کرتا رہا، مگر بالآخر عبدالصمد تورانی گورنر صوبہ لاہور نے اسے گرفتار کر کے فرخ سیر کے حکم سے مع اس کے ہزاروں ساتھیوں کے قتل کر دیا۔ ۵۵ (۱۱۲۵ھ / ۱۷۱۳ء)

بندہ بیراگی کے قتل سے وقتی طور پر سکھوں کی اس تحریک کو روکنے میں مدد ملی، مگر ۱۷۳۹ء کے حملہ نادری سے جو مرکزی حکومت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا تھا، اس

۵۲ ایضاً، ص ۲۳۹، م ۱۷۵۔

۵۳ تفسیر منظری، ۱: ۲۵۷ تا ۲۵۹، مطبوعہ دہلی، بار دوم، "فصل فی الجہاد،

۵۴ خانی خان: منتخب اللباب، بذیل سنہ ۱۱۲۱ھ۔

۵۵ ایضاً، خانی خان، بذیل سنہ ۱۱۲۵ھ: History of Sikhs, Cunningham باب اول و دوم۔

نے سکھوں کو دوبارہ منظم ہونے کا موقع فراہم کر دیا۔ چنانچہ ۱۷۴۰ء میں سکھوں کے دو جتھے یعنی زیریں ستلجی (Cis-satlage) جو دریا سے ستلج کے شمال میں پٹیالہ اور کرنال میں آباد سکھوں کا جتھہ تھا، اور بالائی ستلجی (Trans-satlage) یعنی دریا سے ستلج کے شمال مغرب میں لدھیانہ اور لاہور کے مابین آباد سکھوں کا گروہ الگ الگ منظم ہو رہے تھے۔ تاہم حصول اقتدار میں اول الذکر کو موخر الذکر کی نسبت جلد کامیابی حاصل ہو گئی۔ ۱۷۵۷ء کی پٹیالہ پر ان کا راج قائم ہو گیا تھا۔ اس جتھے نے جو جاٹوں کی ہمراہی میں اور دارانات شاہ کی زیر قیادت تھا۔ ۱۱۵۱ھ/۱۷۴۰ء میں پھر سرہند پر حملہ کیا، مگر عظیم الشان مغل سپہ سالار کے ہاتھوں منہ کی کھائی۔ ۱۷۵۸ء

پھلکیاں مسل کے ایک سردار آلا سنگھ (م ۱۱۵۸ھ/۱۷۴۵ء) جس نے ازیں قبل سرہند کے نواحی علاقوں پر قبضہ کر کے "ریاست پٹیالہ" قائم کر لی تھی، ۱۷۵۹ء کے جانشین امر سنگھ کو احمد شاہ ابدالی نے ہماراجہ کا لقب اور ریاست پٹیالہ کا قانونی وارث، اور سرہند کا قلعہ دار تسلیم کر لیا۔ چنانچہ انبالہ تک کا تمام علاقہ اس کے ماتحت آ گیا۔ پھلکیاں ہی کے ایک اور سردار گچیت سنگھ (م ۱۷۸۶ء) نے "جیند" کی ریاست قائم کر لی تھی، جس کا مرکز شہر پانی پت سے صرف ۲۲ میل کے فاصلے پر تھا۔ اسی سردار نے کچھ عرصے تک کرنال پر بھی قبضہ برقرار رکھا تھا۔ اسی مسل کے بعض دوسرے سرداروں مثلاً بھائی دیسو سنگھ (م ۱۱۹۴ھ/۱۷۸۰ء) نے ۱۷۶۶ء میں کیتھل میں اور مٹھ سنگھ

۱۷۶۷ء دیکھیے: all of the Moghal Emp: ۳، ۴: ۲۲۱-۲۲۲

۱۷۶۸ء ایضاً، بحال مذکور

۱۷۶۹ء ایضاً، ص ۲۲۲، بحوالہ چہار گلزار، قلمی، ورق ۳۷۳-۱

۱۷۷۰ء ایضاً، ص ۲۲۲ -

۱۷۷۱ء دیکھیے لدھیانہ ڈسٹرکٹ گزیٹیئر: ص ۲۴ تا ۲۷ -

۱۷۷۲ء Fall of the Mughal Empire: ۳، ۴: ۱۵۳-۱۵۴

(م ۱۱۹۴ھ / ۱۷۸۰ء) نے ۱۷۶۴ء میں تھانیسر میں اپنی اپنی ریاستیں قائم کر لی تھیں۔ اس علاقے کی ایک اور "آہلووالیہ" مسل سے تعلق رکھنے والے دو سکھ سرداروں یعنی گردت سنگھ اور صاحب سنگھ (م ۱۷۸۶ء) نے "اروا" میں اپنی ریاست قائم کر لی تھی۔ انہی دونوں سرداروں نے پانی پت کے بھی کچھ گاؤں قبضے میں کر لیے تھے۔ القصد اسی طرح کی ریاستیں کپور تھلہ اور تاجپور میں بھی قائم کر لی گئیں تھیں۔ ۶۲

ادھر بالائی ستلج کے سکھوں کو لاہور کے طاقتور گورنر زکریا خاں (م ۱۱۵۸ھ / ۱۷۴۵ء) نے تو اُبھرنے کا موقع نہ دیا، البتہ معین الملک کے دورِ اقتدار (۱۱۶۱ھ / ۱۷۴۸ء - ۱۱۶۷ھ / ۱۷۵۳ء) بالخصوص احمد شاہ ابدالی کے تیسرے حملے (۱۱۶۵ھ / ۱۷۵۱ء - ۲) کے بعد انھوں نے طاقت پکڑنا شروع کر دی معین الملک کی بیوی مغلانی بیگم کا دورِ اقتدار اور اس کے بعد پیدا ہونے والی کشمکش ان کے لیے سنہری موقع ثابت ہوئے۔ چنانچہ اسی دور میں یہاں کے سکھوں نے منظم لوٹ مار کا آغاز کیا۔ اب ان کی ترک تازیاں بعض ہمسایہ ریاستوں کے لیے بھی درد سر بن گئیں۔ جیسا کہ بالائی ستلج کے منجا سنگھ کے متعلق بتایا جاتا ہے، اس نے دریا سے جمنا کو عبور کر کے زیریں ستلج کے علاقے پر بھی لوٹ مار شروع کر دی تھی۔ یہ سلسلہ دہلی سے سہارن پور اور لدھیانہ تک پھیلا ہوا تھا۔

سکھ اقتدار کے تیسرے مرحلے پر جو بقول سرکار ۱۷۹۳ء سے شروع ہوتا ہے، ۶۳
بالائی ستلج کے سکھوں میں باہمی نظم و نسق پیدا ہوا اور اس علاقے میں مہا سنگھ کی قیادت میں "سکرچکیاں" مسل نے طاقت پکڑنا شروع کی اور جلد ہی کسی علاقوں پر اپنی حکومت قائم کر لی۔ رہی سہی کسر اس کے بیٹے راہہ رنجیت سنگھ (م ۱۲۵۵ھ / ۱۷۸۳ء) نے پوری کر دی۔ جس نے پنجاب اور نواحی علاقوں پر قبضہ کر کے اپنا اقتدار مستحکم کر لیا۔ اسی خاندان سے انگریزوں نے ۱۸۴۵ء میں خونریز جنگوں کے بعد پنجاب کی حکومت چھینی۔ ۶۴

۶۲ Fall of the Moghal Empire ۳: ۱۵۳-۱۵۴

۶۳ ایضاً، ۱: ۲۲۱

۶۴ مفتاح التواریخ، ص ۳۹۷-۲۰۱

سکھ تحریک کو بنیادی طور پر ایک مذہبی تحریک تھی، لیکن اسے بہت جلد سیاسی رنگ دے دیا گیا تھا، جس کے نتیجے میں ان کا مسلمانوں کے ساتھ تصادم ناگزیر ہو گیا تھا، اور یہ صورت حال سخت پریشان کن تھی۔

پانی پت تو خاص طور پر سکھ حملوں کی زد میں تھا، چنانچہ حضرت منظر کے (بنام قاضی صاحب) خطوط میں اس علاقے بالخصوص خاندان قاضی صاحب کے لیے تشویش کا عنصر بڑا نمایاں نظر آتا ہے۔ مثلاً،

کافر سکھوں کی شورش اور قلعہ (غالباً پانی پت) سے ان کی متوقع جنگ کی بنا پر فقیر اور تمھاری والدہ قدر سے پریشان ہیں ۶۵

”پانی پت میں ہمیشہ سکھوں کا فساد بپا رہتا ہے ۶۶

”اہل شہر کافر سکھوں کے متوقع حملے سے سخت پریشان ہیں۔ خدا تعالیٰ کافروں کو

ذلیل اور مسلمانوں کو غالب کرے۔“ ۶۷

”کچھ تو کافر سکھوں کے حملے کا خطرہ ہے اور کچھ کافر سٹوں کا ہنگامہ۔ گمان غالب

ہے کہ اس سال رمضان المبارک تنہا ہی گزرے گا۔“ ۶۸

”میرا پانی پت جانے کا ارادہ ہے، اگرچہ اس موقع پر بھی سکھوں کے حملے کا خطرہ

سننے میں آ رہا ہے۔“ ۶۹

بہر حال سکھوں نے نہایت خطرناک صورت حال پیدا کر دی تھی اور پنجاب کے مسلمان

ان سے خاص طور سے پریشان تھے۔ پانی پت کے علاقے پر یہ لوگ ظلم ڈھا رہے تھے۔

۶۵ مکاتیب (مرتبہ قریشی)، ص ۱۳۱، م ۹۱ -

۶۶ ایضاً، ص ۲۶، م ۳۴، ص ۲۸، م ۳۵ -

۶۷ ایضاً، ص ۱۰، م ۸، ص ۱۵، م ۱۱ -

۶۸ ایضاً، ص ۲۵، م ۳۳ -

۶۹ ایضاً، ص ۲۶، م ۳۳ -

جاٹ گردی

قاضی صاحب کے عہد کی سیاسی تاریخ میں بھرت پور کے "جاٹ" بھی نمایاں نظر آتے ہیں۔ ان لوگوں نے بھی مغلیہ سلطنت کے دورِ زوال میں پرپر زسے نکالے، مگر ان کی یہ تحریک اٹھارھویں صدی کے اواخر میں مکمل طور پر کچل دی گئی۔

چورامن جاٹ نے جو محمد شاہ کے عہد میں مرا اورنگ زیب عالمگیر کے آخری دورِ حکمرانی میں لوٹ مار کا پیشہ اختیار کیا تھا، جو اس کے جانشینوں کے زمانے میں مزید تیز ہو گیا۔ اس نے بھرت پور (چودہ میل از اکبر آباد) میں ایک مضبوط قلعہ بنوایا اور تمام دولت یہاں اکٹھی کرنا شروع کر دی۔ اس کی موت کے بعد اس کے بیٹے برن سنگھ اور اس کے عہدِ سربراہی میں سورج مل جاٹ (م ۱۷۷۷ء / ۱۱۷۳ھ / ۱۷۷۳ء) نے جاٹ قوم کو پہلے سے زیادہ

منتظم کیا اور حملوں میں زیادہ باقاعدگی پیدا کی۔ مؤخر الذکر نے احمد شاہ - عالمگیر دوم اور شاہ عالم کے زمانے کی افزائش سے خوب فائدہ اٹھایا اور مختلف سیاسی گروہ بندیوں میں شامل رہ کر اپنی قوت میں خاطر خواہ اضافہ کر لیا۔ ۱۱۷۳ھ / ۱۷۵۹ء میں اس نے مرہٹوں سے ساز باز کر کے دہلی کو لوٹ لیا۔ اس طرح اس نے اپنی دولت بڑھانے کا سلسلہ برابر جاری رکھا۔ یہ اپنی دولت بھرت پور کے علاوہ ڈیک نامی قلعے میں بھی رکھتا تھا۔ چنانچہ اس کے عزائم خطرناک دیکھ کر نواب نجیب الدولہ نے اس کو ۱۱۷۷ھ / ۱۷۶۳ء میں قتل کر دیا۔ اس پر اس کے بیٹے جوہر سنگھ نے عماد الملک اور مرہٹہ فوج کی مدد سے چار مہینوں تک دہلی کا محاصرہ کیے رکھا۔ اہل شہر نے ابدالی سے مدد طلب کی، اور اس کی آمد کا سن کر انھوں نے محاصرہ اٹھا کر راہ فرار اختیار کر لی۔ مگر ابدالی نے ۱۱۸۱ھ / ۱۷۶۶ء میں اپنے حملہ ہند کے موقع پر ان کو شکست دی اور انھیں منتشر کر دیا۔ تاہم ان کا مکمل قلع قمع نواب نجف خاں کے ہاتھوں ۱۷۷۳ء - ۱۷۷۴ء اور ۱۷۷۵ء - ۱۷۷۶ء کی مہمات کے دوران ہوا۔

۱۷۷۵ء دیکھیے بشیر الدین، واقعات دارالحکومت دہلی، ۱: ۲۶۱، سید مفتاح التواریخ، ص ۳۴۵ -

۱۷۷۵ء دیکھیے بشیر الدین، واقعات دارالحکومت دہلی، ۱: ۲۶۱، سید مفتاح التواریخ، ص ۳۴۵ -

۱۷۷۵ء دیکھیے بشیر الدین، واقعات دارالحکومت دہلی، ۱: ۲۶۱، سید مفتاح التواریخ، ص ۳۴۵ -

بہر کیف جاٹ قوم کے لوگ بھی لوٹ مار اور قتل و غارت گری میں کسی طرح مرہٹوں اور سکھوں سے پیچھے نہ تھے۔ پھر چوں کہ ان کے بیشتر قلعے دہلی کے قرب و جوار میں تھے، اس بنا پر یہ لوگ باسانی دہلی کی معاشرت اور امن و سکون پر اثر انداز ہو سکتے تھے، چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بعض امرا و سلاطین کے نام جو ایک مفصل اور طویل خط لکھا تھا، اس میں اس گروہ کی چیرہ دستیوں کا بھی ذکر تھا، حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں:

”دوسری قوم کافر جٹوں کی ہے، جن کا مسکن دہلی اور اکبر آباد کے درمیان

ہے، اور چورامن جو اس قوم کا سردار تھا۔۔۔۔۔ دوبارہ محمد شاہ کے زمانے میں سرکشی پر اتر آیا۔ اسی عہد میں ان کی سرکشی حد سے بڑھی۔ پھر سورج مل، جو چورامن کا چچا زاد بھائی ہے، اپنی قوم کا سردار بن گیا اور فساد کا راستہ اختیار کر لیا۔ چنانچہ بیانہ شہر پر جو قدیم زمانے سے مسلمانوں کا شہر چلا آتا ہے، اس نے جبراً غاصبانہ قبضہ کر لیا۔ اور تمام مسلمانوں کو وہاں سے نکال دیا۔ اسی طرح صفدر جنگ، سورج مل کے ساتھ مل گیا اور دونوں متفق ہو کر دہلی پر حملہ آور ہوئے اور تمام اہل شہر کو لوٹا۔ الغرض اس نے دہلی کے دو گروہ لے کر اکبر آباد تک طولا اور حدود میوات سے لے کر شکوہ آباد تک عرضاً قبضہ جمالیا، اب حالت یہ ہے کہ وہاں کسی کی جرأت نہیں کہ وہ اذان اور نماز کا اہتمام کرے۔ خلاصہ

یہ کہ مسلمانوں کی جماعت قابلِ رحم ہے۔

اگرچہ شہر پانی پت پر جاٹ حملے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، مگر چونکہ صدر السلطنت دہلی براہ راست ان کے حملوں کی زد میں تھی، اسی لیے دہلی سے ربط و تعلق کی بنا پر قاضی صاحب پر بھی ان کے حملوں کا اثر یقینی طور پر پڑتا رہا۔

روہیلہ گروی

اگرچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور حضرت مظہر شہید نے ہندوستان میں مسلم تہذیب

کے دیکھیے نظامی، شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، ص ۱۰، ۲

کو تباہی سے بچانے کے لیے جن دو طاقتوں پر اعتماد کیا تھا، ان میں سے ایک احمد شاہ ابدالی اور دوسرے "روہیلے" تھے، اور یہ بھی صحیح ہے کہ روہیلوں کو اسلام اور بزرگانِ اسلام سے سچی محبت تھی۔ چنانچہ حضرت مظہرؒ کے یہاں بکثرت ان کی آمد و رفت اور سلسلہٴ بیعت تھا، اور یہ لوگ قاضی صاحبؒ سے بھی عقیدت رکھتے تھے، اور یہ بھی درست ہے کہ اس قوم میں نواب نجیب الدولہ اور حافظ رحمت خان جیسے اولوالعزم مجاہد پیدا ہوئے، مگر دوسری طرف یہی روہیلے لوٹ مار اور قتل و غارت گری میں بھی بُری طرح بدنام تھے۔ اس بنا پر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے جب نواب نجیب الدولہ کی جرأت و شجاعت کی وجہ سے اسے رئیس المجاہدین کے عنوان سے عزتِ خطاب بخشی تو یہ جملہ بھی لکھا:

"باقی جب شاہی فوجیں دہلی پر قابض ہو جائیں تو اس بات کا مکمل اہتمام کیا

جائے کہ مثل سابق کوئی شخص ظلم سے پامال نہ ہو۔" ۱۷۷

دراصل روہیلوں کی حالت نادان دوستوں کی سی تھی جو دوستی کے رنگ میں بھی ایک گونہ عداوت مضمحل رکھتے ہیں، اسی بنا پر حضرت مظہرؒ بھی ان سے نالاں تھے کیونکہ ان کی دست درازیوں سے دہلی اور پانی پت دونوں ہی محفوظ نہ تھے، چنانچہ حضرت مظہرؒ کے خطوط میں ان کے متعلق بکثرت شکایات ملتی ہیں، مثلاً قاضی صاحب کو لکھتے ہیں:

"صاحبِ من روہیلے آدمی نہیں ہیں۔ گو وہ حضرت آدم ہی کی اولاد ہیں

اور میرا مزاج جیسا کہ آپ کو معلوم ہے قطعاً کسی کی رعایت نہیں کرتا۔" ۱۷۸

حضرت مظہرؒ کے مطابق یہ لوگ بالکل اعتماد کے لائق نہ تھے، دوستی کے رنگ میں

۱۷۷ افغانستان میں ایک وسیع سلسلہٴ کوہ "روہ" کے نام سے معروف ہے، جس کے شمال میں کوہِ کاشغر، جنوب میں بھکر اور بلوچستان، مشرق میں کشمیر اور مغرب میں دریائے ہمند ہے۔ یہاں کے باشندے روہیلہ کہلاتے ہیں۔ (الطاف بریلوی، جیٹا حافظ رحمت خاں، ص ۴۲)

۱۷۸ شاہ ولی اللہ کے خطوط (نظامی)، ص ۲۱، م ۶، ص ۲۲، م ۷

۱۷۹ مکتیب (قریشی)، ص ۱۵۶، م ۱۰۳

بھی دشمنی کر جاتے تھے، ایک مرتبہ حضرت منظر کی اہلیہ "مردم محل" کی کچھ مزروعہ زمین کو فصل پکنے کے قریب موسم میں راہ چلتے چلتے پامال کر دیا:

"اچانک روہیلہ فوج نے اس علاقے پر حملہ کر دیا، جس کی بنا پر نہ خریف ہوئی اور نہ ربیع" ۱۷۷

روہیلوں کو اگر ایک طرف یہ اعزاز حاصل ہے کہ ان کے ایک رئیس نواب نجیب الدولہ نے مرہٹوں کی سرکوبی میں نمایاں خدمات انجام دیں تو دوسری جانب ان پر یہ الزام بھی ہے کہ ان کے بعض اخلاف مثلاً نواب ضابطہ خان اور غلام قادر روہیلہ وغیرہ نے سکھوں، جاٹوں اور مرہٹوں سے ساز باز کر کے سلطنتِ دہلی کی مشکلات میں اضافہ کیا۔ غلام قادر روہیلہ کا شاہ عالم کی آنکھیں نکالنے کا واقعہ تو اس قوم کی تاریخ کا انتہائی تاریک باب ہے۔ اسی بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اس قوم سے جو توقعات وابستہ کی تھیں وہ پوری نہ ہو سکیں۔

انگریز راج

قاضی محمد ثناء اللہ کے زمانے کا ایک نہایت اہم واقعہ انگریزی حکومت کا برصغیر پاک و ہند میں قیام ہے۔ اس منزل تک پہنچنے کے لیے انگریزوں کو طویل جدوجہد کرنا پڑی۔ ۱۷۹۸ء میں جب واسکوڈی گاما نے ہندوستان کے لیے یورپ سے سفر کا آسان بحری راستہ تلاش کیا تو ہندوستان میں یورپین اقوام کی آمد و رفت شروع ہوئی، سیاسی اعتبار سے چونکہ یورپ میں یہ زمانہ بیداری کا تھا، اسی بنا پر اس دریافت کے ذریعے یورپین اقوام کو برصغیر پر اپنا قبضہ مستحکم کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ ۱۷۹۶ء/۱۵۱۰ میں پرتگالیوں نے ریاست بیجاپور کے ایک جزیرے "گوا" پر زبردستی قبضہ کر لیا۔ ۱۷۷۷ مگر بہت جلد

۱۷۷۷ مسکاتیب (قریشی)، ص ۱۵۶، م ۱۰۳

۱۷۷۷ آکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا، ص ۳۳۱ تا ۳۳۲

فرانسیسی اور برطانوی بحری بیڑوں نے پرتگالیوں کو اس علاقے کی سیاست اور تجارت سے دست بردار ہونے پر مجبور کر دیا اور خود اپنی تجارتی کمپنیاں قائم کر کے دور رس منصوبہ بندی کے ذریعے اس علاقے پر بالادستی قائم کرنے کی کوششوں کا آغاز کر دیا،^{۱۷۷} مگر ان میں برطانیہ کے انگریز زیادہ کامیاب ثابت ہوئے۔

اورنگ زیب عالمگیر کے عہد حکومت میں انگریزوں کی سرگرمیاں تیز ہو گئی تھیں، یہ لوگ بظاہر ایسٹ انڈیا کمپنی کے پرمٹ پر تجارت کرتے تھے، مگر فی الواقع اقتدار پر قبضہ کرنے کے ارادے رکھتے تھے۔ ان کے بنگال کے مغل گورنر شائستہ خاں سے ہنگلی، مٹیابرج، کلکتہ اور بالاسور وغیرہ کے مقامات پر متعدد معرکے ہوئے، مگر چونکہ مغلوں کی بحریہ بے حد کمزور واقع ہوئی تھی، اس بنا پر یہ لوگ ہر تادیبی کارروائی سے محفوظ رہے۔ اپنی طاقت و بحریہ کے بل بوتے پر یہ لوگ حاجیوں کے قافلوں کو لوٹ لیتے تھے۔ اس کے علاوہ جوڑ توڑ کے بھی ماہر تھے، اسی بنا پر اورنگ زیب عالمگیر کی وفات تک کلکتہ، مدراس، بمبئی اور سورت میں متعدد تجارتی کوٹھیوں کے نام سے قلعے تعمیر کر چکے تھے جس میں ہر قسم کا آتشیں اسلحہ رکھا جاتا تھا۔^{۱۷۸}

مغلیہ حکومت کے دور طوائف الملوک میں انھوں نے اور بھی اپنی قوت میں اضافہ کر لیا۔ علاوہ ازیں سیاسی جوڑ توڑ میں مہارت کی بنیاد پر آہستہ آہستہ اپنے مقبوضات میں اضافہ کرنا شروع کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ جب ۱۱۲۹ھ / ۱۷۱۶ء میں بادشاہ فرخ سیر بیمار ہوا تو اس کا علاج ایک انگریز ڈاکٹر ہملٹن گیرل نے کیا تھا، جس کی خواہش پر بادشاہ نے کمپنی کا محصول معاف کر دیا۔

بعد ازاں انھوں نے "لٹاؤ اور حکومت کرو" کی پالیسی پر عمل کرتے پہلے نواب سراج الدولہ کو (۱۷۵۷ء میں) پلاسی کے میدان میں اور پھر نواب شجاع الدولہ اور شاہ عالم

^{۱۷۷} دیکھیے ہولانا حسین احمد، نقش حیات، ج ۱

^{۱۷۸} دیکھیے: ہاشمی فرید آبادی، تاریخ مسلمانان پاکستان و ہند، جلد اول دوم۔

کی متحدہ فوج کو ۱۱۷۸ھ / ۱۷۶۲ء میں بکسر کے مقام پر شکست دے کر ہندوستان میں اپنے قدم مضبوطی سے جمالیے اور بادشاہ کو اپنا باجگذار بنا کر تمام بنگال کی دیوانی کے حقوق دولاکھ روپے میں حاصل کر لیے۔ تاہم سلطان میسور فتح علی ٹیپو کے خلاف کامیابی حاصل کرنے میں اٹھیں خاصی جدوجہد کرنا پڑی۔ مگر بالآخر ۲۸ ذوالقعدہ ۱۲۱۳ھ / ۱۷۹۹ء کو سلطان ٹیپو کی آخری پناہ گاہ سرنگاپٹم بھی فتح ہو گئی اور شیر میسور قتل کر دیا گیا اس سے انگریزوں کے حوصلے اور بڑھ گئے، اب ویسے بھی ہندوستان میں ان کے مقابلے کی کوئی طاقت باقی نہ رہی تھی، چنانچہ لارڈ لیک نے ۱۸۰۳ء میں دہلی اور ۱۸۰۵ء میں دوآبہ کا تمام علاقہ (بشمول پانی پت) اپنی تحویل میں لے لیا اور اس طرح ہندوستان کے دورِ غلامی کا آغاز ہوا۔

قاضی صاحب کا سیاسی شعور

قاضی صاحب اپنے عہد کے حالات و واقعات پر گہری نظر رکھتے تھے، آخر کیوں نہ ہو، آپ نے دو عظیم القدر اساتذہ یعنی شاہ ولی اللہ اور حضرت منظرؒ سے تربیت پائی تھی۔ چنانچہ آپ کے مکتوبات سے اس عنوان پر نہایت اعلیٰ نوعیت کی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ ہم ذیل میں قاضی صاحب کا ایک خط نقل کر رہے ہیں جو قیاساً ۱۲۱۶ھ / ۱۷۹۶ء کا تحریر کردہ ہے، اس خط میں سیاسی حالات کا بنظر عمیق تجزیہ کیا گیا ہے۔ لکھتے ہیں:

”فقیر اپنے اہل و عیال سمیت بخیر و عافیت ہے، لیکن کفار کے غلبے سے

سخت پریشان ہے۔ عہد سابق میں کافی عرصے سے ہندوستان میں اسلام کمزور چلا آتا ہے۔ کافی دیر رافضیوں کی وکالت (مراد نجف خاں کی وزارت ہے) اور کافر سکھوں کے حملے کی تشویش رہی۔ تقریباً دس سال سے مرہٹوں

کاسلٹ ہے۔ گودنیوی اعتبار سے چنداں تکلیف نہیں ہے، مگر رسوم کفریہ کے غلبے اور اہل اسلام کی مغلوبیت درویشوں کو پریشان خاطر رکھتی ہے۔ بادشاہ اسلام اور مسلمانوں کے لشکر جہاد اور اعلاے کلمۃ اللہ کی توفیق نہیں رکھتے۔ مسلمانوں کے درمیان آپس میں پھوٹ پڑی ہوئی ہے۔ عہد سابق میں چند مرتبہ احمد شاہ درانی، خدا سے اپنی رحمت میں آسودہ کرے، ہندوستان آیا اور مسلمانوں کے ضعف میں مزید اضافے کا باعث بنا اور کوئی بندوبست نہ ہو سکا۔ مسلمانوں کے سردار اس سے برہم ہو گئے اور ملک (صوبہ) لاہور اور سرہند سکھوں کے قبضے میں چلے گئے۔ انھوں نے بزرگوں کے مزارات کو شہید کر دیا اور سخت فتنہ بپا کیا اور ان کا کوئی تدارک نہ ہو سکا۔ اب سننے میں آرہا ہے کہ شاہ امان (اللہ) جہاد کے ارادے سے اس جانب آرہا ہے۔ خدا کرے مسلمان مغلوب نہ ہوں اور کفار کا فتنہ جڑ سے اکھڑ جائے اور اسلام اور مسلمانوں کا غلبہ رونما ہو۔^{۱۷۵}

اخلاقی تنزل و انحطاط

قاضی صاحب کے زمانے میں برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کو سیاسی تنزل ہی کا نہیں، اخلاقی پستی کا بھی وسیع پیمانے پر سامنا تھا۔ اسی بنا پر قاضی صاحب اور اس عہد کے دیگر مصلحین نے معاشرے کی اخلاقی حالت سدھارنے پر بھی توجہ مبذول کی۔ وصیت نامے میں اس تنزل و انحطاط کا ذکر وہ یوں فرماتے ہیں:

”چونکہ زمانہ ہر قسم کے فتنہ و فساد سے بھرا ہوا ہے۔۔۔ فقیر پر تقصیر کہ جس نے زیادہ تر عمر زمانہ ”فساد میں گزاری۔“^{۱۷۶}

اخلاقی تنزل کی تفصیلات اس دور کی کتب تاریخ میں موجود ہیں۔

^{۱۷۵} دیکھیے لوائح خانقاہ مظہریہ۔ (غلام مصطفیٰ خاں)، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۱۷۵

^{۱۷۶} وصیت نامہ درکلمات طیبات، ص ۱۵۳۔

رشوت ستانی

اس دور کے ہمہ گیر اخلاقی و ذہنی بگاڑ کا نتیجہ رشوت ستانی اور اسی قسم کی دیگر معاشرتی اور سماجی برائیوں کی صورت میں ظاہر ہوا، اور اس نے حکومت کے نظم و نسق پر بڑا بُرا اثر ڈالا۔ عام افسران اور عمال حکومت تو اپنی جگہ، خود عمائد سلطنت بھی بُری طرح اس لعنت میں گرفتار تھے، چنانچہ مشہور مؤرخ خانی خاں نے سید عبداللہ پر دیگر امور کے ساتھ "اخذ رشوت" کا الزام بھی عائد کیا ہے۔^{۱۳۵} امرا اور حکومت کی جانب سے طرح طرح کے بہانوں سے عوام الناس کو لوٹنے اور مال ہتھیانے کا لامتناہی سلسلہ چل نکلا تھا، اس کی تفصیل مختلف کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔ اطراف اور دولت کا بے جا استعمال بھی سرکاری گھرانوں میں عام تھا۔

ضعیف الاعتقادی

عملی اور اخلاقی بگاڑ پر ذہنی اور اعتقادی زولیدگی مستزاد تھی۔ ایمان کے یقین راسخ کی جگہ ضعیف الاعتقادی اور توہم پرستی پوری طرح معاشرے کے تمام طبقات پر چھا چکی تھی۔ ایرانی، ہندوی اور دیگر مقامی اثرات کے تحت اہل اسلام نے بے شمار بدعات اپنائی تھیں۔ قبر پرستی اور عرس منانے کی رسوم، جس کے خلاف قاضی صاحب نے ارشاد الطالبین میں بہت کچھ لکھا ہے،^{۱۳۶} بہت زیادہ مقبول تھیں۔^{۱۳۷} ان کو فرائض کی طرح بجالایا جاتا تھا جب کہ فرائض سے غفلت برتی جاتی۔

^{۱۳۵} منتخب اللباب ۲، ۹۴۱، (۱۱۳۴ ص)

^{۱۳۶} دیکھیے ارشاد الطالبین، مقام دوم، نیز حصہ سوم، باب تصوف

^{۱۳۷} دہلی اور اس کے اطراف میں متعدد عرس بڑی دھوم دھام سے منائے جاتے تھے،

تفصیل کے لیے دیکھیے مرقع دہلی، ص ۲۰ قدم مبارک، ص ۱۱۲ عرس خلد منزل، ص ۳۳

(ذکر یازدہم میرن)

خود حکمرانوں کی حالت بھی اس سے مختلف نہ تھی، چنانچہ ایک وقائع نویس خوشحال چند نے لکھا ہے کہ ”جہاندار شاہ اور اس کی محبوبہ لعل کنور حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی“ کی باؤلی میں اس خیال کے تحت برہنہ نہایا کرتے تھے کیونکہ اس طرح زریعہ اولاد ہونے کی امید جاتی تھی، اسی ضعیف الاعتقادی نے ایک مغل حکمراں یعنی عالمگیر دوم کی جان لے لی۔“

تصوف کی غلط اور مہمل تشریحات

تصوف، جو لوگوں کی تعلیم و تربیت کا نہایت مربوط و مستحکم سلسلے کا نظام تھا، اس دور میں بعض جاہل اور ان پڑھ سجادہ نشینوں کے ہاتھوں اپنی حیثیت کھو رہا تھا۔ اول تو یہ ادارے براے نام تھے، جو تھے بھی، ان میں بھی باستثنائے چند، تصوف کے نام پر جو کچھ بتایا جاتا تھا اسے تصوف سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا، چنانچہ ان کا شکار ہونے والے لوگ دین اور دنیا دونوں سے ہاتھ دھو بیٹھتے تھے۔ بعض لوگ شریعت و طریقت کو دو مختلف طریقہ ہائے دین سمجھتے تھے، اس طرح کے خیالات کے پھیلنے سے رہی سہی کسر بھی پوری ہو رہی تھی۔

حضرت مجدد الف ثانی کی تحریک احیائے دین کی باقیات صالحات

عین ان حالات میں جب کہ مسلمانوں پر بری طرح زوال و انحطاط کے اثرات ظاہر ہونے لگے تھے۔ قلب ہند دہلی سے اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور اس کے احیاء کی طاقت و آواز ابھری، اور ایک دینی و فکری تحریک کا آغاز ہوا۔ یہ تحریک نئی نہ تھی، اس کی ابتدا حضرت مجدد الف ثانیؒ (۱۵۶۴ء - ۱۶۲۷ء) عہد اکبری و عالمگیری میں کر چکے تھے۔

۱۹۶ : ۱ بحوالہ خوشحال

۸۶ دیکھیے Later Mughals: irvine

چند : نادر الزمانی (قلمی)۔

۸۷ واقعات دارالحکومت دہلی، ۱ : ۶۶۰ - ۶۶۱

حضرت مجددؒ کو، جنھیں شاہ ولی اللہ کے لقبول "ارباب" کا درجہ حاصل تھا، ہندوستان میں عجمیت اور بھگتی تحریک کے خلاف نبرد آزما ہونا پڑا تھا۔ حضرت مجددؒ کے بعد ان کی یہ تحریک ان کے خلفا کے ذریعے جاری رہی تھی، قاضی صاحب دو ذریعوں سے اس تحریک کے وارث ہوتے تھے،

ایک حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے ذریعے سے، دوسرے حضرت منظر جانانا دہلوی شہیدؒ کی وساطت سے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

شاہ صاحبؒ قاضی صاحب کے استاد و مربی ہیں، اگرچہ شاہ صاحبؒ کے والد بزرگوار شاہ عبدالرحیمؒ (۱۶۴۴-۱۷۱۸ء) نے بھی اچھے اسلام اور رد بدعات کی تحریک میں حصہ لیا تھا، لیکن شاہ صاحبؒ نے اپنے مخصوص انداز فکر اور وسیع علم و حکمت کی بنیاد پر بلاشبہ اس تحریک کو نئی شکل دی۔ شاہ صاحبؒ نے پہلے تو بالغ نظری سے حالات و رفتارِ زمانہ کی نبض پر ہاتھ رکھ کر مرض کی تشخیص کی، پھر تقریر و تحریر کے ذریعے اپنی عظیم الشان اصلاحی تحریک کا آغاز کر دیا۔

ان کے خیال میں امت مسلمہ کی زبوں حالی کا سب سے بڑا سبب عوام الناس کی منابع شریعت (قرآن حدیث) سے دوری اور بے علمی اور تصوف کی غلط اور گمراہ کن توضیح و تشریح تھا، اسی بنا پر انھوں نے اپنی تحریک میں ان امور کا خاص طور پر خیال رکھا۔ عوام الناس کی قرآن حکیم تک رسائی کی خاطر اس کا فارسی ترجمہ (فتح الرحمن) مرتب کیا، جس کے مقدمہ الموسومہ بہ "الفوز الکبیر" میں مہات اصول تفسیر پر نہایت محققانہ بحث کی گئی ہے۔ انھوں نے نصاب درس میں کتب عشرہ متداولہ کی تدریس کا طریقہ اختیار فرمایا۔ اس ضمن میں امام مالک کی کتاب الموطا ان کی توجہ کا مرکز بنی۔ انھوں نے

۵۵ شاہ صاحب نے اس کی شرح المسواہی من احادیث الموطا، مطبوعہ مکہ مکرمہ، مکتبہ سلفیہ ۱۳۵۱ھ بدو جزو لکھی۔ اس کا فارسی متن المصطفیٰ کے عنوان سے مرتب کیا۔

صدیوں کے جمود و تعطل کو توڑا اور اجتہاد کو ہر دور میں فرض کفایہ قرار دیا۔^{۵۹}
تصوف و طریقت کا میدان بھی شاہ صاحب کی توجہ کا مرکز رہا۔ انھوں نے تصوف کے
راستے سے پھیلانی گئی غلط فہمیوں کا قلع قمع کیا۔ انھوں نے ابن عربی اور حضرت مجدد الف
ثانیؒ کے متضاد افکار وحدت میں تطبیق پیدا کرنے کی کوشش کی اور تمام معاشرتی برائیوں
کے خلاف آواز بلند کی۔ قاضی صاحب کو شاہ صاحب کی شاگری کا اس دور میں شرف
حاصل ہوا، جب شاہ صاحب سفر حج (۱۱۴۳-۱۱۴۵ھ) سے واپس آ کر نئے جوش اور
دولے سے اپنے اصلاحی کام کا آغاز کر چکے تھے، اسی بنا پر قاضی صاحب پر اس تحریک
کا تاثر بڑا نمایاں تھا۔

حضرت منظر جانِ جانان شہیدؒ

حضرت منظر جانِ جانان، قاضی صاحب کے پیرومرشد اور استاد و مربی دونوں
حیثیتوں سے قابل ذکر ہیں، قاضی صاحب کی زندگی پر "منظری" اثرات کی چھاپ بہت
گہری ہے۔ یوں بھی حضرت منظرؒ اپنے عہد کی ممتاز اور جاذب توجہ شخصیت کے
مالک تھے۔ خود شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ان کے علوم مرتبت کی گواہی دیتے تھے۔ حضرت
منظرؒ حضرت مجدد الف ثانی کے باصلاحیت اور فعال اخلاف میں بڑی قد آور شخصیت کے
مالک ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تحریک تجدید کو ان کی ذات سے بہت فائدہ پہنچا۔
شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی تحریک اصلاح کا غالب حصہ تقریر و تحریر اور
علمائے ظاہر کی تیاری پر مشتمل تھا، جب کہ حضرت منظرؒ نے تحریک اصلاح کا اس سے مشکل
اور دیر پا طریقہ منتخب کیا جو تصوف کی تعلیم و تربیت کے ذریعے صوفیا اور علما کی ایک ایسی

^{۵۹} اجتہاد در ہر عصر فرض بالکفایہ است (مقدمہ شرح المصنفی، ۱: ۱۳)

^{۶۰} ہاشمی فرید آبادی، تاریخ، ۲: ۱۲۳-۱۲۴

^{۶۱} کلمات طبیات، مکتوبات شاہ صاحب، عدد ۲، ص ۱۵۸-۱۵۹

جماعت تیار کرنے پر مبنی ہے۔ جس نے حضرت مجدد کی اصلاحی تحریک کو علمی اور تربیتی رنگ میں پورے عالم اسلام بالخصوص ایشیا کے بیشتر ممالک (پاکستان ہندوستان، بنگلہ دیش، افغانستان، ترکی اور بعض افریقی ممالک) میں پھیلا یا۔ چنانچہ آج ان ممالک میں مجددی سلسلہ حضرت مظہرؒ کے توسط سے ہی "حیات نو" کا درجہ رکھتا ہے۔

انہوں نے یہ عملی تحریک برپا کرنے کے علاوہ اپنی تعلیمات (شاعری اور مکتوبات) کے ذریعے بھی لوگوں میں اصلاحی جذبہ پیدا کیا۔ حضرت مجددؒ کی طرح ان کے مکتوبات بھی تصوف اور سلسلہ مجددی کے سلسلے میں گراں قدر معلومات سے معمور ہیں۔

قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی اور تحریک مجددی

قاضی صاحب نے انہی دونوں ذریعوں سے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی برپا کردہ تحریک اصلاح اور اچیلے اسلام سے تعارف حاصل کیا اور پھر اس تحریک میں شامل ہو کر اس کے لیے اپنی تمام ذہنی اور فکری صلاحیتیں وقف کر دیں۔ اسی بنا پر ہم قاضی صاحب کو اسی تحریک کا ایک اہم درجے کا قائد کہہ سکتے ہیں۔

قاضی صاحبؒ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ ان کی ذات میں ولی اللہی اور مظہری دونوں سلسلے ایک ساتھ جمع ہیں۔ سلسلہ ولی اللہ سے تعلق کی بنا پر ان کو علم حدیث اور علم فقہ و اصول فقہ نیز فقہ دین میں کمال حاصل ہوا، دوسری طرف حضرت مظہر سے ربط و تعلق سے ان کی ذہنی و فکری صلاحیتوں کو جلا ملی اور انہوں نے تصوف و سلوک میں اعلیٰ درجے کی مہارت حاصل کی۔ اس بنا پر ان کی ذات مجمع البحرین کی سی حیثیت رکھتی ہے۔ اس دو طرفہ تعلق نے ان کی ذات میں حد درجہ تبحر پیدا کیا۔ تبحر علمی کے علاوہ ان دو نابغہ روزگار شخصیتوں سے کسب فیض کی بنا پر ان کی طبیعت میں خود اعتمادی کا عنصر بہت نمایاں ہے۔ وہ اپنی تصنیفات میں صرف قال و قیل تک خود کو محدود نہیں رکھتے بلکہ "قلت" تک بھی پہنچتے ہیں۔ اس ذہنی وصف یعنی خود اعتمادی کی بدولت ان میں اجتہاد کی شان پیدا ہوئی، جو ان کی تصانیف میں ہر جگہ نمایاں ہے۔ اس کی تفصیل آئندہ صفحات میں

اپنے مقام پر بیان ہوگی۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ جس قسم کا اجتہاد لوگوں کے سامنے لانا چاہتے تھے، اور خود اس کی عملی زیادہ مثالیں پیش نہ کر پائے تھے، قاضی صاحب نے شاہ صاحب کے اس خواب کو شرمندہ تعبیر کیا اور نہایت وسعت کے ساتھ اجتہاد کی عملی مثالیں پیش کر کے صدیوں کے جمود اور تعطل کو توڑا۔ اور اس طرح یہ خیال بھی بے محل ٹھہرا کہ ہندوستان میں اجتہاد نہیں کیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ قاضی صاحب نے صدیوں کے اس داغ کو پوری طرح دھونے کی کوشش کی ہے، مگر افسوس کہ یہ سلسلہ آگے نہ چل سکا۔

قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی کے اجداد

تاریخ کی یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ بعض اکابر ملت بیک وقت معروف بھی ہوتے ہیں اور غیر معروف بھی۔ معروف اس لحاظ سے کہ سیرت و تذکرہ کی قریب قریب ہر کتاب میں ان کا تذکرہ موجود ہوتا ہے، اور غیر معروف اس جہت سے کہ ان کے بارے میں ضروری اور اہم باتیں بھی لوگوں کو معلوم نہیں ہوتیں۔

قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی (م ۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۰ء) بھی، جو چالیس کے قریب کتابوں کے مصنف، عربی فارسی کے ایک نامور قلم کار، تفسیر منظرہ جیسی عدیم المثال تفسیر کے مرتب ہیں، تاریخ کی اس ستم ظریفی کا شکار ہوئے ہیں۔ یوں تو ایک طرف ان کا تذکرہ ملکی سطح کی ہی نہیں، بلکہ بین الاقوامی سطح کی کتابوں مثلاً بروکلیمان C.A. Brockelmann کی تاریخ آداب اللغة العربیہ^۱، G.A.L، یوسف البان سرکیس کی معجم المطبوعات العربیہ^۲، عمر رضا کحالیہ کی معجم المؤلفین^۳، اور اسماعیل پاشا البغدادی کی ایضاح المکتون^۴ جیسی کتابوں میں موجود ہے، مگر دوسری طرف سیرت و تذکرہ کی یہ سینکڑوں کتابیں ہیں ان کی ذات اور شخصیت کے بارے میں ایسی بنیادی اور ضروری باتیں بتانے سے قاصر ہیں، جن میں قاضی صاحب کے اجداد کا مسئلہ سرفہرست ہے۔

۱ دیکھیے مکملہ Supplement ۲: ۸۴۹

۲ مطبوعہ قاہرہ، ۲۱۹۲۸، ۲۱۹۳۱، ۲: ۲۱۹۴۵

۳ مطبوعہ دمشق، ۱۳۷۹ھ / ۲۱۹۶۰، ۹: ۱۴۴

۴ مطبوعہ استنبول، ۱۳۶۴ھ / ۲۱۹۴۵، ۱: ۳۱

سیر و تذکرہ کی کتابوں میں قاضی صاحب کے بارے میں یہ تو بتایا جاتا ہے کہ وہ
نسباً عثمانی اور مخدوم شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء کے اخلاف میں سے تھے، مگر اس سے
آگے جو نکات ان کی شخصیت کی بابت پیمائی کے لیے ضروری ہیں، ان کتابوں میں ان کا
کوئی ذکر نہیں ملتا۔ انتہایہ کہ عربی، فارسی، اردو اور انگریزی زبانوں کی کتب تذکرہ میں
ان کے والد کا نام تک مذکور نہیں ہے۔ حالانکہ ان کے سوانح نگاروں کی طویل فہرست
میں شاہ غلام علی دہلوی صاحب مقامات مظہری، نواب صدیق حسن خاں قنوجی صاحب
اتحاف النبلاء، مولانا عبدالحی لکھنوی صاحب نزہۃ الخواطر، شیخ محمد یحییٰ ترمذی صاحب
الیانع الجینی من مسانید عبد الغنی، مفتی غلام سرور قادری صاحب خزینۃ الاصفیاء،
مولوی رحمان علی صاحب تذکرہ علمائے ہند اور مولوی فقیر محمد جہلمی صاحب حدائق المنقبہ
جیسے ارباب علم شامل ہیں۔

اس تاریخی سہو میں، میرے خیال کے مطابق ان اکابر امت کا ہرگز قصور نہیں ہے،
کیونکہ ان تمام سوانح نگاروں نے اپنے وسائل کے مطابق خوب تحقیق اور تدقیق سے کام
لیا ہے، مگر شومی قسمت سے اس موضوع پر معلومات ہی دستیاب نہیں ہیں۔
اس سلسلے میں راقم الحروف نے "تاریخ" کا یہ جو گم شدہ ورق تلاش کیا ہے، اس
کی کچھ تفصیلات حسب ذیل ہیں:

نسب نامہ جدی

قاضی صاحب کے جدی نسب نامے کو ابتداً دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:-

۵ مطبوعہ دہلی، ص ۵، بعد ۱۱۲ ص ۶۸۹۔

۶ مطبوعہ حیدرآباد دکن، ص ۱۱۲، بعد ۱۱۲۔

۷ مطبوعہ دیوبند پر حاشیہ کشف الاستار۔

۸ مطبوعہ نو لکشور، لکھنؤ، ص ۶۸۹۔

۹ طبع و ترجمہ محمد ایوب قادری کراچی، ص ۱۲۲ - ۱۱۲ ص ۶۶۵۔

(الف) حضرت جلال الدین کبیر الاولیاء سے حضرت عثمان غنی تک -
 (ب) حضرت قاضی محمد ثنا اللہ پانی پتی سے حضرت جلال الدین کبیر الاولیاء عثمانی تک -
 قاضی صاحب کے جدی نسب نامے کا وہ حصہ جو حضرت جلال الدین کبیر الاولیاء عثمانی سے
 حضرت عثمان غنی تک کا ہے کافی حد تک مشہور ہے اور متعدد کتابوں، مثلاً الہدیا عثمانی کی
 سیر الاقطاب^{۱۲}، عبدالستار بیگ کی مسالک السالکین^{۱۳}، عطا حسین کی کنز الانساب^{۱۴}
 اور مولانا محمد میاں کی "پانی پت اور بزرگان پانی پت"^{۱۵} وغیرہ میں تفصیل مذکور ہے، یہ
 سلسلہ نسب کچھ اس طرح ہے :

مخدوم شیخ جلال الدین (۱) بن خواجہ محمود (۲) بن خواجہ یعقوب (۳) بن خواجہ عیسیٰ
 (۴) بن خواجہ اسماعیل (۵) بن خواجہ محمد (۶) بن خواجہ عبداللہ المعروف بابن ابی بکر (۷) بن
 خواجہ غلی (۸) بن خواجہ عثمان (۹) بن خواجہ عبداللہ ثالث (۱۰) بن خواجہ عبدالرحمان الکاذرونی
 (۱۱) بن خواجہ عبدالعزیز سرخسی (۱۲) بن خواجہ خالد (۱۳) بن خواجہ ولید (۱۴) بن خواجہ عبدالعزیز
 (۱۵) بن خواجہ عبدالرحمان اکبر (۱۶) بن خواجہ عبداللہ ثانی (کذا؛ ثانی) (۱۷) بن خواجہ عبدالعزیز
 (۱۸) بن خواجہ عبداللہ کبیر (۱۹) بن خواجہ عمر (کذا؛ عمرو) (۲۰) بن امیر المؤمنین جامع القرآن سیدنا
 عثمان بن عفان (۲۱) بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس -

مخدوم شیخ جلال الدین^{۱۶} اور ہندوستان کے خاندان عثمانی کے اس سلسلہ نسب میں
 چند امور تحقیق طلب ہیں :

خواجہ عمر یا خواجہ عمرو

اس "سلسلہ نسب" میں بانی و مؤسس خاندان حضرت عثمان کے جس صاحبزادے

^{۱۲} تصنیف ۱۰۳۶ تا ۱۰۵۵ھ، مطبوعہ نولکشور، ص ۲۳۲، ذکر شاہ اعلیٰ پانی پتی -

^{۱۳} ۲: ۳۵، ذکر جلال الدین کبیر الاولیاء -

^{۱۴} دیکھیے ۲: ۵
^{۱۵} مطبوعہ پانی پت، ص ۲۰۰، ۲۰۳

کو "جد اعلیٰ" قرار دیا گیا ہے، ان کا نام عمر تھا یا عمرو، یہ مسئلہ تحقیق طلب ہے۔ اس نکتے کی مزید تفصیل یہ ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ کے نو بیٹے پیدا ہوئے، جن کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:-

۱۔ عبد اللہ اکبر: ان کی والدہ جگر گوشہؓ رسولؐ حضرت رقیہؓ تھیں، مشہور روایت کے مطابق

عبد اللہ کا انتقال چھ برس کی عمر میں ہوا۔^{۱۶}

۲۔ عبد اللہ الاصغر: ان کی والدہ فاطمہ بنتِ غزوان تھیں، وہ بھی لا ولد فوت ہوئے۔^{۱۷}

۳۔ عمرو: ان کی والدہ ام عمر بنتِ جندب الازدیہ تھیں۔^{۱۸}

۴۔ ابان

۵۔ خالد

۶۔ عمر

۷۔ سعید: ان کی والدہ فاطمہ بنتِ عیینہ تھیں۔^{۱۹}

۸۔ الولید: ان کی والدہ بھی مقدم الذکر تھیں۔

۹۔ عبد الملک: بچپن میں وفات پا گئے۔ ان کی والدہ ام البنین بنتِ عیینہ تھیں۔^{۲۰}

تمام مطبوعہ نسب ناموں (مثلاً سیر الاقطاب، سیر السالکین، پانی پت و بزرگان پانی پت وغیرہ) میں قاضی صاحب کے مورث اعلیٰ کا نام "خواجہ عمر" (عین پر پیش کے ساتھ) ہی لکھا ہے، جو کہ راقم الحروف کے خیال میں درست نہیں۔ دراصل یہ ایک کتابت کی غلطی تھی، جو آگے سے آگے ممتد رہی۔ کیونکہ عمر بن عثمان لا ولد فوت ہوئے۔ ان کے بارے میں مشہور نسب دان القلقشنندی لکھتے ہیں:

(ان عمرو و خالد لا عقب لهما^{۲۱} عمر اور خالد کا سلسلہ آگے نہیں چلا۔

^{۱۶} ابن حزم: جمہرة انساب العرب، ص ۸۳ حوالہ سابق

^{۱۷} حوالہ سابق ^{۱۸} حوالہ سابق ^{۱۹} حوالہ سابق

^{۲۰} نہایۃ الارب فی انساب العرب، ص ۱۴۶

جب کہ ابن حزم نے انھیں لا ولد تو نہیں کہا، مگر ان کی اولاد کی جو تفصیل دی ہے، وہ مذکور "سلسلہ نسب" سے مطابقت نہیں رکھتی۔۔۔ علامہ ابن حزم کے مطابق عمر بن عثمان کے ہاں دو بیٹے پیدا ہوئے۔^{۲۲}

زید بن عمر: جن کا نکاح مشہور خاتون حضرت سکینہ بنت حسینؓ کے ساتھ ہوا، مگر وہ اپنے دونوں صاحب زادوں کے ساتھ ایک جنگ میں کام آگئے اور یوں ان کی نسل منقطع ہو گئی۔
(۲) عاصم: عاصم بن عمر کے دو بیٹے تھے، جو صاحب اولاد تو تھے، مگر خود حضرت عاصم اور ان کے اخلاف میں سے کسی کا نام بھی "شجرہ نسب" کے ناموں کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔

اس کے برعکس عمرو بن عثمان کے فرزندوں میں عبداللہ (عدد ۱۹) نام کا بیٹا ملتا ہے اور سلسلہ نسب آگے چلتا ہوا نظر آتا ہے۔ چنانچہ قلمی "شجرہ ہائے نسب" سے جو مخدوم شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء کے اخلاف میں محفوظ چلے آتے ہیں، اسی خیال کی تائید ہوتی ہے، ان میں مورث اعلیٰ کا نام عمر کے بجائے عمرو ہی مرقوم ہے۔

یہ خواجہ عمرو (عین کی زبر کے ساتھ) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نہایت نامور فرزند تھے۔ انہی کے نام پر حضرت عثمان نے اپنی کنیت ابو عمرو تجویز فرمائی تھی۔ انھوں نے متعدد صحابہ کبار رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے۔ ابن سعد نے ان کو تابعین کے طبقہ "اولیٰ امیں اور العجلی نے کبار تابعین میں شمار کیا ہے۔ ان کا نکاح رملہ بنت معاویہ سے ہوا۔^{۲۳} ان کا دوسرا نکاح حفصہ بنت عبداللہ بن عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ہوا، جن سے خاندان عثمانی کے دوسرے جد اعلیٰ عبداللہ بن عمرو بن عثمان، المعروف بـطرف پیدا ہوئے، جو نہایت حسین و جمیل اور وجیہہ شخص تھے۔ اس طرح دوسری کڑی پر پہنچ کر اس خاندان کے خون میں فاروقی خون کی آمیزش ہو گئی۔^{۲۴}

^{۲۲} جمہرة انساب العرب، ص ۸۳ تا ۸۵

^{۲۳} ابن حجر العسقلانی: تہذیب التہذیب، ۸: ۷۹

^{۲۴} ایضاً، حوالہ جات مذکورہ

سلسلہ عثمانی کے بزرگوں کا ہندوستان میں ورود

دوسرا تحقیق طلب معاملہ یہ ہے کہ مدینہ منورہ جیسے بابرکت مقام سے یہ شاخ ہندوستان جیسے دور افتادہ ملک میں کیسے پہنچی؟

شجرہ ہائے نسب کے مطالعے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ پہلے شخص، جنہوں نے مدینہ منورہ کی سکونت ترک کی، عبدالرحمان کبیر (عدد ۱۶) تھے۔ حکیم الہ دیا عثمانی سیر الاقطاب میں لکھتے ہیں:

”عبدالرحمان کبیر جو مدینہ سے ہجرت کر کے کاذرون آئے“^{۲۵}

گویا ہندوستان کی طرف ہجرت کر کے مرحلہ اول کے طور پر خاندان کے ایک جد امجد عبدالرحمان نے ایران کے مشہور شہر کاذرون^{۲۶} میں سکونت اختیار کر لی۔ مگر کتب تاریخ میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں ملتا کہ وہ کون سے ناخوشگوار حالات تھے جن کی بدولت خاندان عثمان کے اس معزز فرد کو جو اہل رسول^{۲۷} چھوڑ کر فارس کے ایک دور دراز شہر کاذرون میں پناہ لینا پڑی۔

تاہم اگر ان حالات پر نگاہ رکھی جائے جن کی بدولت ۱۳۲ھ / ۷۴۹ء میں بنو عباس خاندان بنو امیہ (۴۰-۱۳۲ھ) سے تخت حکومت چھین کر، نہ صرف کرسی اقتدار پر متمکن ہو گئے، بلکہ انہوں نے بنو امیہ کے بچے کچھے افراد کے لیے جان و مال اور سب سے بڑھ کر عزت و ناموس کے تحفظ کا مسئلہ پیدا کر دیا تھا، تو اس ہجرت کے اسباب و عوامل کو باسانی سمجھا جاسکتا ہے۔

۲۳۳، سیر الاقطاب، ۲۳۳

۲۶ کاذرون: یہ ایران کے صوبہ فارس کا مشہور تاریخی شہر ہے جو شیراز سے ۴۵ میل بجانب مغرب، سمندر اور شیراز کے مابین تقریباً تین ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ یہ شہر شروع سے گنجان آباد اور مردم خیز رہا ہے، اور اپنے عمدہ باغات اور قالین بافی کی صنعت کی وجہ سے ہمیشہ مشہور رہا ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۱۷: ۱۴)

بنو عباس کے حکمران اول ابو العباس السفاح (۱۳۲ - ۱۳۶ھ) نے اس حد تک اپنے مخالفین (بنو امیہ) کا خون بہایا کہ اس کا نام ہی السفاح (خون ریزی کرنے والا) پڑ گیا۔ اس کی موت (م ۱۳۶ھ) کے بعد ابو جعفر المنصور (۱۳۶ - ۱۵۸ھ) نے تادیر اس مذموم سلسلے کو جاری رکھا۔ داروگیر کے اس سلسلے میں گومروان بن الحکم اور ابوسفیان کی اولاد کا نام سرفہرست تھا، مگر بنو عثمان بھی "امویت" کے جرم میں سزا و جفا سے نہ بچ سکے۔ چنانچہ حضرت عثمان کے پڑپوتے (عبداللہ بن عمر کے برخوردار) محمد المعروف بالدیباچ کی نسبت ابن حزم وغیرہ نے صراحت کی ہے کہ انھیں دوسرے عباسی خلیفہ ابو جعفر المنصور نے "جرم امویت" قتل کر دیا تھا۔ اسی طرح خاندان عثمانی کے ایک اور معزز شخص اور وزیر بحث سلسلے کے ایک ہورث اعلیٰ عبدالعزیز بن عبداللہ بن عمرو کو بھی اسی "جرم" میں ان کے ایک بیٹے اور دو بیٹیوں سمیت ہلاک کر دیا گیا تھا۔ ان حالات میں اگر ان کے پوتے عبدالرحمان اکبر نے جو ارسول کو چھوڑ کر فارس کے دور دراز شہر کاذرون میں سکونت اختیار کر لی تو اسے حق بجانب قرار دیا جاسکتا ہے۔

ہمارے خیال میں عبدالرحمن اکبر کا زمانہ دوسری صدی ہجری کا آخری حصہ ہے۔ کیونکہ ان کے دادا کو ابو جعفر المنصور (۱۳۶ھ / ۷۵۴ - ۱۵۸ھ / ۷۷۵) نے قتل کر دیا تھا، اس واقعے سے ان کی ہجرت کا یہی زمانہ قیاس ہوتا ہے۔

قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاندان کاذرون میں بھی زیادہ عرصے تک نہ ٹھہر سکا، کیونکہ شجرہ نسب کے ایک جد رکن عبدالعزیز السرخسی کی نسبت "السرخسی" سے متبادر ہوتا ہے کہ موصوف نے کاذرون سے ترک وطن کر کے سرخس^{۲۹} شہر میں سکونت اختیار کر لی تھی جب کہ ان کے صاحب زادے (نسب نامہ، عدد ۱۱) کاذرون میں ہی مقیم رہے۔

۲۷ ابن حزم: جمہرة انساب العرب، ص ۸۴

۲۸ ایضاً، بحمل مذکور

۲۹ سرخس کا شہر مشہد اور مرو کے درمیان اس جگہ واقع ہے جہاں ایران اور روس کی موجودہ سرحد مشرق سے جنوب کی طرف مڑتی ہے۔ یہ شہر ہری روڈ کے نشیبی طاس میں واقع ہے، جو سال کے صرف ایک حصے میں جاری رہتا ہے۔ شہر سرخس اور مرو کے درمیان قراقرم کا ترکمان علاقہ ہے۔ یہ شہر بھی بڑا مردم خیز رہا ہے (اردو دائرۃ معارف اسلامیہ، ۱: ۸۱۱)۔

عبدالرحمان الکاڈرونی کی ہندوستان آمد

کاڈرون یا سرخس سے عثمانی خاندان کی یہ شاخ ہندوستان یا پانی پت کیسے پہنچی؟ اس کی بابت وثوق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ اس بارے میں قدیم مصادر سے کوئی ٹھوس شہادت دستیاب نہیں۔ خود عثمانی قدیم مؤرخ اللہ دیا عثمانی یہ کہہ کر گزر جاتا ہے :

”شیخ المشائخ مخدوم زینا، جو شیخ جلال کے جدِ کلاں تھے، اپنے جدِ کلاں کے ہمراہ کاڈروں سے آئے اور یہاں آکر باغبانی کا پیشہ اختیار کیا وہ قصبہ آندری میں مدفون ہیں“^{۲۱}

تاہم پانی پت کے عثمانی خاندان میں جو روایت مشہور ہے اور جسے سید محمد میاں نے ایک معروف پانی پتی بزرگ ”مسح اللہ پانی پتی“ کے حوالے سے اپنی کتاب (پانی پت اور بزرگانِ پانی پت) میں شامل کیا ہے، یہ ہے کہ ہندوستان اور پانی پت میں انہی عبدالرحمان الکاڈرونی کے ذریعے سے پہلے پہل یہ شاخ پہنچی، انھوں نے اسی حوالے سے لکھا ہے کہ عبدالرحمان الکاڈرونی نے سلطان محمود غزنوی (م ۴۲۱ھ / ۱۰۳۱-۳۱) کے لشکر میں بطور ایک سالار کے شریک ہو کر ہندوستان میں جہاد کرنے کا شرف حاصل کیا تھا اور سلطان محمود کی واپسی کے بعد واپس لوٹنے کے بجائے پانی پت میں سکونت اختیار کر لی تھی^{۲۲} اسی روایت کو فاضل محقق مولانا محمد تقی عثمانی نے بھی قبول کیا ہے^{۲۳} جب کہ ایک دوسری روایت کے مطابق الکاڈرونی نے سلطان محمود غزنوی کے ایما پر بغرض اشاعتِ اسلام پانی پت میں توطن اختیار کیا تھا۔^{۲۴}

راقم الحروف کے خیال میں اس ”سنی سنائی کہانی“ میں سلطان محمود غزنوی کا نام سننے

^{۲۱} سیر الاقطاب، ص ۲۱۴، ذکر مخدوم زینا۔

^{۲۲} پانی پت اور بزرگانِ پانی پت، ص ۲۰۰، ۲۰۲

^{۲۳} مقدمہ ”بائبل سے قرآن تک“، ذکر حالات مولانا رحمت اللہ کیرانوی عثمانی، ص ۱۸۰، مطبوعہ کراچی، ۱۳۸۸ھ

^{۲۴} قاری ابو محمد محی الاسلام: تعارف تفسیر منظری (قلبی)، ص ۱، حاشیہ ۲

والوں یا سنانے والوں کا تسامح ہے، کیونکہ سلطان محمود غزنوی نے آخری حملہ سومنات اور ۲۱۰۲۵/ھ میں کیا۔ اسی طرح الکاذرونی کے قیام پانی پت کا زمانہ تخمیناً ۲۱۰۲۵/ھ اور ۲۲۱/ھ کے مابین قرار پاتا ہے۔ اس وقت اس تمام علاقے میں متصب ہندوؤں کی حکومت تھی جو مسلمانوں کے ساتھ سالہا سال سے برسرِ پیکار رہنے کے باعث ان کے خلاف شدید بغض و عناد رکھتے تھے۔ ان حالات میں مرکز حکومت دہلی کے قرب و جوار میں ایک ایسے مسلم خاندان کا وجود کیونکر گوارا کیا جاسکتا تھا، جس نے سلطان محمود کے ساتھ شامل ہو کر ان کے خلاف جنگ میں شرکت کی ہو؟

اس علاقے کو سلطان قطب الدین ایبک (م ۶۰۰-۶۰۱/ھ) نے نواح ۵۸۷/ھ ۲۱۱۹۱ میں فتح کر کے اسے اپنی قلمرو شامل کیا^{۳۴} اس طرح تقریباً پونے دو صدیوں تک اس خاندان کا تن تھا پانی پت میں رہنا اور بھی زیادہ مشکل بلکہ ناممکن دکھائی دیتا ہے۔

اسی پس منظر میں راقم الحروف کا خیال ہے کہ مذکورہ بالا کہانی میں سلطان محمود غزنوی کی جگہ سلطان قطب الدین ایبک کا نام ہونا چاہیے، چونکہ دونوں سلاطین کے حکومتی علاقے قریب قریب ایک ہی جیسے تھے، اس لیے الکاذرونی کا بغرض جہاد ان کے لشکر میں شامل ہونا اور دہلی کی فتح کے بعد پانی پت میں آباد ہونا دونوں ہی درست معلوم ہوتے ہیں۔ ابتداءً تو یہ محض قیاس ہی تھا مگر محذوم شیخ جلال الدین کے بڑے صاحب زادے خواجہ عبدالقادر کی اولاد و احفاد پر مشتمل ایک "قلمی نسب نامے" سے اس قیاس کی تصدیق ہو گئی۔ اس دستاویز میں تصریح ہے کہ الکاذرونی سلطان قطب الدین ایبک کے ہمراہ وارد ہندوستان ہوئے۔^{۳۵}

^{۳۴} مقالہ - ایک، در اردو دائرۃ معارف اسلامیہ۔

^{۳۵} یہ قلمی نسب نامہ مذکورہ سلسلے کے ایک بزرگ پیر فرید محمد صابری ساکن مین بازار شاہدرہ کی ملکیت ہے۔

الکاذرونی، ہندوستانی عثمانی خاندانوں کے جد امجد

الکاذرونی مذکور کے دیگر حالات و کوالف غیر معلوم ہیں، صرف اتنا پتا چلتا ہے کہ وہ ایک مرد مجاہد اور غازی صفت شکن تھے اور فتح دہلی کے بعد وہ بغرض اشاعت اسلام پانی پت میں مقیم ہو گئے۔ تاہم ان کے بارے میں اتنا یقینی ہے کہ وہ برصغیر پاک و ہند کے جملہ عثمانی خانوادوں کے مورث اعلیٰ ہیں۔ ان میں مخدوم شیخ جلال الدین کبیر الاولیا کی اولاد کے سلسلہ اربعہ کے علاوہ دیوبند (یو۔ پی) کا وہ خاندان بھی شامل ہے جس میں حضرت شیخ المند مولانا محمود حسن، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانی اور مفتی محمد شفیع صاحب جیسے اکابر علما ہو گزرے ہیں۔ گو یہ مسئلہ ابھی تک تحقیق طلب ہے کہ پانی پت سے یہ شاخ دیوبند اور دیگر اکناف ہند میں کب اور کس طرح پہنچی۔

مخدوم شیخ جلال الدین کبیر الاولیا عثمانی

قاضی صاحب کی تیرھویں پشت پر ہندوستان کے معروف چشتی صابری سلسلے کے بزرگ مخدوم جلال الدین کبیر الاولیا کا نام آتا ہے جو کہ مشہور شیخ طریقت گزرے ہیں۔ والدین نے ان کا نام محمد رکھا، مگر مرشد کامل نے جلال الدین اور فیض یافتگان نے کبیر الاولیا کے نام سے موسوم کیا۔^{۳۶}

وہ ابھی نو عمر ہی تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ چچا یا دادا نے ان کی پرورش کی، مگر بے جالا ڈ پیار نے ان کو خود سری اور آزاد خیالی کے رنگ میں رنگ دیا۔^{۳۷} ایک روز اپنی اسی آن بان کے ساتھ سُرخ لباس زیب تن کیے، سُرخ گھوڑے پر سوار ہو کر مشہور پانی پتی مجذوب شرف الدین بوعلی قلندر کے سامنے سے گزرے تو انھیں اس نوجوان کی شکل میں

^{۳۶} سیرالاقطاب، ص ۱۹۷ - ۲۰۵

^{۳۷} انوار العارفین، ص ۳۸۷

مستقبل کا معمار نظر آیا سبے ساختہ فرمایا:

”کیا خوبصورت گھوڑا ہے اور کیا خوبصورت اس کا سوار“

اس ایک مجذوبانہ فقرے نے نوجوان جلال کی کایا پلٹ کر دی۔^{۳۹} وہ سب کچھ چھوڑ کر ان کے آستانہ عقیدت پر حاضر ہو گئے، مگر شاہ بوعلی قلندر نے فرمایا کہ تمہاری کشائش کسی اور شخص پر موقوف ہے۔ چنانچہ کچھ ہی دنوں کے بعد سرزمین پانی پت خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی (م ۳۶، ۷/۱۳۳۵) کی آمد سے مطلع انوار بن گئی تو شیخ جلال نے ان کی بیعت کر کے اپنی دلی مراد پوری کی۔

شیخ جلال نے اپنے مُرشِدِ کمالِ خصوصی کسب فیض اور طویل سیاحت کے بعد پانی پت میں ہی مسند ارشاد و طریقت کی رونق بخشی اور اپنے روحانی فیوض و کمالات سے پورے ہندوستان کو فیض یاب کیا۔ ۵۔ ذوالقعدہ یا ۱۳۔ ربیع الاول ۷۴۵ھ/۱۲۶۳ء کو میں وصال فرمایا اور میں مدفون ہوئے۔ ان کا مزار مرجع خلائق ہے۔^{۴۰}

مخدوم شیخ جلال کے قاضی صاحب سے تعلق کے بارے میں بھی کچھ غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ مشہور جرمن مستشرق بروکلمان نے لکھا ہے کہ مخدوم شیخ جلال قاضی صاحب کے والد تھے، یہ تسامح ہے۔ اسی طرح مشہور علمی رسالے ”معارف“ (اعظم گڑھ) کے مقالہ نگار محمد فاروق بہرائچی^{۴۱} اور ان کے تتبع میں ابو یحییٰ امام خان نوشہروی نے بیان کیا ہے^{۴۲} کہ مخدوم شیخ جلال قاضی صاحب سے دسویں پشت پر تھے۔ حالانکہ مخدوم شیخ جلال قاضی صاحب کی بارہویں پشت پر آتے ہیں۔

^{۳۸} سیرالاقطاب، ص ۱، ۲ و بعد

^{۳۹} غلام سرور، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، ص ۳۲۱ - ۳۲۲

^{۴۰} دیکھیے عبدالستار مرزا: مسالک السالکین، ۲: ۳۵۰، سیرالاقطاب، ص ۲۱۳، انوار العارفین، ص ۳۸۸

^{۴۱} دیکھیے ۵۰۷ (تکمیلہ)، ۲: ۸۲۹

^{۴۲} معارف (اعظم گڑھ)، جلد ۲۳، شمارہ ۶، ص ۷۴۸، ۶۱۹۲۹

^{۴۳} تراجم علمائے حدیث، ص ۲۱۲

نسب نامہ جہد کی کا حصہ دوم

قاضی محمد ثنا اللہ پانی پتی سے مخدوم شیخ جلال الدین کبیر الاولیا تک کا نسب نامہ کسی بھی مطبوعہ کتاب میں نہیں ملتا۔ راقم الحروف کو اس حصے کی طلب و جستجو میں کئی شہروں کی خاک چھاننا پڑی اور ملا تو اپنے شہر کے ہی ایک بزرگ سے مل گیا۔

مخدوم شیخ جلال الدین کبیر الاولیا کے پانچ بیٹے اور دو بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ ان کے چار بیٹوں (خواجہ عبدالقادر، خواجہ ابراہیم، خواجہ شبلی (م ۸۵۲ھ / ۱۴۴۸ء) اور خواجہ کریم الدین) سے اولاد کے چار مستقل سلسلے چلے، جب کہ صاحبزادیوں سے پانی پت کا انصاری خاندان تھیں۔ قرابت رکھتا ہے۔

ان میں سے خواجہ ابراہیم قاضی صاحب کے جدا مجدد تھے۔ ان کے متعلق خود قاضی صاحب نے لکھا ہے کہ ان کے والد بزرگوار نے ان کو یہ بشارت دی تھی کہ: تیری نسل میں ہمیشہ علما پیدا ہوتے رہیں گے۔ قاضی صاحب فرماتے ہیں مخدوم شیخ جلال الدین کی بشارت کے عین مطابق اب تک علمی وراثت کا سلسلہ اس خاندان میں قائم ہے اور علم ظاہر کا یہ سلسلہ ان کے زمانے تک اس خاندان سے منقطع نہیں ہوا۔

مخدوم شیخ جلال تک قاضی صاحب کا شجرہ نسب اس طرح پہنچتا ہے:

”قاضی محمد ثنا اللہ بن مولوی محمد حبیب اللہ (۱) بن مولوی ہدایت اللہ (۲) بن مولانا عبدالہادی (۳) بن سعید الدین (۴) بن شیخ عبدالقدوس (۵) بن شیخ خلیل اللہ (۶) بن مفتی عبدالسمیع (۷) بن شیخ حسین (۸) عرف متا بن خواجہ محفوظ (۹) بن خواجہ احمد (۱۰) بن خواجہ ابراہیم (۱۱) بن مخدوم شیخ جلال الدین (۱۲) کبیر الاولیا عثمانی“

۱۲۴ مولوی نعیم اللہ بیڑا پنچ: بشارات مظہریہ (قلمی)، ورق ۱۲۶ ب

۱۲۵ نسب نامہ اولاد خواجہ ابراہیم، مملوک خواجہ مشکور الحق عثمانی، محررہ حکیم سراج الاسلام عثمانی (قلمی)، (۲) تعارف تفسیر مظہری، محررہ قاری ابو محمد محی الاسلام عثمانی (قلمی)، (۳) مولانا لطف اللہ عثمانی، فاضل دیوبند (م گودھا) کمرتبہ نسب نامہ (قلمی)

نسب نامے کے متعلق قاضی صاحب کی ایک نادر تحریر

قاضی صاحب کے مذکورہ "نسب نامے" کے متعلق قاضی صاحب کی اپنی بھی ایک نادر تحریر ملتی ہے، جسے مولوی نعیم اللہ بہڑاچھی نے بشارت مظہر یہ (قلمی) میں شامل کتاب کیا ہے۔ یہ تحریر حسب ذیل ہے:

فقیر مولوی محمد ثناء اللہ بن مولوی حبیب اللہ (۱) کہ جنہوں نے حضرت شیخ سنّامی کی خدمت میں رہ کر نسبت مجددیہ حاصل کی، فقیر کا تپ کتاب ہے کہ وہ پہلے شخص جنہیں حضرت شیخ نے خلافت دینے کے بعد توجہ دی۔ وہ میرے والد گرامی تھے، بن مولوی ہدایت اللہ (۲) جنہوں نے چشتی نسبت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے خاندان سے حاصل کی۔ حضرت شیخ سنّامی نے علوم ظاہری ان سے حاصل کیے، بن شیخ عبدالہادی بن شیخ عبدالقدوس (۳) بن شیخ خلیل اللہ (۵) کہ جنہوں نے چشتی نسبت اپنے والد شیخ عبدالسمع سے حاصل کی۔ وہ شیخ عبدالقدوس کے خلفائے سے تھے۔ بالواسطہ یا بلاواسطہ بن شیخ حبیب اللہ بن (۱)، شیخ محفوظ بن (۸) خواجہ احمد بن ابراہیم (۸) بن مخدوم جلال الدین کبیر الاولیا۔

یہ تحریر چونکہ برجستہ اور قلم برداشتہ لکھی گئی تھی، اس لیے خود قاضی صاحب کو بھی بعض اجداد کی نسبت "بواسطہ یا بلاواسطہ" کا شبہ ہے اور واقعہ بھی یہ ہے کہ قاضی صاحب اس تحریر میں دو پشتوں (سعید الدین، عدد ۴ اور شیخ حسین عرف منا، عدد ۹) کو قلم زد کر گئے ہیں۔

۴۶ "حضرت شیخ" سے قاضی صاحب کی مراد شیخ محمد عابد سنّامی (م۔ ۱۱۶۰ھ / ۱۷۴۷ء) ہیں، جو قاضی صاحب کے مرشد اول اور حضرت مظہر جانجاناں اور قاضی صاحب کے والد کے مرشد خصوصی تھے، بہت بڑے عالم اور روحانی صفات کے حامل بزرگ تھے۔

۴۷ بشارت مظہر یہ (قلمی)، مخزنہ برٹش میوزیم، ٹائیکرو قلم، مملوکہ مؤلف، ورق ۱۲۶ ب۔

قاضی صاحب کی اسی تحریر سے "معارف" (اعظم گروہ) کے مقالہ نگار کہ بعض غلط فہمی ہوئی۔ اور انہوں نے اس تحریر کے زیر اثر یہ لکھ دیا کہ مخدوم شیخ جلال قاضی صاحب کی دسویں پشت پر ہیں، حالانکہ مذکورہ تحقیق کی روشنی میں مخدوم شیخ جلال قاضی صاحب کی بارہویں پشت پر ہیں۔

قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی کی ننھیال

قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی کی ننھیال کا ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ قاضی صاحب کی والدہ ماجدہ بادشاہ بیگم (جنہیں حضرت مظہر جان جاناں بیگم صاحب لکھتے تھے)، مشہور مغلیہ سپہ سالار نواب شمش الدولہ لطف اللہ خاں صادق بہادر تہور جنگ کی صاحبزادی تھیں۔ نواب صادق پانی پتی کے انصاری خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔

پانی پتی کا انصاری خاندان، جس سے قاری عبدالرحمان محدث پانی پتی اور مولانا الطاف حسین حالی جیسے ارباب علم کا نسبی تعلق ہے۔ مشہور صحابی حضرت ابوالیوب انصاریؓ کی اولاد میں سے ہے جو مدینہ منورہ کے اس مبارک خاندان سے تعلق رکھتے تھے، جسے (بنو بنجار) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وادا کی ننھیال ہونے کا شرف حاصل تھا۔ قاضی صاحب کا نسب نامہ مادری حضرت ابوالیوب انصاریؓ تک حسب ذیل ۴۰ واسطوں سے پہنچتا ہے:

"قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی بن مسماۃ بادشاہ بیگم (۱) بنت نواب شمش الدولہ لطف اللہ خان صادق (۲) بن خواجہ عبدالرزاق (۳) عرف خواجہ بزرگ بن خواجہ عبدالسلام (۴) صوفی بن خواجہ عبداللہ (۵) بن عبدالقدوس (۶) بن جمیل الدین (۷) بن ابوالفتح (۸) بن زین الدین (۹) الملقب بہ عبدالکافی بن خواجہ ضیاء الدین (۱۰) بن ابوراشد (۱۱) بن ابوطاہر (۱۲) بن ابوتراب (۱۳) بن نصیر الدین (۱۴) بن مولانا قاضی (۱۵) ملک علی ہراتی بن میرک شاہ (۱۶)، شاہ ہرات، بن مسعود (۱۷) بن عمر (۱۸) بن ابراہیم (۱۹) بن علی (۲۰) سہیل بن ابوطاہر (۲۱) بن عنقہ (۲۲) بن انفع (۲۳) بن نافع (۲۴) ابن محمد (۲۵) المعروف بہ امیر۔ شیخ ابواسحاق الملقب باق خواجہ بن امیر محمود (۲۶) شاہ الملقب بایجوین فضل اللہ (۲۷) بن عبداللہ (۲۸) بن اسعد (۲۹) انصاری بن محمد (۳۰) بن نصیر (۳۱) بن محمد (۳۲)

بن حضرت شیخ الاسلام خواجہ ابوالاسماعیل (۳۳) عبداللہ انصاری، المعروف بہ پیر ہرات ،
بن ابومنصور (۳۴) محمد بن علی (۳۵) بن محمد (۳۶) بن احمد (۳۷) بن علی (۳۸) بن جعفر
انصاری (۳۹) بن ابومنصور امت (۴۰) بن حضرت ابوالیوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔^{۲۸}
قاضی صاحب کے اس مادہ پر نسب نامے میں حسب ذیل امور وضاحت طلب ہیں:

ابومنصور امت

پانی پت کے اس مشہور مردم خیز خاندان کے جدِ اعلیٰ ابومنصور امت انصاری تابعی ہیں
جو مشہور صحابی رسول حضرت ابوالیوب انصاری رضی اللہ عنہ (۱۲ ق ھ تا ۵۲ھ / ۶۷۲ء) کے فرزند
ارجمند تھے۔ عہد عثمانی میں بغرض جہاد افغانستان و ترکستان آئے اور فتح کے بعد خراسان و
ترکستان کو اپنا مستقر بنا لیا۔

ہرات میں ان کی اولاد میں "پیر ترکستان" شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری (۳۹۶ھ /
۶۰۶ تا ۴۸۱ھ / ۲۱۰۸۸) پیدا ہوئے، جو سلسلہ عالیہ انصاریہ کے بانی اور اس علاقے کے
مشہور صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے۔

قاضی ملک علی ہراتی

شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری کی اٹھارہویں پشت پر قاضی ملک علی ہراتی پیدا
ہوئے، جو ہندوستان کی انصاری شاخ کے بانی مبانی ہیں۔ وہ سلطان غیاث الدین بلبن (۶۵-
۶۸۶ھ) زمانے میں بغرض سیاحت ہندوستان میں آئے اور حضرت شرف الدین بوعلی قلندر

^{۲۸} نسب نامہ کے ماخذ: قلمی (۱) قاری ابو محمد محی الاسلام عثمانی: تعارف تفسیر منظری ،
ق ۱، ص ۳، ۲ مطبوعہ عبدالملیم: تذکرہ صیالیہ المعروف بہ تذکرہ رحمانیہ (سوانح
عمری قاری عبدالرحمان محدث پانی پتی) ، ص ۱۲ تا ۱۳۔ (از خواجہ خیر الدین -
عدد ۱۰ الی آخرہ) -

پانی پتی (ستون ۲۴/۷۲۳) سے پانی پت میں ملنے کے بعد دوبارہ آنے کا وعدہ کر کے واپس دہلی چلے آئے۔ پھر ۲ شوال ۹۷۵ھ/۲۱۳۷۶ء کو حسب وعدہ اپنے دو صاحب زادوں نظام الدین مسعود (بم ۱۴ سل) اور خواجہ نصیر الدین محمود (بم ۱۴ سال) کے ہمراہ دوبارہ عازم پانی پت ہوئے اور پھر شاہ بوعلی قلندر کے ایسا پر اپنے دونوں صاحب زادوں کو پانی پت میں ہی آباد کر دیا۔ مخدوم شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء عثمانی (م ۹۷۵ھ/۲۱۳۷۳) نے ان دونوں ہونہار نوجوانوں کو اپنی سرپرستی میں لے لیا اور اپنی دونوں صاحب زادیوں (زبیدہ و فردوسہ) کے عقدان سے طے کر دیے۔ یہاں ان دونوں کو عمدہ قضا بھی ملا اور جاگیر بھی حاصل ہوئی۔

قاضی ملک علی ہراتی (م ۱۳۱۸ھ/۲۱۳۱۸) میں، خواجہ نظام الدین مسعود نے ۱۳۲۴ھ/۲۱۳۲۴ اور خواجہ نصیر الدین محمود نے ۱۳۲۴ھ/۲۱۳۲۴ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ مگر ان کا یہ خاندان مستقل طور پر یہاں آباد ہو گیا۔

نواب لطف اللہ خاں صادق تہوڑ جنگ

نواب لطف اللہ خاں صادق قاضی صاحب کے حقیقی نانا تھے۔ قاضی صاحب نے کچھ زمانہ ان کی آغوش تربیت میں بھی گزارا۔

نواب صادق متاخر مغلیہ دور کے سپہ سالار اور رئیس تھے۔ انھوں نے بہادر شاہ اول (۱۱۱۹ھ/۱۷۰۷ء تا ۱۱۲۴ھ/۱۷۱۳ء) کے زمانے میں دربار سے تعلق پیدا کیا اور چھوٹے عہدے سے ترقی کر کے منصب امارت تک پہنچے۔ جہاندار شاہ کے عہد حکومت (۱۱۲۴ھ/۱۷۱۳ء) میں عتاب شاہی نازل ہوا اور گھر بار سب کچھ ضبط ہو گیا۔ فرخ سیر کے زمانہ حکومت (۱۱۲۴ھ/۱۷۱۳ء تا ۱۱۳۱ھ/۱۷۱۹ء) میں وہ قطب الملک سید عبداللہ (م ۱۱۳۴ھ/۱۷۲۰ء) کے ہمراہ دارالخلافہ دہلی کے بندوبست کے لیے مقرر ہوئے۔ بعد ازاں

۱۷۹ قاری ابو محمد محی الاسلام: تعارف تفسیر منظری، قلمی، ۳۵۲۔

۱۷۵ شاہ نواز خان: مآثر الامراء، ۱۵۳۔

قطب الملک کے ایما پر انھیں ”دیوانی خالصہ“ کا منصب ملا۔ محمد شاہ کے دورِ حکومت (۱۱۳۱ھ/۱۷۱۸ء تا ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء) میں انھیں خالصہ کی خدمت، چھ ہزاری منصب اور شمس الدولہ بہادر تھوڑے جنگ کا خطاب ملا۔ نادر شاہی حملے کے وقت وہ دہلی کے گورنر تھے۔ اسی زمانے میں بعض وجوہات کے باعث دوبارہ وہ عتاب شاہی کا شکار ہوئے۔ ان کا انتقال احمد شاہ کے دور (۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء تا ۱۱۶۴ھ/۱۷۵۳ء) میں ہوا۔ ۱۵۱

خان صادق کے خطاب کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ جب بہادر شاہ نے اپنے بھائیوں پر فتح پائی تو وزارت کے لیے جھگڑا پیدا ہو گیا۔ بادشاہ، منعم خان کو خلعتِ وزارت دینا چاہتا تھا، مگر اسد خان نے اس پر اپنے حقوق ظاہر کیے کہ وہ عالمگیر کے زمانے میں وزیر رہ چکا ہے۔ اس موقع پر بادشاہ نے نواب لطف اللہ خان سے پوچھا تو انھوں نے اسد خان کے حق میں رائے دی۔ بادشاہ اس رائے پر بہت خوش ہوا اور انھیں ”خان صادق“ کا خطاب مرحمت کیا۔ ۱۵۲

نواب لطف اللہ خان صادق شعر و شاعری کا ذوق بھی رکھتے تھے۔ نگار رام پور (اگست ۱۹۶۳ء) میں ان کی چند رباعیاں نقل کی گئی ہیں، ان میں سے حسب ذیل رباعی بڑی دلچسپ ہے :

گئے چو شانہ بہ زلف سیاہ می پیچم
گئے چو سرمہ بہ پائے نگاہ می پیچم
چناں بہ دیدن رو سے تو مشتاقم
کہ نامہ را بہ حریر نگاہ می پیچم ۱۵۳

نواب صادق بڑے صاحبِ ہمت اور مخلوقِ الہی کو فیض پہنچانے والے

۱۵۱ محمد ایوب قادری، حاشیہ مآثر الامراء، ۳: ۱۵۴

۱۵۲ ایضاً

۱۵۳ ایضاً، بحوالہ نگار، رام پور، شمارہ اگست، ۱۹۶۳ء

بزرگ تھے۔ انھوں نے صد ہا یادگاریں چھوڑیں، جن میں سے کچھ تو فنا ہو چکیں اور کچھ
قریب القنایہں۔^{۵۲}

نواب صادق کے دو بیٹے (نواب عنایت خاں راسخ اور نواب شاکر خاں تھے ؟
دونوں مغلیہ دربار میں اہم عہدوں پر فائز رہے۔ مؤخر الذکر نواب شاکر خاں شاہ عالم کے
دیوان تھے۔ اپنی اس حیثیت میں انھوں نے اپنی یادوں کو تذکرہ دیوان شاکر خاں میں محفوظ کر دیا
ہے، جس کا قلمی نسخہ برٹش میوزیم میں محفوظ ہے۔

والدین اور خاندان

والدین

قاضی صاحبؒ کی یہ بھی ایک بڑی سعادت تھی کہ قدرت نے ان کو تربیت کے لیے جس گھرانے میں پیدا کیا، اس کے تمام افراد علمی اور اخلاقی روایتوں کے امین ہی نہیں بلکہ ان کے معلم بھی تھے، اور اس گھرانے میں علم اور دنیوی و جاہلیت و شرافت کی پشتوں سے متوارث تھی۔ اسے اسی بنا پر قاضی صاحبؒ کے والدین علم و فضل اور ورع و تقویٰ میں اپنی مثال آپ تھے۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

والدگرامی: قاضی محمد حبیب اللہ عثمانیؒ

قاضی صاحبؒ کے والدگرامی کے متعلق ہمیں بہت کم معلومات ملتی ہیں، جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ قاضی صاحبؒ کے زمانہ طفلی ہی میں انتقال کر گئے تھے اور یوں سوانح نگاران کے بارے میں معلومات سے محروم رہے۔ تاہم متفرق ماخذ میں جو جستہ جستہ اشارات ملتے ہیں، ان سے پتا چلتا ہے کہ قاضی صاحبؒ کے والدگرامی اپنے زمانے کے ایک جید عالم دین اور صوفی کامل تھے۔

قیاساً ان کی پیدائش بارھویں صدی ہجری کے ابتدائی اور سترھویں صدی عیسوی کے اختتامی عشرے میں، اوزنگ زیب عالمگیر کے آخری زمانے میں ہوئی۔ انھوں نے زیادہ تر

تعلیم اپنے والد قاضی ہدایت اللہ سے حاصل کی جو قاضی محمد عابد سنائی کے استاد و مربی تھے۔
تعلیم سے فراغت کے بعد انھیں غالباً محمد شاہ رنگیلا (۱۱۳۱ھ/۱۷۱۹ء تا ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۷ء)
کے زمانے میں پانی پت میں بطور قاضی مقرر کیا گیا۔

قاضی محمد حبیب اللہ کی علمی قابلیت کو دیکھتے ہوئے، پانی پت کے مشہور اہل علم اور محمد شاہ
رنگیلا کے عہد کے نامور رئیس نواب لطف اللہ خاں صادق تہور جنگ (وفات بعد احمد شاہ
۱۱۶۱ھ/۱۷۴۷ء تا ۱۱۶۷ھ/۱۷۵۳ء) نے اپنی صاحب زادی مسماۃ "بادشاہ بیگم" ان کے عقد
نکاح میں دے دی اور انھیں اپنی فرزندگی میں لے لیا۔

قاضی محمد حبیب اللہ مشہور قادری بزرگ شیخ محمد عابد سنائی (م۔ ۱۱۶۰ھ/۱۷۴۷ء)
کے مرید اور خلیفہ مجاز تھے۔ بقول قاضی صاحب "قاضی محمد حبیب اللہ پہلے شخص ہیں جنھیں
ان کے شیخ (سنائی) نے اجازت و خلافت دینے کے بعد توجہ دی"۔

بعض قرائن سے پتا چلتا ہے کہ قاضی صاحب کے بچپن میں ہی، شیخ محمد عابد سنائی کی
وفات سے قبل انتقال فرما گئے تھے۔ انھیں پانی پت ہی میں سپرد خاک کیا گیا۔

والدہ ماجدہ: بادشاہ بیگم

قاضی صاحب کی والدہ ماجدہ بھی ایک ذی علم و ذی وجاہت خاتون تھیں۔ ان کا اصلی

۲۷ نعیم اللہ بہراچی: بشارات، ورق ۱۲۹-۱۔

۲۸ حالات پیچھے گزر چکے ہیں۔

۲۹ بشارات، ق۔ ورق ۱۲۹-۱۔

۳۰ اس کا ایک قرینہ تو یہ ہے کہ مولوی نعیم اللہ بہراچی نے قاضی صاحب کے حوالے سے ان کے جو خودنوشت

حالات نقل فرماتے ہیں، ان میں مذکور ہے کہ شیخ محمد عابد سنائی اپنی وفات سے قبل پانی پت تشریف لائے اور

فرمایا کہ اس دفعہ میں خامس تم دونوں بھائیوں کے حقوق کی توفیق کے لیے آیا ہوں (بشارات قلمی، ورق ۱۲۹-۱)؛

اگر قاضی صاحب کے والد زندہ ہوتے تو ان کا بھی لازماً ذکر آتا۔ پھر حضرت منظم سے گھر کے تمام افراد کی تجدید

بیعت کا ذکر ملتا ہے، مگر ان کے والد کا یہاں بھی کوئی ذکر نہیں ملتا، جس سے پتا چلتا ہے کہ وہ

اس سے پہلے ہی انتقال کر گئے تھے۔

نام تو "بادشاہ بیگم" تھا، مگر قاضی صاحب کے استاد و مربی حضرت مرزا مظہر جانجاناںؒ انھیں اپنے خطوط میں اکثر "بیگمی صاحب" لکھے اور کبھی کبھار ہمشیرہ مہربان بیگم لکھتے تھے۔ وہ مشہور مغلیہ سردار نواب لطف اللہ خان صادق کی صاحبزادی تھیں۔ ان کی پیدائش اور تربیت پانی پت ہی میں ہوئی۔ چنانچہ حضرت مظہرؒ کے خطوط ان کے نام سے اور ان کے خطوط حضرت مظہرؒ کے نام آتے رہتے تھے۔ یہ جس سے پتا چلتا ہے کہ وہ لکھنے اور پڑھنے کا سلیقہ بھی رکھتی تھیں۔ پھر انھوں نے جس طرح اپنے دونوں فرزندوں کی تربیت کی، اس سے بھی ان کے علم و فضل کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

گو قاضی صاحبؒ کا جدی خاندان ان کے مادری خاندان سے دنیوی وجاہت میں فروتر تھا مگر اس تفاوت کے باوجود قاضی صاحبؒ کی والدہ قاضی محمد حبیب اللہ کے عقد نکاح میں آنے کے بعد اپنی وفات تک نئی ذمہ داریوں اور نئے خاندان میں نہایت خوش و خرم اور مسرور و مطمئن رہیں اور کبھی حرف شکایت زبان پر نہ آیا۔

چونکہ قاضی صاحبؒ کے نانا نواب لطف اللہ خان صادق دربار محمد شاہ کے ایک نامور سردار تھے اس لیے ان کا اکثر قیام دہلی میں رہتا تھا۔ اسی مناسبت سے قاضی صاحبؒ کی والدہ بھی اکثر دہلی تشریف لے جاتی تھیں، اور جیسا کہ آئندہ ذکر آئے گا۔ ان کی وفات بھی دہلی میں ہوئی تھی۔

قاضی محمد حبیب اللہ سے ان کے نکاح کو زیادہ زمانہ نہیں گذرا تھا (محض دو اولادیں ہوئی تھیں) کہ وہ بیوہ ہو گئیں، مگر انھوں نے دوسرا نکاح کرنے کے بجائے خود کو اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کے لیے وقف کر دیا۔

۱۷ مکاتیب مرزا مظہر، مرتبہ عبدالرزاق قریشی، ص ۳۸، م ۳۷

۱۸ ایضاً، ص ۱۹، م ۱۳۱، سطر ۱۔

۱۹ ایضاً

۲۰ ایضاً، محل مذکور، ص ۲، خط الشان رسید و مسرت رسائید۔

پھر چونکہ قاضی صاحب نے اپنے والد کے بجلے زیادہ تر فیضِ تربیت اپنی والدہ ہی سے حاصل کیا تھا، اسی لیے وہ ہر معاملے میں ان کی رائے کو اہمیت دیتے اور ان کے حکم کو مقدم جاننے تھے۔ مثال کے طور پر قاضی صاحب کے سب سے چھوٹے صاحب زادے مولوی محمد دلیل اللہ کی شادی کے معاملے ہی کو لیجیے، گو اس معاملہ میں قاضی صاحب کی اہلیہ (مولوی دلیل اللہ کی والدہ) کا حق زیادہ تھا، مگر قاضی صاحب نے اس معاملہ میں اپنی اہلیہ کے بجلے اپنی والدہ کی رائے کو زیادہ مقدم سمجھا۔ اس بارے میں جب شکایت اوپر پہنچی تو حضرت منظر نے آپ کو لکھا:

”باعثِ تحریر یہ ہے کہ آج ہی بیگی صاحب (والدہ قاضی صاحب) یہاں دہلی تشریف لائی ہیں، انھوں نے آپ کی تحریر کے مضمون سے مطلع کیا کہ مولوی دلیل اللہ کی دخترِ حلال خور سے شادی کے معاملے میں آپ کے دل میں تردد پیدا ہو گیا ہے۔۔۔ اس معاملے میں بیگی صاحب اور بیویو (والدہ دلیل اللہ) کے مابین جو تنازعہ چل رہا ہے،۔۔۔۔۔ میں اس سے ناواقف نہیں ہوں۔۔۔ بیگی صاحب کی باتوں سے پتا چلتا ہے کہ انھوں نے آپ سے پوچھ کر منگنی کی رسم ادا کی تھی۔۔۔“

اور یہ بات فقط یہاں تک ہی محدود نہ تھی، قاضی صاحب اصابتِ فکر و رائے کے باوجود ہر معاملے میں اپنی والدہ کی رائے کو مقدم اور برتر جانتے تھے، جن سے بعض اوقات ان کے اہل خانہ کو بھی شکایات پیدا ہو جاتی تھیں۔ ایک ایسے ہی موقع پر ان کے استاد و مربی حضرت منظر نے قاضی صاحب کو ان کی بیوی عجیبہ بیگم کی طرف داری کرتے ہوئے لکھا:

”آپ کی والدہ جو آپ کی بیوی کی مخالفت کرتی ہیں، وہ ہم سے مخفی نہیں۔۔۔ ان دنوں۔۔۔ اس اعتماد پر کہ آپ اپنی بیوی کی حمایت نہ کریں گے،

انہوں نے زبانِ طعن دراز کی ہوئی ہے، اور اس بے کس نے، باوجود ان مخلصانہ خدمات کے، جو اس نے ان کی، اس بیماری میں کیں، یہ صلہ پایا ہے... اب اگر وہ صبر کرتی ہے تو ہلاکت کا اندیشہ ہے۔ مقابلہ کرتی ہے تو گھر میں فتنہ پیدا ہوتا ہے۔۔۔ اس بارے میں کوئی ایسا طریقہ آپ کو سوچنا چاہیے کہ جس سے دل آزاری کا راستہ مسدود ہو جائے اور معاملہ باہمی ملال تک نہ پہنچے۔^{۱۱}

اس فرمانبرداری کا ہی یہ نتیجہ تھا کہ ایک مرتبہ قاضی صاحب اپنے صاحب زادوں کے ہمراہ ملا رحیم داد روہیلہ کے لشکر میں بغرض اعانت جہاد تشریف لے گئے ہوئے تھے کہ ان کی والدہ کا طلبی کا خط پہنچا، فوراً واپس تشریف لے آئے۔^{۱۲}

یہاں یہ یاد دلایا جا سکتا ہے کہ قاضی صاحب نے حقوق العباد پر ایک مستقل کتاب بعنوان "حقوق الاسلام" ^{۱۳} تحریر فرمائی ہے، جس میں من جملہ دوسرے افراد کے والدہ کے حقوق و فرائض کا بھی تذکرہ ہے، جس میں زندگی بھر والدہ کی فرمانبرداری و اطاعت کی تلقین کی گئی ہے۔ اس طرح انہوں نے جو کچھ دوسروں کے سامنے پیش کیا، خود اپنی زندگی میں بھی اسی کا مظاہرہ فرمایا۔

بادشاہ بیگم کی مرزا مظہرؒ سے عقیدت

قاضی ثناء اللہ کی والدہ ماجدہ کو حضرت مظہرؒ سے بہت گہری عقیدت تھی۔ شیخ محمد عابد ستامیؒ کی رحلت کے بعد جب حضرت مظہرؒ پانی پت تشریف لائے تو گھر کے دیگر افراد کے ساتھ انہوں نے بھی حضرت مظہرؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی جو بعد میں اپنے پیر و مرشد اور ان کے اہل خانہ کے ساتھ گہری عقیدت میں بدل گئی۔ ان کی

^{۱۱} حوالہ سابق۔

^{۱۲} مکاتیب (قریشی)، ص ۵۵، م ۴۰۔

^{۱۳} اس کا اردو ترجمہ حال ہی میں پاک اکیڈمی کراچی سے شائع ہوا ہے۔

عقیدت کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے ایک مرتبہ پانی پت سے دہلی کا سفر محض اس لیے کیا تھا کہ انہیں پتا چلا تھا کہ حضرت مظہرؒ کی ان کی اہلیہ (جنہیں حضرت مظہرؒ مردم محل لکھتے تھے) ناشکر رنجی ہے، حضرت مظہرؒ پر اس واقعے کا بڑا اثر ہوا، چنانچہ ایک خط میں وہ آپ کو لکھتے ہیں:

” اللہ تعالیٰ تمہاری والدہ کو سلامت رکھے کہ انہوں نے اصلاح کی عرض سے

اتنا دور دراز کا سفر کیا۔ کسی دوسرے شخص سے اس زمانے میں ایسی توقع نہیں۔“

قاضی صاحبؒ اور حضرت مظہرؒ کے مابین نہ صرف ذاتی بلکہ خاندانی روابط بھی قائم تھے۔

اسی بنا پر حضرت مظہرؒ اکثر اپنے اہل و عیال کے ساتھ پانی پت تشریف لاتے رہتے تھے، ایسے مواقع پر قاضی صاحبؒ کے اہل خانہ کے ساتھ ان کی والدہ ماجدہ بھی ان کی خدمت میں پیش پیش رہتی تھیں۔

جیسا کہ سطور بالا میں بیان ہوا، قاضی صاحب کی والدہ اپنے نھیال ہونے کے باعث اکثر

دہلی تشریف لے جاتیں اور وہاں کئی کئی روز قیام پذیر رہتی تھیں۔ ایک ایسے ہی سفر اور قیام دہلی کے دوران میں ان کا وصال ہو گیا۔ اِنَاللّٰہِ وَاِنَا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ : اس طرح ان کو اپنی ایک انتہائی شفیق و مہربان ہستی کے سایہ عاطفت سے محروم ہونا پڑا۔

حکیم شریف خاں صاحب نے جو حضرت مظہرؒ کے ایک ارادت مند اور قاضی صاحبؒ کے رشتے دار تھے، مرحومہ کی تجمیز و تکفین کا بندوبست کیا اور ان کے جسدِ خاکی کو تابوت میں بند کر کے پانی پت ارسال کر دیا، جہاں ان کو، ان کے بزرگوں کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔ اس تابوت کے ہمراہ حضرت مظہرؒ کا ایک تعزیتی خط بھی پانی پت پہنچا، جس میں تحریر تھا، کہ:

” آج کہ مورخہ ۲۹ ربیع الاول ہے۔ بعد از زوال یہ سانحہ پیش آیا ہے کہ

لکھی صاحب یعنی آپ کی والدہ ماجدہ رحلت فرما گئی ہیں۔ اسی وقت اطلاع

ملی کہ حکیم شریف خاں صاحب تکفین کر کے تابوت پانی پت ارسال کر رہے ہیں۔

اگر ممکن ہو تو فقیر بھی نماز جنازہ میں شمولیت کا ارادہ رکھتا ہے، اس وقت

کلمہ طیبہ اور قرآن مجید اور استغفار پڑھنے کا اہتمام کیا گیا، اور پڑھنے کے بعد مرحومہ کو ایصالِ ثواب کیا گیا۔ خداوندِ تعالیٰ مرحومہ پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔
میرے ساتھ ان کے کمزور ریلوے کے باوجود مجھ پر جو حالت گزری اسے ضبطِ تحریر میں لانا ممکن نہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، اس وقت فقیر کی حالت بھی بس ایسی ہی ہے کہ کل یا پندرہ سوں ہمارے انتقال کی خبر بھی آپ کو پہنچ جائے گی۔^{۱۶}
خود قاضی صاحب پر اس وقت کیا گزری ہوگی، جب انھوں نے اپنی شفیق و مہربانوں کے جنازے کو کندھا دیا ہوگا۔ حضرت مظہرؒ جو قاضی صاحب کے نبض شناس تھے، ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

”بیگمی صاحب کی وفات کا دکھ اور صدمہ ناقابلِ تحریر ہے اور اس پر مستزاد آپ کے غم و اندوہ کا اندیشہ“^{۱۷}

مگر چونکہ قدرت نے قاضی صاحبؒ کو بڑا حوصلہ بخشا تھا اس لیے وہ اس غم و الم کو برداشت کر گئے۔ والدہ قاضی صاحب کی تاریخ (۲۹۔ ربیع الاول) تو یقینی ہے کیونکہ حضرت مظہرؒ کے محولہ بالا مکتوب میں اس کی صراحت ہے۔ البتہ سال وفات کا مسئلہ محتمل ہے۔ بعض قرآن (مثلاً حضرت مظہرؒ کی محولہ بالا تحریر وغیرہ) سے گمان گزرتا ہے کہ یہ واقعہ غالباً ۱۱۹۴ھ / ۱۷۷۹-۸۰ء میں، یعنی حضرت مظہر کی وفات (محرم ۱۱۹۵ھ) سے تقریباً نو ماہ قبل پیش آیا۔

قاضی محمد فضل اللہ (برادرِ کبیر)

قاضی صاحب کی طبیعت کو بنانے اور سنوارنے میں والدین کے علاوہ جس ہستی نے اہم کردار ادا کیا وہ قاضی صاحب کے برادرِ کلاں قاضی محمد فضل اللہ ہیں۔
قاضی محمد فضل اللہ قاضی صاحب سے چند سال بڑے تھے اور قیاساً ان کی پیدائش کا زمانہ

^{۱۶} کلماتِ طیبات، ص ۶۷، م ۸۱

^{۱۷} مکاتیب (قریشی)، ص ۱۶، عدد ۱۱۳

محمد شاہ رنگیلا کی حکومت کا ابتدائی عشرہ ہے۔ ہوش سنبھالا تو علم و فن کے حصول کے لیے سرگرداں ہو گئے اور اپنے خاندانی بزرگوں کے علاوہ قاضی صاحبؒ کی طرح پانی پت اور دہلی کے اساتذہٴ علم سے استفادہٴ علمی کیا۔

حصولِ علم سے فارغ ہوئے تو والد ماجد قاضی حبیب اللہ کی وفات کے بعد ان کی جگہ پانی پت کے قاضی مقرر کر دیے گئے۔ اسی حیثیت میں انھوں نے نوجوان عمری میں انتقال فرمایا۔ قاضی محمد فضل اللہ نے ابتداءً شیخ محمد عابد سنائی (م ۱۱۶۰ھ) کے ہاتھ پر بیعت کی، مگر ان کی وفات کے بعد قاضی محمد ثناء اللہ اور گھر کے دیگر افراد کی طرح حضرت مظہرؒ جان جاناں کے ہاتھ پر بیعت کی تجدید فرمائی۔ حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ ان کے تذکرہ میں فرماتے ہیں:

”طریقہ (تصوف) تو انھوں نے حضرت شیخ (سنائیؒ) سے سیکھا تھا مگر

استفادہ حضرت مظہرؒ سے کیا اور ان کی توجہات سے اعلیٰ مقامات پر پہنچے۔

وہ کثیر الذکر اور اللہ تعالیٰ کی جانب دائم التوجہ تھے؛ ۱۸

ان کی روحانی استعداد دیکھ کر حضرت مرزا مظہرؒ نے بہت جلد انھیں خلافت و اجازت

مرحمت فرمادی تھی۔ ۱۹

قاضی محمد فضل اللہ نے ۱۱۶۰ھ اور ۱۱۶۳ھ (۱۷۴۷ اور ۱۷۵۰ء) کے مابین انتقال

فرمایا۔ ۱۸ اور پانی پت میں اپنے اسلاف کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

قاضی محمد فضل اللہ کی سب سے اہم خدمت یہ ہے کہ انھوں نے اپنے والد کی وفات

کے بعد نہ صرف یہ کہ اپنے برادرِ اصغر اور خاندان کی سرپرستی فرمائی بلکہ اپنے چھوٹے بھائی کی

تربیت اس انداز اور اس نہج سے کی کہ اس کی بنا پر وہ عالمِ اسلام کے ممتاز علما و فقہا اور

۱۸ مقاماتِ مظہری، ص ۷۸

۱۹ نعیم اللہ بہرائچی: بشارات، قلمی، ورق ۱۰۰ ب

۲۰ اس کے قرآن پر ہم نے قاضی صاحب کے ”دورِ قضا“ کے ضمن میں اظہارِ خیال کیا ہے

(تفصیل آگے آئے گی)

مفسرین کی صف میں جگہ پاسکے۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قاضی صاحب کی تعلیم و تربیت کی خشتِ اول والد کے بعد انھیں نے رکھی تھی۔

دونوں بھائیوں کے مابین استاد و شاگرد ہونے کے علاوہ باہمی الفت و محبت کا بھی گہرا رشتہ موجود تھا جو تمام عمر قائم و دائم رہا۔ اس لیے برادرِ کبیر کی موت نے قاضی ثناء اللہ صاحب کو بے حد افسردہ کر دیا۔ قاضی صاحبؒ کے دوست اور پیر بھائی ان المناک لمحوں کی روداد یوں بیان فرماتے ہیں:

”ان کی وفات کے بعد قاضی صاحب بہت زیادہ پریشان رہنے لگے۔

ایک روز وہ (محمد فضل اللہ) نظر آئے اور فرمایا: اے بھائی یہ غم و الم کیوں ہے۔

الایۃ اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا یحزنون (سورہ یونس - ۶۲)

یعنی آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کے دوستوں (اولیاء) کو نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غم زدہ

ہوں گے۔

یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ہمیں اس عالم (آخرت یا برزخ میں جو نعمتیں اور آسائشیں

میسر ہیں۔ وہ حد بیان سے باہر ہیں۔“

جیسا کہ آئندہ صفحات میں وضاحت کی جائے گی، قاضی صاحب کی ابتدائی زندگی سے

ہی قدرتِ باری نے اس نہج پر تربیت فرمائی تھی کہ جیسے ان کو ایک بڑے مقصد کے لیے تیار

کیا جا رہا تھا، اسی لیے ہمیں واضح طور پر آپ کی زندگی میں ایسے واقعات ملتے ہیں کہ جب

وہ کسی مصیبت سے دوچار ہوئے تو قدرت نے خود اس کی مشکل کشائی فرمائی۔

اولاد و احفاد

قاضی صاحبؒ کے برادرِ کبیر قاضی محمد فضل اللہ نے حسب ذیل اولادیں چھوڑیں۔

۱۔ احترام النساء یا حیات النساء، یہ قاضی صاحب کی بڑی صاحبزادی تھیں جو قاضی

محمد ثناء اللہ پانی پتیؒ کے بڑے صاحب زادے قاضی احمد اللہ کے عقدِ نکاح میں آئیں۔
 ۲۔ قاضی عبدالصمد: یہ قاضی فضل اللہ کے صاحب زادے تھے۔ جوان ہوئے تو ان کا نکاح
 قاضی ثناء اللہ صاحب کی بیٹی سعید النساءؒ عرف سیدہ بیگم سے ہوا۔
 اس طرح گویا قاضی محمد ثناء اللہ نے اپنے برادرِ محترم قاضی فضل اللہ کی دونوں نشانوں کو اپنے
 صحنِ چمن میں سجایا اور ان کی خود سر پرستی فرمائی۔

مکان

قاضی ثناء اللہ صاحب کے والدین پانی پت کے محلہ قاضیاں میں سکونت پذیر تھے۔ ان کا
 آبائی مکان ایک قدیم طرز کی جوہلی پر مشتمل تھا۔ جس میں بہت سے کمرے تھے اور جس میں متعدد
 خاندان آزادانہ طور پر رہ سکتے تھے۔

پھر جب اسی مکان میں نواب لطف اللہ خان صادق کی صاحب زادی (والدہ قاضی صاحبہ)
 گھر کی مالکہ بن کر تشریف لائیں تو اس مکان کی شان و شوکت میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ پختہ اینٹوں
 سے بنے ہوئے اس آبائی مکان کی وسعت کا اس امر سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسی مکان میں
 قاضی صاحب اپنی دونوں ازواج اور ان کی اولاد کے ساتھ مقیم رہے۔ بعد ازاں جب قاضی
 صاحب کے بیٹوں کی شادیاں ہو گئیں تو وہ بھی اسی مکان میں مقیم رہے۔ پھر ان کے استاد و
 مربی حضرت مرزا مظہرؒ بھی اپنے اہل و عیال سمیت تشریف لاتے تو وہ بھی کئی کئی روز یہیں
 اقامت گزیر ہوتے۔ اس مکان میں قاضی صاحب کی ذاتی لائبریری یا کمرہ مطالعہ بھی تھا۔

خاندان کی مالی حالت

کسی بھی شخصیت کے افکار و خیالات کے ارتقا میں اس کے "مالی حالات" بہت زیادہ
 اثر انداز ہوتے ہیں، اسی لیے شخصیات کے مطالعے میں اس کی بڑی اہمیت ہے۔

قاضی صاحب کے مالی حالات کے بارے میں مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ پانی پت کے ایک "متوسط" گھرانے سے تعلق رکھتے تھے، ان کے خاندان میں عمدہ تضاد و پشتوں سے چلا آ رہا تھا، اسی بنا پر خاندان کی مالی حالت مستحکم تھی۔ آبائی ورثے میں انھیں مکانات کے علاوہ پانی پت اور نواحی علاقوں میں زر خیز اراضی کے چند قطععات بھی حاصل ہوئے تھے۔ جن کی پیداوار انھیں مالی بحران میں مبتلا ہونے سے محفوظ رکھتی تھی۔ مزید برآں خود قاضی صاحب نے بھی جائداد میں اضافہ کیا تھا۔

حضرت منظر کے خطوط سے بھی پتا چلتا ہے کہ پانی پت کے علاوہ خود دار حکومت دہلی میں بھی قاضی ثناء اللہ کی کچھ جائداد بصورت حویلی و دکانات موجود تھی، مثال کے طور پر انھوں نے لکھا ہے:

"حویلی کا کرایہ سات، آٹھ روپے ارسال ہیں۔" ۲۳

اور دکان کے متعلق ایک دوسرے خط میں لکھا ہے:

"اور آپ کی والدہ نے دکان کے رہن کے سلسلے میں مواخذہ کیا تھا، کسی

جیلے سے اسے چھڑا لیا گیا ہے۔" ۲۴

دارالسلطنت دہلی کی اس جائداد کی اصلیت کے متعلق اگرچہ کوئی صراحت نہیں ملتی تاہم بعض قرائن سے یہ قوی گمان ہوتا ہے کہ یہ جائداد ان کی والدہ کو نواب صادق کی جانب سے ملی ہوگی، واللہ اعلم۔

۲۳ مکاتیب قریشی ص ۱۹۰، م ۱۳۱

۲۴ ایضاً ص ۱۴۰، ۱۰۵

ولادت - نام و القاب

ولادت

یوں تو سرزمین پانی پت میں بہت سے اربابِ علم و فضل پیدا ہوئے، جنہوں نے اپنی زندگی کے ایام انسانی خدمت اور علم و ادب کی ترویج و اشاعت کے لیے وقف کر دیے اور انسانیت کی ایسی خدمات سرانجام دیں جو ہمیشہ سنہرے حروف سے لکھی جائیں گی تاہم ۱۴۰۰ھ کے ۲۱، ۲۲ اور ۱۱۴۴ھ / ۱۳۱، ۱۳۲ کے مابین اس سرزمین پر ایک ایسی شخصیت نے جنم لیا، جس نے اپنے ذریعہ کارناموں کی بدولت نہ صرف یہ کہ اپنا نام "عالمی سطح" کے مسلم ماہرین علوم اسلامیہ کی فہرست میں شامل کر لیا ہے بلکہ اپنے ساتھ اپنے ملک و قوم اور اپنے مولد و مسکن کی شہرت کو بھی چارچاند لگا دیے ہیں۔ یہ قابلِ احترام ہستی ہمارے محترم قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی ہے۔

قاضی صاحبؒ تاریخ کی ان نادر شخصیات میں سے ہیں جن کی پیدائش کی کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی۔ مگر جب وہ اپنا علمی اور فکری کام مکمل کرنے کے بعد عالمِ آخرت کو سدھارتے ہیں تو ایک عالم ان کا سوگوار ہوتا ہے۔ اس بنا پر ان کی تاریخ وفات کا تو تعین کیا جاسکتا ہے مگر تاریخ پیدائش ہمیشہ مختلف فیہ رہتی ہے۔ قاضی صاحب کے جدِ اعلیٰ شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء عثمانی (م ۷۳۳ھ / ۲۱۳۶۲) بھی تاریخ عالم کی انہی شخصیات میں شامل ہیں۔

قاضی صاحب کے اکثر سوانح نگاروں نے ان کی تاریخ پیدائش کے مسئلے کو درخور اعتنا نہیں سمجھا، البتہ اس فہرست میں دو استثنائی مثالیں ملتی ہیں۔ ایک مثال تو "معارف" (اعظم گڑھ) کے مقالہ نگار محمد فاروق بہراچی کی ہے کہ انہوں نے تاریخ پیدائش کے تعین

میں عمدہ کاوش کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”حضرت قاضی صاحبؒ، ایک مکتوب میں، جس کو آپ نے اہلیہ محترمہ حضرت مولانا نعیم اللہ بہڑا پٹی کو تحریر کیا ہے، لکھتے ہیں کہ اس وقت میری عمر ۸۱ سال ہے، یہ مکتوب ۱۲۱۸ اور ۱۲۲۶ھ کے مابین لکھا گیا، کیونکہ ۱۲۱۸ھ تاریخ وصال شاہ نعیم اللہ ہے اور ۱۲۲۶ھ آپ کی تاریخ وفات ہے۔ اس حساب سے آپ کی پیدائش ۱۱۴۰ اور ۱۱۴۷ھ کے درمیان ہوئی۔“

تاہم مقالہ نگار کو اس بیان میں چند تسامحات ہوئے ہیں، اولاً یہ کہ انھوں نے قاضی صاحب کا سال وفات ۱۲۲۶ھ تحریر کیا ہے حالانکہ یہ بالاتفاق غلط ہے۔ انھوں نے رجب ۱۲۲۵ھ میں وفات پائی۔ اس لحاظ سے ایک سال کا ان کا اندازہ غلط ٹھہرا، پھر اگر اس خط کو ۱۲۲۵ھ کی تحریر بھی گمان کیا جائے جو ان کا سال وفات ہے تو بھی (۸۰-۱۲۲۵) سال پیدائش ۱۱۴۴ھ قرار پاتا ہے (۱۲۲۶ھ کی صورت میں ۱۱۴۵ھ)۔ جب کہ ۱۲۱۸ھ سال تحریر ہونے کی بنا پر سال پیدائش ۱۱۳۷ھ متعین ہوتا ہے، حالانکہ ان کا تحریر کردہ تخمینہ دور قطعی طور پر اس سے مختلف ہے۔

جب کہ پروفیسر ن م احسان الہی رانا (مقالہ نگار اردو دائرہ معارف اسلامیہ) نے قطعی تعیین کے ساتھ سال پیدائش ۱۱۴۳ھ / ۱۷۳۰-۶۱، ۳۱ء تحریر کیا ہے بلکہ مگر چونکہ انھوں نے نہ تو یہاں اپنے حق میں کوئی شواہد پیش کیے ہیں اور نہ دیگر ماخذ سے اس کی تصدیق ہوتی ہے، لہذا ان کا یہ بیان بھی قابل قبول نہیں ہو سکتا۔

مزید برآں ان کے ایک خاندانی بزرگ قاری ابو محمد محی الاسلام پانی پتی نے ان کا سال پیدائش ۱۱۴۰ھ اور ۱۱۴۵ھ کے مابین دیا ہے۔ جب کہ ہمارے خیال میں اس میں بھی مزید

۱۔ معارف ج ۲۳ عدد ۶، ص ۲۴۷-۲۴۸

۲۔ اردو معارف اسلامیہ، ۶: ۱۰۳۲

۳۔ تعارف تفسیر مظہری (قلمی)

کمی کی گنجائش ہے اور سالِ پیدائش ۱۱۴۰ھ اور ۱۱۴۴ھ کے مابین متعین کیا جاسکتا ہے۔
ہمارے اس قیاس کی تائید میں مندرجہ ذیل شواہد پیش کیے جاسکتے ہیں:

۱۔ اُنھوں نے "وصیت نامہ" اپنی زندگی کے آخری ایام میں تحریر فرمایا۔ اس میں اُنھوں نے لکھا:

"اس گنہگار کی عمر اسی سال کو پہنچ گئی ہے اور مجھے یقین ہے کہ موت سر پر
آپہنچی ہے۔" ۱

یہ تحریر لازمی طور پر وفات (رجب ۱۲۲۵ھ) سے قبل لکھی گئی ہے، لہذا اگر اسے
ایک سال قبل خیال کیا جائے تو تخمیناً سالِ پیدائش ۱۱۴۴ھ قرار پاتا ہے اور اگر اس تحریر کو
۱۲۲۰ھ کی تحریر سمجھا جائے تو سالِ پیدائش ۱۲۲۰ھ قرار پاتا ہے۔

۲۔ ان کے اکثر تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ اُنھوں نے سولہ سال ۲ یا اٹھارہ سال ۳
کی عمر میں تمام ظاہری علوم کی تکمیل فرمائی تھی۔ اور یہ بات مسلم ہے کہ وہ ظاہری علوم
کی تکمیل کے بعد ہی "شیخ محمد عابد سنّامی" کی خدمت میں حصولِ تربیت کے لیے
حاضر ہوئے تھے۔ اور چونکہ شیخ محمد عابد سنّامی کا سالِ وفات ۱۱۶۰ھ / ۶۱۷۷ھ
ہے اس لیے اس وقت گویا ان کی عمر سولہ سال یا اٹھارہ سال سے لائنما زیادہ ہوگی،
اور پھر چونکہ یہ بھی صراحت ملتی ہے کہ ان کو شیخ سنّامی کی خدمت میں پہنچے ابھی زیادہ
عرصہ نہیں ہوا تھا کہ ان کی وفات ہو گئی، اس لیے لامحالہ طور پر ان کی تاریخِ پیدائش
۱۱۴۴ھ سے ۱۱۴۰ھ کے مابین ہی متعین ہوتی ہے۔

۳۔ مزید برآں "معارف" کے مقالہ نگار محمد فاروق بیڑا چچی نے بھی جس شہادت کا ذکر

۱۔ وصیت نامہ، درکلمات طیبات، ص ۱۵۴

۲۔ رحمان علی: تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۴۲

۳۔ فقیر محمد جہلمی: حدائق الحنفیہ، لکھنؤ، ص ۴۶۵۔ نواب صدیق حسن خاں:

اتحاف النبلا، ص ۲۴۰

کیا ہے، اس کے بھی ان کا سال پیدائش ۱۱۴۴ھ تا ۱۱۴۰ھ کے مابین متعین ہوتا ہے۔

نام والقاب

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ اکثر سوانح نگاروں نے قاضی صاحب کا نام محض ثنا اللہ لکھا ہے، لیکن وہ خود اپنے وصیت نامہ میں محمد ثنا اللہ لکھتے ہیں؛ مثلاً

✓ "بعد از حمد و صلوة فقیر حقیر محمد ثنا اللہ عثمانی مجددی پانی پتی لکھتا ہے۔" ۷۵

اسی طرح معمولات منظر یہ کے لیے قاضی صاحب نے جو تحریر دی ہے اس میں تحریر ہے کہ:

"فقیر محمد ثنا اللہ در پانی پت بود۔" ۷۶

اس کتاب میں آگے چل کر وہ لکھتے ہیں:

✓ "یہ نسخہ ۷۰ مئی کہ فقیر محمد ثنا اللہ پانی پتی کے مطالعے میں آیا۔" ۷۹

اپنے خط میں اپنا نام یوں تحریر فرماتے ہیں:

"حمد و صلوة کے بعد فقیر حقیر محمد ثنا اللہ بنجہ۔۔۔"

علاوہ ازیں ان کے تمام قلمی مکتوبات (مندرجہ بشارت منظر یہ) اور نسب ناموں میں

اسی طرح ان کا نام لکھا گیا ہے۔

ان کے معاصر اور صدر نشین بزم علم شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (م ۱۲۳۳ھ/۲۱۸۲۳)

نے ان کو بہت ہی وقت کا اور تاجدار خانقاہ مجددیہ حضرت منظر ج نے "علم الہدیٰ" کا لقب عنایت فرمایا۔

بعض اوقات قاضی صاحب کے استاد و مربی حضرت منظر جانِ جاناں؟ اور ان کے

۷۵ کلمات طیبات، ص ۱۵۴

۷۶ معمولات منظر یہ، ص ۱۲۹

۷۹ ایضاً، ص ۱۲۸

۸۰ کلمات طیبات، ص ۹، وغیرہ

کے بے تکلف رفقا ان کو ثناء اللہ کے بجائے "سنا اللہ" (اللہ تعالیٰ کی چمک) بھی لکھتے ہیں۔ اللہ جس سے غالباً ان کے روحانی مرتبے اور مقام کی طرف اشارہ نکلتا ہے۔

عہدِ طفلی

قاضی صاحب کے عہدِ طفلی کے بارے میں ہماری معلومات نہایت کم ہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر تذکرہ نگاروں نے اس بارے میں مکمل سکوت اختیار کیا ہے اور خود قاضی صاحب نے اس عنوان پر اپنی کسی تحریر یا تقریر میں کچھ بھی ظاہر نہیں فرمایا، جس کی بنا پر ہمارے لیے اس پہلو پر معلومات کا کوئی ذریعہ باقی نہیں رہتا۔ تاہم تذکرہ نگاروں کے اجمالی اشارات سے پتا چلتا ہے کہ انھوں نے یہ زمانہ اپنے والدین کے ساتھ پانی پت ہی میں بسر فرمایا۔ اسی شہر کے گلی کوچوں میں کھیل کود کر بڑے ہوئے اور اسی شہر کے مدارس اور مساجد نے ان کو ابتدائی دینی تعلیم سے آراستہ کیا اور یہیں قرآن مجید حفظ کیا اور دیگر ابتدائی کتب درسیہ پڑھیں۔

بہن بھائی

قاضی صاحب کا خاندان نہایت مختصر تھا، یعنی کل چار افراد پر مشتمل تھا (دو بھائی اور والدین)، پھر ان کے والد بھی انتقال فرما گئے، جس سے یہ خاندان اور بھی سمٹ گیا۔ خاندان کے چھوٹے ہونے کی بنا پر ان کو علمی اور فکری طور پر یہ فائدہ پہنچا کہ جو وقت دوسرے بہن بھائیوں کے ساتھ کھیل کود میں ضائع ہو سکتا تھا، وہ خاندان کے چھوٹے ہونے کے باعث اکثر تعلیم میں صرف ہوا جس سے ان کو فکری اور علمی طور پر بہت مدد ملی۔

۱۱ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں (مرتب): لوائح خالقاہ مظہریہ، ص ۳۷، ۱۴

اساتذہ کرام اور حصولِ تعلیم

قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتیؒ کو اپنے معاصرین پر جو خصوصی امتیاز اور تفوق حاصل تھا ، اس کی وجہ ان کا خاندانی پس منظر ان کی سرکاری حیثیت (منصبِ قضا) نہ تھی ، بلکہ اس کے پیچھے علم و فضل اور فکر و عرفان کی ایک پُر شکوہ اور مستحکم عمارت تھی۔ یہ دولتِ علم و فقر انھوں نے کیسے حاصل کی اور وہ علم و فکر کی اس بلندی تک کیسے پہنچے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا ٹھیک ٹھیک جواب دینا ہمارے لیے ممکن نہیں ہے ، کیونکہ اس کی اکثر تفصیلات ابھی غیر معلوم ہیں۔ تاہم اس بارے میں جو کچھ معلوم ہو سکتا ہے اس کی تفصیل بھی "طلبِ علم" کی ایک عظیم مثال فراہم کرنے کے لیے کافی ہے۔

یوں تو مطالعے اور کتب بینی کے ذریعے قاضی صاحب نے حصولِ علم کا سلسلہ تمام زندگی جاری رکھا ، مگر یہ بحث ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ ہم یہاں ان کی فقط ان کوششوں کا تذکرہ کریں گے جو انھوں نے اپنی ابتدائی عمر میں مختلف اساتذہ اور شیوخ کے سامنے زانوئے تلمذتہ کرنے کے لیے کیں۔ ابتداءً ان کے حصولِ علم کی کوششوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: (۱) ابتدائی تعلیم (۲) اعلیٰ تعلیم۔

ابتدائی تعلیم

کتبِ سوانح میں کسی جگہ ایسی کوئی صراحت نہیں ملتی ، جس سے پتا چل سکے کہ انھوں نے عمر کے کس سال اور کس تاریخ سے اپنے علمی سفر کا آغاز کیا ، البتہ عموماً سوانح نگاروں

نے لکھا ہے کہ "قاضی صاحب" نے سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ سات برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لینے کا مطلب یہ ہے کہ ہندوستان میں رائج طریقہ "بسم اللہ" کے مطابق اور ان کے استاد و مربی امام العصر شاہ ولی اللہ دہلوی کی طرح انھوں نے عمر کے پانچویں سال میں علمی سفر کا آغاز کر دیا تھا۔

سعادت حفظ قرآن کریم

یہ ان کی انتہائی سعادت اور خوش بختی تھی کہ ان کو سب سے پہلے جو کتاب پڑھانی گئی، وہ "کتاب اللہ" تھی جس کی تعلیم میں ان کا مولد و مسکن "پانی پت" خصوصی شہرت کا حامل تھا۔ اس شہر کی خاک سے سینکڑوں حفاظ اور قرائن نے جنم لیا، جنھوں نے اپنے لہجے اور خصوصی فکر و فن سے پورے عالم اسلام کو متاثر کیا۔

۱۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۲۴

۲۔ ہندوستان میں قدیم زمانے میں شرفا کے ہاں بسم اللہ (آغاز تعلیم) کی رسم بڑی دھوم دھام سے منائی جاتی تھی۔ یہ رسم عموماً اس وقت ادا کی جاتی جب بچے یا بچی کی عمر چار برس، چار ماہ اور چار دن ہو جاتی تھی۔ (سید احمد ہروی، ص ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸

عام طور پر اس شہر میں حفظ و قرات کے سلسلے کی ابتداء قاری مصلح الدین عباسی پانی پتی (۱۱۲۵ھ / ۱۷۳۲ء تا ۱۲۰۳ھ / ۱۷۸۱ء) سے تسلیم کی جاتی ہے۔ جو قاضی صاحب کے ہم عصر اور تقریباً ہم عمر تھے۔ تاہم خود قاضی صاحب کی تعلیم قرآن سے ثابت ہوتا ہے کہ قاری مصلح الدین مذکور سے قبل بھی یہاں یہ بابرکت سلسلہ جاری تھا۔

خود قاضی صاحب کے زمانے میں یہاں حفظ و قرات کے کئی مدرسے قائم تھے، مگر کسی ماخذ سے یہ پتا نہیں چلتا کہ قاضی صاحب نے ان میں سے کسی مدرسے سے تعلیم حاصل کی۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ اس زمانے میں ان کے تھیال دہلی میں تھے۔ لہذا ممکن ہے کہ انھوں نے قرآن مجید پانی پت کے بجائے دہلی میں حفظ کیا ہو۔

سات برس کی عمر میں تو پورا قرآن یاد کر لینے (کل مدت حفظ دو سال) سے ثابت ہوتا ہے کہ بچپن سے ہی ان کا حافظہ بہت قوی تھا۔ اس حسن آغاز (حفظ قرآن) کا اثر ان کی پوری زندگی پر نمایاں رہا۔ انھوں نے اپنی تمام عمر قرآن مجید کی خدمت میں بسر فرمائی اور اس میں جو شہرت حاصل ہوئی، اس کی بنیاد خدمت قرآن (تفسیر مظہری) پر ہی استوار ہے۔

قاضی صاحب کو قرآن مجید سے جو عشق تھا، اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا

۱۷ مولانا عبدالحی لکھنوی نے شعبان ۱۳۱۲ھ / ۱۸۹۴ء میں پانی پت کا سفر کیا تھا، بقول ان کے اس وقت پانی پت میں ایک سو چودہ مساجد، آٹھ سو سے زیادہ حفاظ اور تدریس قرآن کے متعدد مدرسے موجود تھے (دہلی اور اس کے اطراف، ص ۸۵) بقول بقول خواجہ مشکور الحق عثمانی، ایک مدرسہ (مدرسہ گنبدان) خود قاضی صاحب کے محلے میں موجود تھا جو تقسیم ہند تک بالکل صحیح سلامت تھا۔ اس کے علاوہ مدرسہ عربیہ رحیمیہ کے نام سے بھی ایک قدیم درس گاہ موجود تھی۔ (تذکرہ رضانیہ، ص ۴۳)۔ ممکن ہے ان میں سے کسی ایک مدرسے کو قاضی صاحب کی تربیت کا شرف حاصل ہوا ہو۔

۱۸ محمد ایوب قادری، حواشی وقائع علم و عمل و عمل، کراچی، ص ۱۶۹۔

ہے کہ وہ ہر روز نماز تہجد میں قرآن مجید کی ہفت منازل میں سے ایک منزل تلاوت فرمایا کرتے تھے۔
اسی طرح انہوں نے اپنی تصنیفات میں بھی اس سے بے حد استفادہ کیا۔

قراءات عشرہ کی تحصیل

قاضی صاحب نے اپنی ابتدائی زندگی میں نہ صرف قرآن مجید حفظ فرمایا بلکہ اس کی قراءات عشرہ کی بھی تکمیل فرمائی۔ "تفسیر منظہری" کے مطالعے سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے اس فن میں ایسی مہارت تامہ بہم پہنچائی تھی کہ اس موضوع پر شاید ہی کوئی "تفسیر منظہری" کا معارضہ کر سکے۔

شیخ صالح المصری سے شرف تلمذ

قراءات عشرہ کی تحصیل و تکمیل میں انہوں نے دیگر اساتذہ کے علاوہ "قاری صالح المصری" تلمیذ شیخ القراء عبدالمخلاق المنونی سے بھی اکتساب فیض فرمایا۔ اس بات کی صراحت ہمیں تفسیر منظہری میں ملتی ہے فرماتے ہیں:

"میں کہتا ہوں کہ میں نے اس آیت کو ان دونوں طریقوں سے شیخ المقری صالح المصری سے پڑھا اور انہوں نے شیخ قدوة المتأخرین شیخ المنونی سے پڑھا۔"

۶۔ محمد ایوب قادری، حواشی وقائع علم و عمل، کراچی، ص ۱۶۹

۷۔ شاہ غلام علی دہلوی: مقامات منظہری، ص ۷۶

۸۔ قراءات عشرہ میں ان قرائے کرام کی قراءات شامل ہیں: (۱) ابو عمرو بن العلاء المازنی (م

۲۱۵۴)، (۲) نافع بن عبد الرحمن اللیثی المدنی (م ۱۶۹ھ/ ۷۸۵ء)، (۳) عبد اللہ بن بشر (م ۱۲۰ھ)

(۴) عاصم بن عمرو (م ۱۲۴ھ)، (۵) عبد اللہ بن عامر الجھمی (م ۱۱۸ھ)، (۶) حمزہ بن زیات (م ۱۵۶ھ)

(۷) ابوالحسن علی بن حمزہ الکسانی (م ۱۸۹ھ)، ان قراءات کو قراءات سبعہ کہا جاتا ہے اور

(۸) ابو جعفر المدنی (م ۱۳۰ھ)، (۹) یعقوب الحضرمی (م ۲۰۵ھ) اور (۱۰) ابو محمد خلف

البغدادی کی قراءات سمیت، انہیں قراءات عشرہ کا نام دیا جاتا ہے۔

۹۔ تفسیر منظہری، تفسیر سورة الضحیٰ (۱۰: ۲۸۹)۔

یہ بیان چونکہ "شہادت نفسی" کے انداز میں ہے، اس لیے اس میں تو کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ انھوں نے فی الواقع قاری صالح المصریٰ سے شرف تلمذ حاصل کیا تھا۔ البتہ دو باتیں غور طلب ہیں، اول یہ کہ یہ قاری صالح المصریٰ کون تھے؟ اور دوم یہ کہ قاضی صاحب نے ان سے کب اور کہاں شرف تلمذ حاصل کیا،؟

جہاں تک قاری صالح المصریٰ کے حالات کا تعلق ہے تو اس بارے میں تمام دستیاب کتب مآخذ دیکھنے کے باوجود ان کے متعلق ہماری معلومات میں اضافہ نہیں ہو سکا۔ البتہ ان کے لقب "المصریٰ" سے یہ قیاس ضرور ہوتا ہے کہ شاید ان کا تعلق کسی نہ کسی طرح مصر سے رہا ہوگا۔ تاہم ان کے استاد شیخ عبدالخالق المتوفی ایک اور حوالے سے یہاں اپنا تعارف رکھتے تھے۔ وہ یہ کہ ان کے ایک شاگرد قاری عبدالرسول دہلوی، حضرت منظر جانِ جاناں کے استاد تھے۔ اور اسی حوالے سے ہم قاضی صاحب کے تلمذ کا زمانہ معلوم کر سکتے ہیں۔ وہ اس طرح کہ عین ممکن ہے قاری صالح المصریٰ اپنے استاد بھائی قاری عبدالرسول دہلوی سے ملنے کے لیے تشریف لائے ہوں اور یہاں دورانِ قیام میں حضرت منظر کے توسط سے انھوں نے ان سے اکتسابِ فیض کیا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ قاری عبدالرسول دہلوی کی طرح قاری صالح المصریٰ بھی مستقل طور پر کسی دینی مدرسے میں "استادِ قراءت و تجوید" ہوں اور قاضی صاحب نے دہلی میں قیام کے زمانے میں ان سے استفادہ کیا ہو۔

قیاس کیا جاسکتا ہے کہ قاضی صاحب نے "مروجہ علوم و فنون سے فراغت کے بعد قراءت عشرہ کی تکمیل فرمائی تھی۔ بہر حال جیسا کہ ہم اپنے مقام پر واضح کریں گے، قراءت کی اس تعلیم کے ذریعے قاضی صاحب کو قرآن فہمی میں بڑی مدد ملی اور انھوں نے اسے دیگر علوم تفسیر کے ساتھ ساتھ از اول تا آخر پیش نظر رکھا۔

ابتدائی کتب درسیہ

قرآن اور علوم قرآن سے فراغت کے بعد، قاضی صاحب نے اپنے آبائی شہر میں ابتدائی
 نہ معمولات منظر یہ، از محمد نعیم بہر اپچی، ص ۱۵

کتب درسیہ پڑھنا شروع کیں، اس وقت (جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے) وہاں متعدد دینی مدارس موجود تھے، جن میں ابتدائی کتب درسیہ نہایت اہتمام کے ساتھ پڑھائی جاتی تھیں، چنانچہ مولانا عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں:

”انھوں نے کچھ عرصہ اپنے شہر کے اساتذہ سے کتب درسیہ پڑھیں۔“

تاہم یہاں ہمیں پھر سخت مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جب ہمیں ان کے ابتدائی دور کے اساتذہ کرام کی تفصیل کا علم نہیں ہوتا، البتہ قرآن و شواہد کی روشنی میں یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ اس دور کے اساتذہ کرام میں ان کے والد محترم قاضی محمد حبیب اللہ اور برادر اکبر قاضی محمد فضل اللہ کے اسمائے گرامی یقیناً شامل ہوں گے۔

پانی پت میں خاندان عثمانی کی علمی روایت

ہمارے اس وثوق کی وجہ پانی پت کے خاندان عثمانی کی وہ علمی اور فکری روایت ہے جو بقول قاضی صاحب کے اس خاندان میں گذشتہ کئی پشتوں سے متواتر چلی آتی تھی، جس کے تحت اس خاندان میں بہت سے علما، فقہا، مفتی اور قاضی پیدا ہوئے۔ اور تین پشتوں سے تو اس روایت میں ”عمدہ قضا“ کی روایت بھی شامل ہو گئی تھی، جس کی ضرورت اور اہمیت کے پیش نظر اس خاندان کو اپنے علمی اور مالی معیار کو برقرار رکھنے کے لیے تدریس و تعلیم کی از حد ضرورت تھی۔

قاضی صاحب کے جد امجد قاضی محمد ہدایت اللہ اس پائے کے عالم تھے کہ شیخ محمد عابد سنائی نے ان سے تعلیم حاصل کی تھی اور وہ ان کا اور ان کے خاندان کا مرشد زادوں کے طور پر احترام فرماتے تھے۔ ان میں قاضی ہدایت اللہ کے فرزند قاضی محمد حبیب اللہ اپنے عہد کے ایک نامور عالم، فقیہ اور پانی پت کے قاضی تھے۔ علاوہ ازیں خود قاضی صاحب نے اپنی

۱۳۴۷ھ نزہتہ الخواطر، ۷: ۱۳۴

۱۳۴۷ھ بشارات منظریہ، قلمی، ورق ۱۳۷ اب

اولاد کے استاد و مربی رہے جیسا کہ قاضی احمد اللہ کے متعلق سوانح نگاروں^{۱۳} اور مولوی دلیل اللہ اور صفوۃ اللہ کے متعلق خود انھوں نے وصیت نامے میں صراحت کی ہے۔^{۱۴} ان حالات میں یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی^{۱۵} اور بانی درس نظامیہ ملا نظام الدین بہاولیٰ کی طرح انھوں نے بھی ابتدائی تعلیم اپنے گھر پر (اپنے والد اور برادر کبیر سے) حاصل کی۔ گھر پر ابتدائی تعلیم کے حصول کے بعد مزید تعلیم کے لیے انھوں نے کن کن اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا اور کن کن مدارس میں زیر تعلیم رہے؟ یہ ایسے سوالات ہیں جن کا تذکرہ سے کوئی جواب نہیں ملتا۔

والد گرامی کی وفات

انہی ایام میں، جب قاضی صاحب ابتدائی تعلیم کے حصول میں مصروف تھے اور ابھی نو عمر تھے، انھیں اپنی زندگی کا پہلا صدمہ برداشت کرنا پڑا، یہ صدمہ والد گرامی قاضی محمد حبیب اللہ کی وفات کا تھا۔ انھوں نے یہ صدمہ نہ صرف یہ کہ برداشت کیا، بلکہ اس کے بعد حصول علم کی رفتار میں اضافہ فرما دیا۔

بچپن میں داغ یتیمی اٹھانے کی بنا پر قاضی صاحب کے دل میں غربا و مساکین اور یتامی کے لیے ہم دردی اور رحم و شفقت کا بے پناہ جذبہ موجود تھا، جس کی تفصیل وصیت نامے، تفسیر منظری اور حقوق الاسلام وغیرہ کتابوں سے معلوم کی جاسکتی ہے۔

نصاب تعلیم

قاضی ثناء اللہ نے سات سال کی عمر سے لے کر سولہ یا اٹھارہ برس کی عمر تک تقریباً نو یا گیارہ سال تحصیل علوم میں صرف کیے۔ غیر معمولی قوتِ حافظہ نیز طلب علم کے ذوق و شوق

^{۱۳} خزینۃ الاصفیاء، ص ۶۸۶

^{۱۴} کلماتِ طیبات، ص ۱۵۸ (وصیت نامہ)

کے باوجود تحصیل علم کا یہ دور غیر معمولی طور پر طویل ہے جو ان کے طویل "نصاب تعلیم" کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ تاہم یہ سوال ابھی تک حل طلب ہے کہ قاضی صاحب نے کس نصاب تعلیم کے تحت علم حاصل کیا۔

قاضی صاحب کے زمانے میں ہمیں دو نصاب ہلے تعلیم کا پتا چلتا ہے۔

شاہ ولی اللہ کا بیان کردہ نصاب تعلیم

ان میں سے اول الذکر وہ نصاب تعلیم ہے، جسے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنے نصاب تعلیم کے طور پر اپنے شخصی حالات (الجزء اللطیف فی ترجمہ العبد الضعیف) میں بیان فرمایا ہے۔ اس نصاب تعلیم میں چودہ علوم کی تقریباً تیس کتابیں شامل ہیں، تفصیل حسب ذیل ہے۔

- ۱۔ علم نحو!۔ کافیہ ابن حاجب۔ (شرح جامی)
- ۲۔ علم منطق :- شرح تفسیر (مکمل)۔ شرح مطالع (کچھ حصہ مختصرات)
- ۳۔ علم فلسفہ :- شرح ہدایۃ الحکمتہ۔
- ۴۔ علم کلام :- شرح عقائد السنفی، شرح خیالی۔ (کچھ حصہ) شرح مواقف (ایک حصہ) ،
- ۵۔ علم فقہ :- شرح وقایہ ، ہدایہ از مرغینانی (مکمل)
- ۶۔ علم اصول فقہ :- حسامی، توضیح و تلویح۔
- ۷۔ علم بلاغت و معانی :- مختصر المعانی (کچھ حصہ) مطول (کچھ حصہ)۔
- ۸۔ علم ہیئت و حساب :- بعض رسائل مختصرہ۔
- ۹۔ علم طب :- موجز القانون
- ۱۰۔ علم حدیث :- مشکوٰۃ المصابیح۔ شمائل ترمذی۔ صحیح بخاری۔
- ۱۱۔ علم تفسیر :- تفسیر مدارک التزئیل، تفسیر بیضاوی۔
- ۱۲۔ علم تصوف و سلوک :- عوارف المعارف اور بعض رسائل نقشبندیہ۔
- ۱۳۔ علم حقائق اشیا :- شرح رباعیات جامی، مقدمہ شرح لمعات۔ مقدمہ نقد النصوص۔

۱۴- علم خواصِ اسما و آیات :- والد بزرگوار کا مرتبہ مجموعہ ۱۵
یہ نصابِ تعلیم اگرچہ مختصر ہے تاہم اس قدر جامع ہے کہ خود شاہ صاحب فرماتے ہیں:
”جب میں یہ کتابیں پڑھ چکا تو میرا ذہن اس درجے فراخ اور نظر ایسی
وسیع ہو گئی تھی کہ قن کے دقیق اور غامض مسئلے ادنیٰ توجہ کے ساتھ حل ہونے
لگے اور علوم کے مقاماتِ مشککہ پانی ہو گئے۔“ ۱۶

ملائم الدین سہالوی کا مرتبہ درس نظامی

قاضی صاحب کے ایک ہم عصر ملا نظام الدین سہالوی (م ۱۱۶۱ھ / ۱۷۴۸ء) نے بھی ایک
جامع نصابِ درس تجویز کیا تھا جو معمولی حذف و اضافے کے ساتھ ابھی تک بر عظیم پاک و ہند
کی دینی درس گاہوں میں پڑھایا جا رہا ہے۔ اس نصابِ درس میں چار علوم (علم تصوف، علم حقائق
اشیا، علم خواصِ اسما و آیات، اور علم طب) حذف کر کے، علم صرف کو شامل کیا گیا ہے، یوں
کل علوم کی تعداد چودہ کے بجائے گیارہ رہ جاتی ہے۔ مزید برآں اس نصابِ درس میں گیارہ
علوم کی بعض کتابوں کا اضافہ کیا گیا ہے، تفصیل حسب ذیل ہے۔

- ۱- علم الصرف :- میزان، منشعب، صرف میر، پنج گنج زیدہ، فصول اکبری، شافیہ۔
- ۲- علم نحو :- نحو میر، شرح مائتہ عامل، ہدایۃ النحو، باقی حسب سابق۔
- ۳- علم منطق :- شرح شمسیہ اور شرح مطالع کے بجائے صفرائی کبرای، ایسا غوجی،
تہذیب، شرح تہذیب، قطبی مع میر، سلم العلوم۔
- ۴- علم فلسفہ و حکمت :- شرح ہدایۃ الحکمت کے بجائے میبندی ملا صدرا،
شمس بازغہ۔

۱۵ حیات ولی، ص ۲۰۹ تا ۲۱۱ - اس میں کتب صحاح ستہ شامل نہیں۔ یہ کتابیں انھوں
نے بعد میں حاجی محمد افضل سیالکوٹی اور مشائخ حرین شریفین سے پڑھیں۔

۱۶ ایضاً، ص ۲۱۱

۵ - علم ہیئت و ریاضی :- خلاصۃ الحساب، تحریر اقلیدس (مقالہ اولیٰ)
تشریح الافلاک، رسالہ قوشجیہ، شرح چغنی۔

۶ - علم بلاغت :- حسب بالا۔

۷ - علم فقہ :- حسب بالا۔

۸ - علم اصول فقہ :- حسامی کے بجائے نور الانوار از ملا جیون مسلم الثبوت (مبادی کلامیہ)

۹ - علم کلام :- شرح عقائد جلالی، میرزا ہد، باقی حسب بالا، (ما سوا شرح خیالی کے)

۱۰ - علم تفسیر :- تفسیر مدارک کے بجائے، تفسیر جلالین - باقی حسب بالا۔

۱۱ - علم حدیث :- فقط مشکوٰۃ شریف ج ۱۵

یہ نصاب تعلیم گیارہ علوم کی تقریباً چالیس کتب پر مشتمل ہے اور اس میں علوم آلیہ - یعنی علم صرف، منطق، فلسفہ، علم کلام وغیرہ پر، حدیث اور تفسیر کی نسبت زیادہ زور دیا گیا ہے، اسی لیے اس نصاب تعلیم کے خلاف بہت کچھ لکھا گیا، لیکن چونکہ اس نصاب تعلیم کا مقصد اذہان و قلوب کو مختلف علوم و فنون کے بنیادی اصول و قواعد سے روشناس کرانا تھا تاکہ فراغت کے بعد طالب علم کے لیے کتابوں کا مطالعہ کرنا سہل ہو سکے اسی لیے باوجود مخالفت کے یہ نصاب درس معمولی حذف و اضافے کے ساتھ اس وقت بھی دینی درس گاہوں میں رائج ہے۔ ۱۵

اب سوال یہ ہے کہ قاضی صاحب نے کس نصاب تعلیم کے تحت تعلیم حاصل کی؟ اس کے متعلق وثوق کے ساتھ تو کچھ کہنا مشکل ہے تاہم بعض قرآن سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا نصاب درس مذکورہ بالا نصاب ہائے درس کی نسبت زیادہ جامع تھا۔ اولاً اس لیے کہ قاضی صاحب نے اس نصاب تعلیم کی تکمیل میں امام العصر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

۱۵ ابوالحسنات ندوی: ہندوستان کی قدیم اسلامی درس گاہیں، ص ۹۵-۹۶
۱۵ تفصیل کے لیے راقم الحروف کا مقالہ "ملائم نظام الدین سہالوی" در اردو دائرہ معارف

اسلامیہ، ۲۲: ۲۵۵ تا ۳۵۸ -

اور ملا نظام الدین سہالویؒ کے مذکورہ نصاب ہائے تعلیم کی نسبت زیادہ عرصہ صرف کیا۔
ثانیاً اس لیے کہ انھوں نے وصیت نامے میں اپنی اولاد اور متوسلین کو جو نصاب تعلیم پڑھنے
کی ہدایت فرمائی ہے، اس میں کل سولہ علوم شامل ہیں۔ لکھتے ہیں:

”علم، عقائد و اخلاق اور احوال و اعمال کے حسن و قبح کو جاننے کا نام
ہے، جس کو علم عقائد^۱، علم اخلاق^۲ اور علم فقہ^۳ متضمن ہے، اور اس علم کا حصول
اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ قرآن و حدیث^۴، تفسیر، شرح احادیث
اصول فقہ^۵، کے ذریعے دلائل کا استخراج و استنباط نہ کر سکے۔ نیز جب تک
کہ تابعین، خصوصاً ائمہ اربعہ کے اقوال، لغت، صرف و نحو میں مہارت
حاصل نہ کر لے۔ اور صحیح اور کمزور مسائل کو جاننے اور مذکورہ علوم کے حصول میں
کوشش کرنی چاہیے، البتہ فلسفے کا پڑھنا بے فائدہ ہے۔ تاہم اسق تو خادم
علوم ہے، لہذا اس کا پڑھنا فائدہ مند ہو سکتا ہے۔“ ۱۹

اس فہرست میں بعض علوم کا بالصرحت اور بعض کا کنایتاً ذکر ہوا ہے، مثال کے
طور پر یہاں علم اخلاق کا ذکر کیا ہے۔ اس سے مراد علم اخلاق کے علاوہ علم تصوف بھی
مراد ہے کہ اسی کے ذریعے اعمال کے حسن و قبح کے جاننے کا سلیقہ پیدا ہوتا ہے۔
بہر حال اس فہرست سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے وسیع پیمانے پر علوم کا مطالعہ
کیا تھا اور ان میں بہت درک حاصل فرمایا تھا۔

دور طالب علمی کے دو اوصاف

آگے بڑھنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قاضی صاحبؒ کے دور طالب علمی
کی دو صفات کا تذکرہ ہو جائے جس سے حصول علم کے لیے ان کے ذوق و شوق اور والہانہ پن
کا پتا چلتا ہے۔

۱۔ قاضی صاحب کی پہلی خصوصیت جس کا تذکرہ نگاروں نے اکثر ذکر کیا ہے، ان کی بودتِ طبع اور ذہن و فکر کی صفائی ہے، جس کی بنا پر نازک سے نازک مضامین پر وہ بہت جلد حاوی ہو جاتے تھے۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں:

”وہ صفائی ذہن، بودتِ طبع، قوتِ فکر اور سلامتِ عقل میں دوسروں سے ممتاز تھے۔“

ذہن و فکر کی صفائی نے ان کی شخصیت میں علومِ اسلامیہ کا گہرا ادراک پیدا کیا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ جن مطالب و معانی کا ادراک دوسرے لوگ مشکل اور بدقت بسیار کرتے تھے، قاضی صاحب نہایت آسانی اور سہولت کے ساتھ ان کا ادراک کر لیتے تھے۔

۲۔ مشہور فلسفی ابن رشد کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کی زندگی کی دورانیں مطالعہ کے بغیر گزری تھیں، ایک وہ رات جب ان کی شادی ہوئی اور دوسری وہ شب کہ جب ان کا وصال ہوا۔ قاضی صاحب کے متعلق اگرچہ ایسی کوئی تصریح تو نہیں ملتی مگر تذکروں کے مطالعے سے یہ ضرور واضح ہوتا ہے کہ ان کو کتبِ بینی اور مطالعے کی عادت بچپن سے تھی اور دورِ طالبِ علمی میں بھی کہ جب عام طلبہ کے لیے مروجہ نصابِ تعلیم کی کتب کا پڑھنا ہی جوئے شیر لانے کے مترادف ہوتا ہے، وہ کثرت سے مطالعہ کیا کرتے تھے، چنانچہ اس دورِ طالبِ علمی میں ایک بیان کے مطابق انھوں نے ڈیڑھ سو اور دوسرے بیان کی رو سے ساڑھے تین سو کتابیں (علاوہ نصابِ تعلیم) مطالعہ فرمائیں۔ یہ ان کا وہ وصف ہے، جسے ہمارے خیال میں دورِ طالبِ علمی کے منفرد واقعہ سے تعبیر کرنا چاہیے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ قاضی صاحب مدوح نے علم و عرفان کا جو راستہ اختیار فرمایا تھا اس میں ان کے ذوق و شوق کا کتنا حصہ تھا۔

۱۲۲ اتحاف النبلا، ص ۲۴۰

۱۲۱ رحمان علی: تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۴۴

۱۲۰ مفتی غلام سرور: خزینۃ الاصفیاء، ص ۶۸۹

اعلیٰ تعلیم

جو کوائف اوپر مذکور ہوئے، یہ ان کی ابتدائی تعلیم کے تھے جس سے فارغ ہو کر وہ مرکز سلطنت دہلی میں وارد ہوئے اور اس عہد کے نامور اساتذہ فن سے تحصیل علم فرمائی۔

کتب سوانح میں ابتدائی تعلیم کی طرح اعلیٰ تعلیم کے عنوانات پر بھی کوئی روشنی نہیں ڈالی گئی، تاہم بعض اشارات و کنایات سے ہم نے اس دور کی تفصیل جاننے کی کوشش کی ہے جو قاضی صاحب کے حالات جاننے والے کے لیے پوری طرح تشفی تو نہیں کر سکتی البتہ کسی قدر اطمینان کا باعث ضرور ہو سکتی ہے۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں کی خدمت میں

عام طور پر تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ قاضی صاحب تے سولہ سال یا اٹھارہ سال کی عمر میں علومِ درسیہ سے فراغت پا کر مرزا مظہر جان جاناں کے در دولت پر حاضری دی اور اکتسابِ فیض کیا۔^{۲۳} مگر ہمیں بوجہ اس بیان سے اتفاق نہیں ہے۔ ہمارے خیال میں حضرت مظہر جان جاناں شہید، قاضی صاحب کی "تربیتِ باطنی" ہی کا نہیں بلکہ ان کی ظاہری تعلیم کی تکمیل کا بھی اہم ترین ذریعے تھے، اس لیے تکمیلِ تعلیم اور اکتسابِ طریقت دونوں معاملات میں ان کی ذاتِ گرامی اہمیت رکھتی ہے۔ وہ خود فرماتے ہیں:

"یہ احقر، پیری مریدی کے علاوہ بچپن سے ہی چونکہ آپ (مرزا مظہر) سے تربیت (پرورش) یافتہ ہے لہذا اس وقت سے باپ، دادا، اور استاد و مربی آپ ہی کی ذات کو سمجھتا ہے۔"^{۲۴}

اس اقتباس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مظہر جان جاناں کے پیرومرشد ہونے کے علاوہ

^{۲۳} تحف النبلا، ص ۲۲۰، وغیرہ۔

^{۲۴} بشارات مظہریہ، قلمی، ورق ۱۶۱ ب

علوم ظاہری میں بھی استاد و مربی اور معلم و رہنما تھے۔

حضرت مظہرؒ کے ذاتی حالات پر گفتگو تو اگلے باب میں ہوگی تاہم یہاں اجمالی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ نہ صرف ایک "پیر کامل" تھے بلکہ اپنے زمانے کے ایک جید عالم دین، نامور محدث اور بہت بڑے مجتہد بھی تھے اور انھوں نے اپنے دور کے بہترین اساتذہ سے باقاعدہ کتبہ درسیہ سبقاً سبقاً پڑھی تھیں اور ان پر مکمل عبور رکھتے تھے۔ بعد ازاں انھوں نے امام العصر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی طرح نامور محدث حاجی شیخ محمد افضل سیالکوٹی (م ۱۱۲۶ھ/ ۱۷۴۳ء) سے صحاح ستہ بلکہ عشرہ متداولہ یعنی حدیث کی دس متداول کتابوں کی باقاعدہ اجازت حاصل کی تھی۔ پھر مقامات مظہری (از شاہ غلام علی دہلوی) اور بشارات مظہریہ (از مولوی نعیم اللہ بہڑا پٹی) دونوں کا متفقہ بیان ہے کہ حضرت مظہر جاناناں دہلویؒ ابتداءً باقاعدہ تدریس کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ خود مولوی نعیم اللہ بہڑا پٹی نے جو آخری سالوں میں حضرت مظہرؒ کے در دولت پر حاضر ہوئے تھے، نہ صرف حضرت مظہر سے درس لینے کا ذکر فرمایا ہے بلکہ حضرت مظہر کے حوالے سے ان کی صحاح ستہ کی وہ اسناد بھی نقل فرمادی ہیں جو اپنے اساتذہ سے

۲۵ حاجی شیخ محمد افضل سیالکوٹی (م ۱۱۲۶ھ/ ۱۷۴۳ء) اپنے عہد کے نامور عالم، محدث بے بدل اور سلسلہ مجددیہ کے اساطین میں سے تھے۔ انھوں نے دس سال تک خواجہ حجۃ اللہ بن نقشبند بن خواجہ محمد معصوم سے اور بارہ سال تک شیخ عبدالاحد (م ۱۱۲۶ھ) فرزند و خلیفہ شیخ محمد سعید مجددی سے استفادہ علمی فرمایا۔ خواجہ عبدالاحد ہی سے انھوں نے علوم معقول و منقول اور علم حدیث کی اسناد حاصل کیں۔ بعض ازاں مکہ مکرمہ میں شیخ سالم بن عبداللہ البصری المکی (م ۱۱۶۰ھ) سے علم حدیث کی سند حاصل کی۔ زیارت حریم شریفین کے بعد مدرسہ غازی الدین خاں میں بحیثیت مدرس خدمات سرانجام دیں (نزہۃ الخواطر، ۶: ۲۸۱)۔ حضرت مظہرؒ کے اپنے بیان کے مطابق انھوں نے بیس برس تک ان سے استفادہ فرمایا (مقامات مظہری) حاجی صاحب ہندوستان کے دو نامور فضلاء کے مربی ہیں، یعنی امام العصر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے اور حضرت مظہر جاناناں شہید کے۔

انہیں حاصل ہوئی تھیں، جس کے وہ صحاح ستہ کا درس لینے کے بعد مستحق ہوئے تھے۔
 (یہ اسناد مولوی نعیم اللہ نے نقل کی ہیں۔ ۲۵۰) اور پھر شیخ محمد عابد سنائی کی وفات کے بعد
 حضرت مظہرؒ نے جب پانی پت کا دورہ کیا اور قاضی صاحب اور ان کے برادر اکبر کے مہروں
 پر اپنا دستِ شفقت رکھا تو اس واقعے سے بھی قدیم شناسائی اور تعلق خاطر کے پہلو
 کو نظر انداز کرنا ممکن نہیں۔

ان تمام باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے پورے وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ قاضی
 صاحب بہت چھوٹی عمر سے (جسے خود انہوں نے بچپن کا نام دیا ہے) مرزا مظہرؒ کے
 ”دامنِ علم و فضل“ سے وابستہ ہو گئے تھے اور وہی قاضی صاحبؒ کی بقیہ تعلیم کے لیے رہبر و
 رہنما اور مدد و معاون بنے، جس کی بنا پر نہایت اعلیٰ پیمانے پر ان کے لیے تعلیم کی تکمیل
 کرنا ممکن ہو سکا۔

ان مختلف کڑیوں کو باہم ملانے سے صورتِ واقعہ یہ سمجھ آتی ہے کہ قاضی صاحب
 کے پہلے پیر و مرشد شیخ محمد عابد سنائی چونکہ قاضی صاحبؒ کے دادا قاضی محمد ہدایت اللہ
 کے شاگرد تھے اس لیے وہ اس خاندان پر خصوصی نظر کرم رکھتے تھے، چنانچہ جب قاضی
 صاحبؒ کے والد قاضی محمد حبیب اللہ فیض باطنی کی تربیت کے لیے ان کے درِ دولت
 پر گئے تو انہوں نے مروجہ طریقہ سے ہٹ کر انہیں پہلے خلافت و اجازت سے نوازا
 اور پھر توجہ دی۔ غالباً ان ایام میں قاضی صاحبؒ بھی اپنے والد کے ساتھ گاہے بگاہے
 ان کی خدمت میں حاضر ہوتے ہوں گے۔ جب قاضی صاحبؒ کے والد قاضی محمد حبیب اللہ
 کا انتقال ہوا تو یہ دونوں بھائی خصوصی طور پر شیخ سنائیؒ کی توجہات کا مرکز بن گئے۔
 غالباً انہی ایام میں جو قاضی صاحبؒ کا عہدِ طفولیت تھا، شیخ سنائیؒ نے انہیں بغرض
 تعلیم و تربیت حضرت مظہرؒ کے سپرد فرمادیا جو اس وقت شیخ سنائی کے حلقے میں سب
 سے ممتاز علمی مقام رکھتے تھے، اس طرح قاضی صاحب سن شعور کو پہنچنے سے قبل ہی
 حضرت مظہر کے تلمذ میں آگئے اور ان کی بقیہ تعلیم حضرت مظہرؒ ہی کی نگرانی میں ہوئی۔
 پھر جب آپ کتابی تعلیم سے فارغ ہو گئے تو باقاعدہ طور پر شیخ سنائی کے ہاتھ پر بیعت

۲۵۰ تفصیل کے لئے دیکھئے راقم الحروف کا تحقیقی مقالہ برائے بی ایچ ڈی مخزنہ ”پنجاب یونیورسٹی لائبریری“ لاہور

ہو گئے، کیونکہ اس وقت حضرت مظہرؒ کسی کو اپنا مرید نہیں کرتے تھے، چنانچہ انھوں نے بیعت تو شیخ سنائی کے ہاتھ پر کی مگر تربیت بدستور حضرت مظہرؒ ہی سے حاصل کرتے رہے، اور پھر شیخ سنائی کے انتقال (۱۱۶۰ھ/۱۷۷۷ء) کے بعد اپنے خاندان کے دیگر افراد کے ساتھ حضرت مظہرؒ کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے اور اسی طرح قاضی صاحب کا یہ فرمانا درست ہو سکتا ہے کہ یہ اخصر پیری مریدی کے علاوہ اپنے بچپن سے ہی حضرت مظہرؒ کے زیر تربیت رہا ہے اور وہی میرے باپ، دادا اور استاد و مربی بھی رہے ہیں۔

امام العصر شاہ ولی اللہ کے حلقہ درس میں

حضرت مظہرؒ نے جب یہ دیکھا کہ قاضی صاحبؒ مروجہ علوم میں پوری طرح مہارت حاصل کر چکے ہیں اور خود ان سے اعلیٰ پیمانے پر تعلیم اور تربیت پا چکے ہیں تو انھوں نے قاضی صاحب کو مزید تعلیم و تربیت اور دینی سند کو بہتر بنانے کے لیے اور تفقہ و اجتہاد میں بصیرتِ تامہ حاصل کرنے کے لیے امام العصر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی خدمت میں بھیج دیا، جہاں انھوں نے شاہ صاحب سے عشرہ متداولہ کا درس لیا اور تفقہ و اجتہاد کی بصیرت حاصل کی۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا مختصر تذکرہ

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امام العصر شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے حالات زندگی پر ایک نظر ڈال لی جائے۔

شاہ صاحب کا سلسلہ نسب ایتیس واسطوں سے خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ تک پہنچتا ہے۔ ان کا خاندان کئی صدیوں سے علمی و فکری روایت کا امین چلا آ رہا

۲۶۹ بشارات مظہریہ، قلمی، ورق، ۱۶۱ ب

۲۷۰ ملاحظہ ہو، شاہ ولی اللہ: امداد فی آثار الاجداد، نیز مولوی رحیم بخش دہلوی:

حیات ولی، ص ۸ تا ۸۔

تھا۔ شاہ صاحبؒ کے دادا شیخ وجیہ الدین عالم ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑے بہادر بھی تھے، ۲۹؎ جب کہ آپ کے والد شاہ عبدالرحیم (م ۱۱۳۱ھ/۱۷۱۹ء)، اپنے دور کے نامور فقیہ تبحر عالم اور ولی کامل تھے۔ ان کا نام "فتاویٰ عالمگیری" کے گرامی قدر مولفین کی فہرست میں شامل ہے۔ ۳۰؎

"شاہ صاحب کی ولادت ۴ شوال ۱۱۱۴ھ/۲۱۷۰ء کو بدھ کے روز ہوئی۔ ان کا ذاتی نام "ولی اللہ" قطب الدین اور تاریخی نام "عظیم الدین" (۱۱۱۴ھ) رکھا گیا۔ ۳۱؎ پانچ سال کی عمر ہوئی تو انھیں مکتب میں بٹھایا گیا۔ قاضی صاحبؒ کی طرح انھوں نے عمر کے ساتویں برس حفظ قرآن سے فراغت پائی۔ جب عمر ۱۴ سال ہوئی تو بجماعت ان کی شادی کر دی گئی۔ پندرہویں سال میں سلسلہ نقشبندیہ میں اپنے والد گرامی کے ہاتھ پر بیعت کی اور اسی سال اجازت و خلافت پائی۔ ۷۱ سال کی عمر کو پہنچے تو ان کے والد گرامی شاہ عبدالرحیم انتقال فرما گئے (۱۱۳۱ھ/۱۷۱۹ء) یوں "مدرسہ عربیہ رحیمیہ" میں طلبہ کے درس و تدریس کی ذمہ داری ان کے کندھوں پر آن پڑی۔

تدریس کے دو ادوار

شاہ صاحبؒ کی تدریس کو دو واضح ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے، تدریس کا دورِ اول تقریباً ساڑھے بارہ سالوں (۱۱۳۱ھ تا ۱۱۴۳ھ) پر مشتمل ہے، جس کے بعد وہ ۱۱۴۳ھ میں عازم حرمین شریفین ہو گئے۔ وہاں دو سالہ (۱۱۴۴ھ - ۱۱۴۵ھ) قیام کے دوران میں انھوں نے حجاز مقدس کے نامور اساتذہ مثلاً شیخ تاج الدین قلعی حنفی (م ۱۱۴۴ھ/۱۷۳۱ء) اور شیخ ابوطاہر

۲۸ امداد فی ناثر الابداد، انفاس العارفين، ص ۷۷، ۱ تا ۱۹۱، مطبوعہ لاہور، اردو ترجمہ از سید فاروق۔

۲۹ ایضاً

۳۰ الجزواللطيف في ترجمہ العبد الضعيف، ص ۱ مطبوعہ لاہور ۱۹۵۱ء مع الفوز الكبير،

۳۱ ایضاً، محل مذکور۔

محمد بن ابراہیم کر دی مدنی (م ۱۱۴۵ھ / ۱۷۳۳ء) وغیرہ سے حدیث پڑھی اور عشرہ متداولہ میں خصوصی اسناد و اجازت حاصل کی۔ ۱۱۴۵ھ / ۱۷۳۳ء میں وہ دوسرا حج کر کے وطن مالوف لوٹ آئے اور تدریس کے دوسرے دور کا آغاز فرمایا جو ان کی وفات ۱۱۷۶ھ تک تقریباً بیس اکیس سال تک جاری رہا۔ شاہ صاحب کی تدریس علوم کا یہ دوسرا دور، جسے بلاشبہ حجۃ اللہ البالغہ کا دور کہا جاسکتا ہے، استحکام خیالات اور انقلاب آفرین نظریات و افکار کا دور تھا۔ اور قاضی صاحب کی یہ انتہائی سعادت ہے کہ انہوں نے شاہ صاحب سے اسی دور میں استفادہ کیا۔

شاہ صاحب ۱۱۷۶ھ / ۱۷۶۲ء میں ایک عظیم تاریخ، حکمت اور تشریح دین پر مشتمل وسیع فکری ذخیرہ اور چار بیٹے (شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر، شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالغنی) چھوڑ کر رحمت الہی سے پیوست ہو گئے۔

تصانیف اور کارنامے

شاہ صاحب کے کارنامے جو اسلامیان ہند کی تاریخ کا بلاشبہ قیمتی اور قابل فخر سرمایہ ہیں، اس مختصر تحریر میں بیان نہیں کیے جاسکتے۔ تاہم اجمالی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کی زندگی کا شاید ہی کوئی پہلو ایسا ہو جو شاہ صاحب کی عبقری نگاہوں میں نہ آسکا ہو، آپ نے مسلمانوں کی زندگی کے ہر پہلو پر وقیع علمی اور فکری سرمایہ چھوڑا ہے۔ ایک عام انداز سے کے مطابق ان کی تصنیفات کی تعداد پچاس کے قریب بیان کی جاتی ہے۔^{۳۲} مگر یہ حتمی فہرست نہیں ہے۔ اس میں ابھی مزید قلمی مخطوطات سے اضافے کی گنجائش ہے۔

ہندوستان کے مسلمانوں کو قرآن اور علوم قرآن سے روشناس کرانے کے لیے شاہ صاحب نے فارسی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ (فتح الرحمن) مکمل کیا۔ ان کے اس اقدام کو گو بعض مذہبی حلقوں میں ناپسند ٹھہرایا گیا۔ مگر فی الحقیقت ان کا یہ کارنامہ ہندوستان میں فہم

^{۳۲} عطاء اللہ حنیف، مقالہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، در اردو دائرہ معارف اسلامیہ،

۲۳، ۳۹ تا ۴۶، مولانا ابوالحسن علی ندوی، تاریخ دعوت و عزیمت، جلد پنجم۔

قرآن کے لیے سنگِ میل ثابت ہوا۔

ان سے قبل ہندوستان کے دینی مدارس میں حدیث میں فقط مشکوٰۃ پڑھائی جاتی تھی۔ انھوں نے عشرہٴ متداولہ کے درس کا اہتمام فرمایا، جس کا سلسلہ دینی مدارس میں دورہٴ حدیث شریف کی صورت میں اب تک جاری ہے۔ فقہ اور علوم فقہ پر تعصب کو کم کرنے کے لیے انھوں نے "موطا" امام مالک کی فارسی اور عربی شروح لکھیں، مسالک فقہ میں ایک دوسرے کا نقطہٴ نظر جاننے کے لیے "الانصاف فی بیان سبب الاختلاف" لکھی۔ اجتہاد اور ضرورت اجتہاد کو عقد الجید کے ذریعے عام فرمایا۔ اسلامی احکام کے سرار و رموز پر حجۃ اللہ البالغہ میں قلم اٹھایا۔ عقائد و کلام کے مسائل پر ازالۃ التحقا اور قرۃ العینین وغیرہ میں اظہار خیال کیا۔ تصوف اور علوم تصوف پر الطاف القدس اور سطحات وغیرہ میں کھل کر لکھا۔ اصول تفسیر پر الفوز البکیر کے عنوان سے قلم اٹھایا۔ سیاسی حالات کے حل کے لیے مختلف خطوط لکھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مسلمانوں کے اقتصادی و معاشی حالات کی بہتری پر اپنی مختلف کتب میں کھل کر اظہار خیال کیا، الغرض انھوں نے مسلمانوں کی ہر پہلو سے اس جامع انداز میں رہنمائی فرمائی، جس کی فی الحقیقت ان دنوں مسلمانوں کی اشد ضرورت تھی۔^{۳۳}

القصد شاہ صاحب اپنے زمانے کی ایسی عبقری شخصیت تھے، جس کی ہندوستان میں تو کجا، یورپ سے عالم اسلام میں، متاخر دور میں کوئی مثال نظر نہیں آتی۔

قاضی صاحبؒ کے استفادہ علمی کا زمانہ

بہر حال قاضی صاحبؒ کی یہ انتہائی خوش قسمتی اور حسنِ سعادت تھی کہ انھیں اس "نابغہٴ روزگار" شخصیت کے سامنے زانوئے تلمذتہ کرنے کا موقع ملا، لیکن یہ مسئلہ بحث طلب ہے کہ وہ کس سال "مدرسہ رحیمیہ"^{۳۴} کے اس بالغ نظر استاد کی خدمت

^{۳۳} دیکھیے مولانا ابوالحسن علی ندوی، تاریخ دعوت و عزیمت، جلد پنجم

^{۳۴} "مدرسہ رحیمیہ" جسے "درس گاہ ولی اللہی" بھی کہا جاتا ہے کی بنیاد شاہ عبدالرحیم بن شاہ وجیہ الدین نے ۱۰۰۵ھ اور ۱۱۳۱ھ کے مابین رکھی تھی۔ وہ خود (بقیہ اگلے صفحہ پر)

میں بفرض استفادہ حاضر ہوئے۔ ماخذ میں کسی جگہ بھی اس کی بابت ہمیں کوئی صراحت نہیں ملتی۔ البتہ بعض قرائن سے اہم مسئلے کو حل کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔

ان میں سے پہلا قرینہ تو حضرت مظہرؒ کی ذات سے "خصوصی تعلق خاطر" ہے۔ جس کی بنا پر وہ امام العصر شاہ ولی اللہ کے در دولت پر حاضری سے مشرف ہوئے۔ اور حضرت مظہرؒ سے قاضی صاحبؒ کا خصوصی تعلق، شیخ محمد عابد سنائیؒ کی وفات (۱۱۶ھ) کے بعد قائم ہوا، جیسا کہ ہم آئندہ بیان کریں گے۔

جب شیخ محمد عابد سنائیؒ کی وفات کا وقت آیا تو انھوں نے قاضی صاحبؒ اور ان کے برادر اکبر قاضی محمد فضل اللہ کا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں دیا اور ان کے بارے میں خاص طور پر توجہ دینے کی وصیت فرمائی۔ چنانچہ شیخ سنائیؒ کی وفات کے بعد حضرت مظہر جاناناں خاص طور پر پانی پت گئے اور آپ کے اور آپ کے برادر اکبر کے سروں پر دست شفقت رکھا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ شاہ ولی اللہ کی خدمت میں ان کے پہنچنے کا واقعہ بھی لازمی طور پر اس کے بعد ہی پیش آیا۔

(گزشتہ سے پیوستہ) تمام دن قرآن مجید پڑھتے اور حدیث شریف کا درس دیتے تھے۔ اس مدرسے کی مقبولیت اتنی بڑھی کہ عرب و عجم کے لوگ یہاں حصول علم کے لیے آنے لگے۔ نسبت اس قدر قوی تھی کہ جو بھی سنتا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ شاہ ولی اللہ کی عمر مبارک جب ۱۱ سال ہوئی تو ان کے والد قضائے الہی سے انتقال فرما گئے جس کے بعد مدرسہ رحیمیہ کی مسند علم آپ سے متعلق ہو گئی۔ آپ کے زمانے میں اس کی شہرت اور قدر و منزلت میں مزید اضافہ ہوا شاہ صاحب کی وفات کے بعد شاہ عبدالعزیز اس میں مسند نشین رہے۔ بقول مولوی بشیر الدین دہلوی یہ درس گاہ اکبر سے دالان اور تین در والی صندوق نما لداؤ والی مسجد اور ایک کٹھرے پر مشتمل تھی (واقعات دارالحکومت دہلی، ۲: ۵۸۵)۔

(۵۹۰ وغیرہ)

۳۵ بشارات مظہریہ، قلمی، ورق ۱۶۱ ب

اس وقت قاضی صاحبؒ کی عمر تخمیناً سترہ سے بیس سال کے قریب یا اس سے ایک دو سال زیادہ ہوگی، جب کہ حضرت شاہ ولی اللہ اپنی زندگی کے ساٹھ سال پورے کرنے والے تھے، اس لحاظ سے استفادے اور افادے کے نقطہ نگاہ سے دونوں کی عمر کا یہ حصہ بہت اہم تھا، بیس سال کی عمر حصولِ علم اور ساٹھ برس کی عمر فیضانِ علمی کے لیے انتہائی موزوں اور مناسب ہے اور پھر شاہ صاحب کی زندگی کے یہ وہ آخری سال تھے کہ جب وہ اپنے مشن کے اقامتی حصے پر پہنچنے والے تھے۔ اسی لیے اس دور کو نظریات و افکار کی پختگی اور وجدان و فکر کے استحکام کا دور سمجھا جاتا ہے۔ اسی بنا پر اس دور میں اس درس گاہ میں قاضی صاحب کی حاضری کو آپ کی خوش قسمتی اور سعادت خیال کیا جاسکتا ہے اور دوسری جانب اس علمی درس گاہ کی بھی یہ خوش بختی تھی کہ اسے ایسا گوہر آبدار مل گیا تھا جس نے مستقبل میں اپنی تابانی سے پورے عالمِ اسلام کو متاثر کیا۔ چنانچہ اسی قرآن السعدین اور شاہ ولی اللہ کی سرپرستی نے ان کو عالمِ اسلام کا معروف و ممتاز فقیہ اور نامور مفسر بنا دیا۔

شاہ صاحب سے تلمذ اور عدم تلمذ کا مسئلہ

یہاں چلتے چلتے ایک اختلافی موقف کی جانب اشارہ کرنا بھی مناسب ہوگا تاکہ اس بارے میں دوسری رائے بھی سامنے آسکے۔

نامور محقق اور تذکرہ نگار مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم نے ماہنامہ "معارف" اعظم گڑھ میں ایک سلسلہ مضامین بعنوان "ہندوستان میں علمِ حدیث" کے عنوان سے تحریر کیا تھا۔ جسے اپنے محتویات کے لحاظ سے بہت پسند کیا گیا تھا، مگر سید صاحب مرحوم نے اپنے اس مقالے میں بہت سی غلطیاں کی تھیں جن کی خود "معارف" کے اوراق میں تردید کی گئی، انہی غلطیوں میں سے ایک غلطی یہ تھی کہ اس میں سید صاحبؒ نے قاضی صاحب کو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے بجائے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا شاگرد قرار دیا ہے۔

سید سلیمان ندوی مرحوم ایک حقیقت شناس مؤرخ تھے لیکن بہر حال بشری غلطیوں سے مبرا نہ تھے، اسی لیے اس بارے میں بھی ان سے غلطی ہوئی ہے جس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

- ۱۔ قاضی صاحب کے تمام تذکرہ نگاروں مثلاً مولانا عبدالحی لکھنوی، مولوی رحمان علی، نواب صدیق حسن خاں قنوجی، جرمن مستشرق سی۔ اے۔ براکلمان اور مولانا فقیر محمد جہلمی وغیرہ نے آپ کو شاہ ولی اللہ کا شاگرد قرار دیا ہے۔
- ۲۔ سید سلیمان ندوی نے اس بارے کے حق میں کوئی دلیل پیش نہیں فرمائی اور شاید کوئی ایسی دلیل موجود بھی نہ ہو، اس لیے کہ کسی بھی تذکرے میں شاہ عبدالعزیز دہلوی اور قاضی صاحب کے مابین استاد و شاگرد کی حیثیت کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔
- ۳۔ سید صاحب مرحوم کے مضمون کی تردید میں خود "معارف" کے مضمون نگار محمد فاروق بھڑاچھی نے لکھا ہے:

اس حساب سے آپ کی پیدائش ۱۱۳۰ اور ۱۱۴۷ء کے درمیان ہوئی اور شاہ ولی اللہ کا وصال ۱۱۴۶ء / ۱۶۶۲ء میں ہوا، اگر آپ کی پیدائش ۱۱۴۷ء میں بھی تسلیم کر لی جائے تو عمر اور بھی بڑھ جائے گی، اس حساب سے آپ شاہ عبدالعزیز سے ۱۳ سال بڑے تھے، کیونکہ شاہ عبدالعزیز کی عمر شاہ ولی اللہ کے وصال کے وقت فقط سولہ برس تھی اور ان کی تکمیل بھی نہ ہوئی تھی۔

قاضی صاحب ایک علمی خاندان کے رکن تھے، علم آپ کے اجداد سے متوارث تھا،

۳۷ نزہتہ الخواطر، ۱۱۲۱ء

۳۸ تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۴۳

۳۹ اتحاف النبلاء، ص ۲۲۰

۳۷ G. A. L.، تکملہ، ۱۲، ۸۴۹

۳۷ حدائق الحنفیہ، ص ۲۶۵ -

نیز شیخ محمد عابد سنائیؒ جیسا باکمال عالم اور ان کے بعد میرزا منظر آپ کے مرتبی تھے، ایسا نہ ہوا ہوگا کہ ۲۹ سال تک آپ کی فراغت نہ ہوئی ہو، نیز تذکروں سے پتا چلتا ہے کہ شاہ ولی اللہ کے بعد دہلی میں آپ کے شاگردوں میں ایسی ایسی ہستیاں موجود تھیں، جن کا علم شاہ عبدالعزیز سے بڑھا ہوا تھا۔^{۴۲}

۴ - پھر قاضی صاحبؒ کی ذاتی تصانیف کی داخلی شہادت بھی اس کے خلاف ہے، وہ اس طرح کہ مثال کے طور پر قاضی صاحبؒ نے اپنی کتاب تفسیر منظری میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا بار بار اور بکثرت حوالہ دیا ہے اور شاہ عبدالعزیز اور ان کی کسی کتاب کا ایک بار بھی کہیں ذکر نہیں آیا۔ حالانکہ اگر معاملہ وہی ہوتا جو سید صاحب مرحوم نے لکھا ہے تو شاہ عبدالعزیز کی کتابوں کا حوالہ دینا لازمی تھا، مزید برآں ہر جگہ قاضی صاحب نے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے لیے "الشیخ ولی اللہ الدہلویؒ" کے الفاظ استعمال کیے ہیں اور عربی زبان میں "شیخ" کا احترامی لفظ اکثر و بیشتر اساتذہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

۵ - جن ایام میں قاضی صاحبؒ شاہ صاحبؒ کے ہاں زیر تعلیم تھے ان ایام میں حضرت منظرؒ جانجاناتا نے شاہ ولی اللہ کو ایک خط تحریر فرمایا تھا، جس میں دوسری باتوں اور مسائل کے علاوہ قاضی صاحب کے متعلق بھی استفسار کیا گیا تھا کہ وہ کب تک تعلیم سے فارغ ہو رہے ہیں۔ اس کا جواب شاہ صاحب نے تحریر فرمایا، اس میں واضح طور پر اس مسئلے کا ذکر موجود ہے، شاہ صاحب لکھتے ہیں:

"مولوی ثناء اللہ نے مصابیح اور صحیحین (صحیح بخاری و صحیح مسلم) کا سماع کر لیا ہے اور اب صحاح ستہ بلکہ "عشرہ متداولہ" کے سماع کے لیے

^{۴۲} دیکھیے "معارف" جلد ۲۳، شمارہ ۶، ص ۴۴۸، ذوالحجہ ۱۳۴۷ھ / ۲۱۹۲۹ -

^{۴۳} مثلاً تفسیر منظری، ۵: ۱۳۷، ۱۴۱، ۱۴۲، ۴: ۶۱، ۷۸، ۳۳۶، ۳۴۴،

مستعد ہیں، آپ کی توجہ کی برکت سے امید ہے کہ ان کے دل کی آرزو پوری ہوگی، پھر وہ آپ کی خدمت میں حاضری کے لیے احرام باندھیں گے۔^{۱۲}
 حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے مذکورہ گرامی نامے سے ایک طرف حصولِ علم کے لیے قاضی صاحب کے ذوق و شوق اور محبت و فدائیت کا پتا چلتا ہے اور ثانیاً اس سے قاضی صاحبؒ اور حضرت مظہرؒ کے مابین تعلقات کی نوعیت پر بھی روشنی پڑتی ہے۔
 الغرض ان تمام شواہد سے ثابت ہوتا ہے کہ قاضی صاحب فی نفسہ امام العصر شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے شاگرد اور تربیت یافتہ تھے نہ کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے۔

زمانہ تدریس

اگرچہ ماخذ میں اس بات کی بھی کوئی صراحت نہیں ملتی کہ قاضی صاحب نے کتنا عرصہ حضرت شاہ ولی اللہ کی خدمت میں رہ کر تعلیم و تربیت حاصل کی تاہم ان کی ذہنی استعداد نیز دونوں کے خیالات و افکار میں ہم آہنگی سے بڑی حد تک یہ قیاس ہوتا ہے کہ ان کا دورہ تعلیم Period of education کافی طویل رہا ہوگا۔ پھر بعض شواہد سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ انھوں نے اپنی "مادر علمی" (مدرسہ رحیمیہ) کے ساتھ فراغت کے بعد بھی

۱۲ کلمات طیبات، ص ۱۵۸، نیز بشارات مظہر یہ، ورق ۱۸۸ ب قلمی، یہ خط اگرچہ مولوی نعیم اللہ بھڑاچئی نے مولوی ثناء اللہ سنہلیؒ کے تذکرے میں نقل فرمایا ہے، لیکن جیسا کہ محمد فاروق بھڑاچئی نے معارف کے مذکورہ مضمون میں ذکر کیا ہے، یہ درست نہیں، بلکہ فی الحقیقت یہ خط قاضی صاحبؒ ہی کے متعلق لکھا گیا تھا۔ اولاً اس لیے کہ قاضی صاحب کا تعلق مولوی ثناء اللہ سنہلی کی نسبت زیادہ قدیم اور زیادہ گہرا تھا۔ ثانیاً جیسا کہ حضرت مظہرؒ کے خطوط سے پتا چلتا ہے (مثلاً سکا تیب قمریہ) ص ۵۴، ۳۹، ص ۶۰، ۴۴ وغیرہ) حضرت مظہرؒ کو قاضی صاحب اور ان کے خطوط کا ہی انتظار رہتا تھا، اس لیے یہ سوال بھی آپ ہی کی نسبت ہو سکتا ہے۔

بدستور تعلق اور رابطہ رکھا اور دہلی میں قیام اور حاضری کے دوران میں مدرسہ رحیمیہ کی علمی مجالس میں شامل ہوتے رہتے تھے۔

مدرسہ رحیمیہ کا قاضی صاحب پر فیضان

اب یہاں ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے کہ قاضی ثناء اللہ نے "مدرسہ رحیمیہ" دہلی سے بطور خاص "کون سی شی" حاصل کی، اس کا ایک عام سا جواب تو یہ ہے کہ آپ نے اس درس گاہ میں علوم حدیث میں مہارت حاصل کی۔ لیکن اگر گہرائی میں جا کر اس سوال پر غور کیا جائے تو ان کی علمی زندگی کا ایک اور پہلو سامنے آتا ہے۔

یوں تو ہندوستان میں اس وقت متعدد درس گاہیں موجود تھیں جن میں اپنے دور کے جید علمائے کرام تعلیم و تدریس کے فرائض انجام دینے میں مصروف تھے مگر امام العصر شاہ ولی اللہ کی درس گاہ کو ایک خاص پہلو سے ان سب پر تفوق اور امتیاز حاصل تھا، وہ پہلو دین کی سمجھ بوجھ یا تدبر و تفکر ہے، یہی وہ وصف ہے جس میں حضرت شاہ صاحب کو اپنے ہم عصروں پر تفوق و امتیاز حاصل تھا اور جس کا اعتراف ان کے استاد حدیث شیخ ابو ظاہر کردی نے ان کو سند عطا کرتے ہوئے ان الفاظ میں کیا تھا کہ:

"الفاظ کی سند میں تمہیں دے رہا ہوں اور معانی کی سند تم سے حاصل کر رہا ہوں" ۲۵

اور یہی وہ وصف ہے جو شاہ صاحب کی تمام کتابوں میں سب سے نمایاں اور ممتاز نظر آتا ہے، لہذا اس پس منظر میں باور کیا جاتا ہے کہ قاضی صاحب نے فن حدیث میں بے حد مہارت حاصل کر لی تھی اور اس کے تمام پہلوؤں کو انھوں نے پوری طرح سمجھ لیا تھا۔ سید عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں:

"اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے تفقہ حاصل کیا اور حدیث پڑھی" ۲۶

۲۵ مولوی رحیم بخش دہلوی: حیات ولی -

۲۶ نزہتہ الخواطر، ۷: ۱۱۳

تفقہ (یعنی سمجھ بوجھ) کا یہی وہ ملکہ ہے جس کے بارے میں بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا زاد حضرت عبداللہ بن عباس کے لیے دعا مانگی تھی کہ :

اللهم فقہہ فی الدین

(اے اللہ! تمہیں دین میں تفقہ عطا فرما)

اور قاضی صاحب کی کتابوں کے مغلذے سے پتا چلتا ہے کہ وہ فی الواقع اس وصف میں امام العصر حضرت شاہ صاحب سے فیض یاب ہوئے تھے۔

جیسا کہ ہم آگے چل کر بالتفصیل بیان کریں گے شاہ ولی اللہ سے قاضی صاحب کا یہ تعلق خاطر ان کی ذات، خیالات اور احساسات پر اپنے گہرے اثرات چھوڑ گیا، جس کا ثبوت انہوں نے اپنے استاد گرامی کی تائید و توثیق میں کتابیں تصنیف کر کے دیا اور تفسیر منظری میں تو اپنے استاد گرامی کے بکثرت حوالے دیے ہیں۔

اس گہرے تاثر کا فائدہ یہ ہوا کہ قاضی صاحب "حضرت مجدد الف ثانی" کی تحریک تجدید اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے اس دور کے دونوں عظیم قائدین (شاہ صاحب اور حضرت منظر) سے براہ راست مستفید ہو کر ہمیشہ کے لیے اسی تحریک سے وابستہ ہو گئے۔ اس بنا پر اگر یہ کہا جائے کہ تصنیف و تالیف اور حقائق و معارف مجددیہ کے بیان میں قاضی صاحب کا کام بلا شبہ شاہ صاحب اور حضرت منظر کے تمام شاگردوں اور مستفیدین سے بڑھ کر ہے اور ان کی تصانیف خود شاہ عبدالعزیز سے بھی زیادہ ہیں۔ تو اس میں قطعاً کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔

شاہ محمد فاخر اللہ بادلی کی درس گاہ میں

قاضی صاحب کے تذکرہ نگاروں نے ان کے اساتذہ کرام کی فہرست میں فقط دو نام

۱۴۶ بخاری شریف -

۱۴۷ معارف (اعظم گڑھ)، ۲۳، ۶/۲۲۲، ۲۲۲

(شاہ صاحب و حضرت منظر) پیش کیے ہیں لیکن تفسیر منظری کی ایک داخلی شہادت سے جہاں قاضی صاحب نے شاہ محمد فاخر الہ بادی (م ۱۱۶۴ھ / ۱۷۵۱ء) کے لیے "الاستاد-ایشیخ" کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں اور ان کے ساتھ اپنے ایک علمی مذاکرے کا ذکر کیا ہے،^{۲۹} پتا چلتا ہے کہ انھوں نے شاہ محمد فاخر الہ بادی سے بھی شرف تربیت حاصل کیا تھا۔ ویسے بھی عقلی طور پر اس میں کوئی رکاوٹ نہیں، کیونکہ شاہ فاخر الہ بادی کا سال وفات ۱۱۶۴ھ / ۱۷۵۱ء ہے اور یہ وہ زمانہ ہے جب قاضی صاحب حصول علم کے لیے پوری طرح کمر بستہ اور مستعد تھے، اور پھر حضرت منظرؒ کی جانب سے بھی اس کی تحریک کا ہونا خلاف قیاس نہیں۔

شیخ محمد فاخر الہ بادی کا مختصر تذکرہ

شیخ محمد فاخر محدث الہ آبادی، بارہویں صدی ہجری کے نامور فقیہ اور جید عالم دین تھے اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی طرح فقہ اور علوم فقہ میں اجتہاد کی بصیرت رکھتے تھے۔ وہ شیخ محمد یحییٰ بن محمد امین عباسی الہ آبادی کے صاحبزادے اور جانشین تھے۔ الہ بادی میں ۱۱۲۰ھ / ۱۷۰۸ء میں پیدا ہوئے۔^{۳۰} ابتدائی عمر میں ہی اپنے چچا شیخ محمد افضل بن عبدالرحمان عباسی سے بیعت ہوئے اور پھر اپنے تایا شیخ محمد طاہر سے تعلیم پائی۔ اور ۲۲ برس کی عمر میں حصول علم اور اکتساب فیض کے بعد اپنے تایا کے جانشین بنے۔ (۱۱۴۲ھ) ۲۸ سال کی عمر میں چھ سال کی تدریس کے بعد عازم حرمین شریفین ہوئے اور قیام حجاز کے زمانے میں، مشہور ہندی عالم شیخ محمد حیات سندھی (۱۱۶۳ھ / ۱۷۴۹ء) سے صحیح

^{۲۹} تفسیر منظری، ۶: ۲۳ (الکف - ۲۰)

^{۳۰} شیخ محمد حسین مراد آبادی: انوار العارفین، ص ۴۶۵۔

^{۳۱} شیخ محمد حیات سندھی سندھ کے چاچر قبیلے کے چشم و چراغ تھے، علاقہ بھکر کے قصبہ عادل پور کے نواح میں پیدا ہوئے۔ ہوش سنبھالنے کے بعد شیخ محمد معین (م ۱۱۶۱ھ / ۱۷۴۸ء) مصنف دراسات البیب (یقیہ اگلے صفحہ پر)

بخاری (مکمل) اور صحیح مسلم (کچھ حصہ) پڑھی اور اجازت لی (۱۱۵۰ھ)۔ اسی سال وطن واپسی ہوئی۔ ۱۱۵۴ھ میں دوبارہ حج کا ارادہ کیا۔ مگر حوادث سے دوچار ہوئے اور (۱۱۵۶ - ۱۱۵۷ھ) میں واپس لوٹ آئے۔ تیسری مرتبہ پھر حج کا ارادہ کیا تھا اور اسی غرض سے "برہان پور" میں قیام پذیر تھے کہ رب کعبہ نے انھیں اپنے حضور باریاب کر لیا۔ یعنی آپ کی وفات ہو گئی، ۱۱۶۴ھ (۱۱۶۴/۱۱۷۰ھ) انھیں برہان پور میں شیخ عبداللطیف برہان پوری کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔

قاضی صاحب کے مقدم الذکر دونوں اساتذہ کی طرح شیخ محمد قاسم الہ بادی بھی ایک طرف ہندوستان بھر میں اپنی "عالی سند" کی بنا پر اور دوسرے حدیث، فقہ اور اجتہادی بصیرت کی بنا پر خاص شہرت کے حامل ہیں۔ ان کے سوانح نگاروں کے بقول وہ کسی مسلک فقہ کے پابند یا مقلد نہ تھے بلکہ وہ صحیح معنوں میں کتاب و سنت کے نصوص پر عمل پیرا تھے اور اپنی رائے سے اجتہاد بھی فرماتے تھے۔ ان کا علمی ورثہ ان کی عظمت کا آئینہ دار ہے۔

(گذشتہ سے پیوستہ) (شاگرد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی) سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ پھر عالم شباب میں مزید حصول علم کے لیے حرمین شریفین کا سفر کیا اور متعدد اکابر محدثین سے حدیث پڑھی۔ پھر اپنے استاد شیخ ابوالحسن سندھی (۱۱۲۹ھ) کے بعد ان کی مسند تدریس پر بیٹھ کر چوبیس برس تک مسجد نبوی میں حدیث شریف کا درس دیا اور بے شمار شاگردوں کو حدیث پڑھائی۔ بالآخر ۱۱۶۳ھ/۱۱۷۰ھ میں مدینہ منورہ ہی میں انتقال فرمایا اور وہیں مدفون ہوئے۔ (ایجد العلوم، از صدیق حسن خان، ص ۸۴۹، نزہۃ الخواطر، ۱: ۳۰۱ تا ۳۰۲)

مولوی رحمان علی، تذکرہ علمائے ہند، ص ۴۵، نزہۃ الخواطر، ۶: ۳۴۰ -

عبدالوہاب افتخار بہ ترتیب منظور علی، تذکرہ بے نظیر، بہار یونیورسٹی، ۱۹۴۰، ص ۶۹ - ۷۱

نزہۃ الخواطر، ۶: ۳۴۱

ان کی تصانیف میں ذرۃ التحقیق، قرۃ العینین، منظومہ اور رسالۃ البغاتیہ

وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

استفادہ علمی کا موقع محل

البتہ یہاں یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ قاضی صاحبؒ نے شیخ محمد فاخرؒ سے کہا استفادہ علمی کیا؟ اس ضمن میں ماخذ سے تو چونکہ کوئی مدد نہیں مل سکتی اس لیے فقط قیاس ہی کے ذریعے اس کا جواب تلاش کیا جاسکتا ہے۔

اس سلسلے میں ایک قیاس تو یہ ہے کہ خود قاضی صاحبؒ نے حضرت مظہر جانانا کی ہدایت پر اللہ باد کا سفر کیا، اور وہاں تشریف لا کر شیخ مذکور سے شرف تلمذ حاصل کیا ہو، اور چونکہ دہلی اور اللہ باد کے مابین کوئی زیادہ فاصلہ نہیں۔ اور پھر قاضی صاحب کے زمانے میں لوگ حصول علم کے لیے اس سے بھی دور دراز کا سفر کیا کرتے تھے اس لیے یہ قیاس بھی بے محل نہیں۔ تاہم چونکہ ماخذ میں، ان کے ایسے کسی سفر کا ذکر نہیں ملتا، لہذا جتنی طور پر کچھ کہنا ممکن نہیں۔

دوسرا قیاس یہ ہے کہ خود شیخ اللہ بادیؒ حج یا کسی اور کام کے سلسلے میں مرکز سلطنت دہلی میں تشریف لائے ہوں اور وہیں قاضی صاحبؒ اور دیگر طالبان علم نے ان سے استفادہ کر لیا ہو، بالکل اسی طرح جس طرح کہ شیخ مذکور کے صاحب زادے اور جانشین میاں قطب الدین دہلی تشریف لاتے رہتے تھے، چنانچہ ایک خط میں حضرت مظہرؒ قاضی صاحب کو ان کی آمد کی خبر دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

”میاں قطب الدین حلف حضرت شاہ (فاخر المحدث) حج کے ارادے میں اپنے گھر سے باہر نکل چکے تھے کہ بادشاہ نے یہاں دہلی میں ان کو طلب فرمایا اور آج کل دہلی میں فروکش ہیں۔ وہ صورت اور سیرت میں بہت زیادہ اپنے والد بزرگوار کے مشابہ ہیں۔“ ۵۴

۵۴ تاہم کسی بات کا عدم ذکر عدم وقوع کو مستلزم نہیں۔ مثال کے طور پر کتب سوانح میں قاضی صاحب کے سفر لکھنؤ کا کوئی ذکر نہیں۔ مگر ان کے قلمی خطوط میں اس کا ذکر ملتا ہے۔

۵۵ مکاتیب، قریشی۔ ص ۷۴ - م ۵۴ -

حضرت مظہر جاناناں کے مذکورہ مکتوب سے بھی مترشح ہوتا ہے کہ قاضی صاحب شیخ محمد فاخر سے شرف تلمذ رکھتے تھے، ورنہ ان کے ساتھ مذکورہ اندازہ مخاطب کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ بہر حال حضرت مظہر کے اس گرامی نامے سے پتا چلتا ہے کہ اس خانوادے کی شاہی دربار تک بھی رسائی تھی اور شہنشاہ ہند اس خاندان کے بزرگوں کا قدردان تھا لہذا اس سے بجا طور پر یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ شیخ محمد فاخر اسی طرح دہلی میں وارد ہوئے ہوں اور یہاں کچھ عرصہ اقامت اختیار کی اور اسی زمانے میں قاضی صاحب نے ان سے استفادہ کیا ہوگا۔

بہر حال ۱۱۵۷ھ سے ۱۱۶۳ھ کے مابین جب کہ شیخ الہ بادی کے درس کی شہرت بام عروج پر تھی۔ قاضی صاحب نے ان سے اپنے قریبی شہر دہلی میں یا پھر الہ بادی میں تشریف لے جا کر شرف تلمذ حاصل کیا، جس سے نہ صرف ان کی سند میں ترقی ہوئی بلکہ ان کو ایک ایسی شخصیت سے استفادے کا بھی موقع ملا جو اجتہادی بصیرت میں اپنی مثال آپ تھی۔

تکمیل کے وقت قاضی صاحب کی عمر

بہر حال شیخ الہ بادی کے تلمذ پر اس بابرکت سفر کا اختتام ہو جاتا ہے جو قاضی صاحب نے اپنی ابتدائی عمر میں اپنے خاندانی بزرگوں سے استفادہ علمی کی صورت میں شروع کیا تھا، مگر دوسرے بہت سے مسائل کی طرح اس موقع پر ان کی عمر کا مسئلہ وضاحت طلب ہے۔ عام طور پر سوانح نگاروں نے تکمیل کے وقت ان کی عمر سو گھ یا اٹھارہ برس بیان کی ہے، لیکن ہمارے خیال میں یہ عمر عام نصاب تعلیم، جس کی تفصیل اوپر بیان ہو چکی ہے، مکمل کرنے کی ہے، تکمیل تعلیم کی نہیں۔ اور یہ کہ اس میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شیخ

محمدناظر اللہ بادی وغیرہ سے حصول علم کا دور شامل نہیں، کیونکہ یہ دور اس کے بعد شروع ہوتا ہے۔ تاہم یہ امر بہر حال واضح ہے کہ ان کی تکمیل تعلیم کا زمانہ ۱۱۶۴ھ/۱۷۵۱ء کے بعد تک تمتد نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ یہ سال شیخ اللہ بادی کا سال وفات ہے۔ یوں اس وقت قاضی صاحب کی عمر بیس اور پچیس سالوں کے مابین ہوگی۔ اور جیسا کہ آئندہ صفحات میں تفصیل سے ذکر ہوگا کہ قاضی صاحب نے بعض ذاتی مجبوریوں کے تحت تکمیل ہونے سے قبل دہلی ہی میں کوئی سرکاری ملازمت اختیار کر کے عملی زندگی کا آغاز کر دیا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ حصول علم کا بابرکت سلسلہ بھی جاری رکھا۔ چنانچہ تعلیم اور اکتساب فیض روحانی دونوں کی تکمیل اسی زمانے میں ممکن ہو سکی۔

ادبی علوم اور ہندی زبان کی تحصیل

قاضی صاحب دینی علوم کے علاوہ ادب و انشا اور شعر و شاعری میں بھی مناسب دستگاہ رکھتے تھے۔ چنانچہ مولوی نعیم اللہ بیڑا پٹی نے ان کے کچھ فارسی اشعار نقل کیے ہیں^۱ جس سے فن شعر و شاعری میں ان کی مہارت و مہارت کا پتا چلتا ہے۔
علاوہ ازیں قاضی صاحب نے اپنے خطوط میں ہندی زبان کے بھی چند اشعار نقل فرمائے ہیں^۲ جس سے ہندی (سنسکرت) میں ان کی زبان دانی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

علمی استاد

فراغت کے بعد عربی مدارس کی ایک روایت "سندات" کا اجر لے، قاضی صاحب کو بھی ان کے فاضل اساتذہ کی جانب سے اسناد جاری کی گئی ہوں گی، مگر قاضی صاحب نے اس بارے میں کہیں ذکر نہیں فرمایا۔

۱۔ معمولات منظریہ، ورق ۱۴۷ ا

۲۔ بشارات، ق، ورق ۱۶۲ ب۔

البتہ "سند" کا مطلب چونکہ اس سلسلہ مشائخ کی نشان دہی کرتا ہوتا ہے، جن کے توسط سے فیوض و برکات یہ سلسلہ طالب علم کی ذات تک امتداد ہوا، اور اس سلسلے میں چونکہ قاضی صاحب یتیموں اساتذہ (حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، مرزا مظہر جان جاناں⁷ اور مولانا محمد فاخر الہ آبادی) کی علمی اسناد موجود ہیں، لہذا اس پس منظر میں باور کیا جاسکتا ہے کہ خود قاضی صاحب کی اپنی اسناد بھی گویا موجود ہیں۔ یتیموں اساتذہ کرام کے توسط سے ان کی اسناد کی تفصیل مختلف تذکروں میں موجود ہے۔

اعزازی خطاب

قاضی صاحب کی محدثانہ بصیرت کا اندازہ کرنے کے لیے یہ کتنا کافی ہو گا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے ان کو "بیہقی وقت" یا "بیہقی زمانہ" کا لقب مرحمت فرمایا تھا۔ یہ لقب چونکہ اپنے دور کی ممتاز ترین علمی شخصیت کی جانب سے دیا گیا تھا، اس لیے علمی طور پر اس کی بے پناہ اہمیت ہے۔

اگرچہ کسی کو "ابوحنیفہ ثانی" "شافعی وقت" کہہ دینے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ حقیقت میں امام ابوحنیفہ یا امام شافعی بن گیا ہے بلکہ اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ مذکورہ شخص اپنی خصوصیات میں امام ابوحنیفہ یا امام شافعی کے قریب یا ان کے مشابہ ہے۔ اسی لیے مذکورہ بالا خطاب "بیہقی وقت" کا یہ مفہوم تو ہرگز نہیں کہ قاضی صاحب "امام بیہقی" ہو گئے تھے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی ذات اپنی خصوصیات علمی و فقہی میں امام بیہقی سے زیادہ مشابہ یا قریب ہے۔ تاہم یہاں بادی النظر میں جو سوال سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ امام بیہقی کی وہ کون سی خصوصیات ہیں جو قاضی ثناء اللہ پانی پتی میں پائی گئیں۔

امام بیہقی (م ۲۵۸ھ / ۲۱۰۶۵) ایک شافعی المسلک فقیہ اور نامور محدث تھے۔ وہ حدیث و فقہ میں تبحر علمی اور وسعت معلومات کے لیے ضرب المثل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۲۷۲ ملاحظہ ہو ایانہ الجنی، القول الجلیل، ماہنامہ معارف اعظم گڑھ ۱۹۲۸ء، بشارات مظہریہ۔

امام سبکی شافعی قسم کھا کر کہا کرتے تھے کہ ان کی پانچ کتابوں (سنن بیہقی، دلائل النبوة، کتاب الاسماء والصفات، کتاب مناقب الشافعی، کتاب الدعوات البکیر) کی مثال دُنیا میں موجود نہیں۔ امام الحرمین ان کی شان میں کہا کرتے تھے کہ دُنیا میں کوئی شافعی عالم ایسا نہیں کہ امام شافعیؒ کا اس پر احسان نہ ہو، بجز امام بیہقی کے کہ اس مذہب کی نشر و اشاعت میں امام بیہقی کا امام شافعیؒ پر احسان ہے۔ ایسے زبردست عالم اور فقیہ کے ساتھ قاضی صاحب کو تشبیہ دینا اس بات کا ثبوت ہے کہ بارہویں صدی ہجری اور اٹھارویں صدی عیسوی میں ہمارے ممدوح نے اپنی تصانیف کے ذریعے وہی کام کیا جو اپنے زمانے میں امام بیہقی نے کیا تھا، یعنی امام بیہقی کی طرح قاضی صاحبؒ نے بھی حنفی فقہ کے استحکام میں نمایاں کام کیا۔

علاوہ ازیں حدیث اور فقہ دونوں میں جتنا تبحر اور عبور قاضی صاحب کو حاصل تھا۔ ان کے عہد میں اس کی بھی کوئی مثال نہیں ملتی، پھر امام بیہقی کی طرح ان کی کتابوں اور تصانیف سے بھی بے حد استفادہ کیا گیا ہے۔ جس کی تفصیل اس کتاب کے آئندہ صفحات میں بیان کی جائے گی۔ الغرض مذکورہ بالا پہلوؤں سے قاضی صاحبؒ کی امام بیہقیؒ سے پوری مماثلت پائی جاتی ہے اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی جانب سے دیا گیا یہ لقب بالکل حسبِ حال تھا اور اس سے قاضی صاحبؒ کی علمی و فکری جذباتوں کی بھرپور عکاسی ہوتی ہے۔

حصولِ فیضِ باطنی

۱۷/۱۱/۱۶

قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی نے اپنے روحانی سفر کی ابتدا کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

حضرت شیخ محمد عابد سنائی اپنی زندگی کے آخری ایام میں پانی پت تشریف لائے اور فرمایا۔ فقیر کی زندگی کے یہ آخری ایام ہیں۔ فقیر اس مرتبہ خصوصیت کے ساتھ تم دونوں یعنی مولوی فضل اللہ اور مولوی ثناء اللہ سلمہ کے ان حقوق کو ادا کرنے کے لیے یہاں آیا ہے جو از رو سے صاحب زادگی فقیر کے ذمے واجب الادا ہیں۔

یہ گویا اس مبارک سلسلے کا رشتہ آفاقی تھا جس سے پتا چلتا ہے کہ قاضی صاحب علوم ظاہری کی تکمیل سے پہلے ہی شیخ سنائی کے حلقہ بگوش ہو گئے تھے۔ اس خصوصی لطف و کرم کی غایت یہ تھی کہ قاضی صاحب کے دادا قاضی ہدایت اللہ، شیخ سنائی کے استاد و مربی رہ چکے تھے۔ جیسا کہ اوپر گذرا شیخ سنائی اس رشتے کو جد سے زیادہ اہمیت دیتے تھے، اسی بنا پر انہوں نے قاضی صاحب کے والد قاضی محمد عبید اللہ کو اجازت و خلافت مرحمت فرما کر انہیں توجہ دی تھی۔

اس مختصر سی ملاقات میں بقول قاضی صاحب: "بعد ازاں شیخ سنائی ہم دونوں بھائیوں کو طریقہ عالیہ مجددیہ کے مطابق ذکر کا طریقہ سکھا کر شاہ جہاں آباد (دہلی) واپس چلے گئے۔"

۱۔ بشارات منظریہ، قلمی، ورق ۱۴۹-۱۔

۲۔ ایضاً، ورق ۱۴۷-۱۔

۳۔ ایضاً، ورق ۱۴۷-۱۔

تاہم اگر طالب و مطلوب کے مابین خلوص و جذبے کے دیے روشن ہوں تو ایسی "ساعات" کا یا پلٹنے میں صدیوں پر بھاری ہوتی ہیں، اسی لیے قاضی صاحب اس کے بعد لکھتے ہیں:

"شیخ سنائی کی توجہ کی برکت سے خدا طلبی کا ایسا ذوق پیدا ہوا جو ہمارے پورے دل پر چھا گیا۔"

شیخ محمد عابد سنائی (۱۱۶۰ھ/۱۷۷۷ء)

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شیخ سنائیؒ کے حالات زندگی پر ایک نظر ڈال لی جائے تاکہ قاضی صاحب کے اس مرشدِ کامل کے علمی و روحانی پائے کا اندازہ کیا جاسکے۔

شیخ سنائیؒ جو خاندانی اعتبار سے صدیقی، سکوت کے اعتبار سے سنائی اور طریقت کے اعتبار سے قادری تھے۔ بارہویں صدی ہجری (اٹھارہویں صدی عیسوی) کے مشہور و معروف عالم اور صوفی کامل تھے، شاہ غلام علیؒ دہلویؒ ان کی نسبت تحریر فرماتے ہیں:

"شیخ محمد عابد سنائی شیخ عبدالاحد کے بڑے خلفا میں سے تھے جو علم و عمل اور ورع و تقویٰ میں شانِ عظیم رکھتے تھے... وہ کثیر العبادات اور کثیر الذکر تھے۔ نماز تہجد میں ہر روز ساٹھ مرتبہ سورہ یٰس اور ہر دو رکعت کے بعد ذکر اور مراقبہ کرتے تھے۔ وہ نصف شب سے لے کر سحر تک تمام وقت یادِ خداوندی میں بسر کرتے تھے۔"

شیخ سنائیؒ کے حلقے کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ اہل علم و فضل سے پُر رہتا

۴ کتاب مذکور ورق ۱۲۷ دو ب

۵ معمولات مظہریہ کے مطابق "سنام" نواحِ سرہند (مشرقی پنجاب) میں ایک معروف قصبہ ہے۔ (معمولات مظہریہ ص ۱۷) راقم الحروف کے والدین بھی اسی نواح کے رہنے والے تھے۔

۶ مقامات مظہریہ ص ۱۲، ۱۳ مطبوعہ دہلی۔ خواجہ عبدالاحد خازن الرحمۃ شیخ محمد سعید کے جانشین و خلیفہ تھے، وہ حضرت مجدد کے زہرہ تھے (معمولات، ص ۱۲۲)

تھا، ایک روایت کی رو سے دوسو کے قریب علماء ہر وقت ان کے ہمراہ رہتے تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ شیخ سنائیؒ بذاتِ خود بہت بڑے عالم اور فقیہ تھے اور انھوں نے علم کی یہ نعمت قاضی صاحب کے دادا قاضی محمد ہدایت اللہؒ سے حاصل کی تھی۔ شاہ غلام علی دہلویؒ اور مولوی نعیم اللہ کی تصریح کے مطابق شیخ سنائیؒ بہت ہی سریع التاثر بزرگ تھے اور چند گھنٹوں میں دل کی کایا پلٹنے میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ چنانچہ ان کی توجہاتِ باطنیہ سے بے شمار لوگ مستفید ہوئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ انھوں نے مسجد میں ایک ایسے شخص کو حلقہ مریدین میں گھرا ہوا دیکھا جس کا اپنا قلب انوار و تجلیاتِ ربانی سے تہی تھا۔ آپ نے ایک ہی توجہ سے اس کے دل کو "ذکر و فکر" کی منزل پر پہنچا دیا۔

شیخ سنائیؒ کی عظمت کا اس بات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت مظہر جانجاناںؒ سا مرشدِ کامل جو ان سے پہلے تین عظیم بزرگوں سے سیراب ہو چکا تھا اور اجازت و خلافت کی سند حاصل کر چکا تھا ان کے آستانہ عالیہ سے استفادہ کر کے طریقہ مجددیہ کے اعلا مرتبے تک پہنچا۔ حضرت جانِ جاناں شہیدؒ مسلسل سات سال تک شیخ سنائیؒ کے زیر تربیت رہے۔

حضرت مظہر جانجاناںؒ کی طرح شیخ سنائیؒ اپنی خانقاہ میں باقاعدہ "حدیث اور فقہ" کا درس دیا کرتے تھے۔ شیخ سنائیؒ کے لیے یہ اعزاز کیا کم ہے کہ ان کے تربیت یافتگان میں حضرت مظہر جانِ جاناں سا شیخِ طریقت موجود ہے۔ شیخ سنائیؒ نے ۱۸ رمضان المبارک ۱۱۶۰ھ (۱۷۷۷ء) کو انتقال فرمایا۔ اور مبارک باغِ قریب آزاد پور منارہ لبِ سڑک مدفون ہوئے۔ مگر ۱۳۱۲ھ / ۱۸۹۴ء کو جب سید عبدالحی حسنی وہاں گئے ان کا "مدفن

کے بشارات مظہر یہ مق ، ورق ۱۲۷ لوب

۱۳ مقامات منظری ، ص

۱۴ ایضاً

۱۵ مزارات اولیائے دہلی - ص ۱۲۴

نذر گردش ایام ہو کر معدوم ہو چکا تھا۔^{۱۱}

قاضی صاحب کی تربیت باطنی کی بنیاد

قاضی صاحب کی تصریحات کے مطابق وہ شیخ سنائیؒ کی وفات تک بدستور ان کی خدمت میں حاضری دیتے اور استفادہ کرتے رہے۔ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

”ملازمت اور بادشاہ کی جانب سے عطا شدہ منصب پر جو میرے نانا

نواب لطف اللہ خاں صادق کی وساطت سے حاصل ہوا، فائز ہو جانے کی

بنا پر ان دنوں اکثر قیام دہلی میں رہتا تھا، اس دوران میں، میں شیخ (سنائی)

سے مستفید اور مستفیض ہوتا تا آنکہ میں ولایتِ صغریٰ کے مقام پر پہنچ گیا۔^{۱۲}

نواب لطف اللہ خاں صادق کا انتقال عہدِ احمد شاہ (۱۱۶۱ھ/۱۷۴۷ء تا ۱۱۶۷ھ /

۱۷۵۲ء) میں ہوا، جب کہ شیخ سنائی (۱۱۶۰ھ/۱۷۴۷ء تا ۱۱۶۷ھ) میں عالمِ آخرت کو سدھارے،

اس لیے دہلی میں کسی منصب شاہی پر قاضی صاحب کی تعیناتی ۱۱۵۹-۱۱۶۰ھ (۱۷۴۶-۱۷۴۷ء)

۱۷۴۷ء میں ہوئی ہوگی اور جیسا کہ اوپر بیان ہوا: انہیں ان کی ماہر و تعلیم فراغت

نہ ہوئی تھی۔ بہر حال اسی سال کو ان کی روحانی تعلیم و تربیت کا نقطہ آغاز سمجھنا چاہیے۔

خود قاضی صاحبؒ نے مذکورہ تحریر میں مقامِ ولایتِ صغریٰ تک پہنچنے کی صراحت کی

ہے۔ مگر دیگر تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ وہ ان کی توجہ سے مقامِ فنا تک پہنچ گئے تھے:

”رفتار کی تیزی اور وفورِ شوق سے آپ نے پچاس توجہات میں سلوک کی

تمام منازل طے کر لی تھیں اور مقامِ فنا تک پہنچ گئے تھے۔“^{۱۳}

گو بظاہر ”ولایتِ صغریٰ“ اور مقامِ فنا دو مختلف الفاظ ہیں، لیکن ان دونوں سے

^{۱۱} دہلی اور اس کے اطراف، ص ۷۶

^{۱۲} بشاراتِ مظہریہ، قلمی، ورق ۱۲۹

^{۱۳} اتحاف النبلا، ص ۲۲۰، خزینۃ الاصفیاء، ص ۶۸۹

ایک ہی حقیقت کی غمازی ہوتی ہے، اس روحانی منصب کی تشریح کرتے ہوئے
ارشاد الطالبین میں بتایا گیا ہے :

” اور قرب الہی کے مراتب ہر چند کہ بے مثل و بے نظیر ہیں لیکن عالم مثال
میں تمام عالم نظر کشفی میں بصورتِ دائرہ دکھائی دیتا ہے، تو اس کو عالم امکان
کہتے ہیں، اور عرش مجید قطرہٴ دائرہ کی طرح نظر آتا ہے، نیچے کی قوس میں عنابر
اربعہ اور نفس نظر آتے ہیں۔ اور عالم امر کے لطائف پنجگانہ اوپر کی قوس میں
دکھائی دیتے ہیں۔ اس ظلال میں سے گذرنے سے اسماء و صفات بھی
بصورتِ دائرہ نظر آتے ہیں اور صوفی اپنے آپ کو عالم مثال میں پاتا ہے،
گویا سیر کرتا ہے اور یہاں تک ترقی پاتا ہے کہ دائرہٴ ظلال میں داخل ہو جاتا
ہے اور اپنی اصل کو پہنچ جاتا ہے۔ اور اپنے آپ کو اصل کے رنگ میں
پاتا ہے اور اصل کے ساتھ باقی دیکھتا ہے۔ اپنے آپ کو اس میں فانی اور
مستملک پاتا ہے، اس طرح پر کہ اپنے آپ کا کوئی وجود اور نہیں پاتا۔
اس سیر کو اصطلاحاً سیر الی اللہ کہتے ہیں اور یہ دائرہٴ ظلال و ولایت صغریٰ اور
اولیا کی ولایت کا دائرہ ہوتا ہے۔“ ^{۱۴}

قاضی صاحب کا بہت تھوڑے عرصے میں اس بلند مرتبے تک پہنچ جانا ذاتی استعداد
اور صفائی قلب کی علامت ہے۔ تاہم ابھی تربیتِ باطنی کی تکمیل نہ کر پائے تھے کہ
۱۸۔ رمضان المبارک کو شیخ کا انتقال ہو گیا۔ وفات پہلے آپ دونوں بھائیوں کے حق میں اپنے
جانشین حضرت مظہرؒ کو وصیت کرنا نہ بھولے تھے، فرماتے ہیں :

” جب شیخ سنائی کے انتقال کا وقت قریب آیا تو انھوں نے ہمیں تعلیم و تربیت کے
لیے حضرت مظہرؒ کے سپرد کیا اور غائبانہ بھی ہمارے قدیمی حقوق و استحقاق سے حضرت کو متنبہ اور
مطلع فرمایا۔“ ^{۱۵}

^{۱۴} دیکھیے تحفۃ السالکین ترجمہ ارشاد الطالبین، مطبوعہ لاہور ۲۲/۱۳۱۳ھ، ص ۲۲

^{۱۵} بشارات مظہریہ، ق، ورق ۱۲۹-۱۔

شیخ سنائی نے اگرچہ خود قاضی صاحب کی تعلیم و تربیت مکمل نہ کی تھی، مگر انھیں یہ سعادت حاصل ہے کہ قاضی صاحب کی روحانی تربیت اور فیض باطنی کی بنیاد انھوں نے ایسے مبارک ہاتھوں سے رکھی تھی کہ جس نے آگے چل کر قاضی صاحب کو اپنائے عصر سے مکمل طور پر ممتاز بنا دیا۔ قاضی صاحب نے اپنی آئندہ روحانی زندگی میں جو کچھ بھی حاصل کیا درحقیقت اس کی بنیاد رکھنے کا سہرا شیخ سنائی ہی کے سر ہے۔

شیخ محمد عابد سنائی کا سلسلہ قادریہ

شیخ سنائی گو چاروں سلاسل کے اجازت یافتہ تھے اور انہی چاروں سلسلوں میں وہ خلافت و اجازت بھی دیا کرتے تھے، تاہم ان کا خاص سلسلہ "قادریہ" تھا، اسی سلسلے کی تفصیل حسب ذیل ہے:

شیخ عبدالقادر الجیلانیؒ — سید عبدالرزاقؒ — شرف الدین قتالؒ —
 سید عبدالوہابؒ — بہاؤ الدینؒ — حضرت عقیلؒ — سید شمس الدین صحرانیؒ —
 سید گدار رحمانؒ — سید فضیلؒ — شاہ کمال کیتھلیؒ —
 شاہ اسکندرؒ — حضرت مجدد الف ثانیؒ — خازن الرحمۃؒ —
 شیخ محمد عابد سنائیؒ ۱۶

حضرت مظہر جانان شہیدؒ (۱۱۱۱ یا ۱۱۱۳ تا ۱۱۹۵ھ / ۱۷۷۸ء تا ۱۷۸۰ء)

یوں تو قاضی صاحب کا زندگی میں مختلف لوگوں سے تعلق اور ربط خاطر رہا، اس فہرست میں ماں باپ بھی شامل ہیں اور بیوی بچے اور دوست احباب بھی، مگر ان میں سے ایک تعلق ایسا بھی ہے جو ان سب تعلقات سے ممتاز، نمایاں اور زیادہ طویل ہے۔ یہ

۱۶ دیکھیے معمولات مظہریہ، ص ۱۸، شاہ غلام علی دہلوی، مقامات، ص ۱۱ تا ۱۲،
 خزینۃ الاصفیاء، ص ۶۳

ان کا حضرت مظہر شہیدؒ سے قائم ہونے والا تعلق ہے۔

حضرت مظہر کا سلسلہ نسب ۲۸ واسطوں سے حضرت علیؑ تک پہنچتا ہے۔

ان کے اجداد میں سے میر کمال الدین آٹھویں صدی ہجری (چودھویں صدی عیسوی) میں طائف سے ترکستان چلے آئے، جہاں سے یہ خاندان ہمالیوں (۱۵۰۸ - ۲۱۵۵۶) کے ساتھ ہندوستان آیا۔ ان میں سے بابا خان آپ کے جدِ امجد ہیں۔

مرزا مظہر جان جاناں کے والد بزرگوار میرزا جان (م ۱۱۳۰ھ / ۱۷۱۷ء) متعدد علوم میں ماہر تھے۔ گارسان دتاسی (فرانسیسی مستشرق) کے بقول وہ اورنگ زیب عالمگیر کی طرف سے عمدہ قضا پر فائز تھے، مگر بعد ازاں وہ سلطان سے کسی بات پر خفا ہو کر عمدہ قضا سے مستعفی ہو گئے۔ ان کی زندگی توکل و قناعت کا اعلیٰ نمونہ تھی۔

حضرت مظہر کی ولادت ۱۱ رمضان المبارک ۱۱۱۱ھ یا ۱۱۱۳ھ / ۱۷۹۹ء یا ۱۷۰۱ء میں ہوئی۔

معمولات مظہر یہ ص ۱۱ - کلمات طیبات ص ۱۲

ایضاً

عبدالرزاق قریشی، میرزا مظہر امدان کا اردو کلام، ص ۴۳ بحوالہ تاریخ ادبیات ہندوستان، ۲۹۷/۲ (فرانسیسی) - بشارات مظہر یہ، (ق، ورق ۱۸) میں مندرج واقعہ اس ابہام کی تفصیل ہے، مگر اس میں کچھ سقم ہیں (عبدالرزاق قریشی، مقالہ تعارفی بشارات، در معارف مئی ۱۹۶۸ء ص ۳۳۴ - ۳۳۵)

بقول شاہ غلام علی دہلوی انھوں نے تمام دولت فقرا میں تقسیم کر دی تھی اور اپنی دختر کے جہیز کے لیے رکھا ہوا ۲۵ ہزار روپیہ بھی خیرات کر دیا (مقامات، ص ۱۶ - ۱۵)۔

سال ولادت میں یہ اختلاف خود حضرت مظہر کے مختلف بیانات سے پیدا ہوا۔ چنانچہ حضرت کے اپنے بیان کے مطابق ۱۱۱۱ھ کی روایت غلام علی آزاد بلگرامی (ماثر الکرام ۱۱، ۲۳۱) اور نعیم اللہ بہراچی (معمولات، ص ۵) نے اور ۱۱۱۳ھ کی شاہ غلام علی دہلوی (مقامات، ص ۸۳) نے درج کی ہے۔ تاہم بعض دیگر قرائن سے مولوی نعیم اللہ بہراچی (معمولات، ص ۵) اور ڈاکٹر خلیق انجم (حیات و آثار حضرت مظہر، مقالہ پی ایچ ڈی) نے اول الذکر کو ترجیح دی ہے۔

سلطان اورنگ زیب عالمگیر نے کمال شفقت سے بچے کا نام جانِ جاناں رکھا۔^{۲۲} ان کا تخلص مظہر تھا۔

مرزا صاحب نے عربی، فارسی اور فقر و تصوف کی ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ درسی علوم کے علاوہ فنونِ سپہ گری بھی سیکھے، خود فرماتے ہیں:

”فقر نے چودہ برس بانک اور پٹہ وغیرہ فنون کے حصول و مشق میں صرف کیے۔ یہاں تک کہ فقیر کو ان میں مہارت تامہ حاصل ہو گئی۔“^{۲۳}

علم حدیث حضرت حاجی محمد افضل سیالکوٹی (م ۱۱۲۶ھ / ۱۷۳۳ء) تلمیذ شیخ الحدیث عبداللہ سالم مکی سے پڑھا اور فیضِ تربیت باطنی کے لیے شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی (م ۱۱۲۲ھ / ۱۷۳۹ء) شاہ غلام موحد اور شاہ مظفر قادری کی خدمت میں حاضری دی، مگر دل سید نور محمد بدایونی (م ۱۱۳۵ھ / ۱۷۴۳ء) کے سوا کسی پر نہ جم سکا۔^{۲۴} ان کی خدمت میں حضرت مظہر نے چار سال تک استفادہ کیا اور اجازت و تبرک خریقہ شریفہ پایا۔ نیز عقیدہ اہل سنت کے مطابق عمل اور بدعت سے اجتناب کی تعلیم پائی۔^{۲۵}

^{۲۲} معمولات مظہریہ ص ۵

^{۲۳} بشارات (قلمی) ورق ۶ ب

^{۲۴} مقامات، ص ۱۷ تا ۲۱؛ معمولات مظہریہ، ص ۷

^{۲۵} سید نور محمد بدایونی علوم ظاہر و باطن کے تبحر عالم اور فقیہ و عارف کامل تھے۔ بقول صاحب

اکمل التاریخ (حصہ اول، ص ۴۷، حاشیہ) انھوں نے اٹھارہ برس کی عمر میں مولانا محمد شریف

(م ۱۱۲۴ھ / ۱۷۱۱ء) سے علوم کی تکمیل کی۔ طریقہ احمدیہ مجددیہ کی تحصیل شیخ سیف الدین فرزند

خلیفہ خواجہ محمد معصوم اور حافظ محمد محسن (از اولاد شیخ عبدالحق) سے کی۔ ان کا استفراق

بہت قوی تھا۔ سنتِ نبویہ پر عمل کا بڑا اہتمام تھا۔ زہد و ورع میں بہت ممتاز تھے۔

صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے۔ وفات ۱۱۳۵ھ / ۱۷۲۲ء کو ہوئی۔

(مقامات مظہری، ص ۸ تا ۹، نزہۃ الخواطر، ۴: ۳۹۵)

^{۲۶} مقامات، ص ۲۲

ان کی وفات کے بعد بطریقہ اولیسیت^{۲۷} ان کی روح سے استفادے کا سلسلہ جاری رہا۔ تاہم حاجی محمد افضل سیالکوٹی کی خدمت میں بھی گاہے بگاہے حاضری دیتے رہے مگر باقاعدہ اکتساب کا سلسلہ قائم نہ تھا۔ بعض ازاں شاہ گلشن^{۲۸} (م ۱۱۵۳ھ / ۱۷۴۰ء) کے ارشاد پر شاہ محمد زبیر^{۲۹} (م ۱۱۵۳ھ / ۱۷۴۰ء) کے پاس حاضری دی۔ اور پھر ان کے کہنے کے مطابق حافظ سعد اللہ^{۳۰} (م ۱۱۵۲ھ / ۱۷۳۹ء) سے ان کی وفات تک کسب فیض کیا۔ یہ سب سے آخر میں وہ شیخ الشیوخ محمد عابد سنّامی صدیقی^{۳۱} (م ۱۱۶۰ھ / ۱۷۴۷ء) کے پاس حاضر ہوئے اور کمالات طریقیہ کی تحصیل کی۔ شیخ محمد عابد سنّامی نے حضرت منظر^{۳۲} پر خصوصی توجہ مبذول کی، انھیں اپنا ضمنی بنایا اور بقیہ سلاسل ثلاثہ کی اجازت بھی مرحمت فرمادی۔^{۳۳}

الفرق حضرت منظر نے کمالات طریقیہ اور علم ظاہری حاصل کرنے میں بڑی محنت کی تھی، اسی بنا پر جب وہ اپنی حیات مبارکہ کے تقریباً پچاس سال پورا کرنے کے بعد مسند

^{۲۷} اولیسیت سے مراد کسی صاحب کمال کا اپنے کسی مرحوم مرشد کی روح سے استفادہ ہے۔

(قاضی محمد ثناء اللہ، ارشاد الطالبین، ص ۳۵۔ (مترجمہ اردو)

^{۲۸} شاہ گلشن کا نام سعد اللہ دہلوی تھا۔ انھوں نے حضرت شیخ عبدالاحد سرہندی نبیرہ حضرت مجدد^۳ سے حصول علم و معرفت کیا۔ ان کی وفات ۱۱۵۳ھ (۱۷۴۰ء) میں ہوئی (معمولات، ص ۱۳، خزینۃ الاصفیاء، ص ۱۷)۔

^{۲۹} شاہ محمد زبیر^۳ حضرت مجدد الف ثانی کے نبیرہ اور مشہور عالم و پیر طریقت تھے، ان کی وفات ۱۱۵۳ھ (۱۷۴۰ء) میں ہوئی۔ (معمولات منظر، ص ۱۳، خزینۃ الاصفیاء،

ص ۶۶۹، نزہۃ الخواطر، ۶: ۹۷ تا ۹۸)۔

^{۳۰} شیخ صالح حافظ سعد اللہ دہلوی اپنے عہد کے نامور عالم اور صوفی تھے۔ انہوں نے حافظ محمد صدیق (م ۱۱۳۱ھ) فرزند و خلیفہ خواجہ محمد معصوم^۳ سے کسب طریقت کیا۔ وہ ان کی خدمت میں ۳۰ برس تک استفادہ کرتے رہے۔ اس عہد کے ممتاز لوگ مثلاً خان فیروز جنگ وغیرہ ان کے حلقہ ارادت میں تھے۔ ان کا انتقال ۱۱۵۳ھ / ۱۷۴۰-۳۹ء میں ہوا۔ (مقامات، ص ۱۱۲، نزہۃ، ۶: ۹۸)۔

^{۳۱} معمولات منظر، ص ۱۳، مقامات، ص ۱۳ تا ۱۳۔

دعوت و ارشاد پر ممکن ہوئے تو اس وقت وہ کمالاتِ طریقت میں یگانہ تھے، ان کی عظمت و جلال کا اس حقیقت سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اکابرِ اُمت نے ان کی بزرگی کی گواہی دی ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

”میرے کشفِ صحیح کے مطابق۔۔۔۔۔ اس وقت حضرت مظہر کی مثل دنیا کی کسی اقلیم اور شہر میں نہیں ہے، جسے سلوک کی آرزو ہو وہ ان کی خدمت میں جائے۔“

اس کے علاوہ وہ حضرت مظہر کو ”قیم الطریقۃ الاحمدیہ“، ”ریاض الطریقۃ“ وغیرہ لکھا کرتے تھے۔^{۳۳}

نامور محدث مولانا محمدنا محمدنا خزانہ آبادی فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مظہر متابعتِ نبوی میں شانِ عظیم کے مالک ہیں۔^{۳۴} شیخ محمد عابد سناری انہیں ”آفتاب سے مشابہت دیا کرتے تھے اور غایتِ محبت سے ان کے گھٹنوں کو بوسہ دیتے اور فرماتے ”میرے اصحاب میں کوئی ان کی مانند نہیں،“ اسی طرح سید نور محمد بدایونی نے ایک مرتبہ حضرت مظہر کے جوتے سیدھے کیے اور فرمایا ”تمہیں جناب الہی میں قبولِ تام حاصل ہے۔“ حاجی شیخ محمد افضل انہیں دیکھ کر تعظیماً کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔^{۳۵}

ان اکابرِ امت کی شہادتوں سے یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت مظہر کے ذریعے سلسلہٴ نقشبندیہ مجددیہ کا مضبوط ذریعے سے اجیا ہو رہا تھا۔ فی الواقع ان کی خدماتِ جلیلہ کے طفیل سلسلہٴ مجددیہ ایک نئے دور میں داخل ہوا، اور دنیا بھر کے ممالک (مثلاً ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، افغانستان، بعض افریقی و یورپی ممالک نیز ترکی) میں

^{۳۲} مقاماتِ مظہریہ، ص ۳۴

^{۳۳} مقامات، ص ۳۴؛ کلماتِ طیبات، ص ۱۵۹، ص ۳۴۔

^{۳۴} مقامات، ص ۳۴۔

^{۳۵} ایضاً، ص ۳۳۔^{۳۶} ایضاً، ص ۳۴

یہ سلسلہ زیادہ تر اسی ذریعے سے پہنچا۔ ۳۷

حضرت منظرؒ سے تعلق کی ابتدا

جن ایام میں قاضی صاحب ملازمت کے سلسلے میں دہلی میں قیام پذیر تھے، ان ایام میں حضرت منظرؒ کا بھی مستقل قیام دہلی میں تھا۔ معلوم ہوتا ہے قاضی صاحبؒ کے ساتھ ابتدائی جہان پہچان انہی دنوں ہوئی، مگر تفصیلی تعارف کے لیے ابھی وقت درکار تھا۔

آخر یہ وقت بھی آگیا اور شیخ سنائیؒ وفات سے پہلے ان دونوں بھائیوں کے حق میں وصیت کر گئے۔ ادھر ان دونوں بھائیوں نے بھی حضرت منظرؒ کی خدمت میں ایک عرضی لکھ کر اپنے اشتیاق کا اظہار کیا تھا، چنانچہ شیخ کے کفن و دفن سے فارغ ہو کر حضرت منظرؒ نے پانی پت کا رخ کیا۔ اور جو ماجرا پیش آیا اس کی کیفیت خود قاضی صاحب سے سنیے، فرماتے ہیں:

”حضرت مرزا منظرؒ، شیخ سنائیؒ کے فرمان کے بموجب اور مولانا (برادر کبیر قاضی صاحب) کی درخواست کے مطابق، جو انھوں نے حضرت شیخ سنائیؒ کے انتقال کے بعد حضرت منظرؒ کی خدمت میں لکھی تھی، جس میں تحریر تھا کہ شاہاں چہ عجب گرنوازند گدارا (بادشاہوں کے لیے کچھ بعید نہیں کہ وہ کسی فقیر کو نوازدیں) اور یہ کہ بندہ شہ شائیم و ثناخواں شما (ہم آپ کے دربار کے متوسل ہیں اور آپ کے ثناخواں) پانی پت تشریف لائے، مخدوم شیخ جلال الدین کبیر الاولیا کے مزار پر حاضری دی۔ بعد ازاں ہم دونوں بھائیوں کو طلب کیا اور انتقال کے وقت شیخ مرحوم کی وصیت سے اور حاضری کے موقع پر مخدوم شیخ جلال الدین کی سفارش سے (جو بذریعہ کشف ان کو معلوم ہوئی تھی) ہمیں آگاہ کیا اور فرمایا میں صرف اسی کام کے لیے

۳۷ اس موضوع پر دیکھیے مقامات منظری کے علاوہ ایضاً الجنی من مہیند عبد الغنی، مطبوعہ دیوبند، ۱۳۴۹ھ، (بر حاشیہ کشف الدستار) عمدۃ المقامات، لمحات من نفحات القدس، تاریخ دعوت و عزیمت وغیرہ۔
marfat.com

پانی پت آیا ہوں۔ بعد ازاں ہم دونوں بھائی بدل و جان کسبِ طریقت کے لیے حضرت مظہرؒ کے دامن سے وابستہ ہو گئے۔^{۳۸}

یہ تعلق حضرت مظہرؒ کی وفات یعنی ۱۱۹۵ھ (۱۷۸۰ء) تک تقریباً ۳۳-۳۵ سال برقرار رہا۔ اتنا طویل اور پائیدار تعلق نہ قاضی صاحب کا کسی اور سے قائم ہوا اور نہ حضرت مظہرؒ کا۔ اسی بنا پر اس تعلق نے قاضی صاحبؒ کو ذاتی و شخصی سطح سے لے کر تعلیمی اور معاشی سطح تک ہر ایک جگہ متاثر کیا اور فائدہ پہنچایا۔ قاضی صاحبؒ کی زندگی میں اس تعلق نے رفتہ رفتہ ایک قوی ترین باہمی رشتے کی شکل اختیار کر لی، جس میں ایک طرف پدرانہ و مربیانہ جذبات تھے تو دوسری جانب بر خور دارانہ اور جان نثارانہ عقیدت و محبت تھی۔ یہ تعلق دونوں کی نجی اور خانگی زندگیوں پر بھی اثر انداز ہوا۔ خود قاضی صاحبؒ کی جانب سے اس تعلق کی اہمیت و وقعت پر اس سے پیشتر جو تبصرہ کیا جا چکا ہے، اس کے علاوہ بھی مثبت خیالات کا اظہار ملتا ہے، مثلاً قاضی صاحب حضرت مظہرؒ کی شان میں بصورت اشعار فرماتے ہیں:

اے مرا چوں مصطفیٰ چوں عمر از برائے خدمت بندم کمر
اے لقای تو جواب ہر سوال مشکل از تو حل شود بے قیل و قال
ترجمانے ہر چہ مارا در دل است دستگیری ہر کہ پایش در گل است^{۳۹}
ادھر حضرت مظہرؒ بھی اس تعلق کی استواری اور عمدگی کے معترف تھے۔ عام طور پر ان کے متعلق مشہور ہے کہ وہ بہت زیادہ نازک مزاج اور زود رنج واقع ہوئے تھے،^{۴۰} اگرچہ یہ درست نہیں تاہم یہ ضرور تھا کہ وہ نہایت پاکیزہ خیال اور لطیف الطبع تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ زیادہ عرصے تک کسی کے ساتھ مشکل سے نباہ کر سکتے تھے۔ بادشاہِ وقت اور امیر الامرا تک کو ٹوک دینا^{۴۱} ان کے ہاں معمول کی باتیں تھیں۔ مگر اس لطافتِ طبع اور

^{۳۸} بشارات مظہر یہ، ق، ورق ۱۲۹۔

^{۳۹} معمولات مظہر یہ، ص ۶

^{۴۰} عبدالرزاق قریشی، حضرت مظہر اور ان کا اردو کلام، مطبوعہ ممبئی اور اس میں مندرج مآخذ۔

^{۴۱} بشارات مظہر یہ، ق، ورق ۱۹

نازک خیالی کے باوجود قاضی صاحبؒ واحد ہستی ہیں جن سے انھوں نے نہ صرف بناہ کیا، بلکہ ان کے ساتھ ہمیشہ انس اور وابستگی محسوس کی، خود فرماتے ہیں:

”میرے خصوصی اور مانوس متوسلین میں سے کوئی بھی ایسا نہیں کہ جس کے ساتھ کچھ وقت گزارنے سے خشکی اور دل کی تنگی محسوس نہ ہو۔ بجز مولوی ثناء اللہ سلمہ کے، کہ اگر ان کے ساتھ برسوں صحبت رہے تو اصلاً میرے ظاہر و باطن کی کیفیات میں تغیر و تبدل نہ ہوگا۔“ ۱۲۱

اس کی وجہ درحقیقت یہ تھی کہ قاضی صاحبؒ لطافت و ن لطافتِ طبع اور پاکیزہ خیالی میں اس معیار کے مطابق تھے جو حضرت مظہرؒ اپنے کسی مصاحب و ہم نشین میں دیکھنے کے آرزو مند تھے۔ بہر حال اس تعلق سے جو باپ اور بیٹے کے تعلق سے بڑھ کر تھا، قاضی صاحب کو متعدد فوائد حاصل ہوئے۔

جیسا کہ اوپر صراحت کی گئی حضرت مظہرؒ قاضی صاحب کے صرف پیروم رشیدی نہ تھے بلکہ ان کے مکمل سرپرست یعنی بجائے والد، دادا اور بڑے بھائی کے تھے بلکہ حضرت مظہرؒ نے اپنی سرپرستی میں سب سے پہلے قاضی صاحب کی تعلیم کو مکمل کرنے پر توجہ دی۔ پہلے خود پڑھایا۔ بعد ازاں اپنی معرفت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شیخ محمدناظر محدث الہ آبادی کے ہاں بھیجا۔ چنانچہ ان کی کوششوں سے قاضی صاحبؒ کی سند علمی نہایت رفیع اشان بن گئی۔ وہ ہندوستان میں علم حدیث کی تینوں اعلیٰ اسناد (سند ولی اللہی، سند حاجی محمد افضل اور سند شیخ محمد حیات سندھی) کے حامل بن گئے۔ تکمیل تعلیم کے بعد حضرت مظہرؒ نے قاضی صاحب کی توجہ مختلف علمی رسائل کی تصنیف کی جانب مبذول کرانے کا سلسلہ جاری رکھا، چنانچہ قاضی صاحب کی بیشتر کتب کی تصنیف و تالیف زیادہ تر انہی کی کوششوں کی رہیں منت ہے، حضرت مظہرؒ نے جب کسی کتاب کی تصنیف کی طرف متوجہ کرنا

۱۲۱ کتاب مذکور، ق، ورق ۱۲۸ ب۔

۱۲۲ کتاب مذکور، ورق ۱۲۹ ا۔

ہوتا تو عام طور پر اس قسم کے حوصلہ افزا جملوں سے ان کو توجہ دلاتے تھے، مثلاً
 ”اگر شرح خلاصۃ السیر کی تکمیل کا ارادہ ہو، تو اپنے علم کے مطابق اس کی تکمیل
 میں کوشش کیجیے تاکہ جلد اول سنجیدہ نظر آئے۔“

تربیت فیض باطنی کی تکمیل

قاضی صاحب کو حضرت مظہرؒ کی سرپرستی سے دوسرا بڑا فائدہ یہ حاصل ہوا کہ ان کے
 فیض باطنی کی تکمیل انہی کے ہاتھوں پر ہوئی۔ قاضی صاحب نے شیخ سنائی کے ہاں ولایت صغریٰ
 تک کے مقامات طے کر لیے تھے اور اب بقیہ مقامات یعنی ولایت کبریٰ یا سیر فی اللہ کی تکمیل
 ابھی کرنا تھی، علاوہ ازیں سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے علاوہ دیگر سلاسل ثلاثہ بھی ابھی سکھنا
 باقی تھے۔ چنانچہ ان جملہ مراحل سلوک کی تکمیل حضرت مظہرؒ کی نگرانی میں ہوئی۔
 یہاں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ بشارات مظہر یہ میں قاضی صاحب نے اپنے تکمیل سلوک
 کی وضاحت نہیں کرتے۔ البتہ قاضی صاحب نے اپنی دیگر کتب میں ذیل طریقت کے سلسلے
 میں جن نکات پر زور دیا ہے ہم ان سے کچھ رہنمائی ضرور حاصل کر سکتے ہیں۔ ان میں سب
 سے پہلا نکتہ ”جذب شیخ“ کا ہے، جس کا ذکر ان کی مختلف تصانیف مثلاً تفسیر مظہریؒ
 اور ارشاد السالکین میں یکساں ملتا ہے۔ جذب کے لفظی معنی کھینچنے کے ہیں، اسی سے
 مراد شیخ کا اپنی توجہ کے انعکاس سے سالک کو قرب خداوندی کی طرف کھینچنا ہے، خود
 قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ ”جو راستہ سالک تنہا پچاس ہزار برس میں طے کرتا ہے وہ جذب
 شیخ کی بدولت چند لمحوں میں مکمل کر سکتا ہے، بعد ازاں مولانا رومیؒ کے حسب ذیل شعر
 سے اس کی تائید کی گئی ہے۔“

۴۴ مکاتیب (قریشی)، ص ۱۶، م ۱۱۲ -

۴۵ دیکھیے تفسیر مظہری، ص ۶، ۱۳، ۱۰، ۱۱ -

۴۶ ارشاد السالکین، ص ۳۴ تا ۳۶ (اردو ترجمہ)۔

سیر زاہد ہر شبے یک روزہ راہ سیر عارف ہر دمے تا تخت شاہ^{۴۷}
 سالک کو اس سے آگے یعنی ولایت کبریٰ کی تحصیل کے لیے کن مرحلوں سے گزرنا
 ہوتا ہے، ارشاد السالکین میں اس کی بابت فرماتے ہیں:

”اگر اس کے بعد عنایت الہی صوفی کے شامل حال ہو تو اس درجے سے
 بھی عروج ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت سے اسما و
 صفات کے دائرے میں داخل ہونا نصیب ہوتا ہے، جو ان دائرہ ظلال کا
 اصل ہے، اور جو سیر اس میں ہوگی وہ سیر فی اللہ ہوگی اور ولایت کبریٰ کا آغاز
 ہوگا، جو انبیاء علیہم السلام کی ولایت ہے، دوسروں کو متابعت سے یہ دولت
 حاصل ہوتی ہے۔ عالم امر کے لطائف پنجگانہ کے عروج کی انتہا اس دائرے
 کی انتہا ہے۔“^{۴۸}

سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں اصول عشرہ بھی اساسی اہمیت رکھتے ہیں، آپ فرماتے ہیں:
 ”جاننا چاہیے کہ ان مقامات عشرہ میں سے پہلا مقام کہ جس پر حضرات
 صوفیہ نے سلوک کی اساس رکھی ہے۔ توبہ ہے اور آخری رضا سے خداوندی
 ان کے مابین آٹھ مقامات ہیں جو زہد، توکل، قناعت، دوام ذکر، دوام
 توجہ، صبر اور مراقبہ ہیں۔“^{۴۹}

عدد و ازیں کلمات یا زدہ بھی تربیت کے مختلف مراحل کی نشان دہی کرتے ہیں:
 ”وقوف قلبی، وقوف زمانی، وقوف عددی، ہوش دردم، نظر بر قدم،
 سفر در وطن، خلوت در انجمن، یاد کرد، بازگشت، نگاہ داشت و یادداشت۔“^{۵۰}
 الغرض آپ اپنے مرشد کامل کی نگرانی میں بڑی تیزی سے مراحل سلوک طے کرتے
 رہے۔ یہاں تک کہ اپنے سلسلے کے تکمیلی درجے میں ترقی پا گئے۔

^{۴۷} ارشاد السالکین، بجل مذکور

^{۴۸} ارشاد السالکین، اردو ترجمہ، ص ۲۲

^{۴۹} نعیم اللہ بیڑا پٹی: معمولات مظہریہ، ص ۳۸ تا ۳۹۔ بحوالہ قاضی صاحب

^{۵۰} ایضاً، ص ۵۳، بحوالہ قاضی صاحب۔

مبشرات صالحہ (روایئے مبارکہ سے سرفرازی)

اگرچہ زیر بحث خوابوں کے متعلق خود قاضی صاحب نے "در خورد سالی" کی صراحت کی ہے تاہم ہمارے خیال میں یہ خواب بھی انھیں اپنی روحانی منزل کی تکمیل کے دوران آنے آئے ان خوابوں سے یقیناً ان کو دلولہ تازہ عطا ہوا تھا، تفصیل حسب ذیل ہے۔

خواب اول: فرماتے ہیں۔ فقیر نے کم عمری میں مخدوم شیخ جلال الدین کو خواب میں دیکھا کہ میں ان کے مزار کے متصل بیٹھا ہوا ہوں۔ حضرت مخدوم نے مجھ پر شفقت فرمائی اور اپنی مقدس پیشانی کو اس فقیر کی پیشانی کے ساتھ لگایا۔^{۵۲}

تجیناً یہ خواب قاضی صاحب کو تعلیم کے اختتام اور روحانی سلسلے کی ابتدا میں نظر آیا ہوگا کیونکہ اس سے قاضی صاحب کے جد امجد شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء کا ان کی پیشانی سے اپنی پیشانی رگڑنا مذکور ہوا ہے۔ علاوہ ازیں روحانی طور پر حضرت مخدوم کا قاضی صاحب کی تعلیم و تربیت میں دلچسپی لینے کا یہ دوسرا ثبوت ہے، اس سے پہلے حضرت مظهرؒ کے ایک مکاتبتے میں بھی ان کی دلچسپی کا ذکر آیا تھا۔

خواب دوم: فرماتے ہیں: نیز اپنی کم عمری میں میں نے غوث الثقلین (شیخ عبدالقادر جیلانیؒ) کو دیکھا کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈیوڑھی پر اس طرح بیٹھے ہیں جیسے آپ کے دربان ہوں، میں نے حضرت شیخ کی زیارت تو کی لیکن اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت میسر ہوئی۔ حضرت شیخ نے بہت زیادہ شفقت فرمائی اور اپنے پاس

۵۱ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشہور حدیث ہے، لم یبق من النبوة الا المبشرات۔ البخاری؛

ابن سیرین، تعبیر الروایا، ص ۱۶، (اردو ترجمہ، مطبوعہ لاہور ۲۰۰۴ء، از ادارہ اسلامیات)

۵۲ مبشرات مظهریہ، ق، ورق ۱۲۷۔

۵۳ جملہ آل وقت میسر نشدہ "اس قیاس کی اجازت دیتا ہے کہ بعد میں یہ سعادت بار بار نصیب ہوئی۔

سے تر کھجور رحمت کی ۵۴

غالباً یہ خواب ان ایام میں نظر آیا ہوگا جب آپ نے سلسلہ قادریہ کے بزرگ شیخ
سنامیؒ کے ہاتھ پر بیعت کر کے سلسلہ قادریہ کے اوراد و وظائف شروع کر دیے تھے۔ بانی
سلسلہ کا ان کے حال پر شفقت فرمانا ان کے ہاں ان کی قبولیت کی علامت سمجھا جاسکتا ہے۔
خواب سوم: یہ خواب اس وقت دیکھا جب حضرت مظہرؒ سے خصوصی قرب و تعلق اور سلسلہ
عالیہ نقشبندیہ مجددیہ وغیرہ میں ان کو درجہ کمال حاصل ہو گیا تھا، اس خواب کی تفصیل بیان
کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”ایک مرتبہ امیر المومنین حضرت علیؒ کو میں نے خواب میں دیکھا کہ وہ بڑی بشارت
کے ساتھ متوجہ ہیں اور فرما رہے ہیں کہ تو میرے لیے ویسے ہی ہے، جیسے حضرت موسیٰؑ
کے لیے حضرت ہارون تھے۔ ۵۵

جب یہ خواب قاضی صاحبؒ نے حضرت مظہرؒ کو سنایا تو انہوں نے اس کی یہ تعبیر

دی:

”میری مثالی صورت، میرے جد بزرگوار حضرت علیؒ کی صورت میں ظاہر ہوئی
اور آپ کو اس بشارت سے مشرف فرمایا، ہو سکتا ہے کہ میرے بعد خلافت و
جانشینی تمہاری جانب منتقل ہو جائے۔ ۵۶
یہ صاحب مقامات مظہری کا بیان ہے، جب کہ سید نعیم اللہ بہرائچی لکھتے ہیں کہ

۵۴ بشارات مظہریہ، ق، ورق، ۱۴۷۔ شاہ غلام علی دہلویؒ (مقامات، ص ۷۹) اور مفتی
غلام سرور (خزینۃ الاصفیاء، ص ۶۸۹) میں حضرت غوث اعظم کا ڈیوڑھی رسولؐ پر بیٹھا ہوتا
غیر مذکور ہے، صاحب خزینہ نے یہ اضافہ کیا ہے کہ چوں بیدار شد خرمای بدستور در دست
حق پرست وی بود۔ مگر کسی دوسرے ماخذ سے اس کی تصدیق نہ ہو سکی۔

۵۵ بشارات، ق، ورق، ۱۵۰۔

۵۶ مقامات مظہری، ص ۷۹۔

کو جو مجھ سے حاصل کیے ہیں، ان کے آئینہ باطن پر پیش کرو۔ اگر وہ فقر کی بشارات کو درست تسلیم کریں تو ٹھیک ہے۔ چنانچہ انھوں نے میرے احوالِ باطنی ملاحظہ کیے تو فرمایا کہ حضرت میرزا صاحب نے جو بشاراتیں تمہیں دی ہیں وہ سب درست ہیں۔ بایں ہمہ انھوں نے یہ خوش خبری بھی دی کہ "اس شخص کی شان بہت عظیم ہے اور اس پر کسی اور شخص کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔" ۱۵۹

اس عبارت میں شیخ پھر اونی کے جملے "بذار جبل لہ شان عظیم"۔ اور قاضی صاحب کی اس کیفیت یعنی اپنے خیالات دوسرے کے دل پر القا کرنے سے پتا چلتا ہے کہ قاضی صاحب روحانی اعتبار سے کس قدر اونچی شان کے حامل تھے۔ القصد اس طرح فاضل ممدوح کو سلسلہ مجددیہ میں خلافت و اجازت حاصل ہوگئی۔ حضرت منظر شہید کا سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ حسب ذیل ہے:

خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ ————— خواجہ علاؤ الدین عطارؒ ————— مولانا
 یعقوب چرخؒ ————— خواجہ عبید اللہ احرارؒ ————— محمد زاہد دہلیؒ
 درویش محمدؒ ————— خواجہ محمد بکنکیؒ ————— خواجہ عبد الباقیؒ ————— حضرت
 مجدد الف ثانیؒ ————— شیخ محمد معصومؒ ————— شیخ سیف الدینؒ —————
 سید نور محمد بدایونیؒ ————— میرزا جان جانان شہیدؒ۔۔۔۔۔

دیگر سلاسل میں اجازت

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا، حضرت منظرؒ کو سلاسل اربعہ میں خلافت و اجازت حاصل تھی، گو ان کا سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ زیادہ معروف رہا۔ بعض قرائن سے پتا چلتا ہے کہ قاضی صاحبؒ کو بھی اپنے مرشد کی جانب سے سلاسل اربعہ میں اجازت و خلافت حاصل

۱۵۹ بشارات منظری، ق، ورق ۱۵۰

۱۶۰ دیکھیے معمولات منظریہ، ص ۱۶۹

تھی۔ چنانچہ حسبِ حال حضرت مظہرؒ کا ایک قول مروی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:

”قاضی صاحب کی نسبت علو (بلندی) میں فقیر کے مساوی ہے۔ البتہ عرض (چوڑائی) اور قوت میں مختلف ہے۔ وہ میرے ضمنی ہیں اور میں حضرت شیخ (سنامی) کا ضمنی ہوں۔ یعنی ہر وہ روحانی فیض جو مجھ تک پہنچتا ہے، وہ اس میں شامل ہیں اور ان کی ہر اچھائی اور بُرائی درحقیقت فقیر کی اچھائی اور بُرائی ہے۔“

گو اس اقتباس کے ایک جملے ”ہر فیض کہ بفقیر...“ سے ضمنیت کے مسئلے کی کچھ توضیح ہو جاتی ہے، مگر ہم اس مسئلے کے متعلق خود قاضی صاحب کے ایک مکتوب کا اقتباس نقل کرتے ہیں جو انھوں نے شاہ غلام علی دہلویؒ کو لکھا تھا۔ لکھتے ہیں:

”ضمنیت ہمارے طریقے کے مقامات میں سے ہے۔ نسبتِ ضمنیت سے مراد ہے کہ کسی شخص اولیاء اللہ یا اپنے سے کسی بزرگ شخص کے ساتھ گہری قلبی مناسبت رکھے خواہ یہ بڑا شخص ولی ہو یا نبی۔ ہر وہ روحانی فیض جو میدا فیاض سے اس بزرگ کو پہنچتا ہے، اس میں، اس کے اختیار کے بغیر اس کا ضمنی (متضمن) شریک ہوتا ہے۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ضمنیت کو ضمنیتِ کبریٰ اور دوسرے بزرگوں کی ضمنیت کو ضمنیتِ صغریٰ کہا جاتا ہے چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ کے لیے ضمنیتِ کبریٰ ثابت تھی، کیونکہ آنحضورؐ کا ارشاد مبارک ہے کہ ”جو کچھ اللہ تعالیٰ میرے سینے تک پہنچاتے ہیں، میں اسے صدیق اکبر کے سینے تک پہنچا دیتا ہوں۔“ حضرت محمد سعید خازن الرحمۃ اپنے والد بزرگوار حضرت مجدد الف ثانی کے ساتھ اور امیر خسرو خواجہ نظام الدین اولیاء دہلویؒ کے ساتھ ضمنیت کا شرف رکھتے تھے اور ہمارے پیروم رشد حضرت مظہر شہیدؒ نے فقیر محمد ثناء اللہ کو اپنی ضمنیت کی بشارت دی تھی۔“

۱۱۷ مقاماتِ مظہری ص ۷۶

۱۱۸ بشارتِ مظہریہ، ق، ورق ۱۲۸، ب، کلماتِ طیبات، ص ۱۱۲، ۲۲

اس پس منظر میں قاضی صاحب کا سلاسل اربعہ کی اجازت سے سرفراز ہونا بہت معمولی دبتے کی بات نہیں ہے، اصل یہ ہے کہ قاضی صاحب حضرت منظر کے ہر فیض میں شریک و سہیم تھے۔ اس قسم کی عبارت ایک اور جگہ بھی ملتی ہے، جہاں قاضی صاحب اس امر پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے حضرت مجدد الف ثانی، سید السند محی الدین عبدالقادر الجیلانی اور خواجہ معین الدین حسن السجزی کے خلفا سے کسب فیض کی سعادت بخشی؛ اس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ قاضی صاحب کو ان چاروں سلاسل میں اجازت حاصل تھی۔ علاوہ ازیں قاضی صاحب اپنی معروف تصنیف تفسیر منظری میں چاروں سلاسل کے بانیوں اور ان سے منقولہ حقائق و معارف کا تذکرہ کرتے ہیں، اس بنا پر ہمارے خیال میں قاضی صاحب کے سلاسل اربعہ میں اجازت و خلافت حاصل ہونے کا مسئلہ ہر شک و شبہ سے بالکل ہے۔ حضرت منظر اور شیخ محمد عابد سنائی سے ایک ایک سلسلے کا ذکر ازیں قبیل کیا جا چکا ہے۔ بقیہ دونوں سلاسل کی تفصیل حسب ذیل ہے:

سلسلہ سہروردیہ

— شیخ شہاب الدین سہروردی — خواجہ بہاؤ الحق ذکر یا ملتانی —
 — شیخ صدر الدین — رکن الدین شاہ عالم — سید جلال الدین بخاری —
 — سید جلال الدین مخدوم بہانیاں — سید اجمل بہڑاچی — سید
 بدھن بہڑاچی — درویش بن قاسم اودھی — شیخ عبدالقدوس
 گنگوہی — شیخ رکن الدین — شیخ عبدالاحد — حضرت
 مجدد الف ثانی —

۶۳ وصیت نامہ درکلمات طیبات، ص ۱۵۴، نیز احقاق (قلمی)، ص ۲۱۰ (جہاں یہ صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قاضی صاحب کو حضرت مجدد کے طفیل اعلیٰ درجے عطا کیے ہیں)

۶۴ نعیم اللہ بہڑاچی، معمولات منظریہ، ص ۱۹ - ۲۰

سلسلہ چشتیہ صابریہ

خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ ————— خواجہ قطب الدین الدوشی الکاکیؒ
 شیخ فرید الدین گنج شکرؒ ————— شیخ علاؤ الدینؒ
 شیخ شمش الدین ترک پانی پتیؒ ————— شیخ جلال الدین پانی پتیؒ
 شیخ عبدالحق ردولویؒ ————— شیخ احمد عارفؒ ————— شیخ محمد العارفؒ
 شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ ————— شیخ زکریا الدینؒ ————— شیخ عبدالاحدؒ
 حضرت محمد الف ثانیؒ... ۶۵

آگے چل کر یہ دونوں سلسلے سابقہ مجددی نقشبندی سلسلے سے متصل ہو جاتے ہیں۔

مرشد کی نظروں میں مقبولیت

قاضی صاحبؒ نے اپنی روحانی ترقی کے ذریعے جو مرتبہ حاصل کر لیا تھا۔ وہ شاید ہی حضرت مظهرؒ کے متوسلین میں کسی اور کو حاصل ہوا ہو، اسی بنا پر انھیں اپنے مرشد کی نظروں میں بے پناہ مقبولیت حاصل تھی، بعض اوقات تو اس میں عقیدت کا رنگ بھی پیدا ہو جاتا رہا ہے، یہ مقام بہت کم خوش نصیب مریدین کو میسر آتا ہے، اس سلسلے میں حضرت مظهر کے چند ارشادات حسب ذیل ہیں:

”فقر نے اس حالت میں بھی آپ کے حکم کی تعمیل میں کوتاہی نہیں کی، اس لیے کہ آپ کی ہر اچھائی اور برائی بعینہ میری اچھائی اور برائی ہے۔“ ۶۵
 ”خدا جانتا ہے کہ آپ کا وجود میرے عقیدے کے مطابق عزیز ترین موجودات میں سے ہے۔“ ۶۶

۶۵ حوالہ سابق، ص ۱۹-۲۰ آگے کے سلسلے کے لیے دیکھیے سابقہ اوراق۔

۶۶ مکاتیب حضرت مظهر (قریشی)، ص ۱۱، ۹۳ وغیرہ

۶۷ بشارات، ق، ورق ۱۵۱ ب، کلمات طیبات، ص ۶۳، م ۷۵

ایک خط کی ابتدا میں قاضی صاحب کو لکھا :
 "مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ آپ کو، جو مروج شریعت اور منور طریقہ ہیں،
 سلامت رکھے۔ خدا تعالیٰ آپ جیسی مثالیں زیادہ کرے اور آپ کی آرزوئیں
 پوری کرے۔" ۶۸

ایک اور مکتوب میں لکھا :

"فقر کے دل میں ان کی بہت ہیست ہے۔ وہ از رو سے صلاح و تقویٰ
 اور دیانت روح مجسم، مروج شریعت اور منور طریقہ ہیں، ان کی صفت
 ملکوتی ہے کہ فرشتے بھی ان کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔" ۶۹
 نیز حضرت مظهرؒ فرمایا کرتے تھے :

"اگر خداوند تعالیٰ روز قیامت کو مجھ سے پوچھیں گے کہ تو میری بارگاہ میں کیا تحفہ
 لایا ہے، تو میں قاضی ثناء اللہ کو پیش کر دوں گا۔"

بعد ازاں اس مقبولیت و محبوبیت نے وہ مقام حاصل کر لیا تھا، جہاں پہنچ کر من و تو کا
 جھگڑا ختم ہو جاتا ہے۔ حضرت مظهرؒ، قاضی صاحبؒ پر گزرنے والی کیفیات کا وجدانی
 حد تک ادراک و احساس کرتے تھے اور دوسری طرف بھی یہی عالم کیف تھا۔ مثال کے طور پر
 ایک خط میں حضرت مظهر قاضی صاحبؒ کو لکھتے ہیں :

"معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ کافر سکھ روہنگ سے اُس جانب چلے
 گئے ہیں، اس سے مجھے تسلی ہوگئی، لیکن پانی پت میں آپ کی برادری کے
 خبیث و نفاق سے دل جمعی نہیں ہے۔ کیونکہ میں اس شدید محبت کی وجہ سے
 جو مجھے آپ کے خاندان کے ساتھ ہے، ان کروہات کی تاب نہیں لاسکتا۔"

۶۸ بشارات مظهریہ، ق، ورق ۱۵۲۔

۶۹ ایضاً، ورق ۱۴۸، مقامات مظهری، ص ۶۶

۷۰ مقامات، ص ۶۶، نزہتہ الخواطر، ۱۴۲

۷۱ بشارات، ق، ورق ۱۵۱ و ۱۵۲

اسی طرح ایک مرتبہ قاضی صاحب کے بڑے بیٹے قاضی احمد اللہ کی خبر علالت سنی تو کہا:
 " احمد اللہ کی بیماری کا جاری رہنا فقیر کے لیے سخت تشویش کا باعث
 ہے۔ فقیر کی عمر لمبی خود اختتام کو پہنچ رہی ہے۔ ورنہ میں اپنی عمر میں سے اپنے
 اس بر خوردار کو کچھ عمر دے دیتا کہ سخت محنت سے یہ نسخہ تیار ہوا ہے۔"

خلفائے حضرت مظہرؒ میں قاضی صاحبؒ کا امتیاز

انہی وجوہ کے باعث قاضی صاحبؒ کو حضرتؒ کے تمام خلفائے میں بطور خاص شرف و
 تقدیم حاصل تھا۔ بعض سوانح نگاروں نے انہیں " اکابر خلفائے حضرت ایشاں " مگر
 واقفان حال نے انہیں " بجائے ایشاں (حضرت مظہرؒ) " سمجھا ہے۔

ہمارے خیال میں قاضی صاحبؒ نے حضرت مظہرؒ کے زیر سایہ وہی کام کیا جو امام
 ابوحنیفہؒ کی تربیت سے ان کے دونوں شاگردوں امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ نے کیا تھا۔
 خواجہ شمس تبریزؒ کی سرپرستی میں مولانا رومؒ اور پھر سلطان المشائخ نظام الدین دہلویؒ کی بزم
 میں خواجہ امیر خسروؒ نے انجام دیا تھا۔ جس طرح ان سب حضرات نے اپنے مرشدان کامل کی
 لسان و قلم بن کر ان کے خیالات کی ترجمانی کی، قاضی صاحبؒ نے بھی حضرت مظہرؒ کی زبان و
 قلم کی شکل میں انہی کے خیالات تصنیف و تالیف کے ذریعے عوام الناس تک پہنچائے۔
 خود قاضی صاحبؒ نے بھی اسی امر کا کئی مقامات پر اظہار کیا ہے۔ تفسیر منظہریؒ کا ان کے نام سے
 انتساب اس کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ ہمارے خیال میں حضرت مظہرؒ کی ضمنیت کا
 یہی مفہوم سمجھنا چاہیے۔ اس کے علاوہ قاضی صاحبؒ کو حضرت مظہرؒ کے خلفائے
 حسب ذیل امتیازات حاصل تھے۔

۱۷۲ ایضاً، ورق ۱۵۰ ب

۱۷۳ مقامات منظہریؒ، ص ۷۵، ۷۶۔

۱۷۴ بشارات منظہریہ، قلمی، ورق ۱۲۶ ب

طویل استفادہ

قاضی صاحبؒ واحد شخص ہیں جنہوں نے حضرت مظہرؒ سے نہ صرف طویل عرصہ یعنی تقریباً ۳۵ برس (از ۱۱۶۰ھ - ۱۱۹۵ھ) استفادہ کیا بلکہ پرورش بھی انہی کے زیر سایہ پائی۔ اس اعتبار سے حضرت مظہرؒ ہی ان کے باپ، دادا، استاد و مربی اور پیر و مرشد تھے۔ ۱۵ اس طویل عرصے میں گودہ ہر دم حاضر باش نہ تھے لیکن حضرت مظہرؒ کے مکاتیب سے پتا چلتا ہے کہ دونوں کے درمیان ہمیشہ قلمی رابطہ قائم رہتا تھا۔ ان کے نام سب سے زیادہ مکاتیب کی موجودگی اس کا بین ثبوت ہے۔ ۱۶

ذہنی معیار کی مطابقت

قاضی صاحبؒ ہی وہ واحد شخص ہیں کہ اتنا طویل عرصہ خدمت میں رہنے اور استفادہ کرنے کے باوجود حضرت مظہرؒ کو ان سے کبھی کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی، گویا وہ ہر اعتبار سے حضرت مظہرؒ کے اس ذہنی اور فکری معیار کے مطابق تھے جس کی حضرت مظہرؒ اپنے ہم نشین اور مصاحب سے توقع کر سکتے تھے، اسی بنا پر حضرت مظہرؒ کو ان کی "پاس خاطر داری" ہمیشہ ملحوظ رہتی تھی۔ ۱۷ علاوہ ازیں حضرت مظہرؒ کو اپنے اس مرید پر فخر تھا اور کہا کرتے تھے کہ "اگر خدا تعالیٰ نے قیامت کے دن کوئی تحفہ مانگا تو میں ثنا اللہ پانی پتی کو پیش کر دوں گا۔" ۱۸

ضمنیت حضرت مظہرؒ

پھر حضرت مظہرؒ کے متوسلین میں قاضی صاحبؒ پہلے اور آخری شخص تھے، جنہیں اپنے

۱۵ ایضاً، ورق ۱۶۱ ب

۱۶ دیکھیے مکاتیب مرزا مظہر، مرتبہ عبدالرزاق قریشی۔

۱۷ دیکھیے بشارات، ورق ۱۴۹ ب ۱۸ بشارات، ق، ورق ۱۶۸ ب

۱۹ مقامات، ص ۷۶، نزہۃ الخواطر، ۷: ۱۱۳

مرشد کی جانب سے اپنے ضمنی ہونے کی خوش بخبری سنائی گئی جو یقیناً بہت بڑا اثر ہے، جس طرح حضرت مظہر محمد عابد ستامیؒ کے جانشین اور ضمنی تھے۔

جانشینی کا مژدہ

اگرچہ شاہ غلام علیؒ دہلوی کو اصرار ہے کہ حضرت مظہرؒ نے کسی کو بھی اپنا جانشین نامزد نہیں کیا تھا، اسی بنا پر وہ قاضی صاحبؒ کے تذکرے میں جملہ معترضہ کے طرز پر فرماتے ہیں:

” رہی آپ کی جانشینی، جس سے مراد ہے طریقہ احمدیہ مجددیہ کو کشف مقامات

کی صحت اور قرب الہی کے درجات کی کیفیتوں کے وجدان کے ساتھ آگے

چلانا اور دوسروں تک منتقل کرنا، جو کسی کے لیے بھی مسلم نہیں۔“

لیکن واقعہ یہ ہے کہ حضرت مظہرؒ نے متعدد مواقع پر قاضی صاحبؒ کو اپنی جانشینی

کا مژدہ سنایا تھا، چنانچہ شاہ غلام علیؒ دہلوی حضرت مظہرؒ سے قاضی صاحبؒ کے ایک خواب کی تعبیر نقل کرتے ہوئے ان کا یہ جملہ نقل فرماتے ہیں:

” ہو سکتا ہے کہ میرے بعد میری نیابت تمہاری طرف منتقل ہو جائے۔“

جب کہ اسی خواب کی تعبیر سید نعیم اللہ بہر اہلجی، حضرت مظہرؒ سے یہ نقل کرتے ہیں:

” تم میرے بعد مسندِ خلافت و ارشاد پر ویسے ہی بیٹھو گے جیسے حضرت

موسیٰؑ کے بعد حضرت ہارونؑ۔“

علاوہ ازیں حضرت مظہرؒ نے اپنی وفات سے قبل اپنا ذاتی کتب خانہ، اپنا چوٹا اور

۱۱۴ بشارات، ق، ورق ۱۴۸، کلمات طیبات، ص ۱۱۴

۱۱۵ ایضاً۔

۱۱۶ مقامات، ص ۷،

۱۱۷ ایضاً۔

۱۱۸ بشارات، ق، ورق ۱۵۰

چادر اور لحاف وغیرہ قاضی صاحب کی خدمت میں ارسال کر دیے تھے اور پھر حضرت مظہر نے اپنے اہل خانہ کی ذمہ داری آپ پر عائد کر دی تھی چنانچہ انہوں نے یہ ذمہ داری بھی بڑی خوش اسلوبی سے ادا فرمائی۔ اسی پس منظر میں سید نعیم اللہ بڑا پچی نے قاضی صاحب کو لکھا تھا کہ حضرت مظہر کی جانشینی آپ کو کرنی چاہیے تھی مگر انہوں نے ان کی علمی جانشینی کا فریضہ انجام دیا اور فقر و تصوف کی مسند شاہ غلام علی دہلوی اور سید نعیم اللہ وغیرہ کو سونپ دی اور لکھا:

”مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد تم سے مستفید ہو رہی ہے، لہذا اگر تمہیں اور مولوی غلام علی کو حضرت مظہر کا قائم مقام قرار دیا جائے تو مناسب ہے۔“

اكتساب بطریقہ اویسیت

قاضی صاحب اپنے ایک مکتوب بنام سید نعیم اللہ بڑا پچی میں لکھتے ہیں کہ میرا حضرت مظہر کی روح سے، ان کی شہادت کے بعد بھی رشتہ قائم ہے اور وہ اب بھی ان سے مستفید ہوتے ہیں۔ صوفیا کی اصطلاح میں اس طریقے سے اکتساب فیض کو ”استفادہ بطریقہ اویسیت“ کہا جاتا ہے اور یہ اکثر کالمین کا شیوہ رہا ہے۔ شیہ آپ فرماتے ہیں:

آنجناب (حضرت مظہر) کا فیض جس طرح ان کی زندگی میں جاری و ساری تھا۔ اسی طرح وہ اب بھی ابر کرم کی طرح خاک نشینوں پر گوہر افشانی کرتا رہتا ہے۔ تفسیر مظہری کی ترتیب و تالیف کے دوران میں جو حضرت مظہر کی شہادت کے بعد ہوئی، وہ اسی مضمون کا یوں اعتراف فرماتے ہیں:

۵۸۵ دیکھیے وصیت نامہ، قاضی صاحب در کلمات طیبات ص ۱۵۴ تا ۱۵۸

۵۸۶ ایضاً

۵۸۷ ایضاً، ورق ۱۶۹ اب

۵۸۸ دیکھیے ارشاد الطالبین، ص ۳۵ (اردو ترجمہ، مطبوعہ لاہور)۔

۵۸۹ بشارات، ق، ورق ۱۶۱ اب

”یہ سب کچھ فیوض و برکات الیہ کا مظہر (تلمیح بجانب حضرت مظہرؒ) ہے،
ورنہ اس فرومایہ کی کیا اوقات ہے“ ۹۰

خاندان میں خلفائے حضرت مظہرؒ کی کثرت

قاضی صاحبؒ کی ایک یہ خصوصیت بھی قابل ذکر ہے کہ ان کے خاندان میں تقریباً پانچ
افراد سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں خلفائے مجاز تھے۔ ان میں سے قاضی صاحب کے والد کو تو
خلافت شیخ سنائیؒ کی جانب سے مرحمت ہوئی تھی، ۹۱ بقیہ چاروں افراد یعنی خود قاضی صاحبؒ،
ان کے بڑے بھائی، بڑے بیٹے اور زوجہ عجیبہ بیگم کو حضرت مظہرؒ کی جانب سے خرقہ خلافت
سے نوازا گیا تھا۔ ۹۲

عَلَمُ الْمَدِی کا اعزاز

حضرت مظہر کے ہاں قاضی صاحب کو جو خصوصی مقام حاصل تھا اس کا اندازہ اس امر
سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ آپ کو ”عَلَمُ الْمَدِی“ (علم ہدایت) کے لقب سے پکارا کرتے تھے، ۹۳
جس کا مفہوم یہ تھا کہ حضرت مظہرؒ کے نزدیک قاضی صاحبؒ نہ صرف یہ کہ بذاتِ خود صحیح
راستے پر تھے بلکہ انھیں دیکھ کر راستے کا تعین بھی کیا جاسکتا تھا۔

۹۰ معارف اعظم گڑھ، ۶/۲۳: ۶۲۷۵، بحوالہ مکتوبات قلبی قاضی صاحبؒ
۹۱ بشارات، ق، ورق ۱۲۶ ب ۹۲ مقامات مظہری، ص ۷ تا ۸
۹۳ نزہتہ الخواطر، ۷: ۱۱۲

تدریسِ علم و فیضِ باطنی

۱ قاضی صاحب نے علوم ظاہری اور علوم باطنی کی تحصیل سے فراغت پاتے ہی ان علوم کے فروغ و ذیوع کا آغاز کر دیا، مگر سوانح نگاروں نے اس کا ذکر کرتے ہوئے صرف چند الفاظ پر کفایت کی ہے، مثلاً شاہ غلام علی دہلوی فرماتے ہیں:

سترہ برس کی عمر میں علوم ظاہری سے فارغ ہو گئے اور اجازت و خلافت حاصل کی، اور پھر علم (ظاہر) اور فیضِ باطنی کی اشاعت میں مصروف ہو گئے اور اور ہدایت و ارشاد کو رواج دیا۔

نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں:

"تمام عمر ظاہری اور باطنی علوم کے فیضان کو آگے بڑھانے، اشاعتِ علوم، فصلِ خصوصیات (مقدمات کے تصفیے)، افتائے سوالات اور حل مشکلات میں مصروف رہے۔"

سید عبدالحی حسنی کا بیان ہے:

"اور آپ قرآن مجید کی منازلِ سبعہ میں سے ایک منزل پڑھتے، اس کے ساتھ ذکر و مراقبہ، تدریسِ طلبہ، تصنیفِ کتب اور مقدمات کے تصفیے میں مشغول رہتے تھے۔"

۱۔ مقاماتِ مظہری، ص ۷۶

۲۔ اتحاف النبلاء، ص ۲۴۱

۳۔ نزہتہ الخواطر، ص ۱۱۳

ان سب میں تفصیلی بیان سید نعیم اللہ بھڑاچھی کا ہے وہ رقم طراز ہیں :
 ” فی الجملہ جامع الکمالات، حضرت مولانا اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے
 ایک نشانی ہیں۔۔۔ امانت و دیانت، صلاح و تقویٰ، خوش خلقی۔ نیک طینتی،
 عوام کی مشکلات کے حل، بے مثال تواضع، اطاعت و عبادت، ریاضت،
 تدریس طلبہ، افاضہ فیض باطنی، مطالعہ و مباحثہ علوم دینیہ اور کتابوں کی
 تصنیف میں ہمیشہ مصروف رہتے ہیں۔“ لکھ

سوانح نگاروں کے ان مختصر بیانات سے قاضی صاحب کی حیات مبارکہ کے چار
 مختلف ابواب (تدریس طلبہ، افاضہ فیض باطنی، فصل خصوصیات اور تصنیف کتب) کے
 سامنے آتے ہیں۔ ان میں سے دو اول الذکر عنوانات اس باب میں اور بقیہ اگلے ابواب
 میں زیر بحث آئیں گے۔

تدریس طلبہ

ہندوستان کی تاریخ کے جس دور کے واقعات ہمارے زیر مطالعہ ہیں، اس دور میں
 قریہ قریہ اور بستی بستی میں مدارس اور تعلیم گاہیں قائم تھیں، جن میں سبہر ایک میں بیسیوں اقامتی
 اور غیر اقامتی طلبہ تعلیم پاتے تھے یہ اس وقت جب بھی کوئی طالب علم تحصیل علم
 سے فراغت پاتا تو اس سے یہی توقع کی جاتی کہ وہ بھی کسی درس گاہ میں تدریسی فرائض انجام
 دے گا۔

ان حالات میں جب قاضی صاحب نے تعلیم و کسب طریقت سے فراغت پائی
 تو قدرتی طور پر ان سے بھی اسی قسم کی امیدیں وابستہ کی گئیں، بعد کے آنے والے تذکرہ
 نویسوں نے اس پر تحیلات کی عمارت استوار کرنا شروع کر دی۔ رفتہ رفتہ انھیں پانی پت

۴۷ بشارات، ق، ورق ۱۲۸

۴۸ دیکھیے ابوالحسنات ندوی، ہندوستان کی قدیم اسلامی درس گاہیں، مطبوعہ لاہور۔

کے ایک گم نام مدرسے کا مدرس بتایا جانے لگا، جس کو بوجہ بُعدِ شہرت و قبولِ عام حاصل نہ ہو سکا۔ تب جب کہ ہماری تحقیق کے مطابق صورتِ حال اس سے کافی مختلف تھی۔

اس میں شبہ نہیں کہ قاضی صاحب اکادمی کا طالب علموں کو پڑھایا کرتے تھے۔ یہ بھی درست ہے کہ انھوں نے اپنے بڑے صاحب زادے قاضی احمد اللہؒ کو خود لکھایا پڑھایا تھا، بقول سید نعیم اللہ بھڑاچی:

”مولوی احمد اللہ... نے علوم ظاہری اپنے والد بزرگوار سے حاصل کیے۔“

اسی طرح یہ بھی تسلیم ہے کہ مولوی احمد اللہؒ کے علاوہ دوسرے صاحب زادے مولوی دلیل اللہ کی تعلیم بھی آپ ہی کے ہاتھوں مکمل ہوئی تھی، بقول خویش:

”محمد دلیل اللہ نے مدت ہوئی کہ ہدایہ مکمل کر لیا ہے اور آج کل وقت

ضائع کر رہا ہے۔“

ان کا اپنے پوتے مولوی صفوۃ اللہ (بن احمد اللہ) کی نسبت یہ فرمانا بھی بجا ہے کہ وہ ان کی کوشش اور خواہش کے باوجود اس طرف نہ چل سکے۔ یہ یکن بایں ہمہ واقعہ یہ ہے کہ ان کے ہاں پانی پت میں درس و تدریس کا کوئی باقاعدہ انتظام (مدرسہ) موجود نہ تھا۔ البتہ بے قاعدہ طور پر لوگ ان سے اکتسابِ علم اور اخذِ فیض باطنی کرتے رہتے تھے۔ اس خیال کا حسبِ ذیل شواہد پر مدار ہے:

۱۔ اگر ان کے ہاں کوئی مدرسہ ہوتا تو کسی نہ کسی جگہ اس کا تذکرہ ضرور ملتا۔ حالانکہ کسی سوانح نگار یا مؤرخ نے قاضی صاحب کی نگرانی میں چلنے والے کسی سے کا ذکر نہیں کیا۔ یہ کہنا کہ بوجہ بُعدِ شہرت حاصل نہ ہو سکی مبنی بر صحت نہیں۔ اس عہد کا کوئی

۶ محمد فاروق بھڑاچی: معارف اعظم گڑھ، ۶/۲۳، ۲۷۲۲، ۲۱۹۲۹ -

۷ بشارات، ق، ورق ۱۶۳ ب -

۸ ایضاً، مجل مذکور

۹ کلمات طبیات، ص ۱۵۶ - ۱۵۸

نمایاں مدرسہ ایسا نہیں، جس کا معاصر تاریخوں میں تذکرہ نہ ملتا ہو۔
 (ب) اگر فی الواقع انھوں نے کسی مدرسے میں درس و تدریس کے فرائض انجام دیئے ہوتے تو وہاں سے فارغ التحصیل طلبہ و فضلا کا کسی نہ کسی جگہ ذکر ضرور ملتا، حالانکہ ایک آدھ شخص کے سوا اس پہلو پر مکمل سکوت ہے۔

(ج) جیسا کہ ہم آئندہ صفحات میں ذکر کریں گے، قاضی صاحب کا بیشتر وقت فرائض منصبی کی تکمیل میں گزرتا تھا، بعض اوقات انھیں علاقے کے گورنروں کے ساتھ باقاعدہ ان کے لشکروں میں بھی شامل رہنا پڑتا تھا۔ ان حالات میں یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ یکسوئی کے ساتھ فرائض تدریس بجالا سکتے۔ اس پس منظر میں گمان غالب یہ ہے کہ قاضی صاحب اکاؤنٹ طالب علموں کو پڑھاتے تھے، باقاعدہ کسی مدرسے میں بطور مدرس کام نہیں کیا اور نہ اپنی نگرانی میں کوئی مدرسہ کھولا۔

درحقیقت قاضی صاحب عام طریقے سے ہٹ کر منصبِ قضا اور تصنیف و تالیف کے ذریعے ملک اور قوم کی خدمت کرنا چاہتے تھے، کیونکہ اس زمانے کے مسلمانوں کو "عدل و انصاف کی زیادہ ضرورت تھی۔

ان کے ان شاگردوں کا، جنھوں نے ان سے محولہ بالا طریقے کے مطابق پڑھا، ہم آگے تذکرہ کریں گے۔

خطابت

سید نعیم اللہ بھڑاچی کے مذکورہ بالا اقتباس میں ایک جملے (و مباحثہ علوم دینی... مشغول) سے متبادر ہوتا ہے کہ قاضی صاحب کا کسی نہ کسی طرح خطابت اور وعظ و تبلیغ سے بھی کوئی تعلق تھا۔ حضرت منظر کے ایک مکتوب کا مضمون بھی اسی قسم کا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"فقیر کا رقعہ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوگا، مسجد یا چھری میں اس سے ملاقات کر لیں۔"

ایک اور مکتوب میں آپ شاہ غلام علی کے قاصد کے "مسجد فقیر" میں قیام کرنے

کا ذکر فرماتے ہیں:

اس اجمال کی مزید تفصیل اس طرح ہے کہ آپ کا علاقے کی کسی مسجد سے بھی اس نوع کا تعلق ضرور تھا جس میں وہ شام کے فارغ اوقات میں بیٹھا کرتے تھے۔ یہیں درس و تدریس، وعظ و تبلیغ نیز خطابت کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ اس قیاس کو اس سے مزید تقویت ملتی ہے کہ قاضی صاحب کے برادر اکبر قاضی محمد فضل اللہ پانی پت کی ایک مسجد کے بانی اور متولی تھے، جس کا نام مرور ایام سے ”مسجد محبوبوں“ والی مشہور ہو گیا تھا۔ اپنے بھائی کے انتقال کے بعد لازماً اس کی دیکھ بھال اور وعظ و خطابت کا نظم و نسق قاضی صاحب کے ہاتھ میں آیا ہوگا۔ اسی مسجد میں گمان غالب ہے کہ آپ ذکر و مراقبہ کے حلقے منعقد کیا کرتے تھے۔

مولوی دلیل اللہ کی تدریس

غالباً اسی مسجد میں بعد ازاں ان کے بر خور دار مولوی دلیل اللہ نے انہی کی نگرانی میں مشکوٰۃ شریف تک کتابیں پڑھانا شروع کی تھیں، چنانچہ وہ اپنے ایک مخلص دوست اخوندزادہ ملا نسیم کے نام ایک طالب علم کے متعلق ایک خط میں لکھتے ہیں۔

”کتب شریعت میں سے، بر خور دار دلیل اللہ کے پاس شرح وقایہ اور ہدایہ کا کچھ حصہ اور کچھ مشکوٰۃ پڑھ لی ہے“۔

فینس باطنی

قاضی صاحب اپنے عہد کے دو نامور مشائخ طریقت کے اجازت یافتہ اور خلیفہ مجاز

۱۔ مکاتیب مرزا مظہر (قریشی) ص ۱۶۵۔

۲۔ بحوالہ نسب نامہ خاندان قاضی صاحب قلمی، مرتبہ مولانا الیقین اللہ عثمانی۔ سرگودھا۔

۳۔ لوائح خانقاہ مظہریہ، ص ۲۲۰، ۱۴۶، نیز اردو سہ ماہی کراچی اکتوبر (۱۹۶۷) ص ۱۳۳-۱۳۴

تھے، ان کی نسبت باطنی کا یہ حال تھا کہ ان کے شیخ طریقت انھیں اپنی جگہ پر فائز دیکھنے کے خواہش مند تھے۔ اس کے علاوہ ان کے خاندان میں روحانی فیوض و برکات کا سلسلہ شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء (م ۷۵۴ھ / ۱۳۶۳ء) کے زمانے سے جاری تھا، ان حالات میں ان سے بھی یہی توقع تھی کہ وہ بھی مستدِ عرفان کو زینت بنائیں گے۔ مگر ان کی زندگی کا لائحہ عمل اس سے مختلف تھا۔ وہ درحقیقت منصبِ قضا اور تصنیف و تالیف کے ذریعے ملک و قوم کی خدمت کے لیے خود کو وقف رکھنا چاہتے تھے، اسی بنا پر درس و تدریس کی طرح اس شعبے میں بھی ان کا رویہ "محتاط" رہا۔ تاہم اس سے یہ سمجھنا بھی درست نہیں ہے کہ اس میدان میں وہ بالکل کور سے ثابت ہوئے، بلکہ اصل حقیقت یہ تھی کہ وہ اپنے مذکورہ بالا پروگرام کے ساتھ جتنا وقت بچتا اس میں اس شعبے کی طرف بھی توجہ دیتے تھے۔ چنانچہ ہم ان کی روحانی زندگی کے حسب ذیل خصوصی پہلو کا مطالعہ کر سکتے ہیں:

فیض باطن کا ملکہ

صوفیہ کے ہاں حقیقی افادہ و افاضہ وہ ہے جو بواسطہ قلب و روح دوسرے کے دل میں القا کیا جائے۔ اس وصف میں قاضی صاحبؒ کو خصوصی امتیاز حاصل تھا، شاہ غلام علی دہلویؒ فرماتے ہیں:

"فقیر کے عقیدے کے مطابق ان جیسے کمالات اور اعلیٰ مجددی نسبت رکھنے والا کوئی شخص اس وقت موجود نہیں ہے۔ حضرت منظر کے خلفائے سے بہت سی باتوں میں وہ خصوصی امتیاز رکھتے ہیں۔" ۱۳

حضرت منظرؒ کے جس خصوصی وصف کا سوانح نگار اکثر امتیازی طور پر ذکر کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ وہ دور دراز تک کے مریدین اور مستفیدین کے قلوب تک اپنے خیالات اور اپنی اصلاحی آواز پہنچانے کا ملکہ رکھتے تھے۔ ۱۴ قاضی صاحب کو بھی بدرجہ اتم یہ کمال

۱۳ مقامات مظہری، ص ۶۷

۱۴ دیکھیے معمولات مظہریہ، ص ۶

حاصل تھا، چنانچہ وہ اپنے دوست سید نعیم اللہ بہرائچیؒ کے نام ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

” تنہائی کے اوقات میں، خصوصاً تہجد کے بعد اگر خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں تو جلد مراقبے میں چلے جایا کریں اور اس وقت اپنے دور افتادہ دوستوں کو بھی یاد کر لیا کریں۔ اس طرح ایک دوسرے سے فیض پہنچے گا اور نسبت کا انعکاس ہوگا۔“

جس طرح حضرت مظهرؒ نے اپنی اس صفت کے ذریعے بہت سے لوگوں کی روحانی تربیت فرمائی، اسی طرح قاضی صاحب نے بھی قلب و روح کی ان اعلیٰ صفات کو تعلیم و ارشاد کے لیے استعمال فرمایا۔

پیر بھائیوں کو توجہ

حضرت شیخ مظهرؒ اپنے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ ان کے شیخ (محمد عابد سناسیؒ) نے اپنی زندگی میں بعض اصحاب بغرض تربیت ان کے حوالے کر دیے تھے، جنہیں وہ اپنے مرشد کی زندگی ہی میں طریقت کی ”نہایات“ تک لے گئے، جسے شیخ سناسیؒ نے پسند کیا۔

حضرت مظهرؒ کے مکاتیب سے پتا چلتا ہے کہ وہ بھی اپنے بعض مرید بغرض افادہ و استفادہ اپنے خلیفہ اعظم (قاضی صاحب) کے سپرد کرتے رہتے تھے۔ مثلاً علی رضا خان کی نسبت ان کو لکھا:

” برخوردار علی رضا ایک تقریب کے سلسلے میں جو آپ سے محض نہیں، پانی پت آرہے ہیں، انہوں نے سلوک کا طریقہ (مجموعہ سے) حاصل کیا ہے۔ ذکر لطائف خمسہ جاری ہے اور ذکر نفی و اثبات بھی شروع کر چکے ہیں۔ وہ

۱۵۱ بشارات، قلمی، ورق ۱۶۳

۱۵۲ مقامات، ص ۳۳

۱۵۳ لطائف خمسہ سے مراد لطیفہ قلب، روح، سر، خفی اور اخفی ہیں۔

۱۵۴ نفی و اثبات سے مراد کلمے کا خاص طریقے پرورد کرنا ہے۔

تمہارے حلقے میں شامل ہو جائیں گے، پہلے دن سے ہی ان کے لطیفہ قلب پر لازماً توجہ کی جائے۔^{۱۹}

اسی طرح ایک دوسرے موقع پر شیخ عین الدین عظیم آبادی کو انہوں نے قاضی صاحب کی خدمت میں بھیجا اور لکھا:

”شیخ عین الدین نام کا ایک نوجوان چند روز ہو سے داخل حلقہ ہوا ہے۔

میرا رقعہ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوگا، اس کے دل میں نورانیت پیدا

ہو چکی ہے۔ البتہ ابھی قطع مسافت شروع نہیں کی۔ آدمی تھوڑا سا شکستہ دل

ہے، اور قابلِ رحم بھی۔ اس لیے خصوصی توجہ مبذول فرمائیں۔“^{۲۰}

میاں محمد قاسم کو بھی (جن کے نام حضرت مرزا مظہر کے مکاتیب بھی ہیں) آپ کی خدمت

میں بھیجا گیا اور لکھا:

”اور اگر لشکر پانی پت پہنچے تو میاں محمد قاسم جو میرے بڑے ہی مخلص رفیق ہیں،

بہو لیسہ فرنگی کے ہمراہ پہنچیں گے، انہیں بھی توجہ دی جائے۔“

بعض دوسرے اوقات میں محمد خاں^{۲۱} اور اخوندزادہ ملا نسیم^{۲۲} کے متعلق بھی اسی قسم

کی تصریحات ملتی ہیں، جس سے پتا چلتا ہے کہ یہ حضرات بھی فیض باطن کے حصول کی غرض

سے ان کی خدمت میں زیر تربیت رہے تھے۔

پیرخانے کی جانشینی

حضرت مظہر قاضی صاحب پر جس حد تک اعتماد کرتے تھے اس کا مزید اندازہ اس

^{۱۹} مکاتیب مظہر (قریشی)، ص ۱۱، ۹، کلمات طیبات، م ۷۵، ص ۶۳ تا ۶۴۔

^{۲۰} ایضاً، ص ۱۶۵، م ۱۱۰، مقامات، ص ۷۷۔

^{۲۱} مکاتیب مظہر (کلمات طیبات)، ص ۳۵، م ۲۵، نیز مجموعہ خلیق الخیم، م ۳۴، ۳۵، ۳۶۔

^{۲۲} مکاتیب (قریشی) ص ۱۳۰، م ۸۷۔

^{۲۳} لوائح خانقاہ مظہر، ص ۲۹، م ۱۔

امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ جن ایام میں حضرت مظہرؒ دہلی سے غیر حاضر ہوتے اور قاضی صاحبؒ دہلی میں موجود ہوتے تو وہی پیرخانے پر رونق افروز ہوتے اور وہی وہاں کے مریدین اور مستفیدین کو توجہ دیا کرتے تھے، ایک موقع پر حضرت مظہرؒ لکھتے ہیں:

”کل صبح غلام نبی صاحب نام کا ایک عزیز اجباب طریقت میں سے دہلی روانہ ہوگا، میاں غلام نبی صاحب کو توجہ دے دی جائے۔“^{۲۴}

لطف کی بات یہ ہے کہ یہ خط پانی پت سے لکھا گیا۔ ان دنوں حضرت مظہر پانی پت میں اور قاضی صاحب دہلی میں فروکش تھے۔

مریدین کا اپنا حلقہ

حضرت مظہرؒ کی اس قائم مقامی کے علاوہ بعض شواہد سے پتا چلتا ہے کہ قاضی صاحبؒ کا اپنا بھی ایک حلقہ تھا، چنانچہ علی رضا خاں کو پانی پت بھیجتے ہوئے حضرت مظہر نے جو خط لکھا تھا اس میں ”در حلقہ شما“ کی صراحت کی گئی تھی، حضرت مظہرؒ ہی کے بعض دیگر مکاتیب سے پتا چلتا ہے کہ اس حلقے میں پانی پت کے اثر و رسوخ والے لوگ شامل تھے، چنانچہ وہ اپنے ایک ہندو معتقد ”راے کیول رام“ کو لکھتے ہیں:

”اور اگر مولوی صاحب (قاضی صاحب) جن کے اس جماعت میں سے چند لوگ مرید ہیں۔ اس کام کے معاون ہو جائیں، جو ان کے مناسب حال ہے تو بہت بہتر ہوگا۔“^{۲۵}

حضرت مظہرؒ ایک اور مکتوب میں ایک عالم کو قاضی صاحب کے دامن سے وابستہ قرار دیتے ہیں:

^{۲۴} مکاتیب (قریشی)، ص ۷، م ۵

^{۲۵} حضرت مظہر اور دیگر ارباب طریقت مظہر یہ قاضی صاحب کو مولوی صاحب یا مولانا لکھا کرتے تھے، بقول سید نعیم اللہ بہر پٹوچی۔ ”جاننا چاہیے کہ اس کتاب میں جہاں کہیں بھی لفظ مولانا آئے اس کے مصداق مولوی ثناء اللہ پانی پتی ہیں (بشارات مظہر یہ قلمی ورق ۱۴۷ اب ۱)

”و کے شمارا نخواہید گزاشت کہ کنارہ گیرید چرا کہ علی لفظا ہر و باطن
بدامان شما آریختہ است“ ۲۶

اسی طرح سید نعیم اللہ بہڑاچئی آپ کو یوں درازی عمر کی دُعا دیتے ہیں:
”اللہ تعالیٰ آپ کے کمال کا سایہ سب کے سروں پر قائم رکھے“ ۲۷

علاوہ ازیں خود قاضی صاحب اپنے ایک مکتوب بنام سید مذکور میں حضرت مظهر کی
زندگی ہی میں پانی پت کے ۴۴ آدمیوں کو توجہ دینے کا ذکر کرتے ہیں ۲۸

روحانی افادے میں کمی کی وجوہ

گو مقامات مظهری اور دیگر سوانحی کتب میں ان کے چند مستفیدین کا نام بنام ذکر کیا
گیا ہے، جن کا ہم آئندہ اوراق میں ذکر کریں گے، تاہم اگر مجموعی طور پر دیکھا جائے تو ان کا
یہ روحانی سلسلہ ان کی روحانی استعداد کی مناسبت سے بہت کم چلا، جب کہ ان کے دوسرے
معاصرین کے یہ سلسلے نسبتاً زیادہ کامیاب رہے ہیں۔ ہمارے خیال میں اس کی وجوہ حسب
ذیل ہیں:

۱۔ فرط تواضع و انکسار: قاضی صاحب میں حد سے زیادہ تواضع اور انکسار تھا، اسی
بنیاد پر حضرت مظهر اور دیگر ارباب طریقہ کی حوصلہ افزا بشارتوں کے باوجود وہ اپنے آپ کو
ہمیشہ طالب علم اور مستفید ہی سمجھتے رہے اور خود کو شیخ طریقت کی مسند سے فروتر خیال
کرتے رہے۔ چنانچہ حضرت مظهر کی شہادت کے بعد ایک مرتبہ سید نعیم اللہ بہڑاچئی نے
ان کو حضرت مظهر کا جانشین لکھ دیا۔ اس پر جواباً لکھا:

۲۶ کلمات طیبات، ص ۶۵، ۸۴

۲۷ معمولات مظهریہ - ص ۶

۲۸ بشارات، ق، ورق ۱۶۴ ب

۲۹ دیکھیے مقامات مظهری، ص ۸

”فقر اس بشارت کا، جو حضرت صاحب قبلہ (حضرت مظہرؒ) نے زبانِ ترجمانِ اللہ سے ارشاد و مرحمت فرمائی تھی، ازراہ جہالت خود پر کوئی اثر نہیں پاتا۔“
 اسی مکتوب میں کچھ سطروں کے بعد مزید فرماتے ہیں:

”میرے مشفق حضرت مظہرؒ شہیدؒ نے جو بشارتیں میرے کلمہ و دم (حیثیت) سے زیادہ فیکر کو دی ہیں، انشاء اللہ تعالیٰ تھوڑی بہت بنیاد کا حامل ضرور ہوں گی، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ فیکر کی طرف سے زیادہ ارشاد (استفادہ فیضِ باطن) نہ ہو سکے گا۔“

اسی طرح انہی کے نام ایک اور مکتوب میں لکھتے ہیں:

”اور آپ اور مولوی غلام علی وغیرہ صاحبانِ فیکر کے حق میں، اگرچہ حد سے زیادہ محبت و شفقت رکھتے ہیں اور اپنی گفتگو میں اس کا ذکر کرتے ہیں۔ مگر نہ میں اپنے آپ کو خوب جانتا ہوں کہ میں کیا چیز ہوں۔ بہر حال بزرگوں کے حسن ظن کے طفیل فضل الہی سے مغفرت کی امید رکھتا ہوں۔ لیکن حضرت مظہر کا جانشین ہونا بہت مشکل ہے۔ خاص طور پر مجھ سے ناکارہ شخص کے لیے یہ کلمہ بہت ثقیل ہے۔“

اس بنا پر انہوں نے اس منصب کے لیے خود کو پیچھے اور دوسرے ساتھیوں کو مقدم رکھا۔

ب۔ دیگر ساتھیوں کو آگے لانے کا جذبہ: بظاہر یہ بات کچھ عجیب سی محسوس ہوتی ہے لیکن حقیقت یہی تھی کہ اس کے پیچھے یہ جذبہ بھی کار فرما تھا کہ حضرت مظہرؒ کے دیگر خلفا کو زیادہ سے زیادہ موقع دیا جائے اور ان کی خوبیوں کو حتیٰ الوسع نمایاں کیا جائے، چنانچہ سید نعیم اللہ بیڑا پٹی کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

۳۵ بشارت، ق، ورق ۱۶۴۔

۳۵ ایضاً، ورق ۱۶۴ ب۔

” وہ افاضہ ارشاد (فیض روحانی) جو حضرت مظہرؒ کی بارگاہ میں نظر آتا تھا،

وہ کہاں (نظر آسکتا ہے) ،

سطور بالا میں جس مکتوب سے کچھ اقتباسات پیش کیے گئے ہیں، اس کا پس منظر یہ تھا کہ خلفائے حضرت مظہر (بالخصوص سید نعیم اللہ بہر اچھی وغیرہ) ^{۱۳۱} کی کوششوں سے دہلی میں خانقاہ مظہر یہ کی تعمیر کا پروگرام ترتیب دیا گیا، جس میں قاضی صاحب سمیت تمام خلفا اور متوسلین خانقاہ نے حصہ لیا تھا۔ اس موقع پر بعض دوستوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ خانقاہ کی تعمیر مکمل کر کے حضرت مظہرؒ کے خلیفہ اکبر کو، جن کے حق میں حضرت مظہرؒ کے جانشینی سے متعلق بعض اشارات ملتے ہیں، یہاں بٹھایا جائے۔ اس مقصد کے لیے قاضی صاحبؒ کی خدمت میں سید نعیم اللہ بہر اچھی نے شاہ غلام علی دہلویؒ کے مشورے سے اس مضمون کا خط لکھا۔ قاضی صاحب نے وہاں جانے سے صاف انکار کر دیا اور اپنے دونوں ساتھیوں کے بارے میں حسب ذیل رائے لکھ بھیجی:

” ہاں البتہ بایں معنی کہ حضرت مظہرؒ مقام ارشاد پر متمکن تھے اور اس زمانے

میں ان کے مخلصین میں سے آپ کو اور مولوی غلام علی کو ان کا جانشین قرار دیا جائے تو گنجائش ہے۔“

ج۔ مخصوص علاقائی صورت حال، شہر پانی پت اس زمانے کے سیاسی حالات سے سب سے زیادہ متاثر ہوا تھا، پانی پت کی تیسری جنگ میں پرگنہ پانی پت کے ۱۷۸ دیہات تباہ ہو گئے تھے اور خود شہر پانی پت بہت بڑی تباہی سے دوچار ہوا تھا۔ ^{۱۳۲} بعد میں بھی یہ علاقہ سکھوں، مرہٹوں اور روسیوں کی تاخت و تاراج کا مرکز

۱۳۲ دیکھیے لوائح، م ۱۹۱ از ملاحسن بنام اخوندزادہؒ۔

۱۳۳ بشارات ورق ۱۶۶ ب

۱۳۴ کرنال ڈسٹرکٹ گزیٹیئر، ص ۲۴ - ۱۸۲۷ میں مسٹر آرچرنے اس علاقے کے متعلق لکھا تھا کہ ”اس علاقے کے واحد باشندے جانور ہیں۔“

بنا ہوا تھا۔ یہاں کے راستے اور سڑکیں مکمل طور پر غیر محفوظ تھیں، اسی بنا پر یہاں باہر کے آدمیوں کی آمد و رفت بہت کم تھی۔ خود ہلی اور پانی پت کے درمیان راستہ اس حد تک غیر محفوظ تھا کہ جب ۱۲۱۶ھ میں اخوندزادہ ملا نسیم ج کے پاس سے کچھ تحائف بڑی بی بی صاحب کے لیے یہاں پانی پت پہنچے تو وہ اس لیے دہلی روانہ نہ کیے جاسکے کہ راستہ محفوظ نہ تھا۔ ^{۳۵} ان حالات میں طالبانِ طرقت بھلا کیونکہ اس دور دراز اور پرخطر قصبے کا رخ کر سکتے تھے، اس بنا پر بھی قاضی صاحب کا روحانی سلسلہ زیادہ نہ چل سکا، اس پس منظر میں آپ لکھتے ہیں:

”لیکن یہاں کوئی طالبِ خدا نہیں ملتا۔ فقیر بھی کمزور اور فقیر کی کشش (جاذبہ)

بھی کمزور، ورنہ اسی شہر میں حضرت منظر ج کی بارگاہ سے، ان کی قوی کشش کے باعث چوالیس افراد ان سے توجہ لیتے تھے، جن میں سے بعض اب مرچے ہیں۔ ^{۳۶}

د۔ منصبِ قضا کی ذمہ داریاں؛ علاوہ انہیں اس کی ایک بڑی اور اہم وجہ یہ تھی کہ قاضی صاحب علاقے کے منصبِ قضا پر فائز تھے، جس کی گونا گوں مصروفیات کے باعث آپ کو دوسرے امور مثلاً تعلیم و تدریس اور افاضتہ فیض باطن کے لیے کم وقت ملتا تھا۔ کیونکہ بحیثیت قاضی ج نہ صرف یہ کہ آپ کو مختلف مقامات کے دورے کرنا پڑتے تھے، بلکہ مختلف مقدمات کی سماعت اور ان کے فیصلوں کی تحریر و کتابت میں ہی بہت سا وقت صرف ہوتا تھا، اس بنا پر بھی آپ کا روحانی سلسلہ غیر مقبول رہا۔

عدیم الفرستی کے علاوہ ان کے منصب کی نوعیت ہی کچھ ایسی تھی کہ اس سے طبعاً لوگوں کو روحانی مقاصد کے لیے آنے میں کم رغبتی کا سامنا ہوتا تھا۔ وجہ یہ کہ عام طور پر خانقاہی دنیا سالہا سال سے فقیر منش مردانِ حرم سے آباد رہی ہے۔ اس دنیا میں فارغ البال شخص کی جانب نسبتاً رجوع جلدی ہوتا ہے۔ پھر عام طور پر

۳۵ دیکھیے لوائح، م ۱۳، ۱۴

۳۶ بشارات، قلمی، ورق ۱۶۲ ب۔

خالق ہی نظام نے اکثر حکومت کے مخالف ذہن یعنی حزب اختلاف کو اپنے اندر پناہ دینے کا سلسلہ جاری رکھا ہے۔ جب کہ قاضی صاحب کے سرکاری منصب کے تقاضے مختلف تھے۔ بحیثیت قاضی ان کا حکومت میں عمل دخل نہایت واضح تھا، اس بنا پر ان کی طرف عوام کا رجوع کم رہا۔

قاضی صاحب نے ان دونوں امور کی تلافی بڑی حد تک تصنیف و تالیف کے عظیم الشان سرمایے سے کر دی ہے، جسے یقیناً نقشبندی مجددی سلسلے کے عظیم سرمایہ کی حیثیت حاصل ہے۔

قاضی کی حیثیت سے خدمات

قاضی صاحبؒ کی حیات مبارکہ کا ایک نہایت اہم کارنامہ بطور "قاضی پانی پت" اپنے فرائض منصبی کی بجا آوری ہے، جس کی بنا پر ان کو اپنے عہد میں ایک ممتاز علمی، فکری اور معاشرتی حیثیت حاصل رہی۔ اس دور کے واقعات سے پہلے بطور تمہید چند امور کا ذکر کرنا ضروری ہے۔

قضا اور اس کے حدود و اختیارات

"قضا" کے لفظی معنی "فیصلہ کرنے" کے ہیں، اس سے سلطنتِ اسلامیہ کا وہ شعبہ مراد ہے، جس کی مدد سے اسلامی حکومت اپنی رعایا کو "امن و انصاف" مہیا کرتی ہے، اس لیے کہ ہر اسلامی حکومت کی یہ اولین ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے مقبوضہ علاقوں میں امن و امان کے قیام اور عدل و انصاف مہیا کرنے کے لیے عادل و منصف قاضیوں کا تقرر کرے۔ چنانچہ اسلام کی ابتدا ہی سے اس تقاضے کو پورا کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے۔

۱۔ دیکھیے تاج العروس و لسان العرب، بذیل مادہ۔

۲۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، الماوردی، احکام السلطانیہ، تحقیق Enger، ص ۱۰۷۔

بعد۔ مسلمانوں کا نظام عدل گسری، اسلام آباد، نواب صدیق حسن خان،

ظفر اللاضی بما یجب فی القضا علی القاضی وغیرہ۔

دور مغلیہ میں عدلیہ

مغلیہ دور حکومت میں عدلیہ Judiciary کا انتظامیہ کے ساتھ تعلق کافی گہرا تھا۔ عموماً مغل عدلیہ انتظامیہ کے ماتحت ادارے کی حیثیت رکھتی تھی۔ مغلیہ دور حکومت میں قاضی فوجداری اور دیوانی دونوں طرح کے اختیارات رکھتے تھے، بعض قاضیوں کو امن و امان برقرار رکھنے کے لیے ذات و سوار کا منصب بھی سونپ دیا جاتا تھا۔ مثلاً عہد اکبری کے ایک قاضی خوش حال خان (قاضی دہلی) کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ دربار دہلی میں پانچ سو ذات کا منصب بھی رکھتے تھے۔ تمام قاضیوں کے لیے ضروری تھا کہ وہ چہار شنبہ کے دن گورنر کے دفتر میں حاضر ہوں اور اس کے ساتھ اجلاس کریں، غالباً اس کا مقصد شہری امن و امان کو برقرار رکھنا ہوگا۔

حکمرانوں کے ساتھ تعاون کرنے کا شرعی حکم

قاضی صاحب کے "منصبِ قضا" کی نسبت پہلا شبہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے بلند علمی و روحانی مرتبے کے باوجود حکمرانوں سے تعاون اور ان کی ماتحتی میں کام کرنے کی پالیسی کیوں اختیار کی؟ حالانکہ شخصی حکومتوں کے دور ہاے استبداد میں اکثر اہل علم و فقر آزاد اور خود مختار زندگی کو ترجیح دیتے تھے۔

قرآن مجید سے اس سوال کا جواب اثبات میں ملتا ہے۔ حضرت یوسفؑ کے بارے میں فرعون مصر کی ماتحتی میں کام کرنے کا ذکر موجود ہے۔ تمام مفسرین نے اس آیت سے اس کا جواز ثابت کیا ہے۔ علامہ قرطبی مالکی تحریر فرماتے ہیں:

"یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ انسان جس کام کا اہل ہو،

۳ دیکھیے ابن حسن، دولت مغلیہ کی ہیئت مرکزی (اردو ترجمہ)، ص ۵۱۲، بحوالہ محمد صالح کبیوہ: عمل صالح، ص ۲۲۵۔ ۴ کتاب مذکور، ص ۲۸۹، ج ۲۔

اسے اپنے لیے طلب کر سکتا ہے۔" ۵۵

دورِ حاضر کے ایک اور نامور فقیہ اور مفسر علامہ آلوسیؒ نے بھی انتہی خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے:

"اور اس آیت میں اس امر کی دلیل پائی جاتی ہے کہ اگر کوئی شخص انصاف کے ساتھ احکامِ شریعت کا نفاذ کر سکتا ہو تو اس کے لیے کسی بھی عہدے کا طلب کرنا جائز ہے، خواہ یہ طلب منصب کسی ظالم یا کافر سے ہی کیوں نہ ہو، اور اگر اس کی ذات پر کسی واجب کا قیام منحصر ہے تو ایسی صورت میں اس منصب کا طلب کرنا واجب ہے۔" ۵۶

قاضی صاحب کے اساتذہ کرام کا اظہارِ پسندیدگی

پھر جس زمانے میں قاضی صاحبؒ نے منصبِ قضا کی ذمہ داریاں سنبھالیں، اس زمانے میں ان کے دونوں اساتذہ کرام یعنی امام العصر شاہ ولی اللہ اور میرزا مظہر شہید دہلی میں موجود تھے۔ اگر یہ منصب قاضی صاحبؒ کے دینی و روحانی مناصب کے منافی ہوتا تو ان حضرات کی طرف سے ان کو اس سے ضرور روک دیا جاتا۔ اس لیے کہ قاضی صاحب اپنا کوئی کام بھی اپنے اساتذہ بالخصوص حضرت مظہرؒ کے مشورے کے بغیر انجام نہ دیتے تھے۔ یہ متعدد تاریخی شہادتوں سے واضح ہوتا ہے کہ اس منصب کے حصول اور اس کی ذمہ داریوں کی ادائیگی وغیرہ کے سلسلے میں انھیں مکمل طور پر حضرت مظہرؒ کی تائید و حمایت اور سرپرستی حاصل رہی۔ چنانچہ جب ایک مرتبہ قاضی صاحبؒ نے منصبِ قضا سے استعفا دینا چاہا تو حضرت مظہرؒ نے ان کو لکھا:

۵۵ الجامع الاحکام القرآن، بیروت ۱۹۶۶ء، ۵: ۲۱۵، تفسیر سورہ یوسف، آیت ۵۵

۵۶ روح المعانی، مطبوعہ ملتان، بدوں تاریخ، ۵: ۱۳۳

۵۷ دیکھیے قاضی صاحب کے نام حضرت مظہر کے مکتوبات، در مجموعہ مکاتیب مظہر، مرتبہ

عبدالرزاق قریشی، بمبئی ۱۹۶۶ء

”تمہارے بارے میں کوئی شخص یہ نہ چاہے گا کہ تم (یہ منصب چھوڑ کر) گوشہ نشین ہو جاؤ، اس لیے کہ تمہارے ظاہر و باطن سے ایک دنیا وابستہ ہے۔“ اسی طرح قاضی صاحب کے خصوصی رفیق مولوی نعیم اللہ بیڑا کی تحریر فرماتے ہیں:

”قاضی صاحب کا اپنے اوقات شریفہ میں منصب قضا کا اختیار کرنا شریعت طیبہ کے طریقہ ظاہر و باطن کے لیے ہر طرح مدد و معاون ہے، اس لیے ان کے قصد استعفا کے باوجود حضرت مظہر نے ان کو اس کی اجازت نہ دی تاکہ لوگ جو بدعات و خواہشات کی تاریکیوں میں مستغرق ہیں، وہ اس ماہ شریعت اور آفتاب طریقت (قاضی صاحب) کے فیوض و برکات سے محروم نہ رہیں۔“

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ہندوستان کی تاریخ میں بارہویں صدی ہجری (اٹھارھویں صدی عیسوی) کا زمانہ نہایت اہم اور انتشار کا زمانہ تھا۔ مسلمانوں کی کئی صدیوں سے مضبوط و مستحکم حکومت اب آہستہ آہستہ کھٹڑات میں تبدیل ہو رہی تھی، مسلم حکومت کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مختلف غیر مسلم طاقتیں منظم و مستحکم ہو کر پورے ہند پر حکمرانی کے خواب دیکھ رہی تھیں۔ ان حالات میں چاہیے تو یہ تھا کہ مسلم زعماء وقت کی تبدیلی کا احساس کرتے اور آنے والے خطرات کے ازالے کے لیے باہمی رفیق و اتحاد کو اپنا شعار بناتے۔ مگر اس کے برعکس وہ پہلے سے بھی زیادہ باہمی خانہ جنگیوں میں مشغول ہو گئے۔ اس موقع پر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور حضرت مظہر جان جانا نے اپنے اپنے تعلقات کے ذریعے مسلمانوں کی سیاسی و قومی بیداری کا بیڑہ اٹھایا۔ مگر زمانے کے گہرے فساد کے باعث ان کی ان کوششوں کے نتائج جلد سامنے نہ آ سکے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ کا خطوط لکھ کر نواب نجیب الدولہ، نواب شجاع الدولہ اور احمد شاہ

ابدالی وغیرہ کو پانی پت میں مرہٹوں کے بالمقابل لاکھڑا کرنا اس دعوے کے ثبوت کے لیے ناقابل تردید شہادت ہے بلکہ جب کہ حضرت مظہرؒ کے بھی مختلف سیاسی افراد مثلاً نواب غازی الملک، نواب نجیب الدولہ، نواب افضل الدولہ، نواب مجد الدولہ، نواب قاسم علی خاں، نواب ارشاد احمد خاں اور ملا رحیم داد روہیلہ وغیرہ سے نہایت خوش گوار مراسم تھے۔ ان سیاسی تعلقات کے علاوہ حضرت مظہرؒ نے اپنے شاگردوں اور مریدین کو مختلف لشکروں میں اور شہروں میں بھیج رکھا تھا، جہاں سے وہ سب مسلم قوتوں کو تقویت و استحکام کے لیے منظم اور مربوط طریقے سے کام کرتے تھے۔^۱ مولوی نعیم اللہ بیڑاچھی کی مذکورہ بالا تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ خود قاضی صاحبؒ کی تعیناتی بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ بہر حال قاضی صاحبؒ معاملات قضا کو خوش اسلوبی، دیانت داری اور خلوص سے سرا بنجام دینے کی بنا پر پوری طرح اس بات کے مستحق ہیں کہ ان کا تذکرہ قاضی ابویوسفؒ، قاضی ناصر الدین بیضاویؒ، علامہ ابن رشدؒ، قاضی عیاضؒ اور قاضی محمد بن اعلیٰ تھانویؒ وغیرہ کی فہرست میں نمایاں طور پر کیا جائے۔

عہدہ قضا کا توارث

قاضی صاحب کے بارے میں بجا طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ عہدہ قضا ان کو وراثت میں ملا تھا اور ان کے خاندان کے کم و بیش تین بزرگ (یعنی دادا قاضی ہدایت اللہ، والد قاضی محمد حبیب اللہ، بڑے بھائی قاضی محمد فضل اللہ) اس عہدے پر تعینات رہ چکے تھے۔^۲ اس اعتبار سے اس عہدے کو ان کے خاندان میں ایک وراثت کی حیثیت حاصل ہوگئی تھی

^۱ دیکھیے خلیق انجم، شاہ ولی اللہ کے سیاسی خطوط، مطبوعہ لاہور، وغیرہ۔
^۲ خلیق احمد نظامی، مظہر جاناناں کے خطوط، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ، لوارح خانقاہ مظہریہ،
 محد اقبال مجددی، مقدمہ مقامات مظہری (اردو)
^۳ کلمات طیبات، ص ۱۵۵۔

اور پانی پت کے اس محلے کا نام بھی اس بنا پر "محلہ قاضیاں" مشہور ہو گیا تھا، جہاں یہ مردم خیز خاندان رہائش پذیر تھا۔^{۱۳} تاہم خاندانی توارث ہی ان کے لیے اس منصب کے حصول کا باعث نہیں ہوا، بلکہ اس کے دیگر عوامل بھی تھے۔ تفصیل کچھ اس طرح ہے:

۱۔ ذاتی اہلیت و خاندانی نجابت: عام طور پر عہدِ مغلیہ میں "منصب قضا" کے لیے دو امور پیش نظر رکھے جاتے تھے، اولاً ذاتی اہلیت اور ثانیاً خاندانی نجابت و شرافت۔ جہاں تک اہلیت کا تعلق ہے تو قاضی صاحب کی اہلیت کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے عہد کے نامور فقیہ اور مفتی ہی نہیں بلکہ مجتہد بھی تھے، لہذا اپنی اہلیت کی بنا پر وہ اس منصب کے پوری طرح حقدار تھے، اور جہاں تک ان کی خاندانی نجابت و شرافت کا تعلق ہے تو اس میں بھی کسی کو کلام نہیں کہ وہ نجیب الطرفین اور ایک معزز خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ علاوہ ازیں دو پشتوں سے منصب قضا خود ان کے اپنے خاندان سے متعلق رہ چکا تھا، لہذا اس بنا پر بھی اس منصب پر ان کا پوری طرح استحقاق تھا۔

ب۔ نواب لطف اللہ خاں صادق کی مساعی جمیلہ: علاوہ ازیں ان کے نانا اور مشہور مغلیہ سردار نواب لطف اللہ خاں صادق بہادر تہمور جنگ بھی جو دربارِ دہلی میں شمش ہزاری منصب دار تھے، قاضی صاحب کے اس منصب کے حصول میں معاون بنے، چنانچہ قاضی صاحب ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

"اور ملازمت کی بنا پر جو میرے نانا نواب لطف اللہ خاں صادق کے

توسط سے مجھے حاصل ہوئی۔ میرا قیام زیادہ تر دہلی میں رہتا تھا۔"^{۱۴}

لیکن قرائن سے متبادر ہوتا ہے کہ قاضی صاحب کی یہ تقرری ابتدائی نوعیت کی تھی اور غالباً عمدہ قضا سے کم تر درجے کی تھی۔

زمانہ تقرری

"عمدہ قضا" کی نسبت سے یہ بحث بھی بڑی اہم ہے کہ قاضی صاحب کی تقرری کب

^{۱۳} عبدالحی لکھنوی: نزہۃ الخواطر، ص: ۱۱۴۔^{۱۴} بشارات مظہری، ق، ورق ۱۴۹۔

ہوئی؟ مآخذ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی دو تقرریاں ہوئیں تفصیل حسب ذیل ہے:

ابتدائی تقرری دروہلی: قاضی صاحبؒ پانی پت میں اپنی آبائی "خدمت قضا" پر فائز کیے جانے سے قبل کچھ عرصہ دہلی میں بھی بطور ایک "سرکاری عہدے دار" قیام پذیر رہے تھے اس عہدے کی تفصیل کا تو علم نہیں ہو سکا، لیکن قاضی صاحبؒ نے اس کے لیے جو "روزگار منصب پادشاہی" کی ترکیب استعمال کی ہے ^{۱۵} اس سے واضح ہوتا ہے کہ ان کا یہ عہدہ "دربار دہلی" سے متعلق تھا۔ قاضی صاحبؒ کی اس عہدے پر تعیناتی قاضی صاحبؒ کے مرشد اول شیخ محمد عابد سناسیؒ کی وفات ^{۱۶} (۱۱۶۰ھ/۱۷۴۷ء) سے قبل ہو چکی تھی، اس لیے قیاس یہ ہے کہ اس تقرری کا زمانہ ۱۱۵۹ھ/۱۷۴۶ء کے قریب ہے۔

ثانوی تقرری در پانی پت: قاضی صاحبؒ کی کچھ عرصے کے لیے دہلی میں تقرری کی بڑی وجہ یہ تھی کہ پانی پت میں کوئی موزوں آسامی خالی نہ تھی، لیکن جب ان کے بڑے بھائی قاضی محمد فضل اللہ عین عالم شباب میں رحلت فرما گئے تو قاضی صاحبؒ کو پانی پت میں ان کے موروثی منصب پر تعینات کر دیا گیا۔ لیکن چونکہ قاضی صاحبؒ کے برادر کبیر کی وفات کا زمانہ بھی معلوم نہیں، اس لیے اس واقعے سے بھی ان کی تقرری کے ٹھیک ٹھیک زمانے کا تعین دشوار ہے۔ البتہ ایک اور ذریعے سے اس عنوان پر کچھ روشنی پڑ سکتی ہے اور وہ ہے حضرت منظرؒ کے قاضی صاحبؒ کے نام مکتوب۔ ان مکتوبات میں، جو قاضی صاحبؒ کو پانی پت میں لکھے گئے، انھیں قاضی صاحبؒ کے لقب سے مخاطب کیا جاتا ہے۔ ^{۱۷} اس لیے ان خطوط کی تحریر کے وقت قاضی صاحبؒ کے پانی پت میں "مسند قضا" پر رونق افروز ہونے کا معاملہ شک و شبہ بالآخر معلوم ہوتا ہے، تاہم چونکہ ان خطوط پر بھی کوئی تاریخ وغیرہ کا ذکر نہیں ملتا، اس لیے ان خطوط سے بھی تقرری کے زمانے کو جاننے میں دشواری ہوتی ہے۔ البتہ حسب ذیل قرائن سے زمانے کے تعین میں مدد مل سکتی ہے۔

^{۱۵} حوالہ سابق ^{۱۶} شاہ غلام علی دہلوی: مقامات، ص ۱۲-۱۳

^{۱۷} مکاتیب، مرتبہ قریشی، ص ۵۲، م ۳۹، ص ۶۰، م ۲۲

۱ - بعض خطوط میں ذکر ہے کہ حضرت مظہر فرماتے ہیں: "فقر ایک مرتبہ شاہ ولی اللہ کی عیادت کے لیے گیا اور ان کی صحت کے لیے خدا تعالیٰ سے دعا کی۔" ۱۹

اور یہ امر یقینی ہے کہ شاہ صاحب کا ساخنہ ۲۱۶۲ھ (۱۷۷۶ء) میں پیش آیا۔ اس لیے گمان ہوتا ہے کہ اس وقت قاضی صاحب پانی پت میں اپنے آبائی منصب کو زینت دے چکے تھے۔

ب - ان میں سے بعض خطوط میں نواب ارشاد احمد خان کی وفات پر اظہار غم کیا گیا ہے، ۱۹ اور چونکہ بقول ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب یہ واقعہ ۱۱۷۶ھ (۱۷۶۲ء) کا ہے، اس لیے اس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت تک محدثنا اللہ قاضی پانی پت ہو چکے تھے۔

ج - اسی طرح ایک مکتوب میں قاضی صاحب نے احمد شاہ ابدالی کی آمد کا ذکر کیا ہے۔ ۲۰ بقول ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب یہ واقعہ ۱۱۷۷ھ (۱۷۶۳ء) کا ہے۔ ۲۱ اس لیے اس سے بھی مذکورہ بالا قیاس کی تائید ہوتی ہے۔

د - اسی طرح قاضی صاحب نے حضرت مظہر کے نام اپنے ایک مکتوب میں پانی پت کے بعض افراد کے مخاصمانہ رویے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"اور دیگر یہ کہ سیف اللہ والد عصمت اللہ تقریباً دس سال سے برادر

مرحوم کے زمانے سے ناراض چلے آتے ہیں اور حضور جانتے ہیں کہ اس میں بھی میرا کوئی قصور نہیں ہے۔" ۲۲

ان خطوط کا زمانہ تحریر بھی ۱۱۷۷ھ (۱۷۶۳ء) متعین کیا گیا ہے۔ ۲۳ گویا اس سے دس سال قبل یعنی ۱۱۶۷ھ (۱۷۵۳ء) میں قاضی صاحب کے بھائی "قاضی پانی پت" تھے۔ لہذا قاضی صاحب کی اس منصب پر تعیناتی اس کے درمیانی عرصے میں ہوئی۔

۱۹ مکاتیب مرزا مظہر، مرتبہ خلیق انجم، ترجمہ اردو، م ۳ - ۱۹ کتاب مذکور، ص ۱۲۵، م ۹۱۔

۲۰ لوائح خانقاہ مظہریہ، ص ۳۲ کتاب مذکور، ص ۵۶، م ۱۵۔

۲۱ لوائح خانقاہ مظہریہ، ص ۴۷ کتاب مذکور، ص ۱۲۳، م ۶۰، (مکتوب فتح علی خاں)

مغلاہٹہ کلام یہ کہ قاضی صاحبؒ کو پانی پت میں قضا کا منصب بارہویں صدی ہجری کے ساتویں (اٹھارویں صدی عیسوی کے چھٹے) عشرے میں ملا (ماہین ۱۱۶۵ھ / ۲۱۵۱-۲۱۵۲ھ / ۱۱۷۰-۲۱۷۰) جس سے واضح ہوتا ہے کہ پانی پت کی تیسری اور سب سے ہولناک جنگ (۱۱۷۲ھ / ۲۱۷۱) کے وقت وہ پانی پت کے قاضی تعینات ہو چکے تھے۔

مقامات تقرری

قاضی صاحبؒ کے مکتوبات وغیرہ سے پتا چلتا ہے کہ انھوں نے اپنے منصبی فرائض حسب ذیل مقامات پر ادا فرمائے:

۱۔ دہلی: جیسا کہ سطور بالا میں بیان ہوا ہے۔ قاضی صاحبؒ اولاً دہلی میں کسی سرکاری عہدے پر تعینات رہے، یہاں انھوں نے اپنے قیام کے دوران میں فرائض منصبی ادا کرنے کے لیے شیخ محمد عابد سنائی اور میرزا مظہر جان جاناںؒ سے کسبِ طریقت کیا، جب کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، شیخ محمد فاخر محدث الہ آبادیؒ اور میرزا مظہر سے حدیث و فقہ کا درس بھی لیا۔ اس طرح دہلی کا یہ قیام ان کی روحانی و علمی ترقی کا باعث ہوا۔

ب۔ پانی پت: قاضی صاحبؒ کی قضا کا زیادہ تر تعلق پرگنہ پانی پت سے رہا۔ یہ پرگنہ سلطنتِ دہلی کے زرخیز پرگنوں میں سے تھا۔ اس لیے یہ علاقہ اکثر مغزنی جنگ میں رہا۔ "پانی پت" سے ان کے طویل منصبی تعلق کی بنا پر ان کو پانی پتی لکھا جاتا ہے۔

ج۔ بڈھانہ: حضرت مظہرؒ جان جاناں کے ایک مکتوب سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی صاحبؒ نے کچھ عرصہ اپنے فرائض مشہور قصبے "بڈھانہ" میں بھی انجام دیے تھے۔ حضرت مظہرؒ تحریر فرماتے ہیں:

۲۳ بڈھانہ (یوپی - بھارت) کے ضلع مظفر نگر کی جنوب مغربی تحصیل اور اس علاقے کا مشہور مقام ہے (تاریخ، ص ۱۳۱)۔

”نسیم نام کا ایک نوجوان ... جس نے طریقت کا سبق شروع کر رکھا ہے۔ بڈھانہ میں آپ کی خدمت میں آ رہا ہے، اس کی طرف توجہ ضرور کیجیے۔“ ۲۶

حضرت مظہر جان جاناں نے یہ مکتوب قاضی صاحب کے مکان واقع پانی پت سے تحریر فرمایا، جہاں وہ حسب معمول قیام پذیر تھے۔ اگر بڈھانہ میں قاضی صاحب کا قیام محض عارضی ہوتا تو قاضی صاحب کسی صورت میں بھی اپنے پیرو فرشد سے دور رہنا اور وہ بھی ان کے اپنے شہر میں گوارا نہ فرماتے۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ قاضی صاحب کا بڈھانہ میں قیام خالصتاً منصبی نوعیت کا تھا۔ خاص طور پر اس لیے بھی کہ اس سے اگلی سطور میں حضرت مظہر قاضی صاحب کو تاکید فرماتے ہیں کہ وہ مولوی نور اللہ صاحب سے اس نوجوان کی سفارش کریں کہ وہ اسے توجہ سے سبق دیتے رہیں۔ ۲۷

د۔ دیگر دیہات؛ پانی پت چونکہ اس زمانے میں پرگنہ کا صدر مقام تھا۔ اسی بنا پر پرگنہ کے بہت سے دیہات بھی قاضی صاحب کے حلقہ قضا کے ماتحت آتے تھے، چنانچہ حضرت مظہر کے خطوط میں متعدد مقامات پر ”دیہات“ کا تذکرہ ملتا ہے۔ ۲۸

بایں ہمہ ان مقامات پر ان کی علیحدہ تقرری فرض کرنے کے بجائے یہ امر پیش نظر رکھنا چاہیے کہ یہ دیہات یا پرگنہ پانی پت کا حصہ تھے۔ اور قاضی صاحب ان علاقوں کے حاکم اور محصل ہونے کی بنا پر ان علاقوں کا دورہ فرماتے رہتے تھے، لہذا اسے سابقہ تقرری کا ہی حصہ خیال کرنا چاہیے۔

ہ۔ مختلف لشکروں میں شمولیت: قاضی صاحب اور حضرت مظہر کے مکتوبات سے پتا چلتا ہے کہ قاضی صاحب مختلف لشکروں میں شامل رہے ہیں، اس سے بعض

۲۵۔ تلامذہ نسیم قاضی صاحب کے ایک شاگرد اور حضرت مظہر کے خلیفہ تھے۔

۲۶۔ نواح، ص ۲۹، م ۱ ۲۷۔ حوالہ سابق

۲۸۔ دیکھیے کرنال ڈسٹرکٹ گزیٹیئر، ص ۲۱۲

۲۹۔ مکاتیب (قریشی)۔ ص ۲۰، م ۲۰؛ ص ۳۴، م ۲۵، ص ۹۵، م ۶۶

سوانح نگاروں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ شاید ان کا ان لشکروں میں قیام پانی پت کی قضا سے الگ اور مستقل نوعیت کا حامل تھا، لیکن ہمارے خیال میں قاضی صاحب کا مختلف عساکر میں قیام ان کے "شعبہ قضا" کا ہی ایک حصہ تھا، اس سے الگ ہرگز نہ تھا۔ تفصیل آگے آتی ہے۔

اختیارات عمدہ قضا

مناسب ہوگا کہ ہم یہاں پانی پت کے عمدہ قضا کے حدود و اختیارات پر ایک نظر ڈال لیں تاکہ قاضی صاحب کے عمدہ قضا کی ذمہ داریوں اور ان کی مساعی جمیلہ کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آسکے۔

یوں تو جملاً یہ کہہ دینا کافی ہے کہ قاضی محمد ثنا "اندکو" عمدہ قضا سے متعلقہ تمام عدالتی اور انتظامی اختیارات حاصل تھے، لیکن چونکہ عدالتی اور انتظامی اختیارات کی نوعیت میں زیادتی تفاوت پایا جاتا ہے، لہذا اس اجمال کی کچھ تفصیل بیان کرنا مناسب ہوگا۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

دیوانی اختیارات

قاضی صاحب کو پرگنہ پانی پت میں "انتقال جائداد" وغیرہ کے اختیارات حاصل تھے۔ آج کل اس قسم کے اختیارات کو "دیوانی اختیارات" کی مد میں شامل سمجھا جاتا ہے۔ حضرت مظہر ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

"ان ایام میں علی رضا ولد عزت اللہ خاں نبیرہ خان راسخ مرحوم کی جانب سے ایک خط آیا ہے کہ اس کا والد اس کے ساتھ بے مروتی کر رہا ہے۔ چنانچہ اس نے پانی پت کے تعلقہ دار کو لکھ بھیجا ہے کہ وہ باپ

اور بیٹے کے تعلقہ کی قبولیت کو یک جا لکھ کر ارسال کریں۔ اس صورت میں بیٹا
جائداد سے بے دخل ہو جاتا ہے، بیٹے نے یہ لکھ بھیجا ہے کہ چچا جان یعنی
قاضی صاحب کو تاکیداً لکھ دیا جائے کہ تعلقہ کی قبولیت دونوں کی علیحدہ علیحدہ
لکھ کر ارسال کریں۔ چنانچہ آپ کو یہی تاکید ہے کہ جو کچھ اس کے حق میں بہتر ہو
عمل فرمائیں۔^{۳۱}

ایک اور مکتوب سے واضح ہوتا ہے کہ دیون (قرضوں کے مقدمات) بھی ان کی عدالت
سے متعلق تھے۔ حضرت منظر لکھتے ہیں:
”در مقدمہ دیون شقیقہ کہ روبرو سے شاد مولوی صاحب فیصل شدہ از
قرض داران او بدھانند۔“^{۳۲}

فوجداری اختیارات (امن و امان کا قیام)

قاضی صاحب کی عدالت کا علاقے کے امن و امان سے بھی تعلق تھا۔ حضرت منظر کے ایک
مکتوب میں تحریر ہے:

”اور معلوم ہوا ہے کہ حاجی خدنا خزا اور محمد ناصر ہدایت اللہ کے ساتھ
بد معاہلی کر رہے ہیں اور اپنے قول و قرار سے پھر گئے ہیں۔ خدا کے لیے آپ
جو قوم کے بزرگ ہیں ان کو ظلم و زیادتی سے باز رکھیے۔“^{۳۳}
ایک اور خط میں تحریر ہے:

”مقدمہ یار علی جو اس کے بھائیوں کے ساتھ جوہلی کی تقسیم سے متعلق ہے،
اس سلسلے میں وہ کئی مرتبہ بد عہدی کر چکے ہیں۔ آپ خصوصی توجہ فرما کر ان کو نقص
امن سے باز رکھیے اور اس مقدمے کا فیصلہ جلد کیجیے۔ یہ مجھ پر احسان ہوگا۔“^{۳۴}

^{۳۱} مکاتیب (قریشی)، ص ۳۰-۳۱، م ۳۰ - ^{۳۲} کتاب مذکور، ص ۱۹۸، م ۱۳۸

^{۳۳} کتاب مذکور، ص ۱۸۴، م ۱۲۶ - ^{۳۴} کتاب مذکور، ص ۲۰، م ۱۴

اسی طرح ایک اور مکتوب میں حضرت منظر تحریر فرماتے ہیں :

”کسی شخص نے شیخ وجیہ الدین عرف شیخ مٹھا پر، جو میرے بھائی اور بیٹے کی جگہ ہیں دعویٰ کر دیا ہے۔ اگرچہ مجھے یقین ہے کہ جو حق ہوگا آپ اسی پر عمل فرمائیں گے، لیکن ان کے خصوصی تعلق کی بنا پر یہ تحریر کیا جاتا ہے کہ اس مقدمے کی تحقیق میں پوری توجہ صرف کریں اور اس کا جلد فیصلہ دیں۔“

حضرت منظر کے محولہ بالا مکتوبات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قاضی صاحب کی عدالت میں پانی پت کے فوجداری نوعیت کے مقدمات بھی پیش ہوتے تھے۔ اور ان کی عدالت کو علاقے کے ”قیام امن“ کی ذمہ داری سے بھی کچھ تعلق تھا۔ موجودہ زمانے میں یہ اختیارات علاقہ مجسٹریٹ کو حاصل ہوتے ہیں۔

محصلانہ اختیارات

قاضی صاحب کی عدالت کو علاقے (پرگنہ پانی پت) کی زمینوں کے واجبات (از قسم مالیہ وغیرہ) کی وصولی سے بھی تعلق تھا، یہ سرکاری واجبات علاقے کے زمینداروں سے (بمذاریوں کے توسط سے) وصول کر کے سرکاری خزانے میں جمع کرادیے جاتے تھے، اور بعض اُنھیں حسب ہدایات تقسیم کرنے اور مصارف پر خرچ کرنے کے اختیارات بھی قاضی صاحب کو حاصل ہوتے تھے، چنانچہ حضرت منظر ”جان جاناں قاضی صاحب“ کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :

”باعث تحریر یہ ہے کہ ”یومیہ پیر علی“ (حضرت منظر کا ایک خادم) بصد مشقت اور بہت منت سماجت کے بعد ہاتھ آتا ہے، اگر آپ مناسب سمجھیں تو ان کا پروانہ تنخواہ اپنے زیر انتظام دیہات کے محصولات پر اپنے نام حاصل کر لیں، جسے آپ خود وصول کر سکیں۔“

اسی طرح ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

”ان (سید عبدالعلی خلیف مولوی یونس مرحوم) کی تنخواہ بابت ”یومیہ

ہتاری (ہتاری: موضع) کے متعلق تاکید ہے کہ مشارالہ کے حق میں جو کچھ بھی کرنا ممکن ہو کیجیے۔ یہ مجھ پر کرم ہوگا۔“ ۳۷

ان محصولات کا تعلق چونکہ زراعت سے تھا۔ اس لیے ربیع اور خریف کے موقع پر قاضی صاحب کی مصروفیات بہت بڑھ جاتی تھیں، چنانچہ حضرت مظہر ایک مکتوب میں ان کو تحریر فرماتے ہیں:

”موسم سرما میں (تشریف لے آئے)۔ آج کل فرصت ہی فرصت ہے،

پھر فصل ربیع کا موسم آجائے گا (اور مصروفیت بڑھ جائے گی) ۳۸

اسی طرح کا ایک اشارہ ملا رحیم داد روہیلہ کے لشکر سے قاضی صاحب کے بڑے

صاحب زادے ”قاضی احمد اللہ“ کی واپسی کے موقع پر بھی ملتا ہے کہ حضرت مظہر اس موقع پر

اس قیاس کا اظہار فرماتے ہیں کہ ان کی واپسی محصولات ربیع کے سلسلے میں ہونی ہوگی۔“ ۳۹

ان سب اشارات سے واضح ہوتا ہے کہ قاضی صاحب اپنے پرگنہ کے نہ صرف قاضی

(رج) تھے بلکہ وہ اس علاقے کے محصل (کلیکٹر) بھی تھے۔

ادائیگی پر وائہ جات

مذکورہ بالا خطوط اور ان کے اقتباسات سے پتا چلتا ہے کہ قاضی صاحب محصولات

جمع کرنے کے ساتھ ساتھ حسب ہدایات حاکم مجاز خرچ کرنے کے اختیارات بھی رکھتے تھے،

جس کی عموماً صورت ”پر وائہ جات“ کی ادائیگی کی صورت میں سامنے آتی ہے۔ یعنی قاضی صاحب

سرکاری محصولات کو، گورنر کے جاری کردہ پر وائہ جات تنخواہ اور وظیفے کی ادائیگی میں صرف

کرنے کے بھی مجاز تھے۔ حضرت مظہر کے خادم خاص میاں محمد ادا کا وظیفہ بھی قاضی صاحب کی سرکار

۳۷ کتاب مذکور، ص ۳۹، ۳۸

۳۸ مکاتیب مظہر (قریشی)، ص ۵۰، ۱۱

۳۹ کتاب مذکور، ص ۱۹۴، ۱۳۴

سے ہی متعلق تھا، لہٰذا جب کہ پیر علی کے بارے میں اوپر گزرا کہ حضرت مظہر قاضی صاحبؒ کو ہدایت فرماتے ہیں کہ ان کی تنخواہ کا پروانہ بھی وہ اپنی سرکار سے منظور کرالیں۔

محصلین کا تقرر

اسی طرح اس عہد کے بعض شواہد سے واضح ہوتا ہے کہ خود تو قاضی صاحب پر گنہ کے بڑے حاکم تھے اور ہمہ جہت اختیارات رکھتے تھے، البتہ انھیں اپنی نگرانی میں سرکاری واجبات کی وصولی کے لیے آدمی (محصل مقرر کرنے کا اختیار بھی حاصل تھا، چنانچہ حضرت مظہرؒ اپنے ایک خادم "میاں محمود" کی قاضی صاحب سے سفارش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"میاں محمود کو محصل کے طور پر مقرر فرمائیں، کیونکہ وہ آج کل سخت افلاس کا شکار ہے۔ اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائے گا۔" اللہ

بعد میں انہی "میاں محمود" کا ذکر ان دونوں بزرگوں کی خط و کتابت میں بکثرت ملتا ہے جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ قاضی صاحب نے انھیں اس منصب پر فائز کر دیا تھا۔

نشست گاہ چکری

قاضی صاحب کی نشست باقاعدہ باقاعدہ طور پر پانی پت کی چکری میں ہوا کرتی تھی۔ حضرت مظہر، شیخ عین الدین نامی ایک نوجوان کو قاضی صاحب کی خدمت میں روانہ کر کے قاضی صاحب کو ہدایت فرماتے ہیں کہ آپ اس سے چکری یا مسجد میں ملاقات کریں اور ان پر شفقت فرمائیں۔

پانی پت کی یہ پُرانی چکری جی ٹی روڈ کے قریب اور "مسجد کابل شاہ" کے نزدیک واقع تھی۔ آج کل یہاں اس کے مٹے ہوئے کھنڈرات نظر آتے ہیں، اور اب تو شاید وہ ختم بھی ہو چکے ہوں۔

۱۱۰ کتاب مذکور، ص ۹۵، م ۶۶ ۱۱۱ کتاب مذکور، ص ۱۳۹، م ۹۳

۱۱۲ مثلاً، مسکاتیب (قریشی)، ص ۳-۴، م ۲، لوائح، ص ۵۲، م ۱۳، کتاب مذکور، ص ۱۶۵، م ۱۱۰

۱۱۳ دیکھیے کرنال ڈسٹرکٹ گزٹیر، ص ۲۱۲ و بعد

ڈویژن بنچ کی صورت میں مقدمات کی سماعت

عام طور پر قاضی صاحب مقدمات کی سماعت کیلئے ہی کیا کرتے تھے، تاہم بعض اوقات کسی دوسرے قاضی کے ساتھ مل کر "ڈویژن بنچ" کی صورت میں مقدمات کی سماعت کرتے تھے۔ اس قسم کے ایک واقعے کا ذکر حضرت منظر رحم کے مکتوبات میں ملتا ہے، جہاں یہ مذکور ہے کہ "قرض" کے ایک مقدمے کی سماعت قاضی ثناء اللہ اور ان کے فرزند اکبر قاضی احمد اللہ دونوں نے مل کر کی تھی اور دونوں نے مشترکہ طور پر اس کا فیصلہ صادر کیا تھا، لہذا اس سے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اس مقدمے کی سماعت انھوں نے ڈویژن بنچ کی صورت میں کی ہوگی۔

حکام بالا اور ان سے قاضی صاحب کے مراسم

پرگنہ پانی پت کے قاضی یا با اختیار حاکم کی حیثیت سے قاضی صاحب کو مختلف بادشاہوں اور متعدد گورنروں کی ماتحتی میں کام کرنے اور ملک و قوم کی خدمت کرنے کا موقع ملا، اس کا مطالعہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، تفصیل حسب ذیل ہے:

بادشاہان دہلی

مغل دور حکومت میں مغل شہنشاہ علاقے کا حاکم اعلیٰ تصور کیا جاتا تھا۔ اس اعتبار سے قاضی صاحب کو حسب ذیل مغل بادشاہوں کی انتظامیہ میں کام کرنے کا موقع ملا۔

۱۔ احمد شاہ (۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء - ۱۱۶۷ھ/۱۷۵۴ء)

۲۔ سلطان عالم گیر ثانی (۱۱۶۷ھ/۱۷۵۴ء - ۱۱۷۳ھ/۱۷۵۹ء)

۳۔ شاہ عالم (۱۱۷۳ھ/۱۷۵۹ء - ۱۲۲۱ھ/۱۸۰۶ء)

لیکن اس دور میں مغل شہنشاہ برائے نام حاکم ہوتا تھا، سکہ اس کے نام کا چلتا تھا،

احکام اسی کی جانب سے جاری کیے جاتے تھے، سرکاری تقریبات کی وہی صدارت کرتا تھا، سرکاری عمال اور افسروں کو وہی اعزازات دیتا تھا، مگر اس سے آگے اس کا کوئی زور اور عمل دخل نہ تھا، سرکاری عمال اور گورنر اپنے اپنے علاقوں میں پوری طرح خود مختار اور آزاد تھے۔ بادشاہ عموماً ان سے تفریق نہ کر سکتا تھا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی^{۶۶} اپنے مکتوبات میں اس بات پر اظہارِ افسوس فرماتے ہیں کہ "خالصہ زمین" (یعنی خاص بادشاہ کی مقبوضہ زمین) بہت کم رہ گئی ہے اور وہ اسے منجملہ اسبابِ زوال میں شمار فرماتے ہیں۔^{۶۶} بعد میں تو حالت اس سے بھی ابتر ہو گئی تھی اور دہلی کا نابینا مغل شہنشاہ شاہ عالم مکمل طور پر امرا کے رحم و کرم پر تھا۔ ان حالات میں ان سے کسی قاضی کے سرکاری مراسم کا پتہ کیسے چل سکتا ہے۔ البتہ عمالِ حکومت کی وساطت سے ضرور قاضی صاحب ان کی ماتحتی میں تھے۔

عمالِ حکومت، گورنروں اور (صوبے داروں) سے محکمہ تعلق

قاضی صاحب نے اپنی ملازمت کے نصف صدی کے قریب عرصے میں مختلف گورنروں اور صوبہ داروں کی ماتحتی میں، بلکہ ان کے ساتھ مل کر کام کیا۔ عام طور پر مغلیہ دورِ حکومت میں عمالِ حکومت اور قاضیوں کے مابین رابطے کا فریضہ "صدر الصدور" انجام دیتے تھے۔ تاہم قاضی صاحب اور عمالِ حکومت کے مابین اس واسطے کاکیں ذکر نہیں ملتا۔ اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ وہ براہِ راست گورنروں یا صوبے داروں کی ماتحتی میں کام کرتے تھے۔ بہر حال اس ضمن میں حسب ذیل حکمرانوں کا ذکر کیا جاسکتا ہے:

غازی الدین عماد الملک (م ۱۲۱۵ھ/۶۱۸۰۰)

جن ایام میں قاضی صاحب نے پانی پت کی مسندِ قضا کو زینت بخشی (۱۱۶۵ھ/۱۷۵۱-۱۱۷۴ھ/۱۷۶۰) اس زمانے میں مرکزِ سلطنت دہلی اور اس کے نواحی علاقوں میں نواب

^{۶۶} شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، اردو ترجمہ خلیق احمد نظامی -

غازی الدین عماد الملک کا طوطی بول رہا تھا۔ گمان غالب ہے کہ پرگنہ پانی پت کا علاقہ بھی براہ راست اسی کے ماتحت تھا۔

عماد الملک ۱۷۵۳ء سے لے کر ۱۷۵۹ء تک دہلی کی سیاست کا مرکزی ستون رہا، وہ پہلے احمد شاہ کا میر بخششی (سپہ سالار) مقرر ہوا۔ بعد ازاں نواب صفدر جنگ اور مرہٹوں کے حملہ دہلی کے وقت چھ ماہ کی جنگ میں بھی اسی کو فتح حاصل ہوئی۔ بعد میں اس نے وزیر انتظام الدولہ کے ساتھ حصول اقتدار کی طویل جنگ لڑی (۱۷۵۳-۱۷۵۴ء)، اس میں بھی اسی کو فتح حاصل ہوئی، اسی نے احمد شاہ، بادشاہ ہند کو ۱۷۵۴ء میں اندھا کر کے مروا دیا تھا، جس کے بعد وہ پنجاب کی طرف متوجہ ہوا اور صوبہ لاہور کی طاقت درگورنر مغلانی بیگم کو گرفتار کر کے اس کی جگہ آدینہ بیگ کو مقرر کر دیا۔ مگر احمد شاہ درانی نے جب حملہ کر کے اسے گرفتار کر لیا تو اس نے درانی سے معافی مانگ کر جان بخشی کرائی۔ القصرہ وہ ۱۷۵۹ء تک دہلی کے سیاسی افق کا سب سے روشن ستارہ تھا۔^{۱۷۷}

عماد الملک نوجوان اور شوریدہ سر تھا اور نواب آصف جاہ کے اخلاف میں سے تھا۔ بزرگوں سے عقیدت اور ان کے دامن سے وابستگی اسے دراشت میں ملی تھی۔ چنانچہ بعض مآخذ سے پتا چلتا ہے کہ اس کے حضرت مظہر^{۱۷۸} سے اچھے مراسم تھے۔ اسی بنا پر حضرت مظہر^{۱۷۹} کے اس کے نام چند مکتوبات بھی ملتے ہیں،^{۱۷۸} جن میں امور مملکت کے متعلق قیمتی نصائح کے علاوہ اس سے اپنے حلقے کے بعض افراد کی سفارش بھی کی گئی ہے۔ ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ خانقاہ مظہریہ کے بعض متوسلین اس کی سرکار سے وابستہ تھے۔

عماد الملک کا ہے بگلہ سے "خانقاہ مظہریہ" میں آمد و رفت رکھتا تھا، چنانچہ مولوی نعیم اللہ میٹرا پچی نے بشارات مظہریہ میں اس کے ساتھ پیش آنے والے بعض دل چسپ واقعات کا تذکرہ بھی کیا ہے۔^{۱۷۹} اس سے یہ گمان ہوتا ہے کہ اس کے اور قاضی محمد ثناء اللہ

^{۱۷۷} مآثر الامراء۔ از مصمصام الدولہ، ۲: ۸۴۳، وقائع عالم شاہی۔ تشریحات عرشى جس ۱۴۶

^{۱۷۸} مرزا مظہر کے خطوط (مرتبہ خلیق انجم)، ص ۱۷۴-۱۸۰، م ۶۲-۶۵

^{۱۷۹} بشارات مظہریہ، قلمی، ورق ۱۹۔

کے مابین خوش گوار تعلقات ہوں گے۔

نواب نجیب الدولہ

جب قاضی صاحب پانی پت میں بطور قاضی تعینات ہوئے، اس وقت نواب نجیب الدولہ بڑی تیزی سے ترقی کی منازل طے کر رہا تھا۔ چنانچہ وہ اگلی دہائی (۱۸۶۱ء-۱۸۷۰ء) میں ترقی پا کر دہلی کی سب سے بااثر شخصیت بن گیا۔ اسی بنا پر پرگنہ پانی پت بھی اسی کی ماتحتی میں آگیا۔

نواب نجیب الدولہ افغان قوم کا فرزند تھا، جس نے غازی الدین عماد الملک اور ابو المنصور (م ۱۱۶۷ھ / ۱۷۵۳ء) کے مابین اختلافات کے زمانے میں اول الذکر کے ہاں ملازمت کر لی (۱۱۵۶ھ / ۱۷۴۳ء تا ۱۰۱۰۱۷۵۳ء) میں بادشاہ دہلی احمد شاہ کی تائید و سرپرستی بھی حاصل ہوئی اور وہ نواب عماد الملک کے بعد ۱۷۶۱ء سے لے کر ۱۷۷۰ء تک دہلی کی سیاست پر پوری طرح حاوی رہا۔ بادشاہ دہلی احمد شاہ نے اسے ہفت ہزاری منصب اور "نجیب الدولہ بہادر جنگ" کا لقب مرحمت کیا۔

نواب نجیب الدولہ علما و صلحا کا بڑا قدردان تھا اور ان کی مجالس میں حاضر ہوتا تھا۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے مطابق اس کے پاس پانچ سو علمائے کرام ملازم تھے، جن میں ادنیٰ کو پانچ اور اعلیٰ کو پانچ سو روپیہ وظیفہ ملتا تھا،

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ان کو "میس الغزاة" اور "رئیس المجاہدین" وغیرہ کے ناموں سے مخاطب کرتے ہیں، نواب نجیب الدولہ کو بھی شاہ ولی اللہ اور مرزا مظہر سے بڑی عقیدت تھی، چنانچہ حضرت مظہر اپنے ایک خط میں قاضی صاحب کو لکھتے ہیں:

مشہد ملاحظہ ہو، آثار الامراء، از مصفا الدولہ، ۲: ۸۵۱ (مع حاشیہ)، اکبر شاہ خان نجیب آبادی۔
نجیب آباد، در رسالہ "عبرت فروری" نامی ۱۹۱۶ء۔

۲: ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱

”نواب نجیب الدولہ کو ان ایام میں مجھ سے بہت حسنِ ظن ہے اور اس کی خواہش ہے کہ میں اس کے وطن میں قیام کروں۔ اس مقصد کے لیے اس نے کسی خطوط بھی لکھے ہیں اور سفرِ سنہل کے دوران بالمشافہ بھی کہا تھا۔“^{۵۳}

قاضی صاحب ذاتی طور پر نیک اور صالح شخص تھے، پھر وہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور حضرت منظر جان جاناں شہیدؒ کے دامنِ علمی سے وابستہ تھے۔ اسی لیے ان کے نواب مذکور کے ساتھ نہایت خوش گو اور مراسم رہے۔ قاضی صاحب، نواب نجیب الدولہ سے ملنے اس کے فوجی مستقر میں بھی تشریف لے جاتے اور نواب کے وطن نجیب آباد میں بھی آمد و رفت رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ جب آپ نواب سے مل کر واپس آئے تو حضرت منظر نے آپ کو لکھا،

”آپ (قاضی صاحب) کا خط، نجیب آباد سے سالماً و غانماً واپسی اور خیر و عافیت پر مشتمل پہنچا۔“^{۵۴}

لفظ سالماً و غانماً سے مترشح ہوتا ہے کہ یہ سفر قاضی صاحب کی عزت افزائی اور خلعتِ فاخرہ“ ملنے کا ذریعہ بنا ہوگا۔

فوجی مستقر میں ملاقات

چونکہ نواب نجیب الدولہ پانی پت اور دو بے کا قانونی حکمران تھا، اس لیے قاضی صاحب اس سے ملنے اور ہدایات لینے اس کے فوجی معسکر میں تشریف لے جاتے رہتے تھے۔ بعض اوقات نجیب الدولہ کے لشکر میں حاضری کا سلسلہ اتنا طویل ہو جاتا تھا کہ اس سے قاضی صاحب کے بھی خواہوں کو تشویش لاحق ہو جاتی تھی، ایک ایسے ہی موقع پر حضرت منظرؒ نے قاضی صاحب کو تحریر فرمایا:

”عرصہ ہوا کہ آپ کے حالات کی کوئی خبر معلوم نہیں ہوئی، مگر اب یارِ علی کی زبانی کچھ حال احوال معلوم ہوا ہے جو کہ نواب نجیب الدولہ کی ہمراہی میں یہاں

^{۵۳} مکاتیب منظر (مرتبہ قریشی) ص ۲۱، ۲۲ - م ۱۶

^{۵۴} ایضاً، ص ۱۸، م ۱۳

آئے ہیں، جو اپنے بیٹے کی تقریب شادی کے سلسلے میں اس علاقے میں آیا ہے۔^{۵۵}
 ایک مرتبہ قاضی صاحب، نواب نجیب الدولہ کے لشکر میں اس کی ملاقات اور علاقے
 کے امن و امان کے سلسلے میں اس کے پاس مقیم تھے کہ ایک عالم فاضل شخص فتح علی خان،
 جو بقول محمد حسن خانزادہ علاقے کے صدر الصدور تھے،^{۵۶} ہر روز ان سے ملاقات کرتے تھے،
 ان ملاقاتوں کے متعلق وہ حضرت منظر کو لکھتے ہیں:

”ان ایام میں قاضی ثناء اللہ صاحب مدظلہ پانی پت سے یہاں لشکر میں

آئے ہوئے ہیں۔ یہ فدوی ہر روز ان سے ملاقات کرتا ہے۔“^{۵۷}

دربارِ نواب سے قاضی صاحب^{۵۸} کا تعلق زیادہ تر سرکاری اور محکمانہ نوعیت کا تھا۔
 اس کا مقصد احکام و ہدایات لینا بھی ہو سکتا ہے اور نواب کو اپنے علاقے کی امن و امان کی
 رپورٹ پیش کرنا بھی۔ تاہم اس تعلق میں ذاتی تعلق کی جھلک بھی موجود تھی۔ چنانچہ حضرت
 منظر^{۵۹} کے مذکورہ بالا خط میں ”سالماً وغالماً“ کے الفاظ سے اس کا اشارہ بخوبی ملتا ہے۔
 اس کے علاوہ حضرت منظر قاضی صاحب کو نواب کی جانب سے ”خلعتا“ ملنے پر مبارک باد
 پیش کرتے ہیں۔ مزید برآں نواب نجیب الدولہ کی سرکار سے جن بزرگوں اور مستحق لوگوں کو
 وظائف دیے جاتے تھے، ان کی تعمیل و تنفیذ سے بھی قاضی صاحب کا تعلق تھا۔ چنانچہ نواب
 نجیب الدولہ نے حضرت منظر^{۶۰} کے نام جو ”پروانہ“ و ”طیغہ“ جاری کیا تھا۔ اسے قاضی صاحب
 ہی نے دو مرتبہ ان کی خدمت میں ارسال کیا تھا،^{۶۱} مگر حضرت منظر نے اس کو قبول نہ کیا
 تھا۔ بہر حال نواب سے قاضی صاحب کے تعلق کو کثیر المقاصد قرار دیا جاسکتا ہے۔

نواب نجیب الدولہ کے ہاں قاضی صاحب کی شکایت

نواب نجیب الدولہ کے دورِ امارت میں ۱۱۷۸ھ (۱۷۶۴ء) کے قریب قاضی صاحب کے

^{۵۵} حوالہ مذکور، ص ۱۹، م ۱۴

^{۵۶} لوائح خانقاہ منظریہ، مرتبہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب، ص ۱۱۳، م ۵۳

^{۵۷} ایضاً، ص ۱۲۲، م ۶۰ ^{۵۸} مکاتیب، (قریشی)، ص ۲۴ -

خلاف پانی پت کے چند آدمیوں نے ایک مخالفانہ محاذ قائم کیا اور نواب نجیب الدولہ اور خود حضرت منظر کے ہاں ان کی بے جا شکایات پہنچائیں۔ مقصد یہ تھا کہ قاضی صاحب کو بدنام کر کے اس منصب سے محروم کر دیا جائے۔ مخالفت کا یہ طوفان اتنا تیز تھا کہ ایک بار تو خود قاضی صاحب بھی گھبرا گئے تھے، مگر چونکہ وہ انتہائی مخلص اور دیانت دار تھے، اس لیے ان کی یہ شکایات کسی جگہ بھی مسموع نہ ہوئیں۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ نواب نجیب الدولہ کے ابتدائی دورِ حکومت میں ایک گاؤں "موضع ہتاری، یا ہرتاری (یا ہشتاری) قاضی صاحب کے ماتحت تھا۔ بدقسمتی سے اس سال خشک سالی کے باعث پوری فصل وہاں سے حاصل نہ ہو سکی۔ اگر قاضی صاحب کی جگہ کوئی اور شخص یہاں کا حاکم ہوتا تو جیسے تیسے سرکاری واجبات کی رقم پوری کر لیتا، مگر چونکہ وہ فطری طور پر نرم دل اور مہربان طبیعت واقع ہوئے تھے، اس لیے انھوں نے "محصولات" کی وصولی کا کام اگلی فصل کے آنے تک موقوف کر دیا۔ شومی قسمت سے اس دوران میں دہلی کے صدر الصدور نے رحمت اللہ نامی شخص کو اس علاقے کا "محصل" بنا کر بھیج دیا۔ رحمت اللہ کو علاقے کی محصولات کا چارج دیتے ہوئے قاضی صاحب نے علاقے کے لوگوں پر چار سو سے کچھ اوپر قرض ظاہر کیا۔ ادھر پانی پت کے کچھ لوگ قاضی صاحب کے برادرِ بزرگ قاضی محمد فضل اللہ کے زمانے سے ان کے خاندان سے خفا چلے آ رہے تھے۔ انھیں ایک موقع ہاتھ آ گیا اور رحمت اللہ محصل کو اپنے ساتھ ملا کر انھوں نے نواب نجیب الدولہ کے دربار میں ان کے خلاف شکایات پہنچائیں۔ مگر چونکہ نواب نجیب الدولہ ذاتی طور پر قاضی صاحب کی امانت و دیانت سے مطمئن تھا، اس لیے اس نے ان شکایات کو درخور اعتنا نہ سمجھا، اس موقع کی کہانی بیان کرتے ہوئے قاضی صاحب لکھتے ہیں:

"اور چونکہ عبد الجلیل میرے ساتھ قلبی عداوت رکھتا ہے اس لیے اس نے

رحمت اللہ نامی اہل کار کو نواب نجیب الدولہ کے لشکر میں بھیج دیا ہے، جہاں

جا کر اس نے میری شکایات پہنچائیں، مگر میری یہ شکایات مسموع نہ ہوئیں" ۱۵۹

نواب نجیب الدولہ کے لشکر سے یلوس ہو کر مخالفین کا یہ ٹولہ نواب افضل الدولہ کے دربار میں پہنچا، کیونکہ نواب نجیب الدولہ نے ان دنوں دو آبہ (پانی پت سمیت) کے انتظامی معاملات اسی کے سپرد کر رکھے تھے۔ چونکہ نواب افضل الدولہ سے قاضی صاحب کی ذاتی طور پر زیادہ شناسائی نہ تھی اور پھر اس کے لشکر میں بھی کوئی شناسا چہرہ موجود نہ تھا۔ اس لیے اس موقع پر قاضی صاحب نے اپنے پیر و مرشد حضرت مظہرؒ سے امداد طلب کی، جس کے جواب میں انھوں نے آپ کو تحریر فرمایا:

"فقیر نے آپ کی تحریر کے مطابق محمد حسن خانزادہ کو یہ لکھ بھیجا ہے کہ اگر

کوئی شخص نواب نجیب الدولہ کے لشکر میں مولوی (قاضی) صاحب کی شکایت کرے۔ مناسب ہوگا کہ اس کو دخل انداز نہ ہونے دیا جائے اور اس کی شکایت نہ سنی جائے۔ اور اس مضمون سے خود نواب کو بھی مطلع کر دیں اور رحیم خانزادہ کو بھی میں نے لکھ بھیجا ہے کہ وہ نواب افضل الدولہ کو مولوی صاحب (قاضی صاحب) کے کمالات سے آگاہ کرے اور اس طرح پانی پت کے لوگوں کی شکایت کا راستہ بند کر دیں۔ آپ دل جمع رکھیں۔ آپ کے دشمنوں کے دونوں ہی لشکر ذلیل و خوار ہوں گے۔ رقعہ ملفوف رحیم خانزادہ کو پہنچائیں اور نواب افضل سے ملاقات بھی کر لیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

جیسا کہ سطور بالا میں ذکر آچکا ہے، نواب نجیب الدولہ اور نواب افضل الدولہ دونوں ہی حضرت مظہر سے گہری عقیدت رکھتے تھے۔ اس لیے ان کے لشکروں میں بھی حضرت مظہرؒ کے عقیدت مندوں کی خاصی تعداد موجود تھی، چنانچہ حضرت مظہرؒ کے مذکورہ بالا دونوں مکتوبات کا خاطر خواہ اثر ہوا، اور دونوں لشکروں میں قاضی صاحب کو خاطر خواہ امداد ملی۔ اول الذکر خط کے مرسل الیہ محمد حسن خانزادہ اپنے جوابی خط میں حضرت مظہر کو تحریر فرماتے ہیں:

"آپ نے قاضی ثناء اللہ کے معاملے میں جو تحریر فرمایا ہے۔ سوزن یہ ہے

کہ ابھی تک حاسدوں نے اس معاملے میں رخنہ اندازی نہیں کی ہے اور

امید واثق ہے کہ آپ کی توجہ کے باعث رخنہ اندازی بھی نہ ہو سکے گی۔ فی الوقت صورت حال یہ ہے کہ پانی پت سے تین آدمی آئے ہیں۔ مگر ابھی تک ان کے منہ سے کچھ نہیں ظاہر ہوا۔ ۶۲

اسی طرح دوسرے مکتوب الیہ رحیم خانزادہ نے بھی جو صلہ بخش جواب دیا اور لکھا، ”مولوی سنا (۱۷) اللہ کے مقدمے کے سلسلے میں یہ عرض ہے کہ فی الوقت نواب (افضل الدولہ) رہتک گئے ہونے ہیں جب بھی وہ اس طرف تشریف لائے تو بدل و جان مولوی صاحب کے کام کی تعمیل ان کے حسب منشا ہوئی۔“ ۶۳

۶۴
اسی طرح اسی لشکر میں ”مولوی فتح خان“ نے بھی جو غالباً علاقے کے صدر الصدور تھے، اسی مضمون کا خط حضرت منظر کو تحریر کیا اور لکھا کہ پریشانی کی کوئی بات نہیں، ہم یہاں موجود ہیں، ہم ان کے خلاف کوئی سازش کامیاب نہ ہونے دیں گے۔ ۶۵

حضرت منظر جان جاناں کے ہاں شکایات

ادھر تو یہ تدبیریں جاری تھیں، ادھر مخالفین نے ہر طرف سے مایوس ہو کر خود قاضی صاحب کے ”پیر خانے“ کا رخ کیا اور دہلی پہنچ کر حضرت منظر کی خدمت میں قاضی صاحب کی جھوٹی سچی شکایات پہنچائیں، حضرت منظر کو قاضی صاحب سے غایت درجے محبت تھی، اس لیے انھیں بھی ان شکایات سے صدمہ پہنچا، اس موقع پر انھوں نے قاضی صاحب کو سخت ترین خط لکھا، وہ لکھتے ہیں:

”برادرم یہ عجیب معاملہ ہے کہ جو کوئی بھی پانی پت سے آتا ہے، تمھاری شکایات سے بھرا ہوا آتا ہے، معلوم نہیں آپ سے ایسا کون سا عمل سرزد

۶۳ لوائح، ص ۱۱۲-۱۱۳-۵۳ م

۶۴ لوائح، ص ۱۱۶، م ۵۵

۶۵ لوائح، ص ۱۲۳-۱۲۴، م ۶۰

۶۶ لوائح، ص ۱۱۳-۱۱۴-۵۳ م

۶۷ لوائح، ص ۱۱۳-۵۳ م

ہوا ہے۔ اگر آپ کی سچائی اور دیانت داری لوگوں کی تکلیف کا باعث ہے تو ایسی سچائی سے گزر جائیے اور اپنے آپ کو روانہ کیجیے۔ اپنی عزت و حرمت کی خاطر لوگوں کے جذبات کی رعایت رکھیے، کیونکہ آپ کی بدنامی سے ہمارے بزرگوں کا طریقہ بدنام ہو رہا ہے۔ اور یہ کوئی اچھی بات نہیں۔ اور منصب قضا وہ مصیبت ہے کہ جس نے آپ کے عیش و آرام اور عزت و حرمت کو برباد کر دیا ہے، بعض کمینہ خصلت لوگوں کی وجہ سے دوسروں کو تاراج کرنا اور خود کو بدنام ٹھیرانا، آپ کے کمالات ظاہر و باطن اور عقل و دانش سے بعید ہے۔^{۵۶}

حضرت مظہرؒ کا یہ مکتوب کلمات طیبات کے مجموعے میں شامل تھا، مگر کسی اور ذریعے سے اس اجمال کی تفصیل اور حضرت مظہرؒ کے اس سخت ترین خط کا پس منظر معلوم نہ ہو سکتا تھا، اس لیے اس مکتوب کی موجودگی میں قاضی صاحب کے "منصب قضا" کے متعلق پیدا ہونے والے شکوک و شبہات کا دفاع بہت مشکل تھا۔

خدا بھلا کرے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب (حیدرآبادی) کا کہ انھوں نے خالقانہ تلاسیم۔ نور محل (اچ شریف سوات) سے قاضی صاحبؒ کے چار گراں قدر مکتوبات تلاش کر کے لوائح خالقانہ مظہرؒ میں مندرج فرمادیے، جن میں اس خط کا مکمل جواب اور اس صورت حال کی مکمل وضاحت موجود ہے، قاضی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"ارشاد ہوا ہے کہ جو کوئی پانی پت سے آتا ہے تمہاری شکایات سے

لبریز ہو کر آتا ہے۔ بندہ نواز عرض یہ ہے کہ میاں عبدالجلیل اور محمد شعیب

مجھ سے خاندانی عداوت رکھتے ہیں۔ میں نے ان کو راضی کرنے کی بہت کوشش

کی، مگر بے سود۔ ان کی نظروں میں تو میرا وجود بھی کھٹکتا ہے، اور رہا سیف اللہ

ولد عصمت اللہ، سو اس کا معاملہ یہ ہے کہ وہ دس سال قبل میرے مرحوم

بھائی کے زمانے سے ہم سے ناراض چلا آتا ہے، اور آپ جانتے ہیں کہ اس

ناراضگی میں بھی میرا کوئی قصور نہیں، اور شیخ سیف اللہ کا حال یہ ہے کہ وہ ہمیشہ کوئی نہ کوئی مقدمہ لے کر آتے رہتے ہیں اور جو بات ان کی منشا کے خلاف واقع ہو جائے، خواہ وہ سراسر حق ہو، تو وہ اس پر ناراض ہو جاتے ہیں۔ اگر قاضی دین دار ہو تو اسے کلمہ حق کہنا ہی پڑتا ہے۔ ان چار افراد کے سوا پانی پت کے تمام لوگ بحمد اللہ مجھ سے خوش اور میرے شکر گزار ہیں۔ اور اگر ان چار افراد کے سوا کوئی اور شخص آپ سے میری شکایت کرے تو میں ہر وقت اس کی شکایت سننے اور دور کرنے کے لیے تیار ہوں۔" ۷۶

یہاں تک تو زیر بحث مقدمے کی نوعیت اور اصلیت کے متعلق بحث تھی، لیکن چونکہ حضرت مظہرؒ کے خط میں بعض اصولی اور بنیادی باتوں پر بھی اظہار خیال کیا گیا تھا، جن کا خلاصہ یہ تھا کہ اگر آپ کی سچائی اور دیانت داری کی وجہ سے لوگ آپ سے ناراض ہوتے ہیں تو آپ اس امانت داری اور سچائی سے گزر جائیے۔ اس اصولی بحث کے بارے میں قاضی صاحب لکھتے ہیں:

"اور قطع نظر از تفصیل، مجملاً عرض یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دنیوی معاملے کی نسبت شکایت کرے تو بمقتضی اصول کہ "غلام اور اس کی مملوکہ اشیا مالک کی ملکیت ہوتی ہیں" میری جان اور میرا مال آپ کی ملکیت ہے، آپ حکم کریں، میں ہر طرح اس کو راضی کر دوں گا، یہاں تک کہ اگر مجھے اپنا حق بھی چھوڑنا پڑا تو چھوڑ دوں گا۔ اور اگر وہ کسی دینی معاملے میں مجھ سے خفا ہے، یہ اس کے ضعیف ایمان کی دلیل ہے اور میں اس پر مجبور ہوں، اور وہ جو آپ نے لکھا ہے کہ "کمینہ خصلت لوگوں کی وجہ سے دوسروں کو ناراض کرتا" ... بندہ نواز میں شرعی معاملات میں کسی شخص کو بھی دخل اندازی کا موقع نہیں دیتا اور اس سلسلے میں کسی شخص پر بھی اعتماد نہیں کرتا۔" اور جہاں تک مخالفین کا تعلق ہے تو وہ ہر اس شخص کو جس کی میری ساتھ دوستی ہو، خواہ مخواہ مورد

الزام ٹھیراتے ہیں۔^{۶۸}

بہر حال مخالفین کو یہاں جب ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تو بالآخر انہوں نے خود ہی مصالحت کی طرف پیش قدمی کی، جسے قاضی صاحبؒ نے خندہ پیشانی سے قبول فرمایا۔ حضرت مظہرؒ تحریر فرماتے ہیں:

”پانی پت کے مخالفین کی جانب سے آپ سے مصالحت پر آمادہ ہونا معلوم ہوا، آپ کا مقصد بھی چونکہ انتقام لینا نہ تھا بلکہ محض دشمنوں کے شر سے بچنا تھا، نہ کہ کسی شخص کو تکلیف پہنچانا (اس لیے جو کچھ ہوا اچھا ہی ہوا)۔“

۱ مصالحت کا یہ واقعہ ۱۷۶۶ء میں اس وقت پیش آیا جب آپ تھارجم دادروہیلہ کے لشکر میں شامل ہونے کے لیے تشریف لے جا رہے تھے۔ جس سے قیاس ہوتا ہے کہ باہمی مخالفت اور عداوت کا یہ سلسلہ کئی سالوں تک جاری و ساری رہا۔ تاہم مخالفت و عداوت کی یہ چٹکارا اپنی وقتی طور پر وب تو گئی تھیں، مگر کسی بھی وقت سخیلہ زن ہو سکتی تھیں۔ اسی لیے حضرت مظہرؒ ایک مکتوب میں قاضی صاحبؒ کو لکھتے ہیں:

”لیکن مجھے پانی پت میں آپ کی برادری کے خبیث و نفاق سے اطمینان نہیں ہے۔ اس لیے کہ مجھے آپ اور آپ کے خاندان سے جو محبت و تعلق ہے، اس کی بنا پر میں اس قسم کی باتوں کو برداشت کرنے کی تاب نہیں رکھتا۔“^{۶۹}

نواب افضل الدولہ

نواب نجیب الدولہ کے عہد حکومت میں قاضی صاحبؒ کا انتظامی تعلق نواب افضل الدولہ سے بھی رہا جو نواب نجیب الدولہ کا چھوٹا بھائی اور دست راست تھا، قاضی صاحب کے ایک مکتوب سے پتا چلتا ہے کہ نواب نجیب الدولہ نے پانی پت اور اس کے

^{۶۸} نواح، ص ۵۶، م ۱۵
^{۶۹} مکاتیب (قریشی) ص ۱۰۵، م ۳
 ۶۸ دیکھیے سطور ذیل، ذکر تھارجم دادروہیلہ ص ۱۰۵، م ۳

نواح کا انتظام اپنے چھوٹے بھائی نواب افضل الدولہ کے سپرد کر رکھا تھا۔ علاوہ ازیں وہ نواب نجیب الدولہ کی جانب سے سکھوں کی سرکوبی پر بھی مامور تھا۔ اسی کے انتظامی دور میں قاضی صاحب کے خلاف مذکورہ مخالفت اور عداوت کا سلسلہ شروع ہوا۔ چنانچہ جیسا کہ پہلے گزرا مخالفین نے اس کے کان بھرنے کی کوشش کی، مگر جب آپ کی سفارش پر حضرت منظرؒ نے نواب افضل الدولہ کے امام لکھے اور ایک فوجی افسر رحیم خانزادہ کو خطوط لکھے اور قاضی صاحب کو بھی لکھا کہ آپ خود بھی نواب افضل الدولہ سے ملاقات کریں تو فتنہ دب گیا۔ قرائن سے پتا چلتا ہے کہ نواب افضل الدولہ سے قاضی صاحب کی ملاقات ہوئی اور وہ آپ کا قدر دان ہو گیا۔

نواب ضابطہ خاں (۱۱۹۹ھ/۱۷۸۴ء)

اگرچہ صاحب مآثر الامرا کا بیان ہے کہ نواب نجیب الدولہ کی وفات (۱۱۷۰ھ) کے بعد اس کی تمام جائیداد و محلات پر نواب ضابطہ خاں متصرف و قابض ہو گیا تھا، مگر حضرت منظرؒ کے مکتوبات سے پتا چلتا ہے کہ اسے اس جائیداد پر اپنا حق ثابت کرنے اور ان کا قبضہ لینے کے لیے خاصی تگ و دوکرتا پڑی تھی۔ اس کا سب سے پہلا مقابلہ اپنے بھائی نواب کلثوم خاں سے ہوا۔ حضرت منظرؒ تحریر فرماتے ہیں:

۱۲۷ لوائح، ص ۵۳، ۱۳، ۵۴، ۱۴

۱۲۸ حالات کے لیے دیکھیے نور الدین فخری An Account of Najibuddola

ص ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۳ - ۱۲۷ لوائح، ص ۵۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸

” اور نواب ضابطہ خان نے اپنے بھائی کلوخاں پر فتح پانے کے بعد دو آبہ کے محلات پر اختیارات کا استعمال شروع کر دیا ہے اور وہ ان علاقوں میں اپنے فوجی دستے بھیج رہا ہے۔“

اس مکتوب میں یہ بھی تحریر ہے کہ بادشاہ (شاہ عالم ثانی) فرخ آباد پہنچ چکا ہے۔ مورخین کے مطابق یہ واقعہ ۱۱۸۴ھ (۱۷۷۱ء) کا۔ یعنی نواب نجیب الدولہ کی وفات کے کم و بیش ایک سال بعد کا ہے۔ گویا اسے اپنا حق تصرف حاصل کرنے کے لیے کم و بیش ایک سال کا عرصہ لگا۔ لیکن نواب نجیب الدولہ کے اس فرزند ارجمند کو ایک سال بھی اپنے مقبوضات سے متمتع نہ ہونے دیا گیا۔ چنانچہ بادشاہ کی آمد دہلی (یکم شوال ۱۱۸۵ھ/۱۷۷۲ء) کے موقع پر اسے ان تمام علاقوں سے ہاتھ دھونا پڑے۔

علاقے کے حاکم یا گورنر ہونے کی حیثیت سے قاضی صاحب کا نواب ضابطہ خان سے بھی ممکنہ تعلق رہا، اسی بنا پر حضرت مظہر رح اور قاضی صاحب کے درمیان مذکورہ بالا طریقے پر اس کے متعلق خبروں کا تبادلہ ہوتا رہتا تھا، اور پھر وہ نواب نجیب الدولہ کا جانشین اور نواب نجف خاں سے برسرِ جنگ بھی تھا۔ مؤرخ الذکر دونوں بزرگوں کے ناپسندیدہ افراد میں سرفہرست تھا، اس لیے ان دونوں حضرات کی ہمدردیاں بھی اس کے ساتھ تھیں۔ مگر اس سے زیادہ دونوں کے تعلقات میں پیش قدمی نظر نہیں آتی۔

نواب نجف خاں ذوالفقار الدولہ (۱۱۹۶ھ/۱۷۸۲ء)

یکم شوال ۱۱۸۶ھ (جنوری ۱۷۷۲ء) میں جب بادشاہ دہلی نے مرکز سلطنت دہلی میں کئی

۷۵ مکاتیب (مرقبہ قریشی) ص ۶۱، ۶۲

۷۹ دیکھے، آثار الامراء، ۱۰۶، ۱۰۷، اردو ترجمہ، نیز پو لیمیر، شاہ عالم ثانی کے عہد کا دربار دہلی،

ترجمہ نصیب اختر، کراچی، ص ۳۷-۳۸

۷۵ مکاتیب (قریشی)، ص ۳۲، ۳۳، ص ۵۱-۵۲، ص ۳۳، ص ۳۴،

۵۴۲ - ص ۱۶۵، م ۱۱۰ وغیرہ۔

سالہ جلا وطنی کے بعد قدم رکھا تو نواب ضابطہ خاں دہلی سے فرار ہو گیا اور نواب نجف خاں ذوالفقار الدولہ نے آگے بڑھ کر دو آبہ سمیت اس کے تمام محالات پر قبضہ کر لیا۔^{۱۵۷} نواب نجف خاں ایک ایرانی النسل امیر اور نواب صفدر جنگ کا برادرِ نسبتی تھا۔ وہ پہلے الہ آباد کے قلعے کے داروغہ نواب محمد قلی کے ہاں ملازم ہوا، مگر بعد ازاں اس نے نواب قاسم علی خاں سے تعلق پیدا کر لیا۔ جنگِ بکسر (۱۶۷۷ء) کے بعد اس نے انگریزوں کے لیے خدمات انجام دیں۔ پھر جب شاہ عالم ثانی عازمِ دہلی ہوا تو انگریزوں نے اسی کو بادشاہ کے ساتھ سپہ سالار بنا کر مامور کیا۔ اس نے آتے ہی روہیلہ سردار نواب ضابطہ خاں کو نکال کر باہر کیا۔^{۱۵۸}

حضرت منظر کے بعض خطوط سے واضح ہوتا ہے کہ قاضی محمد شہناہ اللہ نے کچھ عرصہ نجف خاں کے لشکر میں بھی گزارا تھا۔

نواب مجد الدولہ عبدالاحد خاں (۱۲۰۳ھ/۱۷۸۸ء)

نواب عبدالاحد المقلب بہ مجد الدولہ نواب عبدالمجید کشمیری احمد شاہ کے بخشی سوم کا بیٹا تھا۔ وہ ۱۱۸۴ھ (۱۷۷۱ء) میں شاہ عالم کے پاس مرہٹوں کا وکیل بن کر فرخ آباد پہنچا۔ ۱۱۸۷ھ (۱۷۷۳ء) میں اسے حسام الدولہ کی جگہ نائب وزیر بنا دیا گیا۔^{۱۵۹} دربارِ دہلی میں اس کا قریبی حریف نواب نجف خاں تھا۔

نواب مجد الدولہ حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت منظر کے پسندیدہ افراد کی فہرست میں شامل تھا۔ لیکن جب اسے ۱۱۸۷ھ (۱۷۷۳ء) میں دربارِ شاہی میں تقرب اور رسوخ حاصل ہو گیا تو اس کے مزاج میں تبدیلی آگئی۔ یہی موقع تھا جب قاضی صاحب نے اپنے ایک "ضروری کام" کے سلسلے میں حضرت منظر سے اس کے نام ایک سفارشی رقعہ طلب کیا تو

^{۱۵۷} مآثر الامراء، مجل مذکور

۱۷۸۷-۱۷۸۸ء، ص ۲۳۲-۲۳۳

^{۱۵۸} ۱۹۱: ۳ - ۲۳۰ وغیرہ

^{۱۵۹} ابتیاز علی عرش: وقائع عالم شاہی، ص ۱۸۱ -

حضرت مظہرؒ نے اس بنا پر معذرت کر دی کہ نواب مجد الدولہ نے ترقی پا کر ان کے ساتھ خود کوئی بھی رابطہ قائم نہیں کیا تھا۔ اور فرمایا جو نہی اس کی جانب سے کوئی رقعہ وغیرہ ملا، وہ فوراً سفارشی خط ارسال کر دیں گے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ نواب مجد الدولہ اپنی روش پر قائم رہا اور اس نے مسند نشین خالقاہ مظہرؒ سے رابطہ قائم کرنا اپنی کسر شان سمجھا۔ چنانچہ حضرت مظہرؒ نے قاضی صاحب کے کام کے سلسلے میں دربارِ دہلی کے دوسرے رؤسا نواب ابوالقاسم اور نصیر الدین خاں کے نام خطوط لکھ کر ارسال کر دیے۔

نواب ابوالقاسم (م ۱۱۹۰ھ / ۱۷۷۶ء)

نواب ابوالقاسم، جن کا سطورِ بالا میں ذکر آیا۔ نواب مجد الدولہ کا بھائی اور نہایت زیرک شخص تھا، وہ اگرچہ دونوں ٹانگوں سے معذور تھا۔ لیکن اپنی انتظامی صلاحیتوں اور جرأت و بہادری کی بنا پر خصوصی شہرت رکھتا تھا۔ اسی بنا پر معلوم ہوتا ہے کہ نواب مجد الدولہ نے عملی طور پر دو آبہ بشمول پانی پت کے انتظامی معاملات اسی کے سپرد کر رکھے تھے۔ چنانچہ حضرت مظہرؒ نے قاضی صاحب کی سفارش کے لیے اسی کے نام مکتوب ارسال کیا تھا۔

نواب ابوالقاسم پانی پت کا منتظم ہونے کی بنا پر سکھوں اور نواب ضابطہ خان کی سرکوبی کے لیے بھی مامور تھا، چنانچہ وہ ۱۱۹۰ھ (۱۷۷۶ء) میں نواب ضابطہ خان کے خلاف بہادری سے لڑتا ہوا مارا گیا۔ حضرت مظہرؒ کے ساتھ اس کے اور اس کے اہل خاندان کے تعلقات نہایت خوش گوار تھے، یہی وجہ ہے کہ حضرت مظہرؒ کو اس کی وفات پر از حد صدمہ ہوا، اس موقع پر حضرت مظہرؒ نے قاضی صاحب کو لکھا:

” اور نواب ابوالقاسم خاں کی شہادت کا سانحہ میں نے میرے دل کو داغ داغ کر دیا ہے، بروز جمعرات ۲۳ محرم کو پیش آیا۔ نواب نے خوب مردانگی دکھائی۔ خدا تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے۔“

۱۷۷۶ء مکاتیب، قریشی، ص ۷۷، م ۵۶ ۱۷۷۷ء حوالہ سابق
۱۷۷۷ء حوالہ سابق ۱۷۷۸ء مکاتیب، قریشی، ص ۱۱۲۸، م ۸۷

حضرت مظہر اور قاضی صاحبؒ کے مابین اس قسم کی خط و کتابت سے ظاہر ہوتا ہے کہ نواب کے تعلقات ان بزرگوں کے ساتھ نہایت خوش گو اور رہے۔

ملا رحیم داد روہیلہ (م ۱۱۹۲ھ / ۱۷۷۸ء)

ملا رحیم داد روہیلہ نواب ابوالقاسم کی وفات کے بعد اس علاقے کا حاکم بنا۔ وہ تقریباً دو سال تک اس علاقے کا حاکم رہا۔ وہ حضرت مظہرؒ کے خصوصی ارادت مندوں میں سے تھا۔ حضرت مظہر کے بقول: "وایں مرد با فقیر معرفتے دارد" اسے بھی نواب مجد الدولہ نے اس علاقے کا ناظم مقرر کیا تھا۔ حضرت مظہر تحریر فرماتے ہیں:

"ملا رحیم داد روہیلہ جو بیٹ قوم سے تعلق رکھتا ہے، ہزیمت خوردہ یہاں

پہنچا۔ نواب مجد الدولہ نے اسے علاقہ جات پانی پت، سونی پت اور کرنال وغیرہ جاگیر کے طور پر دے کر، اس امید پر کہ وہ سکھوں کا مقابلہ کرے گا اور سرہند کا قبضہ واپس لے گا، بارہ ہزار سوار و پیادہ کے ساتھ اپنا ملازم رکھ لیا ہے۔"

ملا رحیم داد مکمل طور پر ایک پابند شرع اور مذہبی شخص تھا، اس نے حضرت مظہرؒ کے دامن سے وابستہ رہ کر دینی تربیت حاصل کی تھی، پولیمبر بھی اس کے متعلق یہ گواہی دیتا ہے کہ "وہ ایک با اصول، وعدے کا پابند اور مذہبی و شریع شخص تھا۔" اس کی ترقی سے خانقاہ مظہریہ کے متوسلین میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

ملا رحیم داد نے جلد ہی اپنی طاقت میں خاطر خواہ اضافہ کر لیا تھا۔ اور پھر اس نے سکھوں کے خلاف "عملی جہاد" کا آغاز کر دیا۔ ملا رحیم داد روہیلہ کی یہ انتہائی سعادت تھی کہ اس جہاد میں اسے حضرت مظہر کے متعدد خلفاء بالخصوص حضرت قاضی صاحب اور میاں احسان احمد وغیرہ کی تائید و حمایت حاصل تھی، بلکہ ان کی اسم رکابی کا بھی اسے شرف حاصل ہوا، خود

۱۷۱ مکاتیب مرزا مظہر (قریشی) ص ۱۲۳، م ۸۴ ۱۷۷۸ء حوالہ سابق

۱۷۲ کتاب مذکور، ص ۱۲۳ ۱۷۷۸ء پولیمبر، کتاب مذکور، ص ۷۰۔

قاضی صاحب اپنے تین فرزندوں سمیت اس کے لشکر میں کافی عرصہ مقیم رہے۔
تاہم تدبیر کا یہ سچا ہی تقدیر کے سامنے بے بس ہو گیا اور جنید کی فتح (۱۱۹۲/۸۷، ۱)
سے واپس لوٹتے ہوئے سکھوں نے حملہ کر کے اسے قتل اور اس کے لشکر کو غارت کر دیا۔^{۹۲}
حضرت مظہرؒ کو اس نوجوان سے بڑی توقعات تھیں، اسی لیے اس کی وفات کا انھیں
از حد صدمہ ہوا، ایک اور مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

" اور گذشتہ روز سے ملا رحیم داد روہیلہ اور لشکر اسلام کی تباہی کی وحشت
انگیز خبر مشہور ہے۔"^{۹۳}

ایک اور خط میں حضرت مظہرؒ نے ملا رحیم داد روہیلہ کی شہادت کو "فتنہ عظمیٰ"^{۹۴} قرار
دیا ہے، جس سے اس واقعے کی سنگینی کا احساس ہوتا ہے۔

قاضی صاحب اس کے دو سالہ دورِ گورنری (۱۷۷۶-۱۷۷۸) کے دوران میں اس سے
بکثرت ملتے رہے، بعض اوقات حضرت مظہرؒ بھی دونوں کی ملاقات کے متعلق اشتیاق بھرے
لبھے میں تحریر فرماتے کہ "ملا رحیم داد کے ساتھ اپنی ملاقات کا حال لکھ بھیجیے۔"^{۹۵} بعد ازاں
یہ ملاقاتیں قاضی صاحب کی لشکر ملا رحیم داد میں شمولیت کا ذریعہ بن گئیں جنہرے مظہر رقم طراز ہیں:
" اور بر خوردار عبدالاحد کی زبانی جو بیگمی صاحبہ (والدہ قاضی صاحب) کے ہمراہ
یہاں (دہلی) میں آئے معلوم ہوا کہ آپ مع میر صاحب اور تین صاحب زادوں
کے ملا رحیم داد کے لشکر میں تشریف لے گئے ہیں۔ خدا تعالیٰ اس حرکت کو بابرکت
کرے۔"^{۹۶}

قاضی صاحب اس کے لشکر میں ایک ماہ سے کچھ اوپر مقیم رہ کر واپس تشریف لائے،^{۹۷}
قاضی صاحب کا یہ سفر اپنے محکمانہ فرائض کی بجائے آوری کے علاوہ جہاد کی عملی تربیت کے

^{۹۲} پولیمیر، کتاب مذکور، ص ۷۰، ^{۹۳} مکاتیب (قریشی)، ص ۱۳۱-۸۸م

^{۹۴} کتاب مذکور، ص ۱۳۳، ۸۹م، ^{۹۵} مکاتیب (قریشی)، ص ۱۰۰، ۶۹م

^{۹۶} کتاب مذکور، ص ۹۴، ۶۶م، ^{۹۷} کتاب مذکور، ص ۹۳، ۷۱م - یہ خط

محرم کا ہے جب کہ واپسی کا خط ۱۲ ربیع الاول کو تحریر کیا گیا (ص ۱۰۲، ۷۱م)

لیے بھی تھا، اس لیے کہ سکھوں کا فتنہ اس دور کے اہم ترین فتنوں میں سے ایک تھا۔ قاضی صاحب کے علاوہ اس کی فوج میں سرہند کے "پیرزادے" ^{۱۹۹} اور خانقاہ مظہریہ کے متعدد متوسلین (مثلاً میاں احسان احمد وغیرہ) بھی شامل رہے، جب اس کے لشکر پر سکھوں نے عقب سے حملہ کیا۔ اس وقت بھی خانقاہ مظہریہ کے متعدد متوسلین اس کے ہمراہ شریک سفر تھے۔

ماخذ سے پتا چلتا ہے کہ ملا رحیم داد روہیلہ کے ہاں قاضی صاحب کا خاص ادب و احترام تھا، اسی لیے حضرت مظہر ^{۲۰۰} نے اپنے دو خصوصی مریدین حافظ محبوب علی اور عزیز خان روہیلہ کو آپ ہی کی وساطت سے ملا رحیم داد کے لشکر میں بھیجا تھا اور آپ ہی کو ان کا خیال رکھنے کی تاکید فرمائی تھی۔ ^{۱۹۹} علاوہ ازیں ملا رحیم داد نے حضرت مظہر کے لیے جو "پردانہ تنخواہ" جاری کیا تھا، اسے بھی قاضی صاحب ^{۲۰۱} ہی نے اپنے پیر و مرشد کو ارسال کیا تھا۔ ^{۱۹۹} گو حضرت مظہر ^{۲۰۰} نے اسے وصول کرنے سے حسب سابق انکار فرما دیا تھا۔

ملا رحیم داد کے لشکر سے قاضی صاحب کی مع صاحبزادگان کے واپسی بھی بڑے دلچسپ طریقے سے ہوئی۔ پہلے قاضی صاحب ^{۲۰۰} کے بڑے صاحبزادے قاضی احمد اللہ واپس آئے۔ جو علاقے کی "محصولات ربیع" کی وصولی پر مامور تھے۔ ^{۱۹۹} بعد ازاں قاضی صاحب کو ان کی والدہ نے اپنے بقیہ دو صاحبزادوں سمیت پانی طلب فرمایا، کیونکہ وہ مولوی دلیل اللہ کی منگنی کرنا چاہتی تھیں۔ ^{۱۹۹} اس سے کچھ عرصے بعد ملا رحیم داد نے ہانسی کا سفر اختیار کر لیا جس سے واپس آتے ہوئے علاقہ جیند میں وہ مارا گیا۔

نواب مجد الدولہ اور ملا رحیم داد روہیلہ سے قاضی صاحب کا کام؟

نواب مجد الدولہ اور ملا رحیم داد روہیلہ کے دورِ گورنری میں تکرار کے ساتھ قاضی صاحب کے "ایک کام" کا ان کے ساتھ متعلق ہونا مذکور ہوا ہے۔ سوال یہ ہے کہ وہ کیا کام تھا؟

^{۱۹۹} کتاب مذکور، ص ۱۲۵، م ۸۵

^{۱۹۹} کتاب مذکور، ص ۱۰۲، م ۷۱

^{۱۹۹} کتاب مذکور، ص ۹۹، م ۶۹

^{۱۹۹} کتاب مذکور، ص ۱۹۴، م ۱۳۴

^{۱۹۹} مسکاتیب (قریشی)، ص ۱۰۲، م ۷۱ -

نواب مجد الدولہ نے جس زمانے میں ترقی پائی۔ اوپر گذرا کہ قاضی صاحب نے حضرت مظہر سے درخواست کی کہ وہ انھیں اس کے نام پر ایک سفارشی رقم مرحمت فرمادیں، مگر حضرت مظہر نے معذرت فرمادی اور اس کے بجائے نواب ابوالقاسم اور نصیر الدین خان کو خطوط ارسال فرمائے۔

اسی قسم کی تصریحات ملا رحیم دادو ہیلہ کے بارے میں بھی ملتی ہیں، چنانچہ حضرت مظہر ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

”ملا رحیم دادو ہیلہ کی اچھائی میں شبہ نہیں۔ خدا کرے کہ پانی پت کے اجباب

(قاضی صاحب وغیرہ) کا مسئلہ اس مرد بزرگ کے زمانے میں خاطر خواہ طریقے پر حل ہو جائے۔“

ایک اور مکتوب میں تحریر فرمایا:

”ملا سے مذکور (ملا رحیم دادو) کے ساتھ آپ کا جو مسئلہ متعلق تھا، اس کے

حل کی کوئی امید بندھی یا بے فائدہ لشکر میں شامل ہونے کی مشقت اٹھائی۔“

ان خطوط میں ”مسئلے“ ”کام“ وغیرہ کا ذکر تو ملتا ہے۔ مگر اس کی تفصیل معلوم نہیں ہے اور چونکہ لوگ عموماً حکمرانوں کے پاس مناصب جلیلہ یا منافع عظیمہ کا لالچ لے کر جاتے ہیں، اس لیے اس مقام بھی اس قسم کی غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے۔ بنا بریں سوال یہ ہے کہ آیا قاضی صاحب بھی ان حکمرانوں سے کوئی ایسا ہی کام متعلق رکھتے تھے اور اسی کام کے حصول کے لیے پریشان رہتے تھے۔

یہ بات ہرگز نہ تھی، اگر قاضی صاحب کو کوئی عہدہ یا جاگیر درکار تھی تو اس کے لیے انھیں دربارِ دہلی کی جانب رجوع کرنا چاہیے تھا، جہاں حضرت مظہر کے حلقہ اثر کے علاوہ قاضی صاحب کا خاندانی اثر و رسوخ بھی ان کی معاونت کر سکتا تھا۔ قاضی صاحب کے نانا نواب صادق تھور جنگ دربارِ دہلی کے ایک شش ہزاری منصب دار رہ چکے تھے۔

پھران کے دونوں ماموں نواب شاکر علی خاں اور نواب عنایت علی خاں دربار دہلی کے ممتاز عہدے دار اور منصب دار تھے، ان میں سے اول الذکر شاہ عالم ثانی کے "دیوان" کے منصب عظمیٰ پر فائز تھے۔^{۱۵۱} ان حالات میں اگر کوئی ایسا مسئلہ ہوتا تو یہ حضرات ضرور اپنے بھائی کی معاونت فرماتے۔ علاوہ ازیں اس قسم کی متناؤں کا فقر و سلوک اور خود حضرت مظہر کے ساتھ نباہ کیوں کر ممکن تھا۔ مزید برآں قاضی صاحب کی اپنی سیرت و کردار کو بھی اس جاہ طلبی سے کوئی مناسبت نہ تھی۔

بات یہ ہے کہ یہ دور ہندوستان کی تاریخ میں نظم و نسق کے فقدان اور معاشی و اقتصادی حالت کی ابتری کا دور تھا۔ بقول سر جیدوناتھ سرکار:

"شاہ عالم... کا خزانہ خالی تھا، خالصہ کی تمام جاگیریں قبضے سے نکل چکی تھیں۔ محلات شاہی کے گراں قدر جواہرات ایک ایک کر کے جوہریوں اور کباڑیوں کے ہاں فروخت کیے جا چکے تھے، قلعے کی عمارت مرمت طلب تھی۔ فوج کی چھ مہینے کی تنخواہ واجب الادا تھی۔ اس پر طرہ یہ کہ مرہٹوں کی خون آشام تلواروں کو روکنے کے لیے وقتاً فوقتاً انھیں بھی بڑی بڑی رقوم دینا پڑتی تھیں۔"^{۱۵۲} جب کہ اس دور کا ایک عینی گواہ پولیمیر لکھتا ہے:

"اس وقت بادشاہ کے حالات نہایت سنگین تھے۔ اس کی فوجیں جو محصولات کی وصولی کے لیے ادھر ادھر روانہ کر دی گئیں تھیں اب دارالحکومت میں جمع تھیں اور اپنی تنخواہوں کے لیے شور مچا رہی تھیں۔"^{۱۵۳}

جب مرکزی حکومت کے شاہی ملازمین کا یہ حال تھا کہ انھیں تنخواہیں بروقت نہیں مل رہی تھیں تو دیگر صوبوں اور پرگنوں کا سرکاری عمال اور ملازمین کا کیا حال ہوگا۔ حضرت مظہر کے

^{۱۵۱} دیکھیے "آثر الامرا"، ذکر نواب صادق، نیز Elliot and Dowson کی

تاریخ ہند، ج ۷۔ جہاں نواب شاکر علی کے ایک قلمی تذکرہ کا ذکر ہے۔

^{۱۵۲} Fall of the Mughal Empire، ۳: ۵۲۸

^{۱۵۳} پولیمیر، شاہ عالم کا دربار دہلی، ص ۴۱۔

خلیفہ مولوی ثناء اللہ سنبھلی (م ۱۲۱۲ھ / ۱۹۸۸ء) ایک خط میں صاحب زادہ اسد اللہ کو تحریر فرماتے ہیں:

”عرض یہ ہے کہ والدہ میر صاحب کو تسلی دیجیے کہ وہ اطمینان رکھیں،
 فی الوقت یہاں حالت یہ ہے کہ پانچ مہینوں سے بالکل تنخواہ نہیں مل رہی۔
 اسی طرح حضرت مظہرؒ میاں محمد مراد کے وظیفے کی بابت تحریر فرماتے ہیں:

”میاں محمد مراد کی تنخواہ کا حال یہ ہے کہ عمال حکومت کی مسلسل تبدیلی کے
 باعث اس سال پورے سال کی تنخواہ ضائع ہو گئی۔“
 اسی مکتوب میں جو قاضی صاحب کی ملازمین داد کے لشکر میں شمولیت کے موقع پر تحریر کیا
 گیا۔ مرزا مظہرؒ آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:

”راے کیول رام نے اپنے باپ کو لکھا ہے کہ ماضی کی تنخواہ وصول نہیں
 ہو سکی اور حال مستقبل کی بھی کوئی امید نہیں۔“

ان آثار کی روشنی میں ہم ان حالات کا کچھ اندازہ لگا سکتے ہیں، جن حالات سے اس
 زمانے میں قاضی صاحب سمیت تمام سرکاری ملازمین گذر رہے تھے، واقعہ یہ ہے کہ یہ تمام علاقہ
 ایک طرح سے مسلسل خانہ جنگی کی زد میں تھا۔ پہلے نجیب الدولہ کے دو بیٹوں ضابطہ خاں و
 کلو خاں کے مابین لڑائی ہوئی جس میں اول الذکر نارج رہا۔ مگر اسے جلد ہی مرہٹوں اور نجف خاں
 کے خلاف نبرد آزما ہونا پڑا، جس کی بنا پر یکم شوال ۱۱۸۵ھ (۶ جنوری ۱۷۷۲ء) کو اس علاقے
 میں اس کی بساط حکومت لپیٹ دی گئی۔ بعد ازاں نواب نجف خاں کی عملداری شروع ہوئی
 جو جلد ہی مجدد الدولہ کی حکومت سے ختم ہو گئی۔ مجدد الدولہ نے یکے بعد دیگرے اس علاقے
 پر متعدد عمال تبدیل کیے۔ اس طرح عمال حکومت کی تبدیلی کی بنا پر سرکاری ملازمین اپنے
 سرکاری واجبات کی وصولی سے محروم رہے۔

علاوہ ازیں دو آبہ کا یہ علاقہ زرخیز ہونے کی بنا پر ہمیشہ تاخت و تاراج کی زد میں رہا۔

۱۸۶ ص ۸۶، م ۳۷ ۱۸۹ ص ۹۵، م ۶۶

۱۸۹ ص ۹۵، م ۶۶

مثلاً وہ ایک خط میں اس علاقے کی زبوں حالی کا یوں ذکر فرماتے ہیں:

”گنگا و جمنکا درمیانہ علاقہ خاک ہو گیا ہے۔“ ۱۱۱

اور پانی پت تو ہمیشہ سکھوں کی شورش کی زد میں رہتا تھا۔ حضرت منظر فرماتے ہیں:

”پانی پت میں ہمیشہ سکھوں کا ہنگامہ پیار ہتا ہے۔“ ۱۱۲

اس خانہ جنگی، لوٹ مار اور عمالی حکومت کی تبدیلی کا اثر سرکاری ملازمین پر بہت واضح طور پر ہوا اور ان کی اکثریت ناقوں کا شکار ہونے لگی۔

بعض ماخذ سے پتا چلتا ہے کہ ان دنوں خود قاضی صاحب کی حالت بھی ایسی ہی تھی۔ متعدد شواہد سے واضح ہوتا ہے کہ وہ ان دنوں خرچ کی تنگی میں مبتلا تھے۔ جس کی وجہ ان کے سرکاری واجبات (تنخواہ وغیرہ) کی عدم وصولی و عدم دست یابی تھی، جن دنوں وہ ملازم داد روہیلہ کے لشکر میں شمولیت کے لیے لشکر گاہ کا رخ کر رہے تھے، انہی دنوں حضرت منظر نے قاضی صاحب کو لکھا:

”تمہاری والدہ یہاں پہنچی ہیں، وہ تمہارے اخراجات کی جانب سے فکر مند ہیں۔“ ۱۱۳

رفتہ رفتہ ہاتھ کی تنگی معاشی مشکلات کی صورت اختیار کر جاتی ہے۔ حضرت منظر قاضی صاحب کو دہلی آنے کی دعوت دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ آپ کو اور مولوی احمد اللہ کو جلد یہاں لانے اور رمضان المبارک کی فتوحات میں شامل کرے اور آپ کی جملہ مشکلات کے حل ہونے اور مقاصد کے پورا ہونے کا خاطر خواہ بندوبست کرے۔“ ۱۱۴

اور پھر یہاں تک نوبت آپہنچی کہ حضرت منظر قاضی صاحب کے فرزند ارجمند مولوی دلیل اللہ کو دہلی طلب کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس کے آنے جانے کا خرچہ مجھ پر ہوگا کیونکہ آپ کے ہاتھ کی تنگی کا بخوبی علم ہے۔ ۱۱۵

۱۱۱ کتاب مذکور، ص ۹۷، م ۶۷ . ۱۱۲ کتاب مذکور، ص ۱۲۸، م ۸۶

۱۱۳ کتاب مذکور، ص ۶۹، م ۶۹، ص ۹۴، م ۶۶

۱۱۴ کتاب مذکور، ص ۷۱، م ۵۱ . ۱۱۵ کتاب مذکور، ص ۱۵۱، م ۱۰۰

علاقے کے حاکم ہونے کی حیثیت سے نواب مجدد الدولہ - نواب ابوالقاسم اور ملارحیم داد روہیلہ قاضی صاحب کی بروقت تنخواہ ادا کرنے کے ذمہ دار تھے۔ مگر انتشار کی بنا پر وہ اس اہم ذمہ داری سے بے خبر تھے۔ مزید برآں یہ معاملہ ایک دو مہینوں کا نہیں بلکہ کئی سالوں کا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تنخواہ واجب الادا تھی۔ بہر حال قاضی صاحب کا یہی وہ خصوصی کام تھا جو ان گورنروں یا صوبہ داروں سے متعلق تھا۔ اس تمام تفصیل کو پیش نظر رکھنے سے ہر قسم کی غلط فہمیوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

ملارحیم داد روہیلہ کی شہادت کے بعد کے حالات

مشہور انگریز سیاح پولیمیر کی تصریح کے مطابق ملارحیم داد کی شہادت کے بعد اس کے تمام مقبوضات پر ایک سکھ لیڈر "امریک سنگھ" نے قبضہ کر لیا تھا، جسے ڈک کو فتح کرنے کے بعد نجف خان نے اپنے ایک جرنیل نجف علی خان کو ایک فوج کے ساتھ بھیج کر واکڈار کرایا۔^{۱۶} اس طرح علاقے پر نواب نجف خان کا قبضہ ہو گیا۔

غالباً اسی زمانے میں یہ تمام محالات "خواجہ عبید خان" کو تفویض کرنے کی تجویز ہوئی، جو بالکل ہی ناقابل اعتماد شخص تھا۔ اس موقع پر حضرت منظر نے قاضی صاحب کو لکھا: "اب یہ علاقے خواجہ عبید خان کو دراشت میں مل گئے ہیں، جس کے اخلاص اور اطوار پر قطعاً اعتماد نہیں ہے۔ لہذا اپنے اہل خانہ اور عزیزوں کو پانی پت سے بلا لینا چاہیے۔"^{۱۷}

خط کے آخری جملے سے گمان ہوتا ہے کہ اسے حاصل ہونے والے علاقوں میں "پرگنہ پانی پت" بھی شامل تھا۔ چونکہ اسی مکتوب میں خواجہ عبید خان کے ساتھ ظفر علی بن نواب^{۱۸} پولیمیر، ص ۷۰۔

^{۱۶} یہ خواجہ عبید خان غالباً وہ نہیں ہیں، جن کے برادر زادہ و داماد خواجہ عبداللہ خان کو حضرت منظر نے قاضی صاحب کی خدمت میں بفرض استفادہ پانی پت بھیجا تھا۔ (قریشی، ص ۱۷۶، م ۱۱۹) اور جن کے نام شاہ ولی اللہ کے مکتوبات ملتے ہیں (سیاسی مکتوبات، ص ۱۵۸، م ۳۹)

ارشاد کا ذکر ہے، اور نواب ارشاد کا انتقال ۱۱۷۶ میں ہو چکا تھا، اس کے علاوہ اسی خط میں حسام الدین کے توسط سے ضابطہ خاں کے بادشاہ کے حضور میں پیش ہونے کا ذکر ہے۔ اسی بنا پر قیاس ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بھی ملا رحیم داد روہیلہ کی شہادت کے بعد کا ہے۔ البتہ خواجہ عبید خاں کے بطور صوبہ دار انتظام سنبھالنے کا ذکر نہیں ملتا۔

نواب مختار خاں خلیف ابوالقاسم (نواح ۱۷۷۹-۱۷۸۰ء)

حضرت منظر رح کی حیات مبارکہ کے آخری ایام میں پرگنہ پانی پت کی حکومت نواب مختار خاں خلیف ابوالقاسم کے سپرد ہو گئی تھی۔ یہ دور چونکہ نواب مجدد الدولہ کی رہائی اور دوبارہ اپنے مقبوضات پر بحالی کا دور ہے، اس لیے یہ قیاس ہوتا ہے کہ نواب مذکور تے ہی اپنے بھتیجے کو اس علاقے کا منتظم مقرر کیا ہوگا۔

اپنے والد کی طرح نواب مختار بھی حضرت منظر رح کے عقیدت مندوں میں سے تھا۔ چنانچہ منصب صوبہ داری پر فائز ہونے کے بعد بھی اس کے اخلاص و عقیدت کا سلسلہ حسب سابق جاری رہا۔ حضرت منظر رح ایک مکتوب میں قاضی صاحب کو لکھتے ہیں:

”ان دنوں نواب مختار کے ساتھ باسانی ملاقات ہو سکتی ہے“۔^{۱۸}

قرائن سے متبادر ہوتا ہے کہ اس دور میں ایک مرتبہ پھر قاضی صاحب کو اپنے واجبات کی عدم وصولی کی شکایت پیدا ہو گئی، اور عین ممکن ہے کہ سابقہ شکایت ہی ابھی تک برقرار ہو، بہر حال اس موقع پر بھی انھوں نے اپنے پیر و مرشد کے ذریعے ”دربار نواب“ میں شکایت ارسال کی۔ نواب چونکہ مصروف تھا، جلد جواب نہ دے سکا، حضرت منظر رح لکھتے ہیں:

”نواب سے جواب جلد ملنا مشکل ہے۔ شاید کل حاصل ہو جائے،

اسی لیے میں نے محمود (قاصد قاضی صاحب) کو روک لیا ہے“۔^{۱۹}

لیکن نواب نے جلد ہی جواب ارسال کر دیا، جو حضرت منظر رح نے میاں محمود کے ذریعے

قاضی صاحب کے پاس پانی پت میں بھیج دیا،^{۱۲۱} اس موقع پر میاں محمود نے راستے میں ضرورت سے زیادہ دیر کر دی، جو ان دونوں بزرگوں کو ناگوار اور تشویش انگیز محسوس ہوئی،^{۱۲۱} اور پھر حیب نواب کا یہ حکم نامہ مقامی اہل کاروں کو دکھایا گیا تو ان پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا، اس لیے قاضی صاحب نے نواب کی خدمت میں مکرر عرضداشت لکھ بھیجی۔ جس کے جواب میں نواب مختار نے شیخ جان محمد سورتی کے نام پر روانہ (حکم) جاری کیا۔^{۱۲۲} معلوم ہوتا ہے کہ اس آخری ذریعے سے قاضی صاحب کا مسئلہ حل ہو گیا۔

قلعہ داری کی سند بنام قاضی صاحب

اسی صوبے دار کے دور حکومت میں قاضی صاحب کو پانی پت کا قلعہ دار بنانے کی تجویز ہوئی جو قاضی صاحب کی پانی پت سے عدم موجودگی کے باعث زیر عمل نہ آسکی۔ اس تجویز اور سرکاری حکم نامے کی اطلاع دیتے ہوئے حضرت مظہر رحمت نے قاضی صاحب کو لکھا:

”پانی پت کے قاصد نے پانی پت کے شرفا کا خط پہنچایا جو رائے کیول رام اور لالہ ہر پر شاد کی وساطت سے نواب کی نظروں سے گذرا۔ ان دونوں باپ بیٹوں نے وہاں کے حالات اور آپ کے اوصاف جمیلہ نواب کی خدمت میں مفصل طور پر بیان کیے۔ نواب نے خوش ہو کر پانی پت کی قلعہ داری کی سند آپ کے نام جاری کر دی۔“^{۱۲۳}

مغل انتظامیہ میں قلعہ دار کو انتظامی اور سیاسی اعتبار سے بڑی اہمیت حاصل ہوتی تھی، وہ ایک طرح سے علاقے کا حاکم اور مقامی حکمران و منتظم ہوتا تھا، اسے محدود تعداد میں جاگیر دی جاتی تھی اور فوج رکھنے کی اجازت بھی حاصل ہوتی تھی۔ اس پس منظر میں قاضی صاحب کے نام قلعہ داری کی سند کا اجرا ان کی دیانت داری، ذمہ داری اور انتظامی صلاحیتوں کا بھرپور

^{۱۲۱} کتاب مذکور، ص ۱۲۶، م ۹۷

^{۱۲۰} قریشی، ص ۱۳۱، م ۹۵

^{۱۲۲} کتاب مذکور، ص ۱۳۸، م ۹۳

^{۱۲۳} کتاب مذکور، ص ۱۷۳، م ۱۱۷

اعتراف تھا۔

مگر شومی قسمت سے جب یہ حکم نامہ پانی پت پہنچا تو مقامی چوہدریوں (محمد خلیل اللہ اور امر اللہ) نے جواب میں لکھ بھیجا کہ قاضی صاحب کسی کام سے کیرالہ تشریف لے گئے ہیں جب کہ سابق قلعہ دار بہادر سنگھ جنگ کے لیے مستعد ہے۔ نواب نے دوبارہ یہ حکم سونی پت کے عامل (قلعہ دار) شیوانا تھ کے ذریعہ پانی پت ارسال کیا۔ ابھی اس دوسرے حکم نامے کا جواب موصول نہ ہوا تھا کہ سردار بھولا نا تھ اپنے سکھ ہمراہیوں کے ساتھ دربار نواب میں پہنچ گیا اور پرگنہ پانی پت کی قلعہ داری کے عوض ایک خطیر رقم دینے کی پیش کش کی ۱۲۵ھ معلوم ہوتا ہے نواب نے یہ پیش کش قبول کر لی اور سابقہ حکم منسوخ کر دیا۔

اگرچہ حضرت مظہر رح نے قاضی صاحب کی پانی پت میں عدم موجودگی پر اظہارِ تاسف کیا ہے ۱۲۶ھ جس سے گمان گزرتا ہے کہ شاید قاضی صاحب اپنی عدم موجودگی کے باعث اس اعزاز کے حصول سے محروم رہے۔ لیکن اس کے برعکس ہمارا خیال یہ ہے کہ قاضی صاحب نے دانستہ طور پر اس منصب کے قبول کرنے سے احتراز کیا۔ کیونکہ "قلعہ دار" کا یہ منصب خالصتاً ایک دنیوی منصب ہے اور کسی ایسے دنیوی منصب کے ساتھ فقر و سلوک کو نباہنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

نواب مختار ہی کے زمانے میں حضرت مظہر جانِ جاناں کی شہادت کا واقعہ پیش آگیا۔ یہ ۱۰ محرم ۱۱۹۵ھ کا واقعہ ہے۔ اس طرح ان کے گراں قدر مکتوبات کی صورت میں ہمارے پاس معلومات کا ایک اہم اور واقع ترین ماخذ ختم ہو گیا۔ گو قاضی صاحب کا دورِ قضا اس کے بعد بھی جاری رہا۔

غیر مسلم حکومت کا زمانہ

پانی پت پر غیر مسلموں کے غلبہ و تسلط کی مثالیں اگرچہ اس سے پہلے بھی ملتی ہیں مثلاً ۱۱۷۵ھ/۶۱ء میں مرہٹہ افواج نے ابدالی کی آمد سے پہلے ہی پانی پت پہنچ کر اس پر قبضہ

۱۲۶ھ ایضاً

قریشی، ص ۱۳۸، م ۹۲

جمایا تھا اور اس میں قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئی تھیں، جب کہ ان کی افواج پانی پت اور رسالو کے درمیان پھیلی ہوئی تھیں۔ مگر پانچ ماہ کی شدید لڑائی (تیسری جنگ پانی پت) کے بعد وہ یہ علاقہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے تھے۔^{۱۲۷} اسی طرح نواب مختار خاں کے زمانے میں پانی پت کا قلعہ دار ایک سکھ تھا اور قاضی صاحب کی تجویز منسوخ ہونے کے بعد بھی سکھوں ہی کو یہاں کا قلعہ دے دیا گیا تھا۔ مگر یا تو یہ قبضے عارضی نوعیت کے تھے یا ان پر مسلم حکومت کی بالادستی قائم تھی۔ جب کہ بعد میں اس سے وسیع تر تبدیلی عمل میں آئی۔

پانی پت کی تیسری جنگ نے گو وقتی طور پر مرہٹوں کی فوجی قوت کو مفلوج کر دیا تھا، مگر یہ قوم بڑی سخت جان واقع ہوئی تھی اور اس نے اگلی دو دہائیوں میں دوبارہ طاقت حاصل کر کے دہلی کے دروازے پر دوبارہ آدستک دی۔ شاہ عالم ثانی کی دہلی آمد (۱۷۷۲ء) کے بعد نواب نجف خاں اور ضابطہ خاں کے مابین جو حصول اقتدار کی جنگ لڑی گئی، اس نے ایک طرف دہلی کی مرکزیت کو نقصان پہنچایا تو دوسری جانب ان امر کو مجبور کیا کہ وہ مرہٹوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائیں۔ نواب نجف خاں کے بعد جب افراسیاب خاں امیر الامرا مقرر ہوئے تو اس نے مرہٹہ دوستی کے تمام پچھلے ریکارڈ توڑ دیے اور اس نے شاہ عالم سے بزور "زر و چماپوسی" ماد صوبی سندھیا کے لیے سلطنت دہلی کے "دکیل مطلق" کا عہدہ حاصل کر لیا اور خود اس کا نائب بن بیٹھا۔^{۱۲۸} اس طرح مرہٹے خون خرابے اور جنگ کے بغیر "مرکز سلطنت" پر قابض ہو گئے۔^{۱۲۹}

معلوم ہوتا ہے کہ پانی پت بھی اسی زمانے یعنی نواح ۲-۱۲ھ (۱۷۷۸ء) میں مرہٹوں کی تحویل میں آ گیا تھا، تاہم قاضی صاحب کے ایک مکتوب سے واضح ہوتا ہے کہ مرہٹوں سے پہلے یہاں کچھ عرصہ سکھ بھی قابض رہے۔ آپ لکھتے ہیں:

"پہلے بھی اسلام ہندوستان میں مدت سے کمزور رہا ہے، ایک زلزلے تک

^{۱۲۷} کرنال ڈسٹرکٹ گزیٹیئر، ص ۲۰ تا ۲۲

^{۱۲۸} ولیم ٹامس بیل: مفتاح التواریخ، ص ۳۶۔

^{۱۲۹} بشیر الدین: واقعات دارالحکومت دہلی، ۱: ۶۶۹-۶۷۱

روافض کی وکالت اور پھر سکھوں کا دن کا فساد رہا اور تقریباً دس سال سے
یہاں مرہٹوں کا تسلط ہے۔^{۱۳۱}

ہمارے خیال میں قاضی صاحب کی بیان کردہ یہ مدت تخمیناً ہے (یہ مکتوب ۱۲۱۶ھ میں
لکھا گیا، اس حساب سے مرہٹہ اقتدار کے آغاز کا زمانہ ۱۲۰۶ھ ہے)۔ کیونکہ کرنال ڈسٹرکٹ
گزیٹیئر میں بتایا گیا ہے کہ ۱۲۰۲ھ (۱۷۸۷ء) میں مشہور فرانسسی جرنیل سومرو^{۱۳۱} کی دیسی بیگم
بیگم سومرو، جو ایک مشہور مرہٹہ کمانڈر تھی، پانی پت میں مقیم رہ کر سکھوں کے خلاف برسر جنگ تھی۔^{۱۳۱}

قاضی صاحب مرہٹوں کی ملازمت میں

قاضی صاحب سمیت تمام مفسرین اور فقہاء اس بارے میں متفق ہیں کہ بوقت ضرورت
غیر مسلم حکومت کے تحت فرائض منصبی بجالائے جاسکتے ہیں۔^{۱۳۳} چنانچہ پانی پت میں مرہٹہ
اقتدار قائم ہونے کے بعد یہی صورت حال پیدا ہو گئی تھی، اب اگر قاضی صاحب اپنے عہدے
سے مستعفی ہوتے ہیں تو اس سے مقامی مسلم تنظیم اور عدل و انصاف کے ڈھانچے کو نقصان
پہنچتا ہے اور اگر اپنے منصب پر بحال رہتے ہیں تو غیر مسلم حکومت کی ماتحتی میں کام کرنا پڑتا
ہے۔ قاضی صاحب نے علاقے کے مصالح کے تحت مؤخر الذکر صورت کو اختیار فرمایا، کیونکہ
ملکی صورت حال کے پیش نظر مرہٹے مسلمانوں کی اندرونی تنظیموں اور عدالتی نظام سے تعارض
نہیں کرتے تھے۔

جیسا کہ سطور بالا میں گذرا۔ نواب نجف خان کے انتقال کے بعد پانی پت اور دہلی
پر مرہٹہ اقتدار قائم ہو گیا تھا۔ پانی پت میں سب سے پہلی مرہٹہ منتظم "بیگم سومرو" نامی ایک

^{۱۳۱} لوائح خانقاہ مظہریہ، ص ۲۳۹-۱۷۵

^{۱۳۲} دیکھیے پولیمیر۔ ص ۱۰۹-۱۱۳۔ قدرت کی ستم ظریفی دیکھیے کہ جس کمانڈر نے بے شمار معرکے
سریکے تھے، وہ اپنی بیگم کے ہاتھوں بڑی طرح مار کھا گیا۔ بیگم سومرو اپنے خاوند کو قتل کر کے
اس کی تمام جاگیر اور فوج پر قابض ہو گئی۔ (مفتاح التواریخ، ص ۳۵۷)۔

^{۱۳۳} کرنال ڈسٹرکٹ گزیٹیئر، ص ۲۳ ^{۱۳۳} تفسیر مظہری، ۵: ۱۳۱ وغیرہ۔

مرہٹہ خاتون تھی، جس نے ایک فرانسیسی کمانڈر "سومرو" سے شادی کر کے، بعد ازاں اسے قتل کر دیا تھا اور اس کی تمام جاگیر پر متصرف ہو گئی تھی۔ بیگم سومرو کا یہاں ۱۲۰۲ھ سے ۱۲۱۲ھ تک اقتدار رہا۔^{۱۳۳}

اس زمانے میں یعنی ۱۲۰۲ھ کے لگ بھگ مولوی نعیم اللہ بیڑا پٹی نے بھی پانی پت کا دورہ کیا تھا، ان کا کہنا ہے کہ اس وقت وہاں مرہٹہ اقتدار مستحکم تھا۔^{۱۳۴}
مرہٹہ اقتدار کے تحت کام کرنے کا قاضی صاحب کا یہ پہلا تجربہ تھا۔ تاہم وہ اس لیے مطمئن تھے کہ مرہٹے مقامی معاملات میں زیادہ تفرق نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ وہ ایک تحریر میں فرماتے ہیں:
"ہر چند کہ (مرہٹہ اقتدار کے نتیجے میں) دنیوی طور پر کوئی تکلیف نہیں ہے، لیکن رسوم کفریہ کا ظہور اور مسلمانوں کی مغلوبی، درویشوں کو بہت پریشان رکھتی ہے۔"^{۱۳۵}

مولوی نعیم اللہ بیڑا پٹی اس زمانے کی شہادت یوں پیش فرماتے ہیں:
"راقم سطور یہ عرض کرتا ہے کہ اس قسم کے احکام شریعت کا نفاذ و اجرا جو قاضی صاحب کی وجہ سے باوجود کفار مرہٹہ کے تسلط کے، پانی پت میں نظر آتا ہے، فی الوقت کسی اور اسلامی ملک میں موجود نہیں ہے۔"^{۱۳۶}

اس طرح مقامات مظہری کی تصنیف (۱۲۱۱ھ / ۱۷۹۶ء) کے وقت بھی وہ پانی پت کے منصبِ قضا پر متمکن تھے، کیونکہ شاہ صاحب ان کے منصبِ قضا کا ذکر صیغہٴ ماضی میں نہیں بلکہ صیغہٴ حال میں کرتے ہیں۔^{۱۳۷}

مرہٹوں کے دورِ اقتدار میں قاضی صاحب کی منصبِ قضا پر بحالی دراصل اس پس منظر میں تھی کہ مرہٹہ سرداروں نے اجمعی تک مصلحت کا لبادہ اوڑھا ہوا تھا، اسی بنا پر وہ دہلی کے مغل شہنشاہ سے لے کر مقامی انتظامیہ اور عدلیہ تک کو گوارا کرنے پر مجبور تھے۔

^{۱۳۳} کرنال گزیئر، ص ۲۲-۲۳، مفتاح التواریخ، ص ۳۵۷۔

^{۱۳۴} بشارات مظہریہ، قلمی، ورق ۱۲۷ اب ^{۱۳۵} لوائح، ص ۲۳۹۔

^{۱۳۶} بشارات مظہریہ، قلمی، ورق ۱۲۷ اب ^{۱۳۷} مقامات مظہری، ص ۷۷-۷۸۔

اختتام

قاضی صاحب نصف صدی سے زیادہ عرصے تک مسندِ قضا کو زینت دینے کے بعد بالآخر وفات سے کچھ عرصہ قبل اس منصب سے از خود سبکدوش ہو گئے تھے، اس وقت ان کی عمر اسی سال کے قریب ہو چکی تھی۔

مسندِ قضا پر فائز ہونے کی طرح قاضی صاحب کی علیحدگی کی تاریخ کا بھی ٹھیک ٹھیک تعین کرنا دشوار ہے۔ تاہم اتنا یقینی ہے کہ وہ ۱۳۱۶ھ (۱۹۰۱ء) تک اس عہدے پر برقرار تھے، کیونکہ ۱۳۱۶ھ اسی سال انھوں نے اپنے دوست اور شاگرد اخوندزادہ ملا نسیم کو ایک خط تحریر کیا تھا جس سے مسندِ قضا پر ان کی موجودگی کا تاثر ملتا ہے، لیکن وصیت نامے کی تحریر کے وقت جو ۱۳۲۰ھ (۱۹۰۵ء) یا اس کے بعد تحریر کیا گیا۔ وہ اس منصب سے سبکدوش ہو چکے تھے۔ ^{۱۳۱۶ھ} گمان غالب یہ ہے کہ اس علاقے میں انگریزوں کی آمد (۱۳۱۸ھ/۱۹۰۳ء) اور ان کے تسلط کے نتیجے میں دور رس تبدیلیاں واقع ہوئیں، ان کے نتیجے کے طور پر قاضی ثناء اللہ نے منصبِ قضا سے علیحدگی اختیار فرمائی تھی۔

خصوصیات

قاضی ثناء اللہ صاحب نے نصف صدی سے زیادہ عرصے تک ایک انتہائی محاسن علاقے میں "فرائض قضا" انجام دیے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ قاضی صاحب نے اس منصب کے ذریعے علاقے کے عوام کو کس حد تک مستفید کیا اور ذاتی طور اس سے کیا فوائد و ثمرات حاصل کیے ہم اس دورِ قضا کی خصوصیات کو آسانی کے لیے حسبِ ذیل اصناف میں بیان کر سکتے ہیں۔

۱۳۹۹ھ لوائحِ خالقہ مظہریہ،

۱۴۰۰ھ وصیت نامہ میں انھوں نے اپنے منصبِ قضا پر تعیناتی کا ذکر ماضی کے صیغے میں کیا

ہے (کلماتِ طیبات، ص ۱۵۴-۱۵۸)۔

۱۔ ذاتی طور پر حاصل ہونے والے فوائد

قاضی صاحب کو منصبِ قضا پر فائز ہونے کے نتیجے میں اولاً تو معقول مشاہرہ حاصل ہوتا رہا۔ اگرچہ جزوی طور پر اس میں تعطل ضرور ہوا، لیکن مجموعی طور پر منصبِ قضا ان کے لیے معاشی کفالت کا ذریعہ بنا۔ علاوہ ازیں قاضی ہونے کی حیثیت سے انھیں علاقے بھر میں عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ بقول مولوی نعیم اللہ بہر پانچھی "ان کا وقار و دبذبہ لوگوں کے دلوں پر موثر طور پر موجود تھا۔" ۱۴۱ھ

اس عزت و حرمت اور وقار و دبذبے کی بڑی وجہ قاضی صاحب کی امانت و دیانت تھی۔ وصیت نامے میں فرماتے ہیں:

"اسی عمل (عدم طمع) کی وجہ سے نہ صرف مسلمانوں بلکہ ہندوؤں میں سے بھی جس نے ملاقات کی، میری عزت کی اور ملاقات کو غنیمت جانا۔" ۱۴۲ھ

یہ اسی عزت اور وقار و دبذبے کا نتیجہ تھا کہ بلا طلب و سوال، محض دو ہندو باپ بیٹوں کی گواہی پر نواب مختار نے ان کے نام قلعہ داری کی سند جاری کر دی تھی۔

ب۔ دو ٹوک فیصلے کی صلاحیت

منصبِ قضا پر ان کی سرفرازی کا ایک اثر یہ بھی تھا کہ ان میں دو ٹوک فیصلہ کرنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی۔ اس کا اثر ان کی تصانیف میں بھی نمایاں طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی تحریروں میں اغلاق و ابہام کے بجائے صاف گوئی اور قطعیت پسندی کا رجحان بہت نمایاں اور موثر ہے۔

پھر چونکہ منصبِ قضا کا تعلق زیادہ تر فقہ اور مسائل فقہ سے تھا اس بنا پر ان کو ان موضوعات پر بکثرت کتابوں اور رسائل کے مطالعہ کرنے کا موقع ملا اور پھر احکام فقہیہ

کے عملی اثرات کو جانچنے اور ان کا مشاہدہ کرنے کے مواقع بھی ان کو حاصل رہے۔ اس بنا پر ان میں نہ صرف ایک فقیہ اور مفتی بننے کی صلاحیت پیدا ہوئی بلکہ اس صورت حال نے ان کو فقیہ مجتہد کے جلیل القدر مرتبے پر پہنچا دیا۔ ان کی ان صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ ان کی متعدد تصانیف بالخصوص تفسیر منظہری میں دیکھنے میں آتا ہے۔ علاوہ ازیں مسائل فقہ کے مطالعے نے ان کو احادیث نبویہ کے فہم و مطالعے کا موقع بھی فراہم کر دیا۔ چنانچہ ان میں "تفہم فی الدین" کی صلاحیت بھرپور طریقے سے نمایاں ہوئی۔

ج۔ خدمتِ خلق کا جذبہ

مزید براں منصبِ قضا نے ان میں خدمتِ خلق کا محض جذبہ ہی پیدا نہیں کیا بلکہ اس کا پورا پورا موقع بھی فراہم کیا۔ چنانچہ انھوں نے ارشاد نبوی سید القوم خادمہم (قوم کا سردار ان کا خادم ہوتا ہے) کے مصداق خود کو ہمیشہ خادم قوم جانا اور خادم عوام کے طور پر پیش کیا۔ چنانچہ وصیت نامے میں فرماتے ہیں:

"اور علاقے کے بکثرت لوگوں کے ساتھ میں نے کوئی نہ کوئی بھلائی ضرور کی

ہے... اسی بنا پر اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم سے مجھے مغفرت کی امید اور توقع

ہے۔ اس منصب سے میری اصل نیت یہی تھی"۔^{۱۲۳}

حضرت مظہرؒ کے نام اپنے ایک مکتوب میں چار مخالفین کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"ان چار افراد کے سوا پانی پت کے تمام لوگ بفضلہ تعالیٰ نہ صرف

مجھ سے خوش بلکہ میرے احسان مند ہیں"۔^{۱۲۴}

چنانچہ خدمتِ خلق کے جذبے کی بنا پر ہی قاضی صاحب لوگوں کو اپنے پاس طلب

کرنے کے بجائے بذاتِ خود مختلف دیہاتوں اور قریہ جات کے دورے فرماتے تھے تاکہ

اہل علاقہ کو بروقت انصاف مہیا ہو سکے۔^{۱۲۵}

^{۱۲۳} وصیت نامہ، ذرکلمات طببات، ص ۱۵۶

^{۱۲۴} نواح، ص ۵۶-۵۷ م-۱۵

^{۱۲۵} ایضاً

د۔ مصلحت دینی کا مصلحت دنیوی پر تقدم

قاضی ثناء اللہ صاحب کے دورِ قضا کی ایک اور نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے ہمیشہ دینی تقاضوں کو دنیوی امنگوں اور دنیوی خواہشوں سے مقدم رکھا۔ کسی موقع پر بھی طمع و آرز میں مبتلا نہیں ہوئے۔ اسی بنا پر وصیت نامہ میں اپنے اہل خاندان کو تاکید فرماتے ہیں:

”یہ (یعنی علاقے میں میری عزت و حرمت) اس بات کی دلیل ہے کہ جو

شخص دینی مصلحت کو دنیوی مصلحت پر مقدم رکھتا ہے، دُنیا بھی اس سے برگشتہ نہیں ہوتی، پس میری اولاد میں سے اگر کوئی شخص قضا کی دُنیا میں قدم رکھے تو اسے چاہیے کہ اس منصب کے ذریعے ناحق طمع و لالچ نہ کرے۔“^{۱۲۶}

اپنی اس حق پسندی اور عدم طمع کے باعث وہ بعض لوگوں کے ہاں ”معتوب“ بھی ٹھہرے، مگر اپنے اصولوں پر اس قدر مستقل مزاج تھے کہ مخالفت کا کوئی طوفان بھی انھیں راہِ راست سے نہ ہٹا سکا، اپنی مخالفت پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنے استاد و مرئی کو لکھتے ہیں:

”اور قاضی اگر دین دار ہے تو اسے کلمہ حق کتنا ہی پڑتا ہے، اس لیے

کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمَنْ لَّمْ يُحِمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ

هُمُ الْكٰفِرُونَ۔۔۔۔۔ یعنی جو کوئی حکم خداوندی کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا،

تو ایسے لوگ ہی کافر ہیں۔ اگر کوئی شخص شریعت کے کسی حکم پر مجھ سے

ناراض ہے تو یہ اس کے ضعفِ ایمانی کی دلیل ہے اور میں اس پر مجبور ہوں۔“^{۱۲۷}

چنانچہ نصف صدی سے زیادہ عرصے پر پھیلے ہوئے منصب قضا کے اس دور

میں انھوں نے ہزاروں فیصلے تحریر کیے، سینکڑوں مقدمات کے فیصلے سنانے مگر

مخالفین ان کے کسی فیصلے پر بھی انگشت نمائی نہ کر سکے۔ ان کی سیرت و کردار کا یہ پہلو

ان کی مجتہدانہ بصیرت اور بزرگانہ مستقل مزاجی کا ثبوت بولتا ثبوت سے

س: نرمی اور مہربانی کا سلوک

قانون اور حدودِ شرع میں رہتے ہوئے جہاں تک ممکن ہوتا، وہ اہلِ علاقہ کے لیے نرمی اور شفقت کا برتاؤ کرتے۔ اوپر گزر چکے ہیں کہ ایک سال ان کے زیر انتظام علاقے (ہتاری یا ہرتاری) میں خشک سالی کے باعث پوری فصل حاصل نہ ہو سکی تو انھوں نے اس سال سرکاری محصول وصول نہیں فرمایا، اسے آئندہ سال تک کے لیے موقوف کر دیا۔ ان کی جگہ اگر کوئی اور حاکم ہوتا تو قطعاً اہلِ علاقہ کی مجبوری اور بے کسی کا لحاظ نہ کرتا اور کسی نہ کسی طرح سرکاری رقم پوری کر لیتا، مگر قاضی صاحب فطرتاً رحم دل اور مہربان طبع واقع ہوئے تھے۔ لہذا انھوں نے اہلِ علاقہ پر کسی طرح بھی جبر نہیں کیا۔ علاوہ ازیں حضرت منظر رحم نے ان کے نام جو سفارشی خطوط تحریر فرمائے (جن میں سے بعض ہم اوپر نقل کر آئے ہیں) ان سے بھی ان کی نرم مزاجی، مہربان طبیعت اور حق پسندی کا بخوبی اظہار ہوتا ہے۔

ص: انسدادِ رشوت ستانی

ان کے عہدِ قضا کی ایک نمایاں خصوصیت اپنے زیر انتظام علاقے سے رشوت کا مکمل خاتمہ ہے۔ جب کہ ان کے زمانے میں رشوت کا ہر سطح پر دور دورہ تھا۔ بقول خانی خان سید عبداللہ جیسا امیر الامرا بھی رشوت ستانی میں بدنام تھا۔^{۱۲۸} اور خود مذہبی لوگوں اور مذہبی عہدے داروں کا یہ حال تھا کہ دہلی کا صدر الصدور قاضی احمد اللہ کی بطور قاضی تقرری کے سلسلے میں واضح لفظوں میں رشوت کا طلب گار ہوتا ہے۔ حضرت منظر نکھتے ہیں:

”مولوی احمد اللہ کے نام سندِ قضا مل جائے گی، لیکن صدر الصدور کو کچھ

دینا پڑے گا۔ اس کی تدبیر بھی ضروری ہے۔“^{۱۲۹}

^{۱۲۸} منتخب اللباب، ۲: ۹۴۱۔ بذل سنہ ۱۱۳۴ھ۔ ^{۱۲۹} مکاتیب (قریشی)، ص ۱۰۳۔ ۱۰۴

لیکن اسی بگڑے ہوئے ماحول میں قاضی صاحب نے نہ صرف یہ کہ خود کو اس لعنت سے دور رکھا بلکہ اپنے پورے محکمے کو اس لعنت سے نجات دلادی، ان کا ماتحت عملہ کسی قسم کی رشوت لینے کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ ان کے دوست شاہ غلام علی دہلوی لکھتے ہیں:

” ایک مرتبہ انھیں اپنے اس خادم کے بارے میں جو ان کی مہر رکھتا تھا۔ پتا چلا کہ اس نے کسی سے کچھ رشوت وصول کی ہے۔ اسی وقت اس کو سزا دی اور جو کچھ اس نے وصول کیا تھا واپس کرایا۔ ان کے بارے میں یہ واقعہ خوب مشہور ہوا۔ اس طرح منصب قضا کی ذمہ داریاں ادا کرنا کچھ ان ہی کا خاصہ ہے۔“ ۱۵۱

اس کے بعد ہمیشہ وہ اپنی مہر اپنے پاس رکھتے تھے اور جہاں مہر لگانا ہوتی خود لگاتے تھے، مولوی نعیم اللہ بیڑا پچی تحریر فرماتے ہیں:

” اور کبھی بھی وہ اپنی مہر قضا اپنے سے جدا نہ کرتے تھے اور نہ کسی آدمی کے حوالے کرتے تھے، خواہ وہ ان کا اپنا بیٹا یا عزیز ہی کیوں نہ ہو۔ اس مہر کو وہ ہمیشہ کپڑے میں چھپا کر۔ مکر پر باندھ کر رکھتے تھے تاکہ کوئی شخص کسی تدبیر سے اس پر متصرف نہ ہو سکے۔“ ۱۵۱

اسی پس منظر میں انھوں نے اپنے استاد و مربی حضرت مظہر کو تحریر فرمایا تھا:

” بندہ نواز! بندہ شرعی مقدمات میں کسی کو بھی دخل اندازی کا موقع نہیں دیتا اور نہ کسی پر اعتماد کرتا ہے۔“ ۱۵۲

ط۔ سوانح نگاروں کے بیانات

ان کے تمام سوانح نگاروں نے ان کی انصاف پسندی، عدل پروری اور حق گوئی اور حق نویسی کی تعریف کی ہے، حضرت شاہ غلام علی دہلوی جو بعد کے تمام سوانح نگاروں

۱۵۱ مقامات مظہری، ص ۷۷، ۱۵۱ بشارات مظہری، ق، ورق ۱۲۷، اب

۱۵۲ سوانح، ص ۵۶، م ۱۵

کے لیے بنیادی ہیں، تحریر فریہ فرماتے ہیں:

”اور آپ اس منصب کا حق، جیسا کہ چاہیے، ویسا ہی ادا فرماتے ہیں اور نا عاقبت اندیش قاضیوں میں مروجہ رسوم و عادات میں سے کوئی عادت بھی آپ میں نہیں پائی جاتی۔“ ۱۵۳

اس سلسلے میں سب سے مفصل اور سب سے مستند گواہی مولوی نعیم اللہ بیڑاچی (م ۱۲۱۸ھ) کی ہے، جنہوں نے ۱۲۰۳ھ میں پانی پت کا سفر کیا تھا اور چالیس روز قیام کر کے علاقے کے حالات کا پچشم خود مشاہدہ کیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں:

”آپ کی اپنے اوقات شریفہ میں منصب قضا کی بجا آوری شریعت و طریقت کے لیے مدد و معاون ہے، لہذا آپ کے استعفادینے کے قصد کے باوجود حضرت مظہر نے آپ کو منصب قضا چھوڑنے کی اجازت نہ دی تاکہ عوام الناس جو خواہشات اور بدعات کی تاریکیوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ اس ماہ شریعت اور آفتاب طریقت (قاضی صاحب) کے فیوض و برکات سے محروم نہ رہیں۔ فقیر راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اس طرح احکام شریعت کا نفاذ و اجرا، جو ان کی وجہ سے، باوجود کفار ہٹہ کے غلبہ کے، قصبہ پانی پت میں موجود ہے، دوسرے اسلامی ممالک میں بالفعل موجود نہیں ہے۔ اس طریقے سے منصب قضا کے تقاضوں کو پورا کرنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے، اس لیے یہ اعتراض کہ منصب قضا صوفی کے مسلک و مشرب کے منافی ہے، ان پر وارد نہیں ہوتا۔ راقم نے چالیس دن ان کی خدمت اور صحبت میں پانی پت میں رہ کر گزارے ہیں۔ ان چالیس دنوں میں میں نے ان کے حکم کا نفاذ اور ان کا وقار و دیدہ لوگوں کے دلوں پر موثر پایا ہے۔“ ۱۵۴

۱۵۳ مقامات، ص ۷۷، نیز اتحاق النبلاء، ص ۲۴۰؛ حدائق الحنفیہ، ص ۴۶۶

۱۵۴ بشارات مظہری، ق، ورق ۱۴۷ ب۔

تصنیف و تحقیق

۱۱/۱۱/۲۰۲۲

”قاضی محمد ثناء اللہ صاحب نے پینتالیس کے قریب کتابیں تصنیف کی ہیں، جن میں تفسیراً منظرہ جیسی مبسوط تصنیف سے لے کر متعدد چھوٹے چھوٹے علمی رسائل شامل ہیں، اس اعتبار سے ان کا شمار بیارنویس مصنفین میں ہوتا ہے، جنہوں نے بہ یک وقت کئی علمی موضوعات پر قلم اٹھایا اور دادِ تحقیق دی۔“

قاضی صاحب کی ہر کتاب نہایت علمی و مذہبی مقام کی حامل ہے، کوئی کتاب یا رسالہ بھی محض مصنف بننے کے شوق میں نہیں لکھا گیا۔ ان کی تصنیفی خصوصیات حسب ذیل ہیں جو مختلف ذیلی عنوانات کے تحت بیان کی جا رہی ہیں۔

وسیع مطالعہ

قاضی صاحب نے اپنے عہد کے نہایت اونچے درجے کے اساتذہ (بالخصوص مرزا منظرہ، شاہ ولی اللہ اور شیخ محمد فخرؒ محدث) سے تعلیم حاصل کی تھی۔ اس پر مستزاد ان کے وسیع مطالعے کی عادت تھی، جس کا اندازہ دورِ طالبِ علمی میں ڈیڑھ سو یا ساڑھے تین سو کتب کے مطالعے سے ہوتا ہے۔ رفتہ رفتہ مطالعے کی یہ عادت ان کی فطرتِ ثانیہ بن جاتی ہے۔ کسی وقت مطالعے کے لیے کتاب موجود نہ ہوتی تو وقت گزارنا مشکل ہو جاتا، چنانچہ اپنے ایک مکتوب کے آغاز میں لکھتے ہیں:

”فقیر ان دنوں قصبہ سونی پت میں ہے اور کوئی کتاب برائے مطالعہ

پاس موجود نہیں۔

اس اقتباس سے پتا چلتا ہے کہ وہ سفر میں بھی کتاب ساتھ رکھنے کے عادی تھے اور دورانِ سفر میں بھی مطالعے کے معمول میں تعطل واقع نہیں ہوتا تھا۔ علاوہ ازیں تفسیر مظہری کے ماخذ سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے گھر میں ایک وسیع کتب خانہ قائم کر رکھا تھا۔ پھر مرزا مظہرؒ نے بھی اپنا ذاتی کتاب خانہ بذریعہ وصیت ان کے حوالے کر دیا تھا۔ الغرض وسیع مطالعے کی اس عادت نے قاضی صاحب کی تصنیفی و تحقیقی زندگی میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔

منصب قضا سے وابستگی

پھر شعبہ قضا کی نوعیت بھی خالصتاً فقہی اور علمی تھی۔ اس شعبے میں میٹر کار کردگی کا مدار ہی وسعتِ مطالعہ اور گہرے غور و تدبیر پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس منصب پر ایک زمانے تک مجتہد علما کا تقرر کیا جاتا رہا۔ علاوہ ازیں منصب قضا سے وابستگی نے قاضی میں دو ٹوک فیصلے کی قوت پیدا کی اور انھیں براہِ راست عوام سے منسلک رکھا، اس کا بھی آپ کی تصنیفی زندگی پر اثر پڑا۔

مرزا مظہرؒ کے دامن سے وابستگی

حضرت مظہرؒ جانِ جاناں ایک عظیم پروردار شخصیت تھے۔ ان کی مخالفاً کو متعدد اہل علم کی سرپرستی اور تربیت کا شرف حاصل ہے، جن میں شاہ غلام علی دہلوی، سید نسیم اللہ بہرائچی اور مولانا غلام یحییٰ بھمدانی وغیرہ حضرات شامل ہیں۔ ان سب سے نمایاں قاضی صاحبؒ ہیں۔

حضرت مظہرؒ کے مکتوبات و بیانات قاضی صاحبؒ سے پتا چلتا ہے کہ مرزا مظہر ان کو تصنیف و تحقیق کے شعبے میں بھی مدد و ہم پختہ کیا کرتے تھے اور اپنے قیمتی مشوروں سے ان کی

۱۔ مکتب قاضی صاحبؒ، درکھات طبعات، نومبر ۱۹۵۰ء۔

رہنمائی کرتے تھے، چنانچہ ایک مکتوب میں قاضی صاحبؒ کو لکھتے ہیں:

”اور سیرۃ النبیؐ کی جو چار جلدیں (مجھ سے) طلب کی ہیں، ان میں سے

تین جلدیں میں نے محمدؐ عظیم کے سپرد کر دی ہیں۔ تیسری جلد عاریتاً چند دنوں کے

لیے میں نے اپنے پاس رکھ لی ہے، بوقت ملاقات آپ کے سپرد کر دوں گا۔

اس شرط پر کہ اس کی بعض چیزوں کا انتخاب فارسی زبان میں منتقل کر کے مجھے

دوگے، کیونکہ اتباع سنت کا اس سے بہتر کوئی وسیلہ نہیں ہے۔“ ۱

ایک اور مکتوب میں حسب ذیل طریقے پر تصنیف کتاب کی ترغیب دیتے ہیں:

”اور رسالہ ”متن خلاصہ السیر“ اس ترجمے سمیت جو شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ

نے کیا ہے، دونوں فقیر کے سامنے ہیں۔ فقیر اللہ کو دے کر بھیجا ہے۔ خدا تعالیٰ

پہنچانے والا ہے۔۔۔ اگر مکملہ شرح خلاصہ السیر لکھنے کا ارادہ ہو تو اپنے علم

کی شان پر نظر رکھتے ہوئے تمام کوششیں بروئے کار لائیے تاکہ وہ پہلی جلد

جلد کی طرح سنجیدہ ہو سکے۔“ ۲

ایک اور خط میں لکھتے ہیں:

”اور جیل الرشاد جو تمہاری مملوکہ ہے، عاریتاً میرے پاس ہے، بوقت

ملاقات تمہارے ہاں لے کر دوں گا، اس شرط پر کہ اس کے بعض ابواب کا فارسی

ترجمہ کر کے مجھے دو گے۔“ ۳

مرزا مظہر صاحب قاضی صاحب کی کتابوں کا بڑے شوق سے مطالعہ کرتے تھے اور

مناسب الفاظ میں حوصلہ افزائی بھی کرتے تھے، ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

”نفس قدسی و علوی مہربان۔۔۔“ خانصاحب قطع نظر اپنے کمالات

سے، آپ کے کمالات سے بھی بخوبی آگاہ ہیں، اور آپ کی تصنیفات میں

۱ دیکھیے کلمات طبیات، ص ۶۶، م ۷۹ ۲ مکاتیب (قریشی)، ص ۱۲۲، م ۸۳۔

۳ کتاب مذکور، ص ۱۲۳، م ۸۳۔ اس کے مصنف معروف سیرت نگار محمد بن یوسف

الصالحی الشامیؒ ہیں۔

سے "مسائل طریقہ" کا ایک نسخہ ان کے پاس تھا، میں نے بغرض استفادہ لیا۔ ایک اور نسخہ جو میاں محمد منیر صاحب کی لے پالک (صبیہ شریف) کے لیے آپ نے تیار کیا تھا، سنبھل کے سفر میں نظر سے گذرا، مبتدیوں کے لیے بہت مفید ہے۔ وہاں مجھے نقل کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ اگر اس کا مسودہ آپ کے پاس ہو تو ارسال کر دیں تاکہ اس کی نقل کروائی جاسکے؛ اور طوبار ہائے مسودہ رسالہ تصوف بمعرفت مولوی غلام علی وصول ہوئے، ان کے مسائل و مطالب سے آگاہی کا شرف پایا۔ ان مضامین کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے عظیم ہدیہ اور عطیہ سمجھنا چاہیے، مناسب ہو گا کہ آپ اپنی چھوٹی بڑی تمام تصانیف کو ایک جلد میں جمع فرمادیں اور عقلمند نہ کریں۔ ۱۵

جب قاضی صاحب نے ردّ شیعہ پر اپنی مشہور تصنیف "السیف المسلول" مرتب کی تو مرزا مظہرؒ نے لکھا:

"اور دستاویز سیف المسلول کا نسخہ جلد مجھے ارسال کر دیا جائے۔" ۱۶

قاضی صاحبؒ پر حضرت مظہرؒ کی پسندیدگی اور ان کی جانب سے جو صلہ افزائی کا بہت اثر ہوتا تھا، شاہ غلام علیؒ دہلوی کے نام اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

"بہر حال یہ اس لیے کہ جب تک حضرت مظہرؒ خدا تعالیٰ ان کا سایہ دراز کرے، کی نظر کیمیا اثر سے نہ گذرے، شان قبول و اعتماد حاصل نہیں کر سکتا۔" ۱۷

غرض حضرت مظہرؒ سے تعلق خاطر نے بھی قاضی صاحب کو تصنیف و تالیف کے میدان میں متاثر کیا، چنانچہ ان کی بہت سی تصانیف کے متعلق صراحت کی جاتی ہے کہ ان کی تدوین مرزا مظہرؒ کے حسب الارشاد عمل میں آئی۔ ۱۸

۱۵ کلمات طبیات، ص ۶۵، م ۷۹ ۱۶ مکاتیب (قریشی)، ص ۱۲۳، م ۸۳ -

۱۷ کلمات طبیات، ص ۹۷، م ۱ -

۱۸ دیکھیے تشریحات در مکاتیب مرزا مظہرؒ، مرتبہ قریشی، ص ۲۳۱ - ۲۳۳

تحریک تجدید و احیاء اسلام سے تعلق

پھر چونکہ قاضی صاحب اپنے اساتذہ اور مشائخ کے توسط سے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی برپا کردہ "تحریک تجدید و احیاء اسلام" سے اپنی ابتدائی عمر سے ہی وابستہ ہو گئے تھے، اور چونکہ اس تحریک کا اہم ترین مقصد "اعلاء کلمۃ اللہ" اور احیاء اسلام کے لیے کوششیں کرنا تھا اس لیے ان کو اس تحریک کے ایک مضبوط قائد کی حیثیت سے بھی تصنیف و تالیف کے شعبے کو سنبھالنا پڑا۔

قاضی صاحبؒ کو حضرت مجدد الف ثانی سے شدید قلبی عقیدت تھی، جس کا اظہار وہ اکثر مقامات پر کرتے ہیں۔ اس قلبی تعلق نے بیک وقت ان کو دو فکری و علمی محاذ سونپ دیے۔ ایک طرف ان کو حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تعلیمات اور اقوال پر کیے جانے والے اعتراضات کے جوابات لکھنے پڑے۔ چنانچہ اس حیثیت سے انھوں نے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے اعتراضات کے تحقیقی جوابات لکھے ہیں۔ دوسری طرف تحریک مجددی کے خلاف لوگوں کی پھیلائی ہوئی گمراہیوں اور فاسد رسوم و بدعات کا محاذ تھا، جس پر انھوں نے متعدد تصانیف مرتب کیں۔

افتاء و سوالات

مفیدہ سلطنت کے اس عہد میں اگرچہ اہل علم و ادب کی بڑی فراوانی تھی، تاہم قاضی صاحب کی شخصیت اس دور میں بہت نمایاں تھی، جس کا ثبوت وہ علمی نوعیت کے سوالات ہیں، جن کی تحقیق و تفتیش کے لیے اہل علم ان کی جانب رجوع کرتے تھے۔ حضرت منظرؒ باوجود اپنی جلالت قدر کے ان سے علمی و فقہی نوعیت کے سوالات پوچھتے رہتے تھے، مثلاً ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

شہ دیکھیے رسالہ احقاق دررۃ اعتراضات شیخ عبدالحق محدث دہلوی بر کلام مجددؒ وغیرہ۔

” اس مسئلے کو روایت فقہ کے مطابق لکھ کر ارسال کر دیں۔ کہ یہ آیا جائز ہے

یا نہیں؟ ”

مرزا مظہرؒ کے حلقے کے بعض اہم فیصلے قاضی محمد ثناء اللہ صاحب کی علمی رائے پر موقوف ہوتے تھے، بقول مرزا مظہرؒ:

” اور اسدخان کے ہنگامہ کرنے۔۔۔ کا قصہ معلوم ہو گیا ہوگا۔ اس

مقدمے کا بھی شہر میں آپ کے درود کے بغیر فیصلہ نہیں ہوگا۔ ”

ادویم، ہم یہ بیان کر آئے ہیں کہ دہلی کا صدر الصدوران سے ہر روز ملاقات کو باعث

سعادت سمجھتا تھا۔ ”

اس طرح حضرت مظہرؒ کے جانشین شاہ غلام علی دہلویؒ کے نام قاضی صاحبؒ کے

متعدد علمی مکتوبات دستیاب ہیں۔ یہ سب مکتوبات شاہ صاحبؒ کی جانب سے

پوچھے جانے والے بعض علمی سوالات کے مبسوط علمی جوابات پر مشتمل ہیں۔ آپ ایک

مکتوب میں فرماتے ہیں:

” چند روز پیشتر آپ کا گرامی قدر مکتوب برائے تحقیق مقامات مجددیہ

پہنچا۔ اس وقت فقیر کے پاس بخاری تھی، مگر فرصت نہ تھی، اس لیے جواب

دینے میں تاخیر ہو گئی۔ معاف فرمادیں۔ اب متواتر دو گرامی نامے اور پہنچے،

مجبوراً جو فقیر کی معلومات ہیں، ان کے مطابق جواب تحریر کر رہا ہوں۔ ”

اسی طرح قاضی صاحب کے دوسرے دوست اور پیر بھائی سید نعیم اللہ میرٹھاپوریؒ

کے نام ان کے متعدد مکاتیب ملتے ہیں، بعض قرآن سے پتا چلتا ہے کہ وہ بھی قاضی صاحبؒ

سے اس نوع کے علمی سوالات پوچھا کرتے تھے، چنانچہ قاضی صاحبؒ ان کے نام

ایک خط میں فرماتے ہیں:

۱۱۱، ص ۱۸۱، ۱۲۳ ۱۱۱، ص ۲۳، ۳۰

۱۱۲، ص ۱۲۲، ۶۰ ۱۱۱، ص ۱۰۵، ۱۰۶، ۲

"مشفق من مقام محمدی علی صاحبہا التحیہ والسلام کے بارے

میں متوجہ ہوں، خوب رہے گا۔" ۱۲۷

شیخ محمد قاضی کیرانہ بھی قاضی صاحب سے اس نوع کا علمی تعلق رکھتے تھے۔ چنانچہ کلمات طبیات کے مجموعے میں ان کے نام قاضی صاحب کے تین مکتوبات ملتے ہیں۔ یہ تینوں ان کے بعض علمی سوالات کے جوابات پر مشتمل ہیں، ایک خط میں فرماتے ہیں:

"دافع ہو کہ گرامی نامی بسلسلہ استفسار چند مسائل پہنچا، ان کے

جواب میں جو کچھ عقل ناقص میں آیا ہے حاضر خدمت ہے۔" ۱۲۸

ایک دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں:

"سلام سنت الاسلام کے بعد مطالعہ فرمائیں کہ آپ نے چند مسائل لکھے

تھے، ان میں سے بعض کے جوابات کو سابقہ مکتوب سے دریافت کیا

جاسکتا ہے۔" ۱۲۹

ان اہم قسم کے علمی سوالات کے علاوہ روزمرہ کے مسائل سے متعلق بھی قاضی صاحب

سے بکثرت سوال پوچھے جاتے تھے۔ چنانچہ تذکرہ نگاروں کا کہنا ہے کہ انہوں نے دیگر

امور کے علاوہ تمام عمر افتائے سوالات میں گزار دی امداتنے جوابات تحریر کیے جن کا

شمارہ شمار ہے ۱۳۰ ان کے یہ فتاویٰ ان کے نبیر سے قاضی عبدالسلام ابن مولوی وقی اللہ

بن قاضی صفوة اللہ نے ایک مجموعے میں جمع کر دیے ہیں۔ مگر افسوس کہ یہ اہم علمی تصنیف

ابھی تک مخطوطے کی شکل میں ہے۔ ۱۳۱

بہر حال آپ سے پوچھے جانے والے علمی سوالات بھی آپ کی تصنیفی زندگی میں اہم

کردار ادا کرتے تھے۔

۱۲۷ کلمات طبیات، ص ۱۳۱، م، ۱۳۱ کتاب مذکور، ص ۱۳۱ تا ۱۳۲، م، ۲۴

۱۲۸ کتاب مذکور، ص ۱۳۲، ۱۳۳ ابو محمد محمدی الاسلام، تعارف تفسیر منظر، ق، ص ۹-

۱۲۹ دیکھیے تشریحات در مکاتیب مرزا منظر، ص ۲۳۲-

منفرد علمی مقام

قاضی صاحب خود ایک علمی خاندان کے رکن اور بہت خلاق ذہن کے مالک تھے پھر اس معاشرے میں ہر نوع کی اخلاقی و اعتقادی گمراہیاں موجود تھیں، جنہیں دیکھ کر قاضی صاحب جیسا حق گو اور صاحبِ قلم عالم خاموش نہیں رہ سکتا تھا۔ پھر معاشرہ ان کی آواز پر گوش بر آواز بھی تھا۔ اس بنا پر ان کو اپنی زندگی میں ایک خاص ادب و احترام کا مقام حاصل ہو گیا تھا۔ ان کے تمام معاصرین ان کی یکساں طریقے پر قدردانی کرتے تھے۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے جو اس وقت دہلی کی علمی زندگی کے روح رواں تھے۔ قاضی صاحب کو "بیہقی وقت" کا اور مرزا مظہرؒ نے "علم الہدی" کا لقب دیا تھا، اس بنا پر بھی قاضی صاحب کو مختلف موضوعات پر قلم اٹھانا پڑا۔

اجبائے اجتہاد کے تقاضے

برصغیر پاک و ہند میں اجتہاد کا احیاء اور اجراء حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی کوششوں کا رہین منت ہے، جنہوں نے اجتہاد کی اہمیت اور ضرورت کے تحت اس کو فرض کفایہ قرار دیا۔ شاہ صاحبؒ عملی زندگی میں جس اجتہاد کو رواں دیکھنا چاہتے تھے، اس کا وسیع پیمانے پر اجراء قاضی صاحب کی اجتہادی مساعی سے ہوا۔ اس بنا پر ان کے تمام سوانح نگار اس بات پر متفق ہیں کہ ان کی تصانیف اجتہادی مساعی کا مظہر ہیں۔ شاہ غلام علی دہلوی فرماتے ہیں،

"علوم عقلیہ و نقلیہ میں مکمل تبحر رکھتے تھے، فقہ اور اصول فقہ میں درجہ
اجتہاد پر پہنچے ہوئے تھے۔" ۱۹

۱۹ دیکھیے شاہ ولی اللہ کی کتاب المسوی فی شرح الموطا نیز مقدمہ عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید۔

۲۰ مقامات مظہری، ص ۷۵۔ اتحاف النبلا، ص ۲۲۰۔

مولوی محمد حسن ترہٹی بیان کرتے ہیں -

” وہ فقیہ، اصولی، زاہد اور مجتہد تھے۔ ان کے فقہ میں مختلف مختارات“^{۲۱}

مفتی غلام سرور قادری تحریر کرتے ہیں -

” فقہ و اصول فقہ میں درجہ اجتہاد پر پہنچے ہوئے تھے۔ علوم عقلیہ و نقلیہ

اور کمالاتِ ظاہری و باطنی میں ممتاز ترین لوگوں میں سے تھے۔“^{۲۲}

بہر حال قاضی صاحب کی متعدد تصانیف مثلاً تفسیر منظرہ، مالابدمنہ، مختارات اور

الماخذ الاقوامی وغیرہ میں اجتہاد کی بہت سی مثالیں مل جاتی ہیں۔

عدم تعصب

ہندوستان میں صدیوں سے مسلک حنفی کی ترویج و اشاعت نے علما کے حلقوں میں

ایک خاص قسم کے مسلکی تعصب اور تنگ نظری کے جذبات پیدا کر دیے تھے، محدثین

کرام بالخصوص شیخ عبدالحق محدث دہلوی^{۲۱}، حضرت مجدد الف ثانی^{۲۲}، شاہ ولی اللہ

محدث دہلوی^{۲۳} اور مرزا مظہر جان جانا^{۲۴} وغیرہم کی کوششوں اور اشاعت سنت کی

کی تحریک سے اس تعصب میں اگرچہ نمایاں کمی ہو چکی تھی۔ تاہم اب بھی اس کی دبی دبی چنگاریاں

باقی تھیں۔ قاضی صاحب کا اس سلسلے میں عدم تعصب کا جذبہ ایک مثالی حیثیت رکھتا

ہے۔ چنانچہ ایک سوانح نگار لکھتے ہیں:

” ان کے کمالات و فضائل اس مختصر سی کتاب میں بیان کرنے کی گنجائش

نہیں رکھتے، تحقیق مسائل، انصاف پسندی، عدم تعصب اور اتباع دلیل

میں علمائے احناف میں سے شاید ہی کوئی عالم سرزمین ہند سے ان جیسا

پیدا ہوا ہوگا۔“^{۲۳}

قاضی صاحب کی یہ غیر متضبانہ شان تمام تصانیف میں پوری طرح نمایاں ہے،

^{۲۲} خزینۃ الاصفیاء، ص ۶۸۹

^{۲۱} الیابح الجنبی، ص ۶۷

^{۲۳} احناف النبلا، ص ۲۴۰

تفسیر منظری توخیر عربی دانوں کے لیے تصنیف کی گئی ہے، البتہ ان کی دیگر تصانیف، مثلاً مالا بدمنہ وغیرہ میں بھی، جو مبتدی طلبہ کے لیے لکھی گئی ہے۔ شانِ عدم تعصب پوری طرح واضح ہے۔ ۲۲

مہارتِ لسانی

قاضی صاحب عربی، فارسی اور ہندی و سنسکرت میں پوری مہارت رکھتے تھے اور یہی زبانیں اس وقت ہندوستان میں رائج تھیں۔ عربی و فارسی میں قاضی صاحب نے متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ ہندی زبان وہ بلا تکلف اپنی تحریروں میں استعمال کرتے تھے۔ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

ذوقِ شعری

قاضی صاحب شاعر نہ تھے، البتہ بہت اچھے شعر فہم تھے اور ان کی تصنیفات بالخصوص تفسیر منظری میں انھوں نے مختلف شعرا کے عربی اور فارسی کے بہت سے اشعار درج کیے ہیں۔ انھوں نے کچھ اشعار خود بھی کہے ہیں جو زیادہ تر حضرت مظہر کی شان میں ہیں۔ ان میں سے چند مدحیہ اشعار پر اہم کچھ میں مرثیہ نمایاں ہے۔ مرثیے کے چند اشعار حسب ذیل ہیں۔

آنحضرت میرزا سے مظہر	جانِ جاناں حبیب اللہ
شمس دیں بود قطب ارشاد	فرزندِ رشید حضرت شاہ
دروصفِ کمال او زبان لال	دستِ عقل و خیال کوتاہ
زا طرف جہاں مرید حق را	بدعبتہ حایش گذرگاہ
از دستِ نظیر ابن بلعم	زخم برداشت بر تمیگاہ
از حسب رسول یار غارش	کینہ نگر فتنہ زان علی جہاد

۲۲ تفصیل آئندہ صفحات میں آئے گی۔

آن شب کہ صباح بود عاشورا با ابن رسول گشت ہمراہ
تاریخ شہادتش ازال شد اولئیک مع الذین انعم اللہ علیہم

علاوہ ازیں قاضی صاحبؒ کو مادہٴ تاریخ نکالنے اور "قطعہ تاریخ" کہنے میں بھی مہارتِ تامہ حاصل تھی، چنانچہ حضرت منظرؒ کا مشہور تاریخی مادہٴ وفات عاشق شہید و مات شہید ابھی آپ ہی نے مستنبط کیا اور اسے اشعار میں بھی قلم بند کیا تھا۔

فہرست تصانیف

قاضی صاحب کی تصنیفات کے علمی و تحقیقی پہلوؤں پر تفصیلاً گفتگو تو آئندہ صفحات میں کی جائے گی۔ یہاں مجملًا ان کی فہرست درج کی جاتی ہے تاکہ آپ کی مصنفانہ و تخلیقی سلاہیتوں کا کچھ اندازہ کیا جاسکے۔

عام طور پر سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ قاضی صاحب کی تصانیف کی کل تعداد تیس سے بھی متجاوز ہے، مگر آج سے کچھ عرصے پہلے تک ان تیس کتب کی بھی تفصیل دستیاب نہ تھی۔ قاضی صاحبؒ کی کتابوں کی ایک جامع فہرست پہلی بار عبدالرزاق قریشی (مرتب مکاتیب مرزا منظرؒ مطبوعہ کلکتہ ۱۹۶۶ء) نے مولانا ابوالحسن زید دہلوی (موجودہ مسند نشین خانقاہ مظہریہ، دہلی) کے ایک مکتوب کے حوالے سے "مکاتیب" کی تشریحات میں درج فرمائی تھی۔ مگر یہ فہرست بھی حتمی اور مکمل قرار نہیں دی جاسکتی، کیونکہ اس میں قاضی صاحبؒ کی بعض اہم کتب قلم زد ہو گئی ہیں۔ دراصل یہ ان کی کتابوں کی فہرست ہے جو مولانا زید کو قاضی صاحب کے مکان واقع پانی پت سے دستیاب ہوئی تھیں، بہر حال ان کی تصانیف کو علوم کے اعتبار سے یوں ترتیب دیا جاسکتا ہے،

۲۵ معمولات مظہریہ، ص ۱۳۰

۲۶ معمولات مظہریہ، ص ۱۳۰

۲۷ اتحاف النبلاء، ص ۲۳۰

۲۸ مکاتیب مرزا منظر (تشریحات) ص ۲۳۱ تا ۲۳۳

۱ - علم تفسیر

۱ - تفسیر مظہری (قلمی و مطبوعہ - عربی)

ب - علم حدیث:

۲ - حلیہ شریفہ (یا ترجمہ شمائل ترمذی) ۳ - رسالہ چہل حدیث مع شرح و بیان -

۴ - حدیث مظہری -

ج - فقہ و اصول فقہ:

۵ - مالا بدمنہ (مطبوعہ و قلمی)

۶ - فتاویٰ مظہری (مخطوط)

۷ - الماخذ الاقوانی (مخطوط)

۸ - رسالہ فقہ در مذاہب اربعہ (مخطوط)

۹ - فتاویٰ در بارہ ایام عاشورہ

۱۰ - فتاویٰ در بارہ جواز تقلید

۱۱ - فتاویٰ در بارہ اراضی ہند

۱۲ - منار الاحکام (غیر دستیاب)

۱۳ - رسالہ پنج روزی (مخطوط)

۱۴ - مختارات (مخطوط)

د - علم کلام و عقائد:

۱۵ - السیف المسلول (مطبوعہ و قلمی)

۱۶ - رسالہ در رد متعہ (مخطوط، مطبوع)

۱۷ - رسالہ وسیلۃ النجات (قلمی)

۱۸ - رسالہ طریق النجاة عن طریق القواة

۱۹ - رسالہ در عقائد حقہ (مخطوط)

۲۰ - رسالہ در رد روافض (مخطوط)

ه - علم تصوف:

۲۱ - ارشاد الطالبین (مطبوعہ و مخطوط)

۲۲ - ازالۃ العنود فی مسئلۃ السماع و وحدۃ الوجود (مطبوعہ)

۲۳ - کیفیت مراقبہ و اذکار شریفہ (مخطوط)

۲۴ - رسالہ در اوراد و وظائف (مخطوط)

۲۵ - تفسیر پنج آیت بطریقہ صوفیہ (مخطوط)

۲۶ - الفوائد السبعہ (مخطوط) -

۲۷ - حکم سرود و مزامیر - (مخطوط)

و - علم اخلاق:

۲۸ - حقیقت الاسلام (مطبوعہ و مخطوط)

ز - علم البحت والمناظرہ :

۲۹ - احقاق حق در رد اعتراضات شیخ عبدالحق بر کلام مجدد الف ثانی (مخطوط)

۳۰ - رسالہ دیگر در رد اعتراضات بر کلام امام ربانی (مخطوط)

۳۱ - فصل الخطاب فی نصیحة اولی الالباب (مخطوط)

۳۲ - رسالہ الشہاب الثاقب (قلمی)

ح - سیر و تذکرہ :

۳۳ - تقدیس والدی المصطفیٰ (مخطوط)

۳۴ - رسالہ در ذکر نسب اطہر و ازواج مبارکہ و اولاد عالی گہر سرور دو عالم (قلمی) -

۳۵ - رسالہ در بیان اولاد امام ربانی (مخطوط)

۳۶ - خجستہ گفتار در مناقب انصار (مخطوط) ۳۷ - تذکرۃ العلم والمعارف (قلمی)

ط - تلخیص و ترجمہ :

۳۸ - تذکرۃ الموتی والقبور (تلخیص شرح الصدور لیسوطی) (مطبوع و قلمی)

۳۹ - تذکرہ المعاد (تلخیص و ترجمہ البدور السافرہ لیسوطی) (مطبوع و قلمی)

۴۰ - تلخیص ہوامع (للشاه ولی اللہ دہلوی) (مطبوع و قلمی)

ی - متفرقات :

۴۱ - رسالہ وصیت نامہ (مطبوع و قلمی) ۴۲ - تعلیقات بالمقالۃ الوصیۃ فی النصیحة والوصیۃ

۴۳ - خطبات کا مجموعہ ۴۴ - کتاب در وعظ و نصیحت -

ک - مکتوبات :

۴۵ - تقریباً ۲۵ خطوط دستیاب ہیں -

ان میں سے تقریباً دس کتابیں (نمبر ۱، ۵، ۱۱، ۱۵، ۲۱، ۲۲، ۲۸، ۳۸، ۳۹، ۴۰) شائع ہو چکی ہیں،

باقی سب قلمی اور مخطوطات کی شکل میں ہیں، جن میں سے بعض ان سطور کے راقم نے متعدد کتب خانوں

سے دریافت کی ہیں، جب کہ تین کتابیں (نمبر ۶، ۸، ۹) کے مخطوطے کسی جگہ سے دریافت نہ ہو سکے

بقیہ کتابوں کے مخطوطات دہلی میں مولانا ابوالحسن زید کی تحویل میں ہیں -

وصیت، وفات، شمائل و عادات، متر و کا

وصیت نامے کی علمی اہمیت

قدیم علما کے ہاں اپنی زندگی ہی میں وصیت نامہ مرتب کرنے کا دستور تھا۔ کتب فقہ میں اس کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ خود قاضی صاحب نے اپنی کتاب مالابدمنہ میں اس کی ضرورت و اہمیت بیان کرتے ہوئے عام حالات میں اسے مستحب اور خصوصی حالات میں واجب قرار دیا ہے۔^۱

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی^۲ اور مرزا مظہر جان جاناں نے بھی اپنے اپنے وصیت نامے مرتب فرمائے۔ قاضی صاحب کا ان دونوں وصیت ناموں سے قریبی واسطہ رہا ہے کیونکہ انھوں نے اول الذکر کی شرح یا حاشیہ^۳ لکھا اور مؤخر الذکر وصیت نامہ بھی حضرت مظہر^۴ نے لکھ کر آپ ہی کے سپرد کیا تھا، اس بنا پر آپ نے بھی موت سے پہلے اپنا وصیت نامہ خود تیار کیا۔

وصیت نامے کی تصنیف

قاضی صاحب کا یہ وصیت نامہ کلمات طیبات کے فل سائز کے تقریباً ساڑھے چار صفحات پر مشتمل ہے۔ ٹھیک طرح سے معلوم نہیں کہ قاضی صاحب نے یہ وصیت نامہ وفات سے کتنی دیر پہلے مکمل کیا، ہمارے خیال میں یہ وصیت نامہ جو دو حصوں میں ہے

^۱ مالابدمنہ، ص ۶۴، مطبوعہ ملتان ^۲ معمولات مظہری، ص ۱۲۹ - ۱۳۰

^۳ کتاب مذکور، ص ۲۵ ^۴ کتاب مذکور، ص ۱۲۹

۱۲۲۰ھ (۱۸۰۵ء) کے نواح میں لکھا گیا، کیونکہ قاضی صاحبؒ سید نعیم اللہ بہرپاچی کی اہلیہ کے نام ایک خط میں فرماتے ہیں۔ "اس وقت میری عمر ۸۱ سال ہے۔" ۵

سید نعیم اللہ بہرپاچی کا انتقال ۱۲۱۸ھ میں ہوا، ظاہر ہے کہ قاضی صاحب نے یہ تعزیتی خط اس کے ایک سال بعد لکھا ہوگا، جب کہ وصیت نامہ (حصہ اول) کے آغاز میں عمر مبارک کا اسی سال ہوتا بیان ہوا ہے۔ لکھتے ہیں:

اس گنہ گار کی عمر اسی سال ہو گئی ہے اور یقیناً، جو موت سے عبارت ہے سر پر آگیا ہے۔ ۶

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی صاحب نے یہ وصیت نامہ محولہ بالا مکتوب سے ایک سال قبل تحریر کر دیا تھا، چونکہ منصب قضا سے علیحدگی نواح ۱۲۰۸ھ (۱۸۰۳ء) میں ہوئی، اس لیے ہمارا خیال ہے کہ یہ وصیت نامہ اس سے کچھ عرصہ بعد لکھا گیا ہوگا، اس کا تخمینہ زمانہ ۱۲۲۰ھ اور ۱۲۲۵ھ کے مابین قیاس ہوتا ہے۔

خارجی شواہد سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ اسی زمانے کی تصنیف ہے، کیونکہ عمر مبارک کے اس حصے میں ان پر زندگی سے مایوسی اور "بنگ انجامی" سے حد درجہ محبت ہو گئی تھی۔ چنانچہ نواح ۱۲۱۶ھ میں اپنے ایک شاگرد اخوندزادہ ملا نسیمؒ کے نام ایک خط میں لکھا: "اللہ تعالیٰ حسنِ خاتمہ نصیب کرے۔ کیونکہ زندگی کا خاتمہ قریب آگیا ہے اور موت سر پر آگئی ہے اور آخرت کا زاد راہ موجود نہیں۔" ۷

انہی حالات میں ان کو (۱۲۱۸ھ میں) اپنے عزیز ترین دوست مولوی نعیم اللہ بہرپاچی کی موت کا صدمہ برداشت کرنا پڑا، جس سے زندگی سے بیزاری اور حسنِ خاتمہ کے شوق میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا، اور چونکہ وہ خود وصیت کو واجب قرار دیتے ہیں، اس لیے قیاس ہوتا ہے کہ وصیت نامے کی تدوین حیاتِ مبارکہ کے اسی حصے میں عمل میں آئی۔

۵ محمد فاروق بہرپاچی، "معارف" اعظم گڑھ ۲۳/۶: ۲۲۷-۲۲۸

۶ وصیت نامہ، ص ۱۵۴

۷ نواح، ص ۲۲۱، ۱۷۶

۸ مالا بدمنہ، ص ۶۴

وصیت نامے کا تجزیہ و تعارف

قاضی صاحبؒ کا یہ وصیت نامہ جو اغلباً آخری تصنیف بھی ہے، نہایت علمی اہمیت اور افادیت کا حاصل ہے، فاضل مؤلف نے مضامین کے لحاظ سے اس کو دو حصوں میں تقسیم فرمایا ہے، (حصہ اول اور حصہ دوم)۔

حصہ اول میں زیادہ تر گھریلو اور نجی مسائل پر گفتگو کی گئی ہے۔ جس میں مرکزی نقطہ کفن و دفن اور وراثت کے مسائل ہیں۔ ان مسائل میں وہ اتباع سنت کی خاص طور پر تاکید فرماتے ہیں، لکھتے ہیں:

تجہیز و تکفین اور غسل و دفن میں سنت کی رعایت کریں اور ان دو رزائی چادروں میں جو حضرت مظهرؒ نے عنایت فرمائی تھیں، مجھے کفن دیا جائے۔
 عمامہ باندھنا خلاف سنت ہے، لہذا نہ باندھا جائے۔ نماز جنازہ جماعت کثیر کے ساتھ امام صالح، مثلاً حافظ محمد علی یا حکیم سکھوایا حافظ پیر محمد پڑھائیں پہلی تکبیر کے بعد سورہ فاتحہ بھی پڑھیں۔ میرے مرنے کے بعد رسوم دنیوی، مثلاً (دسواں، بیسواں، چالیسواں، ششماہی) اور برسی وغیرہ نہ منائیں، رونے دھونے سے عورتوں کو بہت تاکید کے ساتھ منع کیا جائے، فقیر اپنی زندگی میں بھی اس بات کی اجازت نہ دیتا تھا اور نہ اپنے سامنے اس حرکت کا ارتکاب کرنے دیتا تھا۔ ۹

کفن و دفن کے مسائل کے بعد تقسیم وراثت کے اہم نکات بیان کیے گئے ہیں، جس سے پتا چلتا ہے کہ انھوں نے اپنی زندگی ہی میں اپنی تمام منقولہ و غیر منقولہ جائداد آٹھ مساوی حصوں میں تقسیم کر دی تھی اور ان کے حقداروں کو اس کا مالک بنا دیا تھا، جس کا خاص پہلو یہ ہے کہ اپنی دختر ہی اولاد کو بھی شریعت کے مطابق حصہ دیا تھا۔ البتہ اپنی زینہ اولاد کو جو جائداد سونپی تھی، اس کی بابت یہ صراحت فرماتے ہیں کہ آپ اپنی زندگی میں اس کا خمس (۱/۵)

وصول کرتے رہیں گے، جس کا مصرف علاوہ قرض کی ادائیگی کے دخترِ اولاد کی امداد و اعانت بھی تھا۔ علاوہ ازیں ورثا کو یہ تاکید فرماتے ہیں کہ آپ کی وفات کے بعد بھی یہ خمس الگ کر لیا جایا کرے، پھر اس میں سے $\frac{1}{5}$ دخترِ اولاد کی اعانت و سرپرستی کے لیے اور بقیہ $\frac{4}{5}$ قرضہ جات جس کی تفصیل بند چٹھی میں درج ہے، نیز قرض خواہوں کے پاس مہر شدہ رسیدات کی شکل میں موجود ہے، کی ادائیگی پر خرچ کیا جائے، فرماتے ہیں کہ کوشش کی جائے کہ آئندہ آنے والی عید سے قبل مجھے قرض کے بوجھ سے چھٹکارا مل جائے۔

وصیت نامے کے اس حصے سے قاضی صاحبؒ کی مختلف عادات اور طبیعت کے میلانات پر روشنی پڑتی ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ آپ ایک اصول پرست اور پابند شرع عالم دین تھے۔ اتباع سنت کو ان کے نزدیک نہایت اہمیت حاصل تھی، اس لیے کفن و دفن کے مسائل میں اتباع سنت کی تاکید کے علاوہ خود اپنے ہاتھوں شریعت کے اصولوں کے مطابق جائداد کے آٹھ حصے کر کے ورثا میں بانٹ دیئے تھے تاکہ کسی کی حق تلفی کا امکان نہ رہے۔ علاوہ ازیں اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ عمر مبارک کے اس حصے میں زیر بار قرض ہو گئے تھے، نیز یہ کہ آپ کو اپنی دخترِ اولاد سے بڑی محبت تھی۔ حصہ اول کے آخری حصے میں حضرت مظہرؒ کے ان عزیزوں کے حق میں وصیت کی گئی ہے جو ان کے زیر سایہ پانی پت میں امن و عافیت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اس وقت تک ان سے فقط دو یعنی مرزا لالین اور صبیبہ شریفہ حیات تھے، اول الذکر کے متعلق یہ صراحت ہے کہ انھیں والدہ دلیل اللہ نے اپنی طرف سے بیس بیگے اور خود قاضی صاحبؒ نے دس بیگے زمین دی تھی، جس پر انھوں نے قبضہ نہ کیا تھا، آپ تاکید کرتے ہیں کہ ان کا یہ حصہ ان کو پہنچ جائے، اس کے علاوہ آپ انھیں جو گندم اور نقد روپے دیا کرتے تھے، اس میں بھی خلل نہ آنے پائے۔

وصیت نامے کے دوسرے حصے (نوع دگر) میں دور رس نتائج و ثمرات کی حامل وصیتیں کی گئی ہیں کہ بقول خود:

” اس کا ثمرہ دُنیا و آخرت میں بہتر طور پر ملے گا، بصورتِ دیگر بُرا
نتیجہ دیکھیں گے۔“ ۱۲

اس دوسرے حصے کا مرکزی خیال Theme اپنی اولاد، اپنے دوست
اجباب اور مخلصین (جن میں عام مسلمان بھی شامل ہیں) کو زندگی کے ہر معاملے میں اولاً
اتباع سنت کی تلقین کرنا، ثانیاً خوش خلقی کو لازمہٴ حیات ٹھہرانا اور ثالثاً حصولِ علم
کی ترغیب دلانا ہے۔ آپ نے اتباع سنت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:
جاتنا چاہیے کہ بنی نوع انسان بلکہ ملائکہ میں سے بھی سب سے زیادہ کامل سید المرسل
محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ۱۳ اور پھر اپنے متوسلین کو اتباع سنت کی تاکید کرتے ہوئے
بتایا ہے کہ جو کوئی جتنا اکل الاکملین کی سیرت اور اُسوہ کے قریب ہوگا اتنا ہی وہ کامل ہوگا۔
اتباع سنت کی یہ تاکید نقشبندیہ مجددیہ کی مبادیات میں سے ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اپنی
زندگی کے ہر شعبے میں اتباع سنت کے طریقے کو نہ اپنا سکے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ
محرمات بلکہ مشتبہات سے بھی احتراز کرے۔ آپ وضاحت کرتے ہیں کہ تقویٰ کثرت
نوافل کا نام نہیں بلکہ ادائے واجبات اور اجتناب از محرمات کا نام ہے، تقویٰ کا یہ
وہ تصور ہے جس میں بڑی وسعت ہے۔

اس حصے میں آگے چل کر خوش خلقی اور مروت و نیک طینتی کی تاکید کرتے ہیں، فرماتے
ہیں کہ مسلمان کو چاہیے کہ اپنے اخلاق کو ہمانہ سے نہ صرف دوستوں، اور ملنے جلنے والوں
کا دل جیت لے، بلکہ دشمنوں کو بھی نرم بار احسان کر کے ممنون احسان کرے۔

حصولِ علم کی تاکید اس وصیت نامے کا اختتامی حصہ ہے۔ اپنی اولاد کو علوم دین جو
ورثہٴ آبائی ہیں، حاصل کرنے کی تاکید کرتے ہیں۔ پھر علوم محمودہ کی وہ فہرست درج کرتے
ہیں جن کو بہر حال حاصل کرنے کی جستجو کرنی چاہیے، ۱۴ اپنی اولاد میں سے منصبِ قضا حاصل
کرنے والوں کو یہ وصیت بھی اسی زمرے میں شامل ہے کہ انھیں اس منصب کے تقاضوں کو

۱۲ کلمات طیبات، ص ۱۵۵ ۱۳ کتاب مذکور، ص ۱۵۶

۱۴ کتاب مذکور، ص ۱۵۷-۱۵۸

لمحوظ رکھنا چاہیے، کسی قسم کے لالچ اور حرص سے اپنا دامن آلودہ نہیں کرنا چاہیے، عام حالات میں اقباطی قول پر عمل کرنا چاہیے، وغیرہ۔

ذہنی تیاری

قاضی صاحب موت سے ہم کنار ہونے سے پہلے اس کے لیے ذہنی طور پر پوری تیاری کر چکے تھے، اب بچھڑے ہوئے دوستوں اور مہربانوں سے ملاقات کی گھڑیاں قریب آرہی تھیں۔ چنانچہ اس عہد کی تحریرات میں اس کی جھلک بہت نمایاں ہے۔ سیاسی طور پر مسلمانوں کا تنزل اور کفر و فسق کا غلبہ بھی ان کے لیے سوہان روح تھا، فرماتے ہیں:

”لیکن رسوم کفریہ کا ظہور اور مسلمانوں کی مغلوبی، درویشوں کو بہت زیادہ پریشان رکھتی ہے۔“^{۱۵}

موت سے قریب تر زمانے نے زمانے میں ان پر حسنِ خاتمہ کی آرزو اور زندگی سے بیزاری کا جذبہ بہت نمایاں محسوس ہوتا ہے۔ ان ایام میں اپنے دوستوں اور مہربانوں کو جو خطوط لکھے ان میں ان جذبات کی بخوبی عکاسی ہوتی ہے۔ مثلاً اخوندزادہ ملا نسیم کو ۱۲۱۳ سے ۱۲۱۶ء کے عرصے میں چار خطوط لکھے، ان میں فرماتے ہیں:

”فقیر متعلقین سمیت خیر و عافیت سے ہے۔ اور گناہوں کی کثرت سے

خائف۔۔۔۔۔ زندگی کے خاتمے کے قریب ہونے اور اس کے لا طائل کاموں

میں ضائع ہو جانے سے نادم اور پشیمان ہوں، دوستوں سے التماس ہے کہ

حسنِ خاتمہ اور گناہوں کی مغفرت کے لیے دعا کریں۔۔۔ اے اللہ کے نیک

بندو میری دعا کے ساتھ مدد کرو۔“^{۱۶}

”فقیر کو حضورِ قلب کے وقت حسنِ خاتمہ کی دعا کے ساتھ یاد رکھیں۔“^{۱۷}

^{۱۵} نواح، ص ۲۳۹، م ۱۷۵ - ^{۱۶} ایضاً، ص ۲۳۷، م ۱۷۳

^{۱۷} ایضاً، ص ۲۳۸، م ۱۷۴

”میرے محسن تہجد کے بعد، خصوصی وقت میں اس گنہگار کے حق میں دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ بقیہ عمر گناہوں اور زیادتیوں سے محفوظ رکھے اور حسنِ خاتمہ نصیب کرے۔ کیونکہ خاتمہ قریب آ گیا ہے اور آخرت کا زاہد راہ موجود نہیں، مگر امید قوی ہے کہ اکرم الاکرمین دستگیری فرمائے گا۔^{۱۹}“

ان تحریرات میں اپنے انجام سے متعلق خوف و بیم کی کیفیت نمایاں ہے، جب کہ بعض دوسرے مقامات پر امید ورجا کی کیفیت کا غلبہ ہے، مثلاً وصیت نامے میں فرماتے ہیں:

”اس جانب سے اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم سے مغفرت کی امید رکھتا ہوں۔“^{۱۹}

اسی طرح اخوندزادہ ملا نسیمؒ کو لکھا:

”حق تعالیٰ آپ کو اس الطاف و مہربانی کے ساتھ سلامت رکھے اور ہماری ملاقات فردوس بریں اور دارالوصول المعلیٰ میں کرائے، اور اللہ تعالیٰ کے لیے یہ بات کچھ مشکل نہیں۔“^{۲۰}

مؤخر الذکر اقتباس میں جہاں امید ورجا کی کیفیت واضح دکھائی دیتی ہے، وہاں الوداعی انداز بھی نمایاں ہے۔ آگے چل کر حسنِ خاتمہ کے لیے اس مومنانہ ذوق و شوق میں اضافہ ہوتا رہا، چنانچہ آپ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ اپنے ہاتھوں اپنی موت کی جملہ تیاریاں مکمل کیں۔ اپنے تمام اثاثے کو آٹھ برابر حصوں میں تقسیم کر کے تمام وارثوں کو ان کا مالک و متصرف بنا دیا اور خود پیداوار کے خمس (۱/۵) پر کفایت کر لی۔

حضرت مظہرؒ نے ایک موقع پر ان کو اپنی چادر رزائی مرحمت فرمائی تھی، اب اس کے استعمال کا وقت قریب آ گیا تھا، چنانچہ وصیت فرمائی کہ مجھے اسی چادر رزائی میں کفتایا جائے۔

لوگ کفن و دفن کے موقع پر طرح طرح کی رسوم و بدعات کے عادی ہو چکے تھے، وصیت فرمائی کہ میرے کفن و دفن کے دوران میں سنت نبویؐ پر عمل کا اہتمام کیا جائے۔ کفن میں عمامہ

۱۹ لوائح، ص ۲۴۱، م ۱۷۶ ۱۹ وصیت نامہ، درکلمات، ص ۱۵۵

۲۰ لوائح، ص ۲۴۱، م ۱۷۶

مقام استعمال نہ کیا جائے کہ اس کا مرنے والے کے لیے استعمال خلاف سنت ہے، نماز جنازہ پڑھانے والا نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ بھی پڑھے کیونکہ احناف کے نزدیک عدم تعامل کے باوجود اس کا پڑھنا معتبر روایات سے ثابت ہے۔

مرنے والے کے سوگ میں لوگ کئی کئی روز افسردہ بیٹھے رہتے ہیں، خواتین خاص طور پر رونے پینے کا سلسلہ جاری رکھتی ہیں، تاکید فرمائی کہ ان کا سوگ تین دن سے زیادہ نہ کیا جائے اور خاندان کی عورتیں نوہم کرنے سے گریز کریں۔ نیز حکم دیا کہ ان کے مرنے پر ساتواں، دسواں، اور چالیسواں وغیرہ کی رسوم ادا نہ کی جائیں۔

اگرچہ پانی پت میں قحط الرجال نہیں تھا اور ہر موقع پر نیک اور صالح افراد مل ہی جاتے تھے، مگر جیسا کہ پہلے گزر چکا تاکید فرمائی کہ آپ کی نماز جنازہ کوئی صالح شخص مثلاً حافظ محمد علی یا حافظ پیر محمد یا حکیم سکھوا اللہ وغیرہ پڑھائیں۔

ساختہ ارتحال

بالآخر وہ ساعت اور وہ لمحہ آہی پہنچا جس کے لیے یہ تمام تیاریاں کی گئی تھیں اور جو اپنے وقت سے ایک گھڑی پہلے آتا ہے اور نہ پیچھے۔ تاریخ کا یہ اہم واقعہ یکم رجب ۱۲۷۵ھ (۲ اگست ۱۸۸۱ء) کو پیش آیا کہ جب آپ اپنے وطن مالوف پانی پت میں ایک دنیا کو روتا پھوڑ کر دارفانی سے دارِ باقی کو کوچ کر گئے۔

۲۱ حکیم سکھوا کا اصل نام معین الدین تھا۔ وہ پانی پت کے مشہور طبیب اور ماہر معالج تھے۔ آپ کے خاندانی حکیم بھی تھے، بہت نیک اور پارسا تھے۔ قاضی احمد اللہ جب بیمار ہوئے تو انہی نے ان کا علاج کیا تھا (حاشیہ کلمات طبیات، ص ۱۵۶، تشریحات در مکاتیب (قریشی) ص ۲۲۷)۔ دیگر افراد کے کوائف غیر معلوم ہیں۔

۲۲ تقریباً تمام سوانح نگاروں نے اس تاریخ وفات پر اتفاق کیا ہے، مثلاً: نواب صدیق حسن خان (اتحاف النبلا، ص ۲۴۰)، مولوی رحمان علی (تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۴۲)، عبدالحی لکھنوی

(نزہۃ الخواطر، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲)، فقیر محمد (مدلول الحقیقہ، ص ۱۴۶)، ڈاکٹر زبیر احمد (The Contribution

of India to Arabic Literature، ص ۱۹)، ن م احسان الہی رانا (در

مقالہ ثناء اللہ پانی پتی، در اردو دائرۃ معارف اسلامیہ وغیرہ۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

موت العالم موت العالم انا لله وانا اليه راجعون -
تاریخ وفات مولوی محبت اللہ عثمانی پانی پتی نے آیہ کریمہ
”فَهُمْ مُكْرَمُونَ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ“ سے نکالی ہے،^{۲۳}

۱۲۲۵ھ

مفتی غلام سرور قادری نے حسب ذیل قطعہ تاریخ کہا ہے:

ثنا اللہ ثنا گو سے خداوند بخت یافت زین دینے دوں بار
بخوان اہل ظفر تاریخ سالش بگو تاریخ دیگر ”تاج اخبار“^{۲۴}
۱۲۱۶ھ

مگر چونکہ اس سے ۱۲۱۶ھ/۱۸۰۱ء کی تاریخ وفات نکلتی ہے، جو درست نہیں، لہذا
اس قطعہ تاریخ کو مکمل نہیں کہا جاسکتا۔

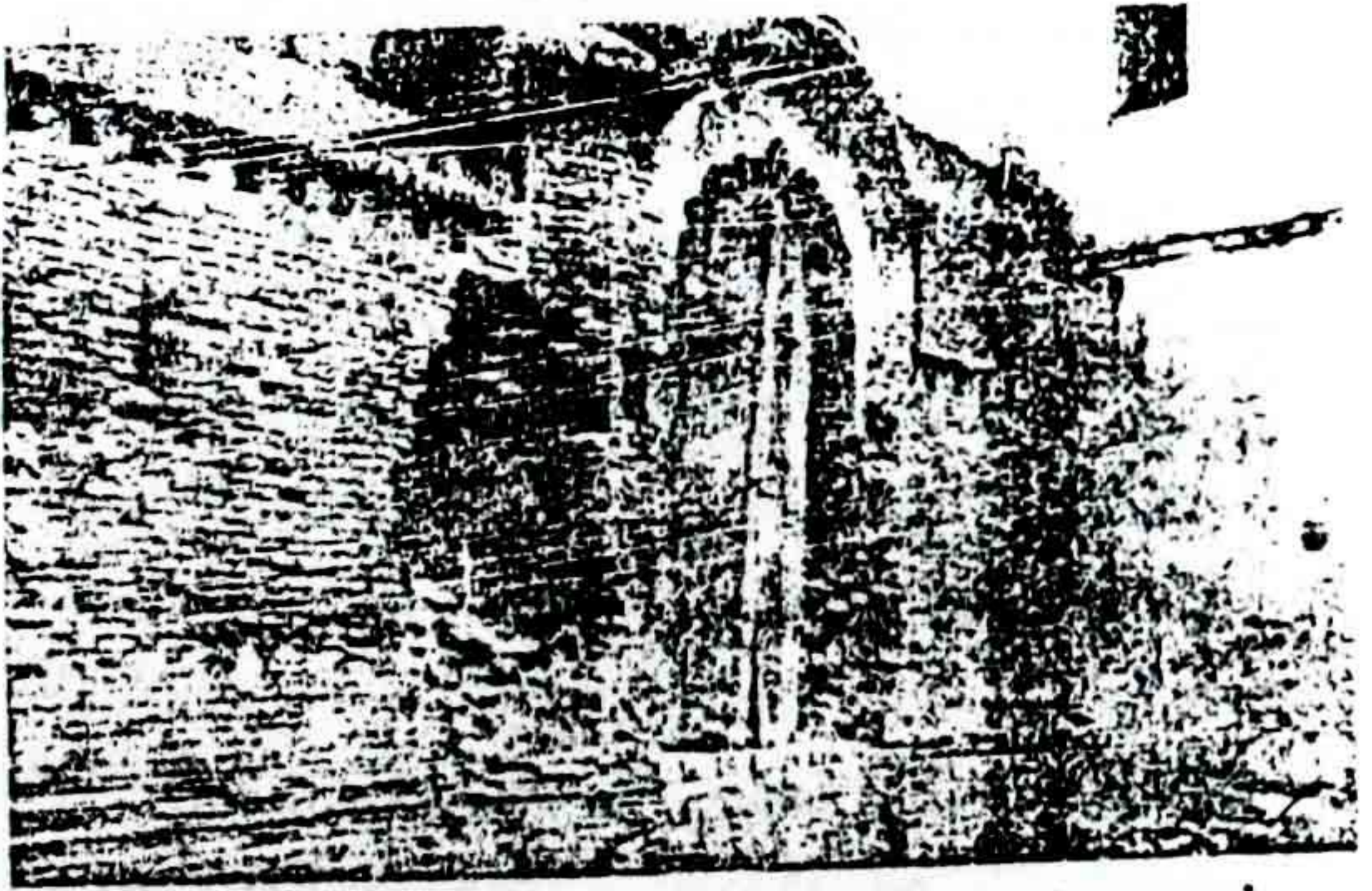
قاضی صاحب کے جسدِ خاکی کو ان کے جدِ امجد شیخ مخدوم جلال الدین کبیر الاولیاء عثمانی (م ۱۶۲۲ھ/
۱۲۶۴ھ) کے مزار کے احاطے کے باہر مغربی جانب ایک علیحدہ چار دیواری میں دفن کیا گیا۔^{۲۵}
قیام پاکستان کے وقت ان کے مزار کی حالت ناگفتہ بہ تھی، مگر ترکوں کے وفد نے بعد ازاں حکومت
ہند کی اجازت سے اس مزار کی مرمت کروادی۔^{۲۶}

(گذشتہ سے پیوستہ) سوانح نگاروں نے یہی تاریخ وفات لکھی ہے، مگر مفتی غلام سرور قادری
(خزینۃ الاصفیاء، ص ۶۹۰، مطبوعہ نول کشور) نے ۱۲۱۶ھ اور محمد فاروق بیڑاچی درمعارف
اعظم گڑھ، ۲۳/۲۳۰۶/۲۳۰۶ نے ۱۲۲۶ھ/۱۸۱۱ء تاریخ وفات لکھی ہے، جو تسامح ہے۔
^{۲۳} نزہتہ الخواطر، ۱۱۴۔ اور دیگر ماخذ اس میں جنت بغیر الف کے عثمانی رسم الخط
کے مطابق ہے۔

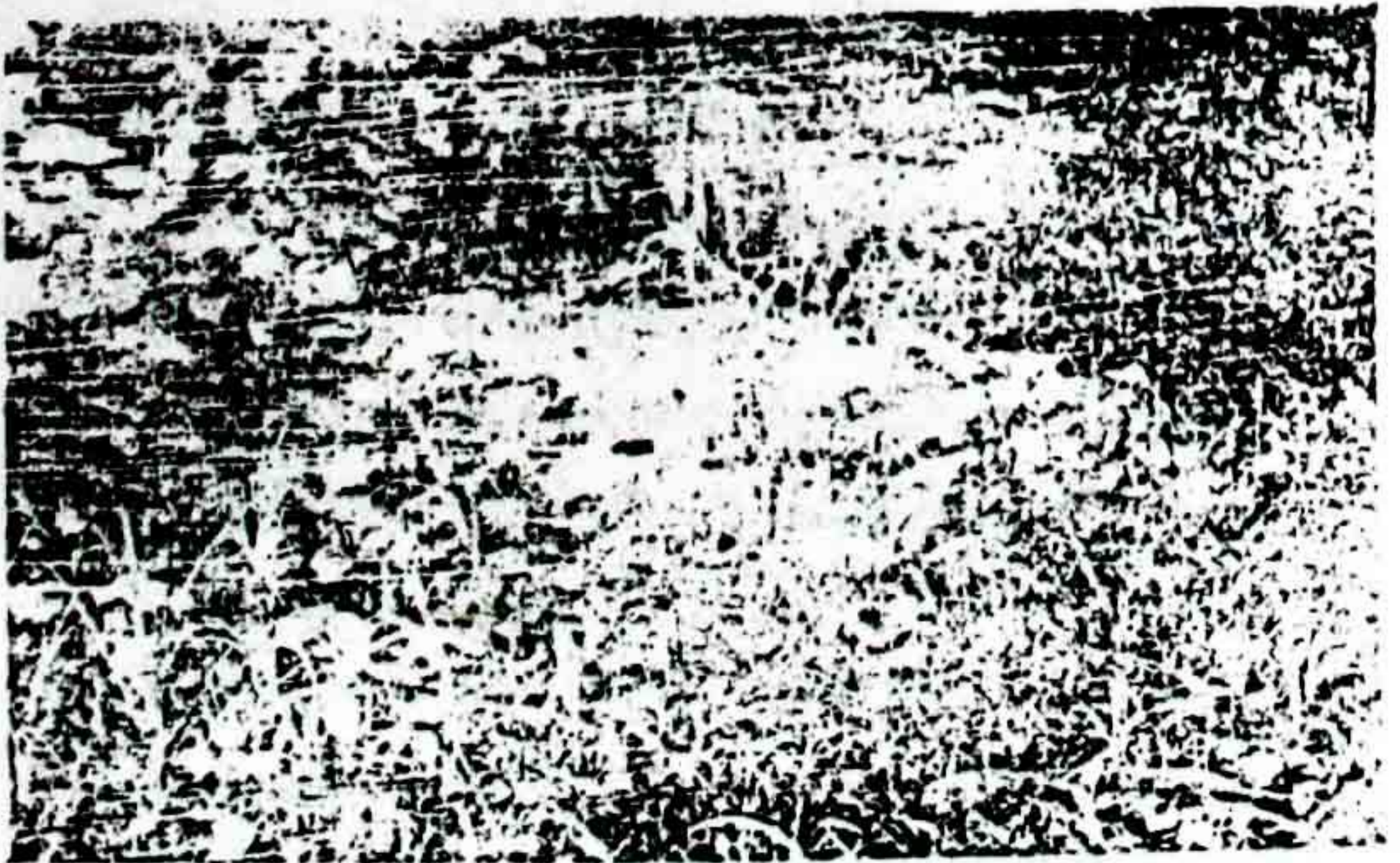
^{۲۴} خزینۃ الاصفیاء، ص ۶۹۰

^{۲۵} ابو محمد محمدی الاسلام، تعارف تفسیر منطری، ق، ص ۱۳۔

^{۲۶} مکتوب ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان (سابق صدر شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی) بنام راقم الحرف



پانی پت میں مدفن حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے دروازے اور دیوار کا بیرونی منظر



مدفن حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رح

عادات و خصائل

قاضی صاحب ^۲ ایک متدین اور ثقہ عالم دین تھے، وہ اس طبقہ، علما کے بہترین نمائندے تھے، جو اقلیم علم کے ساتھ ساتھ دنیا سے عمل و عرفان میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ ان کی راتیں یاد الہی سے معمور تھیں اور دن ذکر الہی سے، علوم اسلامیہ کی ترویج و اشاعت اور لوگوں کو انصاف مہیا کرنے کی کوششوں میں صرف ہوتے تھے۔ بلاشبہ ان کی زندگی کو دیکھ کر قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

ان کی شخصیت علم و عمل کا ایک بہترین نمونہ اور جلال و کمال کا حسن امتزاج تھی، ان کے اخلاقِ کریمانہ کے چند پہلو حسبِ ذیل ہیں:

امثالِ سنتِ نبوی

قاضی صاحب نقشبندی مجددی بزرگوں کی طرح سنت کے شیدائی تھے۔ وہ زندگی کے ہر معاملے میں سنت پر عمل پیرا رہے اور دوسروں کو بھی اسی کی تاکید کی۔ وصیت نامے میں اتباعِ سنت کی تاکید کرتے ہوئے لکھا ہے:

اور جو شخص جس قدر اپنے ظاہر و باطن اور خلقی و کسبی صفات، علم و اعتقاد اور عمل و عادات اور عبادات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت پیدا کر لے گا، اسی قدر اس کو کامل سمجھا جاسکتا ہے، اور جو کوئی اس مشابہت میں جس قدر ناقص ہوگا، اسی قدر اس کو ناقص گردانا جائے گا۔ اسی لیے اولیائے نقشبندیہ نے اتباعِ سنتِ نبوی میں کمال حاصل کرنے اور اس میں باہم مسابقت کرنے کا التزام کیا ہے۔^{۲۴}

اپنی اولاد اور متعلقین کو اتباعِ سنت کی وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”ہر شخص کو خود اہتمام کے ساتھ اتباعِ سنتِ نبوی اور بدعات سے

اجتناب کرنے اور اپنے اوقات نیک معمولات سے معمور رکھنے کی، اور

ایثار سے ترکِ مجلس اور اپنے بارے میں سوئے ظن اور دوسرے تمام لوگوں کے
مستعلقِ حُسنِ ظن کی ثابت قدمی سے کوشش کرتے رہنا چاہیے۔^{۲۸}
وہ زندگی کے ہر معاملے میں سنت کی موافقت کا التزام کرتے تھے۔ مثلاً لباس کے
معاملے میں فرماتے ہیں:

”مسنون یہ ہے کہ لباس ایسا پہنے جو ساتر ہو، ایسی قمیص جس کا دامن
نصف ساق تک ہو، ٹخنے تک دامن کا ہونا بھی جائز ہے۔ مگر اس سے لیا
ہونا حرام ہے، شملہ ایک بالشت بھر سنت ہے، تاہم لباس میں زیادہ تکلف
التراف میں داخل ہونے کے باعث حرام یا مکروہ ہے اور اس کے علاوہ
مباح ہے۔“^{۲۹}

اسی طرح کھانے پینے کے معاملے میں تحریر کرتے ہیں:

”کھانا کھاتے اور پانی پیتے وقت سنت یہ ہے کہ اول میں بسم اللہ
اور آخر میں الحمد للہ کے۔“^{۳۰}

علیٰ ہذا القیاس قاضی صاحبؒ کو زندگی کے ہر مسئلے میں سنتِ نبویؐ کا اتباع پسند تھا،
اسی بنا پر انھوں نے اپنی فقہی کتب بالخصوص مالا بدتمنہ میں، عام فقہاء کے برعکس اقوالِ ائمہ
ہی ذکر نہیں کیے بلکہ ہر جگہ سنت و اسوۂ نبویؐ کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔ ایسے مقامات پر،
جہاں حنفی فقہ کسی ثابت شدہ سنتِ نبویؐ سے بظاہر متصادم ہے، قاضی صاحب کی
رائے حنفی فقہ کے خلاف اور سنتِ نبویؐ کے مطابق ہے۔ مثلاً نماز جنازہ میں احناف
فاتحہ پڑھنے کے قائل نہیں، مگر چونکہ اس کا پڑھنا بعض روایات سے ثابت ہے، اس
لیے قاضی صاحب فاتحہ پڑھنے کے حق میں ہیں: فرماتے ہیں:

”امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک سورہ فاتحہ پڑھنا نماز جنازہ میں جائز نہیں
اور اکثر علما کا قول ہے کہ فاتحہ بھی پڑھے۔“^{۳۱}

^{۲۸} کتاب مذکور، ص ۱۵۳، نیز بشارات، ق، ورق ۱۶۲ ب۔ ^{۲۹} مالا بدتمنہ، ملتان، ص ۹۶

^{۳۰} کتاب مذکور، ص ۹۴۔ ^{۳۱} کتاب مذکور، ص ۶۵

اسی بنا پر آپ نے اپنا جنازہ پڑھانے والے کو وصیت کی کہ وہ پہلی تکبیر کے بعد سورہ فاتحہ بھی پڑھے۔^{۳۲}

ان کو رسوم و بدعات سے سخت نفرت تھی، اسی بنا پر وہ ہر قسم کی بدعات و رسوم کے سخت خلاف تھے، چنانچہ اپنے ورثا کو وصیت کی کہ ان کے مرنے پر بدعات سے اجتناب کیا جائے۔ لکھا ہے:

”فیر کی اپنی زندگی میں بھی، فیر ان چیزوں پر راضی نہ تھا اور اپنے سامنے کبھی ان کو نہ کرنے دیا۔“^{۳۳}

قاضی صاحب کو زندگی میں بڑے بڑے مصائب اور صدموں سے دوچار ہوتا پڑا اور ہر صدمے پر صبر سے کام لیا۔ سید نعیم اللہ^{۳۴} بہر اپنی کو لکھتے ہیں:

”اس مہینے رمضان المبارک، ۱۱۹ھ، بتاریخ ۱۱۔ محمد صیغت اللہ مرحوم نے رحلت کی۔۔۔ اس واقعے سے بمقتضائے طبیعت رنج پہنچا لیکن چونکہ بفضلِ الہی تعلقاتِ قلبی، ماسوا اللہ سے کمزور ہیں دل زیادہ ان باتوں کا مشتاق نہیں، دُنیا نقشِ بر آب ہے۔“^{۳۵}

عرض قاضی صاحب راجح العقیدہ اور متدین عالم دین تھے، ان کی تمام زندگی سنت نبوی کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔

دیانت و تقویٰ

ان کے نزدیک تقویٰ ایک عالم دین کی بنیادی اوصاف میں سے ہے، اگر کسی عالم دین کا دامن تقوے کی صفات سے عاری ہو تو آپ کے نزدیک اس کا تمام علم بے فائدہ ہے۔ فرماتے ہیں:

^{۳۲} وصیت نامہ درمالا بدمنہ، ص ۱۳۸۔

^{۳۳} ایضاً، ص ۱۳۸۔

^{۳۴} بشارات، قلمی، ورق ۱۶۳۔

” روزِ قیامت سوائے دین و تقویٰ کے کچھ بھی کام نہ آئے گا، اور نام و نسب کو کوئی نہ پوچھے گا۔“^{۳۶}

ان کے نزدیک تقویٰ کا کم از کم دوسرا درجہ یعنی مشبہات سے اجتناب کرنا معتبر تھا۔
لکھتے ہیں:

” مشبہ اشیاء سے احتیاط کی بنا پر پرہیز کرنا، تاکہ وہ حرام اور مکروہ افعال میں نہ پڑے، ضروریاتِ اسلام میں سے ہے۔“^{۳۷}
تقویٰ کے بارے میں وہ مزید لکھتے ہیں:

” قرصِ دہندہ مقروض سے صیانت قبول نہ کرے، البتہ اگر پرانا معمول ہو تو الگ بات ہے۔ اسی طرح اس کی دیوار کے سائے میں بھی نہ بیٹھے۔“^{۳۸}
تقویٰ کا یہ معیار ان کی زندگی میں یکساں رہا۔ اس کو حالاتِ زمانہ نے ذرہ برابر بھی متاثر نہ کیا، یہی وجہ ہے کہ ان کے متعلقین و احباب نے ان کو مجسمِ دیانت و تقویٰ قرار دیا۔ مرزا مظہر فرماتے ہیں:

” از روئے صلاح و تقویٰ اور دیانت روح مجسم ہیں۔“^{۳۹}

ان کے تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ فرشتے تک ان کی تعظیم کرتے تھے، شاہ غلام علی دہلوی فرماتے ہیں:

۳۵ تقویٰ (مادہ و قہر) کے معنی بچنے کے ہیں، اس بنا پر تقویٰ کے معنی خوفِ خداوندی سے متنبہ ہو کر معصیت سے باز رہنے کے ہیں، تصوف کی اصطلاح میں تقویٰ سے مراد ہر اس شے سے بیزاری اور نفرت ہے جو وصولِ الی اللہ میں مانع ہو، اختلافِ احوال کے لحاظ سے کیفیاتِ تقویٰ میں بھی فرق ہوتا ہے، چنانچہ عوام کا تقویٰ ترکِ کفر و شرک ہے، متقی کا تقویٰ معاصی اور منہیاتِ شرع سے پرہیز ہے، خواص کا تقویٰ عبادت و وساکی میں وساوس کا قلع قمع اور اخص الخواص کا تقویٰ ہر دم اور ہر لحظہ ترکِ ما سوا اللہ سے متصف رہنے اور خطرہٴ دنیا کو قریب نہ آنے دینے کا نام ہے (ذوقی۔ سر دبراں، ص ۱۲۰)

۳۶ کلماتِ طیبات، ص ۱۵۴-۱۵۵ ۳۷ مالا بدمنہ، ص ۹۲

۳۸ کتاب مذکور، ص ۱۰۴ ۳۹ مقاماتِ مظہری، ص ۷۸

”ایک دن فقیر حضرت منظر کے پاس ان کے حلقہ ذکر و مراقبہ میں موجود تھا کہ قاضی صاحب آگئے۔ حضرت منظر نے فرمایا تم کون سا ایسا عمل کرتے ہو کہ فرشتے تمہاری تعظیم کے لیے جگہ خالی کر دیتے ہیں۔“ ۱۱

محدث عصر شاہ عبدالعزیزؒ آپ کو فرط تعظیم سے ”بیہقی وقت“ سے پکارا کرتے تھے۔ ایک سوانح نگار نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ان سے کسی شخص نے صحابہ کرامؓ کی سیرت کی بابت دریافت کیا تو حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: تامل کرو میں تمہیں مثال دکھاؤں گا، ایک دوسرے موقع پر جب آپ مجلس میں موجود تھے تو شاہ صاحب نے ان کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا، صحابہؓ ایسے ہوتے تھے۔“ ۱۲

زہد و عبادت

قاضی صاحب کی عبادت کے بارے میں شاہ غلام علی دہلویؒ فرماتے ہیں۔

”اپنے اوقات کو اطاعت و عبادت سے معمور رکھتے ہیں۔ سو رکعت نماز و طیفے کے طور پر مقرر ہے اور ایک منزل قرآن روزانہ کا معمول ہے۔“ ۱۳

بکثرت روزے رکھنا بھی آپ کا معمول تھا۔ ۱۴

۱۱ ایضاً، ص ۷۷۔ اس اجمال کی تفصیل قاری ابو محمد محی الاسلام نے بیان کی ہے وہ لکھتے ہیں:

”مشہور ہے کہ جس وقت آپ حضرت منظرؒ کی مجلس میں حاضر ہونے کو ہوتے تو حضرت منظرؒ آپ کے لیے اپنے قریب جگہ خالی کر دیا کرتے تھے۔ اور آپ اس جگہ بیٹھ جلتے۔ ایک روز کسی نے حضرت منظر سے پوچھا کہ کیا حضور کو از روے کشف قاضی صاحبؒ کے آنے کی خبر ہو جاتی ہے جو حضور ان کے لیے جگہ خالی کر دیتے ہیں۔ فرمایا نہیں، بلکہ جب میں دیکھتا ہوں کہ فرشتے تعظیماً کھڑے ہونے لگتے ہیں تو میں سمجھ جاتا ہوں کہ حضرت قاضی صاحبؒ آتے ہیں اور ان کے لیے جگہ خالی کر دیتا ہوں۔ (تعارف تفسیر منظری، ق، ص ۱۸)۔ ۱۲ کتاب مذکور، ص ۴۰۔ ۱۳ مقامات منظری، ص ۷۷،

۱۴ عبدالرزاق قریشی، تشریحات، ص ۲۲۹ و بعد

سید نعیم اللہ بہڑاچی آپ کی عبادت کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"حضرت مولانا قرآن مجید کی تلاوت بطور منزل۔۔ نماز تہجد میں،

سفر و حضر میں، معمول رکھتے ہیں۔" ۱۳۵

نماز تہجد کے بعد طویل مراقبے کا معمول تھا، چنانچہ سید نعیم اللہ بہڑاچیؒ کو ایک مکتوب

میں تحریر فرماتے ہیں:

"اوقات خلوت میں تہجد کے وقت اگر خدا کی جانب مشغول ہوں تو فوراً

مراقبے کے لیے سر جھکا لیں اور اگر اس وقت یارانِ دور افتادہ کو بھی یاد کر لیں تو

ایک دوسرے سے فیوضِ پینچے کا اور نسبتوں کا باہم انعکاس ہو گا۔" ۱۳۶

سید مذکور کو اپنے ایک اور مکتوب میں نقشبندیہ کے سات مختلف مراقبوں کی تفصیل

لکھی تھی، ۱۳۶ معلوم ہوتا ہے یہ سب مراقبے آپ کا معمول تھے۔

جذبہ فرض شناسی

فرض شناسی کا جذبہ قاضی صاحب کے نزدیک تقویٰ کا حصہ تھا، ۱۳۷ ان کی زندگی

فرض شناسی کی بہترین مثال ہے۔ وہ نہایت پرخطر زمانے میں نصف صدی سے زیادہ

عرصے تک منصبِ قضا پر فائز رہے۔ اس دوران اس علاقے کو بہت سے بحرانوں سے

دوچار ہونا پڑا، اور اسے ابدالی، مرہٹوں، روہیلوں، سکھوں اور بعض دوسری اقوام نے

تاخت و تاراج کا نشانہ بنایا۔ ان کے ان حملوں نے پانی پت اور ضلع کرنال کے کئی دیہات

ویران کر دیے۔ مگر ان سب حالات کے باوجود قاضی صاحب اپنے اس علاقے میں رہے

۱۳۷ مقامات مظہری، ص ۷۶ ۱۳۸ بشارات، ق، ورق ۱۳۷ ب

۱۳۹ کلمات طبیات، ص ۱۳۴-۱۳۵، وہ مراقبے حسب ذیل ہیں: (۱) مراقبہ ذات، (۲) مراقبہ ان اللہ

علیٰ کل شیءٍ، (۳) مراقبہ انہ، (۴) مراقبہ بصیر، (۵) مراقبہ معیت بوجیب و هو معکم کنتم،

(۶) مراقبہ اقریبیت، (۷) مراقبہ محبت، (۸) مراقبہ ذات بحت۔

۱۴۰ کلمات طبیات، ص ۱۵۵۔

اور کبھی اپنی فرض شناسی میں فرق نہ آنے دیا، اس کی تفصیل آگے بیان ہوگی۔
 منصبِ قضا کے علاوہ وہ مسلمانوں کے رہنما کی حیثیت سے بھی فرائض انجام دیتے رہے۔
 ان کے حالات سے پتا چلتا ہے کہ انھیں مسلم امہ کے تنزل و انحطاط کا از حد دکھ تھا۔ ان کے
 نزدیک اس کا اصل سبب مسلم قوم کا قرآن و حدیث سے بُعد تھا، اسی لیے انھوں نے
 تفسیر قرآن، تصوف، فقہ، اصول فقہ، کلام اور علم حدیث وغیرہ کے موضوعات پر تصانیف
 لکھ کر تاریخی کارنامہ انجام دیا۔ اس سے ان کی فرض شناسی اور ملی جذبے کا اندازہ ہوتا ہے

خوش اخلاقی و نیک طینتی

قدرت نے ان کو علوم ظاہری و باطنی یعنی عطا کیے تھے اور اخلاقِ حسنہ کی دولت سے بھی
 نوازا تھا۔ سید نعیم اللہ بیہڑا اپنی لکھتے ہیں:

”فی الجملہ مجموعہ کلمات حضرت مولانا ثناء اللہ پانی پتی ہیں۔۔۔ موصوفِ اخلاق
 حمیدہ، مکالمِ پسندیدہ، امانت، دیانت، صلاح و تقویٰ، خوش خلقی، پاک طینتی
 سے متصف اور مخلوقِ خدا کی ضروریات پوری کرنے میں منہمک رہتے ہیں۔“^{۲۸}
 اس سلسلے میں خود قاضی صاحب اکثر اس شعر کا حوالہ دیتے ہیں:

مباش در پئے آزار و ہر چہ خواہی کن کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہی نیست“^{۲۹}
 بعض اوقات یہ مصرع پڑھا کرتے تھے۔ ع

باد شمتاں تلطف بادوستان مدارا نہ

واقعہ یہ ہے کہ ان کی تمام زندگی ان اشعار کی حسین تفسیر تھی۔ انھوں نے اپنی خوش اخلاقی

^{۲۸} بشارات، ق، ورق ۱۲۸

^{۲۹} کلمات طیبات، ص ۱۵، مالا بدتمہ، ص ۱۱۸۔ اس شعر کا ترجمہ یہ ہے: کسی کے در پئے

آزار ہونے کے علاوہ جو چاہو کرو۔ کیونکہ ہماری شریعت میں اس کے علاوہ کوئی گناہ نہیں ہے۔

^{۲۵} ایضاً، ترجمہ، دشمنوں کے ساتھ نرمی سے اور دوستوں کے ساتھ مہربانی سے

پیش آؤ۔

اور نیک طینتی سے اپنے اعزہ و اقارب، اپنے دوستوں، ملنے والوں اور عام لوگوں کو ہمیشہ خوش رکھا، سید نعیم اللہ بھڑاچی فرماتے ہیں، انھوں نے پانی پت میں ہر شخص کے دل میں قاضی صاحب کے لیے بے پناہ عزت دیکھی۔^{۵۱} ان کے اخلاق جمیلہ کے مسلمان ہی نہیں، علاقے کے غیر مسلم بھی مداح تھے۔ پہلے گزر چکا ہے کہ قاضی صاحب کو پانی پت کا قلعہ دار مقرر کرنے کے لیے نواب مختار کے دربار میں دو ہندو باپ بیٹے نے سفارش کی تھی۔ علاوہ ازیں اپنے ایک مکتوب بنام سید نعیم اللہ میں خود قاضی صاحب اپنے ایک ہندو قدر دان کے گھر تشریف لے جانے کا واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔^{۵۲}

اس خوش اخلاقی کا نتیجہ تھا کہ جب ایک خاص ذہن کے لوگوں کی جانب سے ان کو پانی پت کے منصبِ قضا سے معزول کرانے کی کوشش شروع کی گئی تو مخالفین کو اس ہزاروں کی آبادی کے شہر میں چار افراد کے سوا کوئی بھی ان کا مخالف نہ مل سکا۔ یہ چار افراد بھی وہ تھے جو ان سے خاندانی عداوت رکھتے تھے۔ قاضی صاحب نے ایک خط میں مرزا مظہر کو یہ حالات بالتفصیل لکھے ہیں جس میں ایک یہ جملہ بھی ہے:

”ان چار افراد کے علاوہ اہل پانی پت، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے

میرے احسان مند ہیں۔“^{۵۳}

پھر جب ان افراد کی طرف سے بھی صلح کے لیے سلسلہ جہنبانی ہوئی تو قاضی صاحب نے وسعتِ قلبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سب کو معاف کر دیا، جس پر حضرت مظہر نے قاضی صاحب کے متعلق۔ ”لایصدر عن الخیر الا الخیر“ کا جملہ منطبق کیا،^{۵۴}

آپ کے نزدیک خوش اخلاقی درحقیقت حقوق العباد کا ایک حصہ ہے جس کی اہمیت ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے:

”پس ہر اس بات سے، جس سے لوگوں کے حقوق مجروح ہوتے ہوں،

اجتناب کرنا چاہیے۔۔۔ اور حقوق العباد کی بخشش نہیں ہوتی، اس بارے

^{۵۱} بشارات، ق، ورق ۱۲، اب ^{۵۲} کتاب مذکور، ورق ۱۶۱ ب

^{۵۳} لوائح، ص ۵۶، م ۱۵ ^{۵۴} مکاتیب (قریشی) ص ۹۴، م ۶۶

میں آیات و احادیث بے شمار ہیں۔^{۵۵}

”حق تعالیٰ اپنے حقوق بخش دے گا، مگر بندوں کے حقوق نہ بخشے گا۔“^{۵۶}

اسلام میں مسلمان کے جان و مال کی عزت ہے، اسے اس مؤثر جملے میں بیان فرماتے ہیں:

”اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کی عزت اور مال کی حرمت

ویسی ہی ہے جیسے اس کی جان کی حرمت۔ آنحضرت نے کعبۃ اللہ سے فرمایا تھا

کہ خداوند تعالیٰ نے تجھے کس قدر عزت و آبرو دی ہے لیکن مسلمان کے جان و مال

کی عزت و حرمت تجھ سے بھی زیادہ ہے۔“^{۵۷}

انھوں نے حقوق سے متعلق ایک مستقل کتاب مرتب فرمائی ہے، جس میں تمام حقوق کو سات قسموں میں بیان کیا ہے، اس اہم کتاب کا نام ”حقیقت الاسلام“ رکھ کر یہ تاثر دیا کہ حقوق کے ادا کرنے کا نام ہی اسلام ہے۔ ان کے ہاں خوش اخلاقی کا جامع تصور حسب ذیل ہے۔

”اپنے ماتحتوں یعنی بیوی، بیٹوں، نوکر چاکر اور رعایا میں سے ہر ایک کے

ساتھ اس طرح کا برتاؤ کیا جائے کہ وہ راضی و خوش رہیں۔۔۔ اپنے محذوموں کے

ساتھ فرمانبرداری اور خدمت گزاری کا برتاؤ رکھنا چاہیے اور اپنے قریبی لوگوں

مثلاً اپنے رشتہ داروں، دوستوں اور اہم مجلسوں اور اپنے ہمسایوں کے اخلاص و

محبت اور غم خواری اور انکساری سے پیش آنا چاہیے۔“^{۵۸}

اس اقتباس میں قاضی صاحب کی زندگی کا عکس باسانی دیکھا جاتا ہے، اپنے خاندان

دالوں، اپنے اساتذہ و مشائخ، اپنی آل اولاد اور معاصرین سے ان کے نہایت خوش گووار

مراسم تھے۔

مہمان نوازی

قاضی صاحب کے اوصاف حمیدہ میں مہمان نوازی کا وصف بھی قابل ذکر ہے، ان

^{۵۶} مالابدمنہ، ص ۱۱۸

^{۵۷} کلمات طبیات، ص ۱۵۷

^{۵۸} کلمات طبیات، ص ۱۵۷

^{۵۹} کتاب مذکور، ص ۱۱۲-۱۱۳

کے ہاں پانی پت میں اکثر مہمانوں کی آمد و رفت جاری رہتی تھی، جس میں ان کے استاد و مربی حضرت منظرؒ سے لے کر عام عقیدت مند اور طالبانِ علم تک سبھی قسم کے لوگ شامل ہوتے تھے، ان لوگوں کی خدمت کر کے وہ بے حد راحت محسوس کرتے تھے۔

مرزا منظر پانی پت اکثر و بیشتر تشریف لے جاتے رہتے تھے، یہاں ان کا قیام بعض اوقات طویل بھی ہو جاتا تھا،^{۱۵۹} ان کی خدمت و قیام کا اہتمام قاضی صاحب ہی کیا کرتے تھے۔ اگر ان کی تشریف آوری میں تاخیر ہو جاتی تو خود خط لکھ کر باصرار دعوت دیتے تھے۔^{۱۶۰} بعض اوقات حضرت منظر کے اہل خانہ یہاں رہ جاتے اگرچہ مردم محل (ابلیہ حضرت منظرؒ) مردم بزرگ طبیعت مالک تھیں، مگر ان کی خدمت و جان نثاری کا وہ بھی دل سے اعتراف کرتی تھیں،^{۱۶۱} اسی اعتماد کی بنا پر مرزا منظرؒ نے اپنی سو وائی بیوی کی خدمت اور دیکھ بھال کی وصیت شہادت سے پہلے قاضی صاحب کو فرمائی تھی،^{۱۶۲} چنانچہ اپنے مرشد کے انتقال کے بعد قاضی صاحب نے ان کو پانی پت ہی بلا لیا تھا۔ اپنی وفات تک وہ یہیں مقیم رہیں۔

مرزا منظرؒ کے دیگر متوسلین یعنی خود شاہ غلام علی، مرزا لالین، صبیبہ شریفہ اور میاں مداری وغیرہ بھی ان کی شہادت کے بعد پانی پت ہی چلے آئے تھے، جہاں ہر طرح ان کی عزت و تکریم کی گئی اور قاضی صاحب نے اپنے رویے اور سلوک سے ان کو خوش رکھا۔

سلسلہ منظریہ کے دیگر متوسلین بھی وقتاً فوقتاً پانی پت تشریف لے جاتے رہتے تھے، جن میں ان کے تمام شاگرد اور مستفیدین شامل ہیں۔ خانقاہ نور محل (راویج۔ ریاست دیوبند) کے بانی اخوندزادہ مسیح سیمؒ بھی اسی فہرست میں شامل ہیں، وہ ایک مرتبہ مرزا منظرؒ کے تعارفی رقعے کے ذریعے آپ کے ہاں پہنچے،^{۱۶۳} ایک موقع پر آنکھوں نے پانی پت سے مرزا منظر کو خط بھی لکھا۔^{۱۶۴} اس مہمان نوازی اور علم دوستی سے متاثر ہو کر اخوندزادہ نے اپنے

^{۱۵۹} مکاتیب (قریشی)، ص ۳۱، ۲۲، ص ۳۲، ۲۵ وغیرہ

^{۱۶۰} لوائح، ص ۵۰، ۱۱، ص ۳۲، ۲، ص ۳۲، ۲

^{۱۶۱} بشارات، ق، ورق ۱۶، ب ۱۶۳، لوائح، ص ۳۵، ۲

^{۱۶۲} حوالہ سابق -

وطن کے تین طالب علموں کو جن میں ان کے سسر بھی شامل تھے، پانی پت بھیجا۔ ان میں سے ملا سردار تقریباً دو سال وہاں مقیم رہے اور قاضی صاحب کی مہمان داری سے متمتع ہوئے، ان کے متعلق قاضی صاحب اپنے ایک خط میں اخوندزادہؒ کو لکھتے ہیں:

”ملا سردار دو سال سے یہاں تشریف رکھتے ہیں اور بخیریت ہیں، نسبت علیا

اور ہدایہ و مشکوٰۃ کی تحصیل و تعلیم میں مشغول ہیں۔“ ۶۵

اس سلسلے میں سب سے خوش گوار تجربہ سید نعیم اللہ بہرپچیؒ کا ہے۔ وہ لکھنؤ سے دہلی آتے وقت راستے میں پانی پت ضرور ٹھہرا کرتے تھے، ایک مرتبہ چالیس یوم ۶۶ اور دوسری مرتبہ ایک سال ۶۷ پانی پت میں مقیم رہے، ان کو پانی پت میں جس خلوص اور جذبہ مہمان نوازی سے خوش آمدید کہا گیا، اس کا اندازہ سید مذکور کے اس بیان سے کیا جاسکتا ہے جو انھوں نے پانی پت سے رخصت ہونے کی منتظر کشی کرتے ہوئے لکھا، فرماتے ہیں:

”حضرت مولانا نے بوقت رخصت ایک سو رفقاً فقیر کے ہمراہ کر دیے اور

فرمایا کہ دل تو چاہتا ہے کہ تمہیں اکیلا نہ چھوڑوں اور رفاقت کے لیے لکھنؤ تک

ہمراہ جاؤں، لیکن چونکہ دونوں طرف سے یہی جذبات ہیں، اس لیے تم بھی مجھے

اکیلا واپس نہ آنے دو گے، پھر فقیر تمہیں یہاں سے اکیلا نہ جانے دے گا اور

مجبوراً یہ معاملہ۔۔۔ طول پکڑ جائے گا اور عمر اسی میں صرف ہو جائے گی۔ ایک

مرتبہ میرے بزرگوں میں سے ایک بزرگ کا اپنے دوستوں کے ساتھ یہی ماجرا

گذرا تھا۔ لہذا میں تمہیں یہیں سے سپرد خدا کرتا ہوں۔“ ۶۸

حضرت مظہرؒ اور ان کے متوسلین کی خدمت

قاضی صاحب کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ انھوں نے طویل عرصے تک حضرت مظہرؒ

۶۵ کتاب مذکور، ص ۲۲۰، م ۱۷۶۔ ۶۶ بشارات، ق، ورق ۱۶۷۔ الف

۶۷ فاروق بہرپچیؒ - ”معارف“ - اعظم گڑھ، ۲۳/۶: ۲۲۹

۶۸ بشارات قلمی، ورق ۱۶۷۔ ج

اور ان کے متوسلین کی خدمت و جان نثاری کا حق ادا کر کے خود کو ان توقعات کے مطابق پورا ثابت کیا جو حضرت منظرؒ نے ان کی ذات سے وابستہ کر رکھی تھیں، تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ حضرت منظرؒ کے اخراجات کی کفالت، حضرت منظرؒ بڑے متوکلانہ زندگی بسر کرنے والے بزرگ تھے، بڑے بڑے امرا اور وزرا تک کو خاطر میں نہ لاتے تھے، لیکن قاضی صاحب پر اعتماد کا یہ عالم تھا کہ ابتداً چار پانچ سال تک اپنے ذاتی اور نجی اخراجات کے کفالت کا موقع بہم پہنچایا۔ ان کے نام اپنے ایک مکتوب میں اس طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”نواب ارشاد خاں صاحب نے سال دو سال یہ خدمت سہرا انجام دی، جیسا کہ آپ نے اور آپ کے مرحوم بھائی نے چار پانچ سال یہ ذمہ داری قبول کیے رکھی۔“

چونکہ حضرت منظرؒ کے ساتھ ان کے خادموں اور طالبانِ سلوک کی جماعت بھی ہمیشہ رہتی تھی، اس لیے ظاہر ہے یہ اخراجات خاصی مقدار میں ہوں گے، مگر قاضی صاحب کی محبت و عقیدت نے یہ سب گوارا کیا۔

اس کے علاوہ حضرت منظرؒ عام طور پر سال میں ایک یا اس سے زائد مرتبہ ایسے یا مع اہل و عیال و خدام قاضی صاحب کے ہاں پانی پت تشریف لے جاتے تھے، جہاں بعض اوقات مہینوں قیام رہتا تھا۔ ایسے مواقع پر قاضی صاحب ان کی خدمت و جان نثاری کا بھرپور مظاہرہ کرتے، جس کا اکثر اپنے خطوط میں تعریفی انداز میں ذکر کرتے۔

پانی پت اناج کی منڈی تھی، کپڑے وغیرہ کی خرید و فروخت میں بھی یہ شہر بڑا مشہور تھا۔ اس نوع کی ضروریات حضرت منظرؒ اکثر پانی پت سے منگواتے تھے۔ لہذا قاضی صاحب ایسے مواقع پر بصد خوشی تعمیل احکام کرتے تھے۔

۱۹ بشارات، ق، ورق ۱۵۲۔

۲۰ دیکھیے مکاتیب منظر (قریشی)، ص ۴، ۳ م و بمواقع عدیدہ۔

۲۱ ایضاً، ص ۵۴، ۳۹ م (و بموضع کثیرہ)۔

حضرت مظہرؒ کی اہلیہ مردم محل کی کچھ زرعی زمین موضع نگلہ میں واقع تھی، چونکہ حضرت مظہر یا ان کی اہلیہ دونوں ہی اس کی نگرانی سے قاصر تھے، لہذا اس زمین کی نگہداشت کی تمام ذمہ داری قاضی صاحب پر تھی، جسے وہ ایک خدمت سمجھ کر آخر وقت تک نبھاتے رہے۔^{۷۲}

بہر حال قاضی صاحب کو اپنے مرشد و استاد کی جس قسم کی خدمت کا موقع ملا، وہ اسے بعد مسرت کرتے رہے۔

ب۔ زوجہ حضرت مظہر (مردم محل) کی خدمت: ان کا اصل نام تو معلوم نہیں مگر چونکہ حضرت مظہرؒ اپنے خطوط میں "مردم محل" لکھا کرتے تھے۔ اس لیے ان کی شہرت اسی نام سے ہوئی۔ یہ کہنا تو مشکل ہے کہ یہ کب ان کے عقد میں آئیں، البتہ حضرت کے ایک ارشاد "چنانچہ فقیر نے بیس سال یا اس سے زیادہ عرصے تک اس مستورہ کی خدمت اور ناز برداری کی ہے۔"

سے قیاس ہوتا ہے کہ وہ حضرت مظہر کے جبالہ عقد میں نواح ۱۱۴۵ھ/۶۱، ۶۱ میں آئی ہوں گی، معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت مظہرؒ کی نسبت عمر میں کافی چھوٹی تھیں، کیونکہ اس وقت حضرت مظہرؒ کی عمر تقریباً ۶۵ برس کے قریب ہوگی۔ گو مردم محل بھی پہلے شوہر دیدہ تھیں۔ مگر حضرت مظہرؒ اور ان کی عمروں کے درمیان کافی تفاوت تھا۔

اگرچہ وہ مردم آزار طبیعت کی مالک تھیں، تاہم حضرت مظہرؒ ہمیشہ ان کی دلجوئی کی کوشش کرتے تھے، چنانچہ ایک موقع پر قاضی صاحبؒ کو لکھا:

پس کل ۲۰ ماہ محرم الحرام کو مردم محل ان کی اپنی خواہش پر پانی پت کے لیے روانہ ہو رہی ہیں، لہذا مناسب ہے کہ ان کے وہاں پہنچنے کے بعد ان کی دلجوئی اور خاطر داری کی پوری کوشش کی جائے۔^{۷۳}

مردم محل کی سودائی طبیعت کا یہ اثر تھا کہ حضرت مظہر کی متلاہلانہ زندگی اکثر مختل رہتی تھی، جس کا تذکرہ قاضی صاحبؒ کے نام مکتوبات میں بکثرت ملتا ہے۔ مثلاً:

^{۷۲} دیکھیے مکاتیب مظہر (قریشی)، بمواقع عدیدہ ^{۷۳} بشارات، ق، ورق ۱۶۷ ب

^{۷۴} مکاتیب (قریشی)، ص ۷۵، م ۵۵

مردم محل کے ہاتھوں، جن کا ان دنوں سوداٹے جنون پریشانی، تنگدستی اور زبردبار
 قرض ہونے کی بنا پر عروج پر ہے، میں سخت تنگ آ گیا ہوں۔" ۱۷۷
 "خاتون خانہ کی بے اعتدالیوں حد سے بڑھ گئی ہیں جو تحریر کے ذریعے بیان نہیں
 ہو سکتیں۔ بالمشافہ ملاقات ہوگی تو بتاؤں گا۔" ۱۷۸

اسی بنا پر حضرت مظہرؒ دہلی سے باہر رہنا پسند کرتے تھے،

"فیر کا اور مردم محل کا ایک شہر میں رہنا بھی باعثِ فتنہ ہے۔" ۱۷۹

مردم محل کی اس تنگ مزاجی اور آشفٹہ سری کے باوجود حضرت مظہرؒ نے ہمیشہ ان کی
 خاطر مدارات کا اہتمام فرمایا، کبھی ان سے مفارقت کا خیال نہیں کیا بلکہ مقدور بھران کا حق ادا
 کرتے رہے، کیونکہ بقول بعض، وہ اپنی زوجہ کی اس تند مزاجی کو مریدین کی جانب سے
 حد سے زیادہ خدمت و استمالت کا علاج سمجھتے تھے۔ ۱۸۰

حضرت مظہرؒ کو اپنی اس سوداٹی بیوی کے حقوق کا کس قدر خیال تھا؟ اس کا اندازہ اس
 وصیت نامے سے لگایا جاسکتا ہے جو وفات سے کچھ روز پہلے انھوں نے قاضی صاحب کو
 لکھ کر عنایت کیا تھا، فرماتے ہیں:

"میری بیوی نے اپنے عارضہٴ سوداکی بنا پر میری طویل رفاقت میں میرے
 ساتھ بہت زیادتیاں لی ہیں جو میرے اعزہ سے محض نہ ہوں گی، میں نے بہر حال
 وہ سب زیادتیاں معاف کر دی ہیں، اس لحاظ سے کہ انھیں اللہ تعالیٰ اور نبی اکرم
 صلی اللہ علیہ وسلم سے اور خود مجھ سے بھی محبت ہے، ان کے حقوق مجھ پر
 ثابت ہیں۔ لہذا میرے مخلصین کو میرے بعد ان کے ساتھ ہمدردی اور دل جوئی
 لازم ہے۔" ۱۸۱

۱۷۷ کتاب مذکور، ص ۱۸۰، م ۱۲۳ ۱۷۸ مکاتیب (قریشی)، ص ۸۵، م ۱۲۳

۱۷۹ کتاب مذکور، ص ۳۱، م ۲۲۲، م ۲۶، م ۲۳ وغیرہ

۱۸۰ مولانا اشرف علی تھانوی، حکایات اولیا، مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۷ء، ص ۲۶ تا ۲۸

۱۸۱ ایضاً، ق، ورق ۱۶۷

اس عام وصیت کے علاوہ، اس بارے میں خصوصی وصیت بھی فرمائی تھی اور کہا تھا کہ جس طرح میں نے بیس سال تک ان کی دلجوئی اور ناز برداری کی ہے، میرے بعد تم کرنا۔^{۷۷} قاضی صاحب کی مردم محل سے خدمت و عقیدت کا سلسلہ حضرت مظہر کی زندگی ہی میں شروع ہو گیا تھا، چنانچہ اپنے خطوط میں انھیں یوں سلام لکھتے:

”بجناب حضرت والدہ صاحبہ مرشدہ عرض قدم بوس می رسانند۔“^{۷۸}

”والدہ ماجدہ، مرشدہ کی خدمت میں قدم بوسی پہنچے۔“^{۷۹}

حضرت مظہر ایک خط میں لکھتے ہیں۔
”مردم محل نے قاضی صاحب کی اور مولوی احمد اللہ کی خدمت اور انسانیت کی بڑی تعریف لکھی ہے۔ خدا تعالیٰ تمہیں جزا دے۔“^{۸۰}

جن دنوں قاضی صاحب کا قیام دہلی میں اور حضرت مظہر کا بیرون دہلی ہوتا تھا تو قاضی صاحب ہی گھریلو امور کے متکفل بنائے جاتے تھے۔ ان ایام میں حضرت مظہر کے منع کرنے کے باوجود آپ خود ڈیوڑھی پہ جا کر جو پیغام دینا ہوتا دیتے۔

”تمہارے لیے یہ کوئی ضروری ہے کہ تم خود ڈیوڑھی پہ جاؤ، بلکہ شاہ علی

جب آپ کی خدمت میں آئے تو اس کی وساطت سے کوئی ضروری پیغام ہوا تو بھیج دیا کرو۔“^{۸۱}

مردم محل خود بھی حضرت مظہر کے توسط سے قاضی صاحب کو خطوط لکھتی تھیں۔

یہ معاملات تو حضرت مظہر کی زندگی کے ہیں لیکن قاضی صاحب کی جانب سے مردم محل

کی اصل خدمت کا زمانہ حضرت مظہر کی وفات (۱۱۹۵ھ) کے بعد شروع ہوتا ہے، جب

آپ انھیں اپنے مرشد کی وصیت کے مطابق بصد عزت و احترام پانی پت لے گئے تھے۔

جس زمانے (تقریباً ۱۲۰۲ھ/۱۸۸۸ء) میں مولوی نعیم اللہ بٹراپچی نے اپنی کتاب بشارات مظہر

مرتب کی۔ اس زمانے میں وہ پانی پت میں تشریف رکھتی تھیں۔ سید نعیم اللہ بٹراپچی لکھتے ہیں:

دیکھیے عبدالرزاق قریشی، مقدمہ مکاتیب مرزا مظہر، ص ۱۳ تا پندرہ

بشارات، ق، ورق ۱۶۷ ب ۷۷ لوائح خانقاہ مظہریہ، ص ۵۴، ۱۴

مکاتیب مرزا مظہر (قریشی)، ص ۴، ۳ ۷۷ کتاب مذکور، ص ۳۱، ۲۴

اب مردم محل پانی پت میں حضرت قاضی صاحب کے دولت خاندان میں
تشریف رکھتی ہیں اور حضرت مولانا (قاضی صاحب) ان کی خاطر داری اور ناز برداری
میں حضرت مظہر ہی کی طرح پوری کوشش کرتے ہیں اور ان کی خدمت و ادب میں
کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کرتے۔ ۱۵۷

قاضی صاحب اپنے ایک مکتوب بنام اخوندزادہ ملا نسیم میں فرماتے ہیں،
بی بی صاحب --- چند سالوں سے پانی پت میں مقیم تھیں، اب چھ ماہ
سے شاہ بہاں آباد (دہلی) میں ہیں۔ ۱۵۸

معلوم ہوتا ہے کچھ عرصہ دہلی میں قیام کے بعد وہ دوبارہ پانی پت میں چلی آئی تھیں
کیونکہ ان کی قبر پانی پت ہی میں ہے۔ ۱۵۹

قاضی صاحب یہاں ان کے یوں تو تمام اخراجات کے کفیل تھے تاہم معلوم ہوتا ہے کہ
اخراجات کے لیے کچھ ماہانہ وظیفہ بھی مقرر رکھا تھا، چنانچہ ملاحظہ فرمائیے کہ ایک مکتوب بنام
اخوندزادہ سے پتا چلتا ہے کہ قاضی صاحب انھیں ماہانہ ۱۰ روپے اور ملا مراد ۱۰ ایک روپیہ
دیا کرتے تھے۔ ۱۶۰

مردم محل کا انتقال وصیت نامے کے ابتدائی حصے کی ترتیب سے پہلے (نواح ۱۲۲۰/۱
۱۸۰۵ میں) ہو گیا تھا۔

ج۔ پیر (شاہ) علی: یہ مردم محل کے عزیزوں میں سے تھا، جسے انھوں نے متبغی

۱۶۱ بشارات قلمی، ورق ۱۶۷، اب ۱۶۷ لوائح خانقاہ مظہر یہ، ص ۲۳۷، م ۱۹۱۔

۱۶۲ دیکھیے رسالہ SERHAND مطبوعہ ترکی: Catalgese soke

ص ۲۵ میں اہلیہ حضرت مظہر کے مزار کی تصویر جو پانی پت میں ہے۔ (بشکریہ اقبال بھٹی)

۱۶۳ لوائح، ص ۲۵۹، م ۱۹۱۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ حضرت مظہر کے مکاتیب

کے مطابق اس زمانے میں ایک روپیہ بڑی رقم شمار ہوتی تھی۔ ایک روپے کا

ایک من اناج یا ایک کپڑے کا تھان آجاتا تھا (مکاتیب (قریشی، ص ۲۲)

کر لیا تھا۔ مکاتیب مظہر یہ میں اس کے نکتے پن اور حر لیں ہونے کی شکایت کی گئی ہے ۹۰
مگر اس کے باوجود حضرت مظہر ۹۱ انھیں اپنی اولاد کی طرح مانتے تھے نیزہ اس نے حضرت
مظہر کے گھر میں مستقل ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مظہر کی وفات کے بعد وہ بھی مردم محل کے ساتھ پانی پت
چلا آیا تھا، کیونکہ نواح ۱۲۱۶ھ میں اس کا بیٹا یہیں مقیم تھا۔ ۹۱

ح۔ میاں مداری: میاں مداری شاہ علی کی پہلی بیوی کے بطن سے تھا۔ شاہ علی کی وفات
کے بعد قاضی صاحب نے اس کو بھی سہارا دیا تھا۔ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

”مرزا شاہ علی مدت ہوئی انتقال کر گئے ہیں، پیچھے دو بیٹے چھوڑے

ہیں۔ ان میں سے ایک میاں مداری ہیں جو پانی پت میں فقیر کے پاس رہتے ہیں۔ ۹۲

د۔ مرزا لالین: یہ حضرت مظہر کے بھائی کے نبیرہ اور حضرت مظہر کے متبنی تھے۔ ۹۳

جب حضرت مظہر کا انتقال ہوا تو وہ بے یار و مددگار رہ گئے تھے۔ چنانچہ قاضی صاحب ۹۴
انھیں بھی اپنے پاس پانی پت لے آئے تھے۔ معلوم ہوتا ہے وہ قاضی صاحب کی وفات

کے وقت حیات تھے کیونکہ قاضی صاحب ان کی نسبت وصیت نامے میں لکھتے ہیں:

”اور دس بیگہ زمین چاہ میدانی، جو دلیل اللہ کے نانانے مرزا لالین کے

لیے وصیت کی تھی۔ وہ بھی انھیں دے دی جائے اور میں نے اپنی طرف سے

موضع نگلہ کی بیس بیگہ زمین جو کٹوئیں سے کاشت ہوتی ہے، ان کے لیے

مقرر کی ہے، لیکن انھوں نے قبضہ نہیں کیا۔ ۹۴

”ایک من گندم اور ایک روپیہ نقد ماہانہ، جو میں ان کو دیتا تھا۔ بدستور

انھیں دیا جاتا ہے۔“ ۹۵

۹۰ مکاتیب (قریشی)، ص ۳۳، م ۲۲ - ۹۰ حوالہ سابق

۹۱ نواح جائقاہ مظہر یہ، ص ۲۳، م ۱۴۴ - ۹۲ حوالہ سابق

۹۳ حاشیہ کلمات طببات، ص ۱۵۵ ۹۴ کلمات طببات، ص ۱۵۵

۹۵ کتاب مذکور، ص ۱۴۲، مکتوب بنام سید نعیم اللہ بہر اپچی۔

9 - صبیحہ شریفہ؛ یہ شیخ محمد عابد سنہ ۱۲۰۰ھ کی صاحبزادی تھیں۔ ان کی وفات کے وقت وہ فقط دس سال کی تھیں۔ اس موقع پر حضرت مظہرؒ نے اس کے سر پر دستِ شفقت رکھا اور اسے اپنے پاس لے آئے اور منہ بولی بیٹی بنا لیا۔ بالغ ہونے پر اس کا نکاح مناسب گھر دیکھ کر کر دیا گیا۔ مگر شوہر سخت ظالم نکلا جو بات بات پر انھیں زد و کوب کرتا تھا۔ اسی دوران حضرت مظہرؒ کی بھی شہادت ہو گئی، اب تو اسے اور بھی جرات ہونے لگی۔ ایک ایسے ہی موقع پر قاضی صاحب کو صبیحہ شریفہ کے متعلق پتا چلا کہ شوہر نے انھیں ناجائز پیٹا ہے، قاضی صاحب اس کے شوہر کے پاس تشریف لے گئے اور اسے اس حرکت پر سخت سست کہا۔ اس سے حضرت مظہرؒ کی روح کو بڑی مسرت ہوئی، آپ فرماتے ہیں :

”اسی رات میں نے حضرت مظہرؒ کو دیکھا کہ آپ مجھے بار بار بغل میں لیتے

اور میری پیشانی چوم رہے ہیں اور بہت زیادہ مہربانی کر رہے ہیں۔“
غالباً خاوند کی دنیا یا اللہ سے طلاق پانے کے بعد انھیں بھی قاضی صاحب پانی پت اپنے پاس لے آئے تھے، اور خود ان کے اخراجات کی ذمہ داری اٹھالی تھی، جب کہ دوسرے متوسلین خالقاہ بہت کم خبر گیری کرتے تھے، آپ خود فرماتے ہیں : ان کے حالات کی بہت کم لوگوں کو خبر ہے۔ ۹۶

قاضی صاحب سال میں دس من گندم اور پانچ چھ روپیہ ان کی نذر کرتے تھے، نیز وصیت کی تھی کہ میرے مرنے کے بعد بھی ان کے ساتھ یہ سلوک جاری رہے۔ ۹۷

متردکات

قاضی محمد ثناء اللہ نے علمی دنیا میں جو کچھ پس انداز کیا اس کا ذکر تو آئے آگے آئے گا، البتہ یہاں اسباب ظاہری کی قسم سے پیچھے چھوڑی ہوئی اشیا کا ذکر کیا جائے گا۔ تفصیل درج ذیل ہے۔

۹۶ کتاب مذکور، ص ۱۲۲، مکتوب بنام سید نعیم اللہ بہر پائی۔

۹۷ کتاب مذکور، ۱۵۵، نیز وصیت نامہ۔ درکلمات طیبات

مزرعہ زمین: قاضی صاحب ایک ایسے خاندان کے چشم و چراغ تھے جو علاقے کی سیاست اور اقتصادیات پر کافی عرصے حاوی تھا، چنانچہ ان کو دراشت میں اچھی خاصی زمین ملی تھی۔ اس کے علاوہ غیر منقولہ جائیداد بھی تھی۔ وصیت نامے سے پتا چلتا ہے کہ ان کی مملوکہ زمین پانی پت کے علاوہ موضع نگلہ میں بھی تھی، فرماتے ہیں:

"فقر اپنی زندگی میں نصف موضع نگلہ اور اٹلاک قصبہ (پانی پت) اپنی ملکیت میں رکھتا تھا۔" ۹۸

مکانات: قاضی صاحب دہلی اور پانی پت میں متعدد مکانات کے مالک تھے، مرزا مظہر اپنے ایک مکتوب میں قاضی صاحب کے مکانات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"برائے اخوندزادہ سلمہ... مکان کی تدبیر سوچنا لازم ہے۔ اگرچہ تمہارے

مکانات معلوم ہیں، لیکن الاہم فالاہم کی ترتیب ضروری ہے۔" ۹۹

"مکانہ" کے لفظ جمع سے جن متعدد مکانات کا اشارہ کیا گیا ہے، اس کی مزید تائید اس سے ہوتی ہے کہ مرزا مظہر کا پانی پت میں بکثرت آنا جانا تھا۔ بعض اوقات وہ مع اہل و عیال کے پانی پت تشریف لاتے، پانی پت میں مرزا مظہر کا قیام قاضی صاحب ہی کے مکانات میں ہوتا تھا۔ حضرت مظہر کی وفات کے بعد ان کے متعلقین یعنی مردم محل (زوجہ) صبیہ شریفہ (منہ بولی بیٹی) اور مرزا لالین (منہ بولے بیٹے) نے قاضی صاحب ہی کے ہاں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ یعنی ان کو مکان دیے گئے تھے۔

قاضی صاحب کے متعدد مکانات میں سے ایک مکان وہ تھا، جس میں ان کا کتب خانہ تھا، یہ جگہ ۱۹۴۷ء تک صحیح سلامت تھی۔ ۱۰۰

پانی پت کے علاوہ دہلی میں بھی ان کی ایک حویلی تھی، جو ان کی والدہ کی ملکیت تھی، یہ حویلی پہلے کرائے پر دی گئی تھی، اس کا کرایہ مرزا مظہر اکثر وصول کر کے ارسال کرتے تھے، چنانچہ ایک خط میں وہ قاضی صاحب کو لکھتے ہیں:

۹۸ کلمات طیبات، ص ۱۵۴، م ۱۵۵۔ ۹۹ مکاتیب (قریشی)، ص ۶۹، م ۶۹

۱۰۰ عبدالرزاق قریشی، پیش لفظ مکاتیب مرزا مظہر، ص ۱۰۰۹

”تحویلی کا کرایہ مبلغ سات۔ آٹھ روپے ارسال ہے۔“^{۱۲۱}

اسی طرح دہلی میں ایک دکان بھی ان کی تحویل میں تھی، تحویلی کی طرح دکان بھی نھیالی سلسلے سے تعلق رکھتی تھی، اسے کرایے پر دے رکھا تھا اور کرایہ دار اسے واگذار کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ مرزا مظہر^{۱۲۲} اس کے متعلق لکھتے ہیں:

”تمھاری والدہ نے دکان کے رہن کے مقدمے میں مواخذہ کیا تھا: بحیل و

حجت واگذار کر لیا ہے۔“^{۱۲۳}

لاٹبریری: قاضی صاحب کے خاندان میں علم کئی پشتوں سے متواتر تھا اور قاضی صاحب کی علمی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا تھا، جس کا مظہر ان کا ”وہ کتب خانہ ہے جو پانی پت میں قائم تھا۔“

ماخذ تفسیر مظہری سے پتا چلتا ہے کہ اس کتاب خانے میں حدیث، تفسیر، فقہ، اصول فقہ، کلام، تاریخ و سیر اور تصوف وغیرہ کے موضوعات پر بہت سی کتب موجود تھیں، علاوہ ازیں مرزا مظہر نے اپنی وفات سے پہلے بذریعہ وصیت اپنا کتاب خانہ قاضی صاحب کے سپرد کر دیا تھا۔ اس موقع پر حضرت مظہر نے قاضی صاحب کو لکھا:

”چونکہ زندگی کی امید نہیں ہے، اس لیے میری یہ وصیت ہے کہ جب

تم میری وفات کی خبر سنو تو دہلی میں میرے پاس کتابوں کا جو ذخیرہ ہے وہ میں نے تمھیں اس شرط پر بخشا کہ تم اسے میاں محمد مراد سے حاصل کر لو۔“^{۱۲۴}

علاوہ ازیں مرزا مظہر کے مکتوبات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی زندگی میں بھی ان کے اور قاضی صاحب کے درمیان تبادلہ کتب ہوتا رہتا تھا،^{۱۲۵} دیگر ذرائع سے بھی قاضی صاحب اپنے کتاب خانے میں اضافہ کرتے رہتے تھے، اس طرح یہ کتاب خانہ بہت سی نادر کتابوں کا گنجینہ تھا۔ قاضی صاحب کے بعد اس کتاب خانے پر کیا بیٹی، اس کی تفصیل ابو محمد محی الاسلام یوں بیان کرتے ہیں:

^{۱۲۱} مکاتیب (قریشی)، ص ۱۹۰، م ۱۳۱ ^{۱۲۲} کتاب مذکور، ص ۱۹۰، م ۱۰۵

^{۱۲۳} کتاب مذکور، ص ۶۶، م ۲۶ ^{۱۲۴} کتاب مذکور، ص ۱۲۳، م ۸۳

”حضرت قاضی صاحب کی اولاد نے کتب خانہ تقسیم نہ کیا تھا بلکہ مشترکہ صورت میں قائم رکھا ہوا تھا جو اہل ہوتا وہ اس سے مستفیض ہوتا رہتا تھا، مولوی قاضی عبدالسلام اور مولینا محفوظ اللہ کے زمانے تک یہی حال رہا اور کتب خانے کی نہ صرف خدمت و نگرانی ہوتی رہی بلکہ اس میں اضافہ بھی ہوتا رہتا تھا۔ قاضی محفوظ اللہ کی وفات نے وہ علمی شمع گل کر دی جو حضرت خواجہ محمد ابراہیم کے زمانے سے روشن چلی آتی تھی اور جس کی روشنی قاضی صاحب نے بیرون ہندوستان تک پھیلا دی تھی اور کتب خانہ شخصی مقبوضہ بن کر رہ گیا اور نا اہل و نا قدر شناس ہاتھوں میں جا کر تقریباً تباہ ہو گیا، سینکڑوں کتب بے خبری میں تلف ہو گئیں اور جو باقی ہیں وہ اچھی حالت میں نہیں۔“

مولانا ابوالحسن زید دہلوی کتاب خانے کی حالت پر یوں روشنی ڈالتے ہیں:

”میری منجھلی بہن نواب زادہ لئیق احمد صاحب کی اہلیہ ہیں اور اس طرح اس مکان کے دیکھنے بلکہ اس میں قیام کرنے کا بھی مجھے کئی بار موقع ملا ہے۔ اس مکان کے ایک کمرے میں تقریباً ۷۲ سالوں سے کتابوں کا انبار زمین پر پڑا تھا، کیا قیمتی ذخیرہ تھا جو برباد ہوا۔ ردی کاغذ کی شکل میں لپٹے اور اوراق تقریباً ڈیڑھ دو من تھے۔ سب ضائع ہو گئے۔ بیس دن تک ایک عالم کو میں نے وہاں رکھا اور اُنھوں نے ایک ایک ورق دیکھا، صرف پانچ سات کتا ہیں ہاتھ لگیں۔“

مولانا ابوالحسن زید کی تصریح کے مطابق قاضی صاحب کے کتب خانے پر مشتمل کمرہ ۶۱۹ تک صحیح سلامت تھا، اس کی چوڑائی لمبائی تقریباً چالیس چالیس گز (۱۲۰x۱۲۰ فٹ) تھی، یعنی خاصا بڑا اور کشادہ کمرہ تھا، اس کتاب خانے کے علاوہ ... قاضی صاحب کی تقریباً تمام کتابوں کے مخطوطات محفوظ تھے، جنھیں بعد میں مولانا ابوالحسن زید دہلوی

۱۵۰ تعارف تفسیر مظہری، ق، ص ۱۶۔

۱۵۱ پیش لفظ مکاتیب مظہر، مرتبہ قریشی، ص ۱۰، بحوالہ مکتوب ابوالحسن زید۔

اٹھا کر لے گئے، ان تک یہ تاریخی امانت کیوں کر پہنچی، اس کی تفصیل بھی وہ خود ہی بیان کرتے ہیں:

”وہ۔۔۔۔۔ مولوی محفوظ اللہ بن مولوی وقی اللہ بن صفوة اللہ بن قاضی

احمد اللہ بن قاضی محمد شہداء اللہ تک محفوظ تھا۔ آگے ان کا کوئی بیٹا نہ تھا، یہ علمی کتب خانہ

درائتاً ان کی بیٹی کو اور بیٹی سے آگے پھر بیٹی کو اور ان سے ان کے بیٹے

نواب زادہ لئیق احمد خاں انصاری کو پہنچا۔ اوائل ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء نواب زادہ

لئیق احمد خاں انصاری نے ان کتابوں کو فقیر کے حوالے کر دیا۔^{۱۵۰}

اس کتاب خانے کے نوادر میں سے مرزا مظہر جان جاناں کے وہ مکتوبات بھی تھے جو

انہوں نے قاضی صاحب کے افرادِ خانہ کے علاوہ پانی پت کے دیگر افراد کے نام لکھے تھے۔

قاضی صاحب ان خطوط کو نہایت حفاظت کے ساتھ ایک تھیلے (خریطہ) جو اہر میں محفوظ

رکھے ہوئے تھے، اس خریطہ جو اہر کی زیارت کا شرف سید نعیم اللہ بیڑا بھی کو بھی حاصل

ہوا تھا، وہ لکھتے ہیں:

”حضرت مظہرؒ نے بہت سے خطوط جو ترتیب دیے جانے کے مستحق ہیں، حضرت

مولانا پانی پتی کے نام تحریر کیے تھے اور حضرت مولانا نے ان خطوط کو ایک تھیلے

(خریطہ) میں نہایت احتیاط کے ساتھ محفوظ رکھا ہوا تھا، فقیران تمام مکتوبات

کے مطالعے سے مشرف ہوا ہے، چند ایک کا انتخاب کر کے اپنے پاس بھی رکھا ہے۔^{۱۵۱}

بعد میں ان خطوط کو عبدالرزاق قریشی نے بمبئی سے شائع کر دیا۔

تبرکات

قاضی صاحب کو اپنے پیر و مرشد مرزا مظہرؒ سے از حد عقیدت تھی۔ ان کے ہاں ان

کے حسب ذیل تبرکات بھی محفوظ تھے:

پیراہن، حضرت مظہرؒ نے بوقت شہادت جو قمیض پہنی ہوئی تھی اور جس پر خون کے

^{۱۵۱} بشارات، ق، ورق ۱۵۰۔

^{۱۵۰} حوالہ سائق

نشانات ثبت ہو گئے تھے وہ حضرت مظہرؒ کے متعلقین کے توسط سے پانی پت پہنچی۔ اہلیہ حضرت مظہرؒ (مردم محل) کے انتقال کے بعد یہ قمیض قاضی صاحب کی تحویل میں رہی تھی۔^{۱۱۱} گل تکیمہ، جو گل تکیمہ (گاؤ تکیمہ) مرزا مظہرؒ کی شہادت کے وقت زیر استعمال تھا۔ وہ بھی اسی ذریعے سے قاضی صاحب کے ہاں پہنچا اور محفوظ رہا۔ یہ دونوں ایشیا بادشاہ بیگم (بنت مولوی کلیم اللہ بن مولوی دلیل اللہ) کی تحویل میں تھیں۔ ان سے قاری ابو محمد محی الاسلام کے پاس پہنچیں،^{۱۱۲} ان کی وفات (۱۹۵۳ء) کے بعد ان کے صاحبزادے پروفیسر محمد علی کے قبضے میں آگئیں جو ایچی سن کالج لاہور میں انگریزی کے استاد تھے۔

حضرت مظہرؒ نے قاضی صاحب کو اپنی دو عدد چادر زانی کے کپڑے بھی مرحمت فرمائے تھے جس میں قاضی صاحب نے اپنی وفات کے بعد خود کو ان میں مکتون کیے جانے کی وصیت کی تھی۔^{۱۱۳} مرزا مظہرؒ کے کچھ تبرکات خانقاہ اخوندزادہ ملا نسیمؒ المعروف بہ خانقاہ نور محل اوج پور میں بھی محفوظ ہیں، جن میں حضرت مظہرؒ کا بوقت شہادت پہنا ہوا فرعل، خون آلود تمدا اور وہ دو جیمیاں شامل ہیں، جن سے حضرت مظہرؒ کا خون پونچھا گیا تھا۔^{۱۱۴} اغلب ہے کہ یہ تبرکات بھی پانی پت سے ہی ان کے ہاتھ لگے ہوں گے۔

^{۱۱۱} ابو محمد محی الاسلام: تعارف، ص ۸، ۹ حاشیہ

^{۱۱۲} ایضاً

^{۱۱۳} وصیت نامہ، درکلمات طیبات، ص ۱۵۲-۱۵۵

^{۱۱۴} لوائح، ص ۲، نیز مکتوب صاحبزادہ جمیل الدین سجادہ نشین خانقاہ نور محل —

بنام راقم الحروف۔

ازواج و اولاد اور مستفیدین

۱۔ ازواج - قاضی صاحب نے مختلف اوقات میں دو شادیاں کیں۔ بڑی بیوی کا نام عجیبہ خانم تھا، وہ ایک کھاتے پیتے گھرانے کی چشم و چراغ تھیں، ان کے والد ایک متمول شخص تھے، جنہوں نے حضرت مظہرؒ کے متبنی مرزا لالین کو موضع ننگہ میں دس بیگہ زمین ہبہ کی تھی۔

عجیبہ خانم کا نکاح قاضی صاحبؒ سے اوائل عمری میں (غالباً ۱۱۶۶ھ/۱۷۵۳ء سے قبل) ہو گیا تھا، وہ ان کی والدہ بادشاہ بیگم کے انتقال کے بعد خاندان کی بزرگ تر خاتون تھیں۔ عجیبہ خانم پر مہی لکھی اور سمجھدار خاتون تھیں۔ وہ بھی حضرت مظہرؒ سے بیعت تھیں اور ان کی مرزا مظہرؒ اور ان کی اہلیہ سے براہ راست خط و کتابت رہتی تھی۔ حضرت مظہرؒ کو ان کے حال پر بھی خصوصی شفقت تھی۔ وہ انہیں اپنی بیٹی (فرزند) سمجھتے تھے۔

عجیبہ خانم نے مرزا مظہرؒ سے کسب فیضِ باطنی کے بعد خلافتِ طریقہ حاصل کی تھی۔ وہ حضرت مظہرؒ کی اہلیہ (مردم محل) کے علاوہ واحد خاتون تھیں، جنہیں یہ شرف حاصل ہوا۔ اس موقع پر مرزا مظہرؒ نے جو خط لکھا، اس میں تحریر فرمایا:

”اگر مستورات کو توفیق ملے تو وہ آپ سے توجہ حاصل کر لیں، اجازت ہے۔ اثر ہوگا، بزرگوں سے قوی امید ہے۔ تمہیں میں کبھی کبھار توجہ دیتا ہوں۔ ترقی محسوس ہوتی ہے۔“

۱۔ مکاتیب (قریشی) ص ۱۲۲ ۲۔ وصیت نامہ در کلمات طیبات، ص ۱۵۵-۱۵۶

۳۔ کلمات طیبات، ص ۶۷، ۶۸ ۴۔ مکاتیب (قریشی) ص ۲۲، ۲۵

۵۔ مقامات منظری ص ۷۹ ۶۔ بشارات، ق، ورق ۱۷۳، ۱۷۴۔

عجیبہ خانم قاضی صاحبہ کی نہایت چہیتی بیوی تھیں۔ عجیبہ خانم بھی اپنے شوہر ہمدرد کی بے حد تکریم کرتی تھیں۔ اگر وہ سفر میں ہوتے تو گھر سے پوشاک بنا کر ارسال کرتیں۔ شہ آپ کے خلاف کبھی خود رانی کا اظہار نہ کرتیں، اگر کسی مسئلے میں اختلاف پیدا ہو جاتا تو زیادہ سے زیادہ حضرت منظرؒ کو شکایت لکھ بھیجتیں۔ شہ

ایک مرتبہ وہ قاضی صاحب سے کسی معاملے پر ایسی خفا ہوئیں کہ اپنے بیٹے (احمد اللہ) کے ساتھ مل کر حج کا قصد کیا، مگر چونکہ راستے غیر محفوظ تھے، اسی لیے قاضی صاحب نے ان کو اس ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کی، لیکن وہ بدستور آمادہ رہیں۔ اس پر مرزا منظر سے رائے طلب کی گئی۔ حضرت منظرؒ نے عجیبہ خانم کو لکھا کہ وہ اپنی خفگی دور کریں اور راستے غیر محفوظ ہونے کی بنا پر قصد حج سے باز رہیں۔ چنانچہ انھوں نے ارادہ ملتوی کر دیا۔ عجیبہ خانم سے قاضی صاحب کی متعدد اولادیں ہوئیں۔ عجیبہ خانم کی تاریخ وفات کا کچھ پتا نہیں، لیکن چونکہ وصیت نامے میں ترکے میں ان کے حصے کا ذکر نہیں کیا گیا ہے، اسی بنا پر گمان ہوتا ہے کہ شاید ان کا انتقال قاضی صاحب کی وفات سے پہلے ہی ہو گیا تھا۔

قاضی صاحب کی دوسری بیوی کا نام رابعہ خانم تھا۔ حضرت منظرؒ ان کو بھی اپنے خطوط میں سلام لکھتے اور ان کی خیر و عافیت دریافت کرتے تھے، مگر مجموعی طور پر ان کا مرزا منظرؒ سے تعلق بس واجبی سا تھا۔ تاہم گھر یلو زندگی میں قاضی صاحب کے ساتھ ان کے تعلقات نہایت خوش گوار رہے۔ ان کی وفات بھی اعلیٰ قاضی صاحب کی وفات سے قبل ہو چکی تھی۔ قاضی صاحب کی یہ دونوں بیویاں صاحب اولاد تھیں۔ چنانچہ حضرت منظرؒ اپنے خطوط میں دونوں بیویوں اور ان کی اولاد کو سلام لکھتے تھے:

”دونوں بہوؤں اور دونوں کی اولاد کو سلام و دعا۔“

سید نعیم اللہ بہرائچی کے مطابق عجیبہ خانم سے قاضی احمد اللہ، مولوی دلیل اللہ اور

۷۰ مسکاتیب (قریشی)، ص ۳۳، ۲۵ شہ کتاب مذکور، ص ۵۵، م ۴۰

۷۱ کتاب مذکور، ص ۱۹۲، م ۱۳۲ شہ کتاب مذکور (قریشی)، ص ۱۲۲، م ۱۵

۷۲ کتاب مذکور، ص ۱۱، م ۸

مولوی حجۃ اللہ نیز سعید النساء اور نشاط النساء اور رابعہ خانم سے صبغۃ اللہ اور ایک بیٹی کی ولادت ہوئی۔ ۱۲

اولاد

سوانح نگاروں کے مطابق قاضی صاحب کی چار نرینہ اور تین دختریں اولاد میں ہوئیں، تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ قاضی احمد اللہ (نواح ۱۱۶۸/۱۱۹۴ - ۶۱۴۵۵/۱۱۹۴ - ۶۱۴۸۲/۱۱۹۴) : یہ قاضی صاحب کے بڑے صاحب زادے تھے، حضرت مظہرؒ کے ایک مکتوب سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ابتداءً اپنے والد گرامی کی کوششوں کے باوجود تحصیل علم کی طرف مائل نہ تھے، مگر پھر اس میں پوری طرح کمال اور تبحر حاصل کر لیا تھا، قاضی صاحبؒ وصیت نامے میں فرماتے ہیں:

”فقیر کے فرزندوں میں سے احمد اللہ نے یہ دولت بہم پہنچائی تھی۔“

خدا تعالیٰ اس کی مغفرت کرے، اس کا انتقال ہو گیا۔ ۱۳

انھوں نے تعلیم اپنے والد گرامیؒ اور شہر کے دیگر اکابر علماء سے حاصل کی۔ اپنے والد کی طرح ان کو کتب بینی کا بہت شوق تھا، دورانِ مطالعہ کھانے پینے تک کا ہوش نہیں رہتا تھا، شاہ غلام علی دہلویؒ فرماتے ہیں:

”تحصیل علم کے وقت تمام رات مطالعہ کتب میں مشغول رہتے، کھانے

پینے کی جانب کم دھیان دیتے تھے۔“ ۱۴

ظاہری تعلیم سے فراغت کے بعد مزامظہرؒ کی خدمت میں پہنچے اور باقاعدہ بیعت کر کے سخت ریاضت اور محنت کے ذریعے اجازت و خلافتِ طریقہ حاصل کی۔

۱۲ مکاتیب (قریشی)، ص ۱۹۵، م ۱۳۵، ص ۱۹۱، م ۱۳۲، (ان مکاتیب کے اشارات

سے یہی مفہوم ہوتا ہے)۔

۱۳ مکاتیب (قریشی)، ص ۱۹۳، م ۱۳۳، ۱۳۴، وصیت نامہ درکلمات طیبات، ص ۱۵۶۔

۱۴ خزینۃ الاصفیاء، ص ۶۸۸، مقامات مظہری، ص ۴۹۔ ۱۵ مقامات مظہری، ص ۴۸۔

حضرت مظہرؒ کے مکاتیب (بنام قاضی صاحبؒ) میں قاضی احمد اللہؒ کے کسب سلوک اور مراحل سلوک کرنے کا ذکر بکثرت ملتا ہے۔ ایک مکتوب میں مرزا مظہرؒ نے لکھا ہے:

” احمد اللہ کو چاہیے کہ وہ حقیقتِ کعبہ میں متوجہ ہوں۔ تین دنوں میں حقیقتِ قرآن میں داخل ہو جائیں گے۔“ ۱۷

جب انہوں نے یہ تمام منازل سلوک طے کر لیں تو انہیں حضرت مظہرؒ کی جانب سے خلافت و اجازت مرحمت فرمادی گئی، صاحبِ مقاماتِ مظہری لکھتے ہیں:

” حضرت مظہرؒ کی توجہات اور کثرتِ ذکر و مراقبہ سے بلند مقامات اور ارادتِ ارجمند پر پہنچے۔ اجازتِ طریقہ حاصل کی اور لوگوں کو ذکر و مراقبہ اور راہِ سلوک کی تعلیم و ہدایت میں مشغول ہیں۔“ ۱۸

انہی کے دوسرے مکتوب سے پتا چلتا ہے کہ ان کے ہاں صبح و شام حلقہ ذکر ہوتا تھا، جس میں مرد و زن برابر شریک ہوتے تھے۔ ۱۹

حضرت مظہرؒ کو ان کے حال پر بے پناہ شفقت تھی، بقول سید نعیم اللہ بیڑاؒ وہ وہ حضرت مظہرؒ کے تربیت یافتہ تھے۔ ۲۰ ان کی تکلیف کو مرزا مظہرؒ اپنی تکلیف سمجھتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ بیمار ہوئے تو قاضی صاحبؒ کو لکھا:

اس بارے میں فقیر کو بھی سخت پریشانی ہے، فقیر کی عمر طبعی اختتام کو پہنچ رہی ہے، ورنہ میں اپنی عمر میں سے کچھ حصہ آں پر خوردار کو بخش دیتا کیونکہ یہ نسخہ بڑی محنت سے تیار ہوا ہے۔“ ۲۱

حضرت مظہرؒ کے ان کے نام سات خطوط ملتے ہیں، ۲۲ جن سے حضرت مظہرؒ کی ان سے شفقت و محبت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان خطوط میں وہ قاضی احمد اللہؒ کو ”برخوردار دارین“ اور دیدہ“، ”برخوردار کامگار“، ”فرزند سعادتمند“ اور ”برخوردار دارین کامیاب نشاۃ تین“ جیسے

۱۷ مقامات، ص ۸، ۱۸ کتاب مذکور، ص ۸، ۱۹

۲۰ بشارات، ق، ورق ۱۰، اب ۱۷ مکاتیب (قریشی) ص ۸۵، م ۳، ۲۱

۲۲ کتاب مذکور، ص ۱۹۳ تا ۱۹۹، م ۱۳۳ تا ۱۳۹، ۲۳ کتاب مذکور، ص ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵ -

محبت بھرے القاب سے مخاطب کرتے ہیں۔ اہلیہ حضرت مظہرؒ (مردم محل) بھی ان پر شفقت فرماتی تھیں۔ مرزا مظہرؒ لکھتے ہیں:

”مردم محل کو احمد اللہ سے، شاہ علی سے بھی زیادہ محبت معلوم ہوتی ہے۔

اس کی بیماری کی طوالت سے سخت پریشان ہیں۔“^{۲۴}

حضرت مظہرؒ کے گھر میں ان کا آزادانہ آنا جانا تھا۔ گھر کے خادم ہونے کی حیثیت سے ان سے گھر میں پردہ بھی نہ تھا،^{۲۵} اسی بنا پر وہ حضرت مظہرؒ اور ان کے اہل خاندان کی خدمت بڑی مستعدی سے انجام دیا کرتے تھے۔

ان کا نکاح قاضی صاحبؒ نے اپنے مرحوم بھائی قاضی فضل اللہؒ کی صاحبزادی مسماۃ لطف النساء سے کیا تھا، بقول حضرت مظہرؒ اس جوڑے کی باہمی محبت مثالی حیثیت رکھتی تھی۔ حضرت مظہرؒ فرماتے ہیں:

”یہ دونوں ہی یعنی میاں بیوی باہم شدید محبت رکھتے ہیں، ایک دوسرے

کے بغیر نہیں رہ سکتے اور آپس میں سب بے خبر ہیں۔“

چنانچہ جب لطف النساء حضرت مظہرؒ کی شہادت سے سال دو سال قبل (نواح ۱۱۹۳ھ/

۶۱۷۷۸) حادثاتی طور پر انتقال کر گئیں تو قاضی احمد اللہ پر غم کی اتنی شدید کیفیت طاری ہوئی کہ حضرت مظہرؒ کو ان کا ”سلب غم“ کرنا پڑا۔^{۲۶} ان کی وفات کے بعد انھوں نے کوئی

اور شادی نہ کی اور تین چار سال بعد یعنی ۱۱۹۷ھ / ۶۱۷۸۲ میں ان کا بھی انتقال ہو گیا۔

حضرت مظہرؒ کی کوششوں اور قاضی صاحبؒ کی دعاؤں کے نتیجے میں ان کو بھی پانی پت

میں قاضی بنا دیا گیا تھا اور ۲۸۰۔ رمضان المبارک کو بتوسط حضرت مظہر انھیں مہر قضا تفویض

ہو گئی۔^{۲۷}

اگرچہ قاضی احمد اللہؒ کی پانی پت میں بطور قاضی تقرری کا زمانہ متعین کرنا مشکل

ہے۔ تاہم حضرت مظہرؒ کے بعض مکتوبات سے پتا چلتا ہے کہ یہ واقعہ ملا رحیم دارو، سلیم

^{۲۵} کتاب مذکور، ص ۲۴، م ۳۲

^{۲۴} کتاب مذکور، ص ۱۱۲

^{۲۶} مکاتیب (فریشی) ص ۱۹۴، ۱۹۸

^{۲۷} بشارات، تلمی، ورق ۱۵۳ ک

کے بطور گورنر پانی پت تعینات ہونے (۱۱۹۱ھ/۷۶، ۶۱) سے پہلے کا ہے، کیونکہ حضرت منظرؒ ایک خط میں قاضی احمد اللہ کی لشکر ملا رحیم داد سے واپسی کا ذکر کرتے ہیں اور خیال ظاہر کرتے ہیں کہ ان کی یہ واپسی محصولات ربیع کی وصولی کے لیے ہوئی۔^{۲۸}

پانی پت میں ان کی حیثیت غالباً اپنے والدِ گرامی کے معاون (اسسٹنٹ) کی تھی، بعض مکتوبات سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ قاضی صاحب کے ساتھ مل کر (ڈویژن بنچ کی صورت میں) بھی مقدمات کی سماعت کیا کرتے تھے۔^{۲۹}

قاضی احمد اللہ ایک بہادر اور شجاع شخص تھے۔ انھوں نے کئی مرتبہ سکھوں کے خلاف جہاد کرنے کا شرف حاصل کیا تھا۔ ایک مرتبہ انھوں نے تن تنہا بیس روہیلہ قزاقوں کا، جو ان سے مال چھین کر فرار ہو گئے تھے، مقابلہ اور تعاقب کر کے اپنا تمام لوٹا ہوا سامان واپس لینے میں بھی کامیاب ہو گئے تھے۔^{۳۰} شاہ غلام علی دہلویؒ فرماتے ہیں:

”وہ بڑے شجاع تھے، کفار کے ساتھ جہاد کر کے خدا کی راہ میں غازیوں کا درجہ حاصل کر لیا تھا۔“^{۳۱}

ان کی انہی خصوصیات کے باعث قاضی صاحبؒ کو مولوی احمد اللہ تمام اولاد سے زیادہ محبوب تھے۔ سید نعیم اللہ بیڑا پٹی فرماتے ہیں کہ جب مولوی احمد اللہؒ کا دم واپس قریب آیا تو میں بھی اس وقت پانی پت میں موجود تھا۔ قاضی صاحبؒ نے میری جانب رخ کیا اور فرمایا:

”ہر چند کہ ہر شخص کی موت تقدیر و ارادۃ الہی سے ہے، لیکن عالم اسباب میں اس فرزند کی موت کا بظاہر سبب فقر کی اس سے حد سے زیادہ بڑھی ہوئی محبت ہے کیونکہ حق تعالیٰ کمال غیرت سے دوستوں کے دل میں غیرت کا نشان نہیں رہنے دیتا۔“^{۳۲}

^{۲۸} کتاب مذکور، ص ۱۹۴، م ۱۳۴

^{۲۹} حوالہ سابق

^{۳۰} مکاتیب (قریشی)، ص ۷۹

^{۳۱} مقدمات، ص ۷۹ -

^{۳۲} بشارات، ق، ورق ۱۷۱ ا

بہر حال قاضی صاحبؒ کو جس نوجوان سے مستقبل کی بہت سی توقعات وابستہ تھیں وہ عین عالم شباب یعنی تیس برس کی عمر میں ۱۱۹۷ھ یعنی (۱۱۹۷ھ/۸۲، ۷۱)، حضرت مظہرؒ کی وفات کے ٹھیک دو سال بعد دارغ مفارقت دے گئے۔

قاضی احمد اللہ پانی پت میں قاضی صاحبؒ کے مزار کی بیرونی جانب مدفون ہیں۔ ان کے فرزند صدر الصدور قاضی صفوة اللہ تادیر حیات رہے اور ناموری حاصل کی۔ ۱۱۹۷ھ

۲۔ محمد صبغۃ اللہ، قاضی صاحب کے دوسرے فرزند مولوی محمد صبغۃ اللہ تھے، انھوں نے بھی علوم ظاہری اپنے والد اور دیگر علما سے حاصل کیے تھے اور مراحل سلوک حضرت مظہرؒ کی نگرانی میں طے کیے تھے ۱۱۹۷ھ حضرت مظہرؒ قاضی صاحبؒ کے دوسرے بیٹوں کی طرح ان کے حال پر بھی شفقت فرماتے تھے۔ اپنے خطوط میں انھیں بھی سلام لکھتے تھے۔

حضرت مظہرؒ کا ان کے نام ایک مکتوب دستیاب ہوا ہے، جس میں وہ انھیں بر خوردار کامگار سے مخاطب کرتے ہیں ۱۱۹۷ھ غالباً مولوی دلیل اللہ کی طرح ان کی شادی بھی دہلی میں ہوئی تھی۔ ایک مرتبہ جب وہ مع اہلیہ کے دہلی تشریف لائے ہوئے تھے، حضرت مظہرؒ بنفس نفیس چل کر ان کی خبر گیری کے لیے تشریف لے گئے، اور ان کی خیریت سے قاضی صاحبؒ کو مطلع کیا۔ ان کے ہاں دو اولادیں قرالتسا اور محمد احسن اللہ پیدا ہوئیں، قاضی احمد اللہؒ کی طرح انھوں نے بھی عالم جوانی (یعنی ۱۵۔ رمضان المبارک ۱۱۹۷ھ/۸۳، ۷۱) میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

۳۳ مقامات مظہری ص ۷۹۔

۳۴ سید نعیم اللہ بھڑاچی نے بشارات (ق، ورق ۱۶۲ ب) میں قاضی صاحب کا ایک خط نقل کیا ہے، جس میں یہ اطلاع دی گئی ہے کہ ۱۱۹۷ھ میں محمد صبغۃ اللہ کا انتقال ہو گیا ہے اور لکھا ہے کہ ابھی لڑکوں میں محمد دلیل اللہ باقی ہے۔ جس سے متبادر ہوتا ہے کہ قاضی احمد اللہ کا انتقال اس سے بھی پہلے ہو چکا تھا۔ اسی بنا پر صاحب مقامات (ص ۷۹) اور صاحب خزینۃ الاصفیاء (ص ۶۸) کا بیان کہ ۱۱۹۸ھ میں وفات ہوئی محل نظر ہے۔

۳۵ بشارات، ق، ورق ۱۶۲ ب ۳۶ مقامات، ص ۷۹

۳۷ مکاتیب (قریشی) ص ۲۰۰ ۳۸ کتاب مذکور، ص ۱۸۷

ان کی وفات کے بعد قاضی صاحبؒ نے سید نعیم اللہ بہرائچی کے نام ایک مکتوب میں اس سانحے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:

”اس ماہ مبارک (رمضان المبارک) ۱۱۹۷ھ میں محمد صبغۃ اللہ نے رحلت

کی۔ ان صدموں کا بمقتضائے طبیعت رنج پہنچتا ہے لیکن چونکہ چونکہ بفضل الہی تعلقات قلبی ماسوا اللہ سے کمزور ہیں اس لیے زیادہ پریشان نہیں ہوں۔“ ۳۹

۳۔ سعید النساءؒ: یہ غالباً قاضی صاحبؒ کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں۔ حضرت منظرؒ انھیں بی بی سیدن کے نام سے دعا و سلام بھیجتے تھے۔ قاضی صاحبؒ نے ان کا نکاح قاضی عبدالصمد بن قاضی فضل اللہ سے کیا تھا۔ ۴۰

۴۔ نشاط النساءؒ یا نشاط بیگم: یہ قاضی صاحبؒ کی دوسری دختر تھیں۔ حضرت منظرؒ انھیں بی بی نشاطن کے نام سے دعا و سلام بھیجتے تھے۔ ۴۱ ان کی شادی غلام شمس الدین عثمانی سے ہوئی تھی۔ تفسیر منظری کے طابع قاری ابو محمد محی الاسلام انہی سے تعلق نسبی رکھتے ہیں۔ ۴۲

۵۔ محمد حجۃ اللہ: یہ قاضی صاحبؒ کے تیسرے بیٹے تھے اور غالباً صغیر سنی میں فوت ہو گئے تھے۔ ۴۳

۶۔ مولوی محمد دلیل اللہ: یہ قاضی صاحبؒ کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ غالباً انہی کی ولادت کے موقع پر قاضی صاحبؒ نے حضرت منظرؒ کو لکھا تھا:

”مورثہ ۲۲۔ زجب کو غلام زادہ آپ کے اس خادم کے گھر میں پیدا ہوا

ہے۔ نظر توجہ مبذول فرمائیں۔“ ۴۴

چونکہ وہ گھر میں سب سے چھوٹی زینہ اولاد تھے، اس لیے ان کی پرورش بڑے ناز و نعمت کے ماحول میں ہوئی۔ غالباً اسی لیے وہ ابتداءً تحصیل علم کی طرف متوجہ نہ تھے، مگر پھر

۳۹ بشارات قلبی، ورق ۱۶۲ و ۱۶۳ و ۱۶۴ مکاتیب (قریشی)، ص ۱۲۲، م ۹۵

۴۰ ابو محمد محی الاسلام، تعارف، ق، ص ۱۳ ۴۱ مکاتیب (قریشی)، ص ۱۲۲

۴۲ تعارف تفسیر منظری۔ ق، ص ۱۳ ۴۳ کتاب مذکور، ص ۱۳

۴۴ لوائح، ص ۵۴، م ۱۴ -

اپنے والد گرامی کی کوششوں سے بعض علوم مثلاً علم فقہ، اصول فقہ، اور معقول میں خاصی دستگاہ بہم پہنچالی تھی۔ مگر قاضی صاحبؒ ان کی تعلیمی حالت پر مطمئن نہ تھے، اسی بنا پر وصیت نامے میں فرماتے ہیں:

”اور دلیل اللہ اور صفوۃ اللہ کو ہر چند کہ میں نے چاہا، مگر انھوں نے اس دولت کے حصول میں کوشش نہ کی۔“^{۴۷}

اسی طرح سید نعیم اللہ بیڑا پٹی کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

”محمد دلیل اللہ نے مدت ہوئی ہدایہ ختم کر لیا ہے۔ اب وہ وقت ضائع

کر رہا ہے اور مفید دینی علوم سے اشغال نہیں رکھتا۔“^{۴۸}

لیکن بعد کے ایک مکتوب بنام اخوندزادہ ملا نسیمؒ سے پتا چلتا ہے کہ دلیل اللہ ان علوم میں اس حد تک مہارت حاصل کر چکے تھے کہ وہ باقاعدہ طالب علموں کو پڑھایا کرتے تھے، آپ لکھتے ہیں:

”ملا سردار.... کتب شریعت میں سے، برخوردار دلیل اللہ کے

پاس شرح وقایہ اور مشکوٰۃ کا کچھ حصہ پڑھ چکا ہے۔“^{۴۹}

محولہ بالا کتب فقہ اور حدیث کی فقہی کتابیں ہیں، ان کی تدریس معمولی شدہ بدرجہ کے ساتھ ممکن نہیں۔ اسی بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ انھوں نے ان علوم میں کافی حد تک دستگاہ بہم پہنچالی تھی۔

حضرت مظہرؒ کو ان کے حال پر کمال شفقت تھی، سید نعیم اللہ بیڑا پٹی فرماتے ہیں:

”حضرت مظہرؒ کی توجہ اور التفات مولوی دلیل اللہ پر بہت زیادہ تھی

اور وہ اپنے بیٹوں سے بھی زیادہ ان پر شفقت فرماتے تھے۔“^{۵۰}

قاضی صاحب ایک جگہ اس سلسلے میں مرزا مظہرؒ کو لکھتے ہیں:

”آپ کا مولوی دلیل اللہ پر زیادہ التفات فقیر پر احسان ہے کیونکہ

^{۴۷} کلمات طبیبات، ص ۱۵۷ ^{۴۸} بشارات قلمی، ورق ۱۶۳ ب

^{۴۹} لوائح، ص ۲۲۰، م ۱۷۶ ^{۵۰} بشارات قلمی، ورق ۱۷۳۔ الف

مجھے اس سے اور اسے مجھ سے محبت ہے۔" ۵۱

مولوی دلیل اللہ کافی وقت دہلی میں حضرت مظہرؒ کی خدمت میں گزارا کرتے تھے۔ بعض اوقات آمد و رفت کا خرچہ بھی حضرت مظہرؒ خود ہی اٹھاتے تھے اور جب مولوی دلیل اللہ پانی پت میں ہوتے تو انھیں اپنی جانب سے دعا و سلام کے علاوہ تحائف بھی ارسال کرتے تھے۔ ۵۱

مولوی دلیل اللہ کی شادی کے سلسلے میں یہ جھگڑا پیدا ہو گیا تھا کہ قاضی صاحب کی والدہ ان کا رشتہ اپنے دہلوی عزیزوں یعنی "خواجہ حلال خور" کے ہاں کرنا چاہتی تھیں، مگر قاضی صاحبؒ کی اہلیہ (عجیبہ بیگم) "بنت عصمت" کو ہونے پر مصر تھیں۔ حضرت مظہرؒ نے اس جھگڑے کا یہ حل تجویز کیا کہ صاحبِ معاملہ یعنی مولوی دلیل اللہ کی رائے ملحوظ رکھی جائے۔ ۵۲

خود حضرت مظہر بنتِ خواجہ حلال خور سے رشتہ طے پانے کے حق میں تھے کیونکہ یہ لڑکی بقول ان کے "خوش سلیقہ و بسیار جمیلہ" تھی، ۵۳

یہ حضرت مظہرؒ کے اخلاق کی انتہا ہے کہ انھوں نے مولوی دلیل اللہ کی خاطر خواجہ حلال خور سے ربط و تعلق پیدا کیا۔ ۵۴

مولوی دلیل اللہ کی یہ شادی چونکہ ان کی والدہ (عجیبہ بیگم) کی مرضی کے خلاف ہوئی تھی، اس لیے اب اس جوڑے کو ان کی جانب سے سرد مہری و عدم التفات کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر دوسری طرف حضرت مظہرؒ کی محبت و الفت پہلے سے دوچند ہو گئی، وہ ایک مکتوب میں قاضی صاحبؒ کو لکھتے ہیں:

"یہ بچہ کم عمر اور بے سلیقہ اور قبیلہ دار ہے اس لیے قابلِ رحم ہے، اس پر رحم کرنا نیک کام ہے، لیکن اس کی والدہ اس سے اور اس کی بیوی سے بے التفاتی کرتی ہے۔" ۵۵

حضرت مظہرؒ نے اس موقع پر نمائش کے لیے والدہ دلیل اللہ کے نام بھی ایک خط

۵۱ مکاتیب (قریشی)، ص ۱۴۸، م ۹۸۔ ۵۲ کتاب مذکور، ص ۱۴۸

۵۳ کتاب مذکور، ص ۱۳۳، م ۸۹ ۵۴ حوالہ سابق

۵۵ کتاب مذکور، ص ۱۴۸ ۵۶ کتاب مذکور، ص ۱۴۹، م ۹۹

ارسال کیا تھا، جو انھوں نے بوجہ ناراضی وصول نہ کیا، اس پر حضرت مظہرؒ نے قاضی صاحب سے اس کا گلہ کیا۔^{۵۶}

مولوی دلیل اللہ شادی شدہ ہونے کے باوجود "طفل مکتب" ہی تھے، چنانچہ اس موقع پر لکھے گئے ایک مکتوب میں حضرت مظہر نے ان کو اپنی تعلیم جاری رکھنے کی تاکید فرمائی اور لکھا کہ مقرر کر کے ایک شخص سے خطوط لکھوایا کریں۔^{۵۷}

مولوی دلیل اللہ نے دوسری شادی ایک باندی (حرم) سے کی تھی، جس کا نام گلاب تھا۔^{۵۸}

مولوی دلیل اللہ کے ہاں مجموعی طور پر گیارہ اولادیں ہوئیں اور ان سے قاضی صاحب کی زینہ اولاد کا سلسلہ اب تک باقی ہے۔

حضرت مظہرؒ کے بعض مکاتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی صاحب کی چھوٹی بیوی رابعہ خانم سے مولوی صبغۃ اللہ کے علاوہ ایک دختر بھی تھیں^{۵۹} مگر انساب نگاران کا ذکر نہیں کرتے۔ معلوم ہوتا ہے ان کا اوائل عمری ہی میں انتقال ہو گیا تھا۔

تلامذہ و مستفیدین

قاضی صاحبؒ کی حیاتِ طیبہ کے جو حقائق ابھی تک پوری طرح مستطرح عام پر نہیں آسکے ہیں۔ ان میں تلامذہ و مستفیدین کی تفصیلات بھی شامل ہیں۔ اگرچہ شاہ غلام علی دہلویؒ نے لکھا ہے:

بندہ نے ان کے مستفیدین کو دیکھا ہے۔ حضور و جمعیت قلب مع اذواق بلکہ اس پر اضافی انوار بھی رکھتے ہیں۔ نیک تہم انھوں نے حلقہ "مستفیدین میں سے عین نام گندے ہیں۔ مختلف ذرائع سے جن مستفیدین کا پتہ چل سکا ہے، ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

^{۵۶} مکاتیب (قریشی)، ص ۱۵۳، م ۱۰۱۔^{۵۷} کتاب مذکور، ص ۲۰۴، م ۱۳۱

^{۵۸} نسب نامہ قلمی، محررہ قاری ابو محمد محی الاسلام عثمانی، در تعارف تفسیر، ق، ص ۱۳۔

^{۵۹} مکاتیب (قریشی)، ص ۱۹۵، م ۱۳۵، ص ۱۹۱، م ۱۳۲ وغیرہ۔^{۶۰} مقامات ص ۷۷

۱۔ پیر محمد: وہ غالباً پہلے میر حسین (م ۱۱۸۹ھ / ۱۷۷۵ء) کے مرید تھے۔^{۶۱} معلوم ہوتا ہے کہ میر حسین کی وفات (۱۱۸۹ھ / ۱۷۷۴ء) کے بعد حضرت منظرؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پھر ان کے ایما پر قاضی صاحبؒ کی خدمت میں پہنچے اور آپ سے روحانی استفادہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ بقول شاہ غلام علی دہلویؒ فقر و سلوک کی مختلف نسبتوں پر فائز ہوئے۔^{۶۲} غالباً انھیں قاضی صاحبؒ کی طرف سے اجازت و خلافت حاصل تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ مقامات منظری کی تالیف (۱۲۱۱ھ) کے وقت حیات تھے۔

۲۔ سید محمد: ان کے متعلق اس سے زیادہ اور کچھ معلوم نہیں کہ وہ قاضی صاحبؒ کے مرید اور فیض یافتہ تھے،^{۶۳} غالباً پیر محمد کی طرح انھیں بھی قاضی صاحبؒ کی جانب سے اجازت و خلافت حاصل تھی۔

۳۔ گھسیٹا: ان کی نسبت بھی ہماری معلومات نہایت ناقص ہیں، مقامات منظری سے بس اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی قاضی صاحبؒ کے مرید اور تربیت یافتہ تھے۔^{۶۴}

۴۔ اخوندزادہ ملا نسیمؒ (م ۱۲۳۱ھ / ۱۸۱۶ء): اخوندزادہ ملا نسیمؒ مرید اور فیض یافتہ توحضرت منظرؒ ہی کے تھے، لیکن ان کی تربیت کی تکمیل میں قاضی صاحبؒ نے بھی حصہ لیا تھا۔ اس مقصد کے لیے انہیں خود حضرت منظرؒ نے ان کی خدمت میں بھیجا تھا وہ اس موقع پر لکھے گئے مکتوب میں فرماتے ہیں:

”باعث تحریر یہ ہے کہ محمد نسیم نام کا ایک نوجوان روہیلہ جوہیت ہی سدھرا ہوا اور مستعد طالب علم ہے، جس نے طریقہ حاصل کیا ہے۔
بڈھانہ کے ارادے سے روانہ ہو رہا ہے، وہ آپ کی خدمت میں پہنچے گا،
توجہ دیجیے۔۔۔۔۔ یہ مجھ پر احسان ہوگا۔“^{۶۵}

اس وقت قاضی صاحبؒ بغرض فریق منضبی بڈھانہ میں اور حضرت منظرؒ پانی پت

^{۶۱} لوائح، ص ۸۶ - ۸۹

^{۶۲} مقامات منظری، ص ۷۸

^{۶۳} حوالہ سابق

^{۶۴} حوالہ سابق

^{۶۵} لوائح، ص ۲۹، م ۱

میں قیام فرماتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بڈھانہ میں اخوندزادہ کچھ عرصہ ان کی خدمت میں حاضر رہ کر استفادہ روحانی کرتے رہے، کیونکہ حضرت مظہرؒ کی ہدایات کے مطابق انھوں نے میاں مولوی نور اللہ سے علوم ظاہری کی تحصیل کی تھی۔^{۶۷} بعد میں بڈھانہ کے علاوہ پانی پت میں بھی اخوندزادہ کچھ عرصہ مقیم رہ کر استفادہ کرتے رہے کیونکہ حضرت مظہرؒ پانی پت سے ان کے ایک خط کے ملنے کا ذکر کرتے ہیں۔^{۶۸}

مجموعہ لوائح کے مکتوبات سے پتا چلتا ہے کہ ملا نسیمؒ اور قاضی صاحبؒ کے مابین نہایت خوشگوار تعلقات قائم تھے۔ ایک موقع پر انھوں نے قاضی صاحب کی خدمت میں تین شاگرد بھیجے تھے جن کے ہاتھ قاضی صاحب کے لیے دو عدد تسبیحیں ارسال کی تھیں۔^{۶۹} قاضی صاحبؒ بھی ان پر بے حد شفقت فرماتے تھے۔ مجموعہ لوائح میں ان کے نام قاضی صاحبؒ کے چار مکتوبات ہیں، جن سے ان تعلقات پر روشنی پڑتی ہے۔ ان خطوط میں قاضی صاحبؒ انھیں "اخوند صاحب مشفق مہربان اخوند ملا نسیمؒ" کے عنوان سے خطاب کرتے ہیں۔ ان خطوط میں قاضی صاحبؒ بڑی بے تکلفی سے اپنی اور ان کی گھریلو زندگی کے واقعات پر گفتگو کرتے ہیں۔ ان کے اختتام پر قاضی صاحبؒ ملا نسیمؒ کے صاحبزادے محمد خیو اور غلام محمد وغیرہما اور ان کی والدات (زوجات ملا نسیمؒ) اور یاران طریقہ کو سلام لکھتے ہیں۔^{۷۰}

اخوندزادہ ملا نسیمؒ نے پاکستان کی ریاست دیر کے مشہور شہر اوج میں سکونت اختیار فرمائی اور وہیں اپنی خالقاہ المعروف بہ خالقاہ نور محل قائم فرمائی جو اب تک قائم ہے۔ آج کل صاحبزادہ جمیل احمد میاں مسند نشین ہیں۔

حال ہی میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب نے اس خالقاہ سے حضرت مظہرؒ اور ان کے متوسلین کے تقریباً دو سو خطوط محفوظ کیے ہیں۔ انھوں نے انھیں لوائح خالقاہ مظہرؒ (۶۱۹۷۲) اور مکتوبات مدرسہ دیر (۱۳۹۲ھ) کے دو تاریخی ناموں سے شائع کر دیا ہے۔

^{۶۷} لوائح، ص ۲۹، ۱ م ^{۶۸} حوالہ سابق، ص ۳۵، ۲ م۔

^{۶۹} لوائح خالقاہ مظہرؒ، ص ۲۳۶، ۱ م، ۱۷۹ حوالہ سابق، ص ۲۳۶، ۲ م، ۱۷۳ م۔

^{۷۰} معجزہ جمیل احمد صاحب کا بھی انتقال ہو گیا ہے۔ آج کل ان کے بیٹے میاں

موجودہ سجادہ نشین نے اپنے ایک مکتوب میں راقم الحروف کو بتایا ہے کہ اس خالقہ میں دوسو کے قریب قلمی خطوط (لوائح کے اصل)، اتنی ہی قلمی کتب اور نادرتبرکات میں ایک ٹوپی قاضی صاحب کی طرف بھی منسوب محفوظ ہے۔

۵۔ ملا سردار: ملا سردار اخوندزادہ ملا نسیم کے ہم وطن اور عزیزوں میں سے تھے۔ انھیں ملا نسیم نے ہی دو ہمراہیوں کے ساتھ پانی پت بغرض تعلیم بھیجا تھا۔ یہاں پہنچ کر دوسرے دو اصحاب (ملا محمد صنیف اور ملا زبردست، ملا نسیم کے سسر) تو کچھ روز ٹھہر کر رام پور چلے گئے البتہ ملا سردار یہیں پر ٹھہر گئے اور تقریباً دو سال (۱۲۱۴-۱۲۱۶ھ) یہاں مقیم رہ کر تعلیم ظاہری اور فیض باطنی سے مستفید ہوتے رہے۔ انھوں نے کچھ کتابیں تو مولوی دلیل اللہ سے پڑھیں، البتہ کسب طریقہ قاضی صاحب کی خدمت میں رہ کر کیا دو سال بعد جب وہ وطن کے لیے روانہ ہوئے تو قاضی صاحب نے اخوندزادہ ملا نسیم کو ایک خط لکھا جس میں ملا سردار کے آنے اور تعلیم حاصل کرنے کا مفصل ذکر ہے۔ لکھتے ہیں:

”ملا سردار دو سال سے یہاں تشریف رکھتے ہیں، نسبت باطنی کی تحصیل

بھی جتنی خدا تعالیٰ کو منظور تھی کی ہے اور کتب شریعت میں سے بھی برخوردار دلیل اللہ کے پاس شرح وقایہ اور ہدایہ و مشکوٰۃ کا کچھ حصہ پڑھ چکے ہیں۔

آدمی بہت خوب ہیں، فقیر کو ان سے بڑی راحت ملی ہے اور وہ نسبت بھی علمی رکھتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے انھیں کشف و شہود سے بھی بہرہ نصیب

کیا ہے جو غنیمت ہے، اس لیے یہ بات ذہن نشین رہے کہ ان کا جو وقت یہاں گذرا وہ رائگاں نہیں گیا، اب ان پر وطن کی محبت کا غلبہ ہو گیا ہے،

وہ انشاء اللہ تعالیٰ آپ کی خدمت میں باریاب ہوں گے، ان کی ”سنت نکاح“ بھی ادا کر دی جائے، برائے کسب طریقہ خدمت گرامی میں حاضر

ہوں گے وہ آپ کا قومی اور وطنی بھائی ہے اور فقیر کے ساتھ بھی ربط رکھتے ہیں، اس لیے وطنی اور قومی، نیز میری نسبت سے بھی، پہلے سے زیادہ ان کے حال پر

شفقت فرمائیں اور ان کی تکمیل کے لیے توجہ مبذول رکھیں۔^{۱۷}

اس مکتوب میں ملا سردار کے حال پر وہ تمام شفقت اور محبت نظر آتی ہے جو قاضی

صاحب کے اخلاص کی خصوصیت ہے۔

۶۔ ملا سیف الدین اخوند (پ ۱۱۵۰ھ / ۱۷۳۷ء)، ملا سیف الدین "اخوند علاقہ بابوڑ

افغانستان کے رہنے والے تھے۔ ۱۱۵۰ھ (۱۷۳۷ء) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی کتب عربیہ

اپنے وطن میں پڑھیں۔ ۱۱۸۰ھ (۱۷۶۶ء) میں عمر ۳ سال دہلی تشریف لائے اور قاضی صاحب

سے کتبِ درسیہ پڑھیں۔^{۱۸}

اس وقت تک قاضی صاحب پانی پت میں منصبِ قضا سنبھال چکے تھے، اور

فارغ اوقات میں تدریس کا شغل بھی اختیار کیا ہوا تھا، اسی فارغ وقت میں ملا سیف الدین

کو شرفِ تلمذ حاصل ہوا۔

ملا سیف الدین "قاضی صاحب" سے کسبِ فیض کے بعد مولانا فخر الدین چشتی "م ۱۲۰۱ھ

(۱۷۸۶ء) کے پاس حاضر ہوئے، اور ان سے بقیہ کتبِ درسیہ کی تکمیل فرمائی۔ اسی دوران وہ

انہی سے بیعت بھی ہو گئے تھے۔ ان کی وفات (۱۲۰۱ھ / ۱۷۸۶ء) کے بعد وہ رام پور چلے

گئے، جہاں انھیں نواب سید فیض اللہ خاں صاحب نے "بمعداری" (ایک فوجی عہدہ)

کا منصب تفویض کر کے نواب محمد علی (ولی عہد) کی خدمت و حفاظت کے کام پر مامور

کر دیا تھا۔ نواب محمد علی نے ان کے تقویٰ و پارسائی کو دیکھ کر انھیں اپنی جاگیر کی تفصیل

وصول پر مقرر کر دیا۔ ۱۲۰۳ھ (۱۷۸۹ء) میں رام پور ہی میں انھوں نے ایک افغان خاتون

سے نکاح کر لیا، جن سے ان کی اولاد بھی ہوئی۔

ملا سیف الدین اپنے خاندان میں سیف زمان اور مستجاب الدعوات کے طور پر شہرت رکھتے

تھے۔ باوجود خلافت حاصل ہونے کے مرید کم کیا کرتے تھے۔^{۱۹}

^{۱۷} لوائح، ص ۲۳۰-۲۳۱، م ۱۷۶

^{۱۸} حافظ احمد علی خان شوق: تذکرہ کاملان رام پور، مطبوعہ مہر دپریس دہلی، مارچ ۱۹۲۹ء، ص ۱۶۰

^{۱۹} حوالہ مذکور۔

۷۔ علی رضا خاں: علی رضا خاں بن عزت اللہ بن راسخ، قاضی صاحب کے پانی پت کے عزیزوں میں سے تھے۔ وہ قاضی صاحب کو عم صاحب (چچا) اور قاضی صاحب انھیں نور چشم، لکھتے تھے۔ وہ ابتدا میں قاضی صاحب کے مرید ہوئے، پھر قاضی صاحب نے انھیں حضرت مظہرؒ کی خدمت میں بھیج دیا تھا اور لکھا:

”نور چشم علی رضا خاں طریقہ علیا میں داخل ہوئے ہیں۔ اس سے بہت زیادہ خوشی ہوئی، چونکہ فاصلہ زیادہ ہے، اس لیے فقیر سے ربط و ضبط مشکل ہے۔ وہ آپ کی خدمت میں آئیں گے اور چند روز خیر و برکت کی نیت سے دہلی میں قیام پذیر رہیں گے، ان کی طرف پوری شفقت سے توجہ مبذول رکھیں۔“

پچنانچہ کچھ روز دہلی میں مرزا مظہرؒ سے اکتساب فیض کرتے رہے۔ پھر جب کسی قدر چل پڑے تو حضرت مظہرؒ نے ان کو مکرر پانی پت قاضی صاحب کی خدمت میں بھیج دیا اور لکھا:

”برخوردار علی رضا۔۔۔ جس نے فقیر سے ”طریقہ سلوک“ حاصل کیا ہے، ان کے لطائف خمسہ بھی جاری ہو چکے ہیں، ذکر نفی و اثبات بھی شروع کر چکے ہیں، وہ آپ کے حلقے میں شامل ہوں گے، ان کے لطیفہ قلب پر، توجہ دیجیے گا۔ کیونکہ ابتدائے کار اس لطیفے کی اصلاح منظور ہے۔“

۸۔ شیخ عین الدین عظیم آبادی: شیخ عین الدین عظیم آبادی حضرت مظہرؒ کے مخلص مریدین میں سے تھے۔ انھیں بھی حضرت مظہرؒ نے بغرض استفادہ قاضی صاحب کی خدمت میں روانہ کیا تھا اور لکھا تھا:

”شیخ عین الدین نام کا ایک نوجوان جو عظیم آباد کا رہنے والا ہے، ترک روزگار کر کے چند روز ہوئے طریقہ علیا میں داخل ہوا ہے، فقیر کا رقعہ لے کر آپ کی خدمت میں پہنچے گا، اس کے دل میں نورانیت تو پیدا ہو گئی ہے، مگر ابھی تک ”قطع مسافت“ شروع نہیں کیا، آدمی دل شکستہ ہے۔ اس

۷۷ مکاتیب (قریشی)، ص ۲۰-۲۱، م ۳۰، ۷۷ لوائح، ص ۵۱، م ۱۲

۷۸ مکاتیب (قریشی)، ص ۱۱، م ۹، کلمات طیبات، ص ۶۳ تا ۶۴، م ۷۵

یے اس کے حال پر توجہ مبذول فرمائیں۔" ۱۷

۹ - میاں محمد قاسم لشکری: میاں محمد قاسم بہولیسر فرنگی کے لشکر میں ایک سپاہی (لشکری) تھے۔ وہ بھی حضرت مظہر سے سلسلہ بیعت رکھتے تھے اور انہی کا حسب ذیل رقعہ لے کر وہ قاضی صاحب کی خدمت میں پہنچے تھے:

"اگر لشکر پانی پت آیا تو محمد قاسم نامی ایک مخلص نوجوان جو بہولیسر

فرنگی کے ہمراہ ہے، آپ کی خدمت میں برائے توجہ آئے گا۔" ۱۸

۱۰ - محمد خان: یہ بھی متوسلین خالقاہ مظہر یہ میں سے تھے، انہیں بھی حضرت مظہر

نے ہی بغرض استفادہ قاضی صاحب کے پاس بھیجا اور لکھا تھا:

"حامل رقعہ ہذا محمد خان جو یارانِ طریقت میں سے ہے، اگر وہ چاہے

تو آپ اس کو توجہ دے دیں اور یہ بھی لکھیں کہ وہ کب وطن پہنچے گا۔" ۱۹

۱۱ - غلام نبی: معلوم ہوتا ہے کہ غلام نبی پانی پت کے رہنے والے تھے اور حضرت مظہر

کے ایک عقیدت مند "حایت اللہ خان" کے بڑے صاحبزادے تھے۔ انہیں بھی حضرت

مظہر نے قاضی صاحب کی خدمت میں بغرض استفادہ بھیجا تھا اور لکھا تھا:

"کل صبح غلام نبی سلمہ نامی ایک عزیز یارانِ طریقت میں سے دہلی

روانہ ہو گا زیادہ لکھنے کی تو فرصت نہیں۔۔۔ (بہر حال) میاں غلام نبی کو توجہ

دے دی جائے۔" ۲۰

غلام نبی کی قاضی صاحب اور حضرت مظہر کے حلقے میں شناسائی کافی قدیم تھی۔

جن دنوں مولوی دلیل اللہ دہلی میں مقیم تھے، غلام نبی ہی ان کو فنونِ جنگ (فن تیر اندازی)

سکھایا کرتے تھے۔ ان کے دو مقدمات جب قاضی صاحب کی عدالت سے متعلق ہوئے

تو حضرت مظہر نے اپنے اور دلیل اللہ کے حوالے سے گفتگو شروع کی اور قاضی صاحب کو لکھا:

۱۷ ایضاً ص ۱۶۵، م ۱۱۰۔ مقامات مظہری ص ۷۷

۱۸ مکاتیب (قریشی) ص ۱۳، م ۱۱۷۹ کتاب مذکور، ص ۱۳، م ۸۷

۱۹ کتاب مذکور، ص ۱۰۶، م ۷۳ کتاب مذکور، ص ۷، م ۵۔

” ان دنوں دلیل اللہ کی سید غلام نبی سے فنون تیر اندازی وغیرہ سیکھنے کے لیے مزاج کی موافقت حد سے زیادہ ہے۔ لہذا ان مقدمات میں جو آپ کے ہاں زیر سماعت ہیں، سید مذکور کو - جو فقیر اور بر خور دار دلیل اللہ سے آشنائی رکھتا ہے، توجہ دی جائے اور اس کو اہمیت دی جائے اور اگر اس کا حق ثابت ہو تو اس کے حق میں رعایت کرنے کو ضروری خیال کریں کہ اس صورت میں فقیر بھی آپ کا ممنون ہوگا۔“^{۸۴}

اسی طرح جب ایک موقع پر سید مذکور کو عظیم آباد روانہ ہونا تھا، جہاں قاضی صاحب کو جاننے والے لوگ تھے تو اس وقت بھی حضرت منظر نے قاضی صاحب کو لکھا:

” فقیر اللہ اور غلام نبی عظیم آباد جانے کے ارادے سے دہلی آئیں گے۔ ان کے حق میں وہاں کے بھائیوں کو سفارش لکھ دیجیے۔“^{۸۵}

۱۲۔ قاضی احمد اللہ (م ۱۱۹۷ھ / ۱۸۸۳ء) : قاضی صاحب کے بڑے صاحبزادے قاضی احمد اللہ نے بھی آپ سے ہی تعلیم حاصل کی تھی۔ شاہ غلام علی دہلوی ان کے حالات میں لکھتے ہیں:

” اور علوم ظاہری اپنے بزرگوار والد مولوی ثناء اللہ سے حاصل کیے تھے۔“^{۸۶}

قاضی صاحب کو ابتداءً احمد اللہ سے شکایت تھی کہ وہ توجہ سے سبق نہیں پڑھتے۔ مگر بعد ازاں وہ اسباق بڑی پابندی اور باقاعدگی سے پڑھنے لگے، تو قاضی صاحب نے ان کی یہ کیفیت حضرت منظر کو لکھ بھیجی، حضرت منظر نے جواباً احمد اللہ کو لکھا:

” تمہارے والد تمہارے متعلق اکثر یہ شکایت کرتے ہیں کہ تم اپنا وقت ضائع کرتے ہو اور نا اہل لوگوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہو، الحمد للہ کہ اس مرتبہ انہوں نے اسی قدر تمہاری تعریف لکھی ہے کہ تم پابندی سے سبق پڑھتے ہو، اور آباؤ میراث یعنی علوم (دینیہ) کی تحصیل میں برابر کوشش کرتے ہو اور دوسرے لوگوں سے کم ملتے ہو۔“^{۸۷}

^{۸۴} مکاتیب (قریشی)، ص ۱۷۴، ۱۱۸ م، ^{۸۵} کتاب مذکور، ص ۸۷، م ۶۱

^{۸۶} مقامات، ص ۷۸-۷۹، ^{۸۷} مکاتیب (قریشی)، ص ۱۹۳، م ۱۳۲

۱۳۔ مولوی دلیل اللہ: قاضی احمد اللہ نے تو علوم ظاہر کی تحصیل قاضی صاحب سے کی تھی اور کسب طریقہ حضرت مظہر سے کیا تھا، جب کہ مولوی دلیل اللہ نے دونوں علوم ہی اپنے والد بزرگوار سے سیکھے تھے۔

۱۴۔ خواجہ عبد اللہ: قاضی صاحب کے تلامذہ و مستفیدین میں خواجہ عبد اللہ کا نام بھی شامل ہے۔ انھیں بھی حضرت مظہر نے آپ کی خدمت میں بغرض استفادہ بھیجا تھا۔ ان کے متعلق دو مکتوبات میں توجہ دینے کا ذکر ملتا ہے، ایک مکتوب میں لکھا ہے:

”خواجہ عبد اللہ خان پسر عباد اللہ خان مخصوص، جو مشہور خواجہ عبید خان

کا بھتیجا اور داماد ہے، اسی سال حلقے میں داخل ہوا ہے۔ طلب اور اخلاص قوی ہے۔ لشکر کے ساتھ یہاں سے روانہ ہو گیا ہے، فقیہ کے رقعے کی وساطت سے آپ کی خدمت میں پہنچے گا، اس نوجوان کو توجہ دیجئے۔“ ۱۷۹

دوسرے مکتوب میں اس کی مکرر یاد دہانی کرائی اور تحریر فرمایا:

”کل ایک خط ہم نے خواجہ عبد اللہ بن خواجہ عباد اللہ کے ہاتھ، جو لشکر کے

ساتھ شامل ہونے کا ارادہ رکھتا ہے، ہم نے لکھا تھا یہ نوجوان سعادت مند

ہے۔ اس نے حال ہی میں انتہائی طلب و اخلاص کے ساتھ فقیہ سے طریقہ حاصل

کیا ہے۔ تاکید ہے اگر وہ پہنچے تو اس پر شفقت کی جائے۔۔۔۔ اور دلیل اللہ

اور صبغۃ اللہ سے اس کی شناسائی کرا دی جائے۔“ ۱۸۰

قاضی صاحب کے یہ تو وہ تلامذہ ہیں، جنہیں حضرت مظہر نے آپ کی خدمت میں بھیجا

تھا، اس کے علاوہ پانی پت میں بھی ان کا ایک حلقہ تھا، جس کے متعلق خود وہ صراحت کرتے

ہیں کہ اس میں ہر روز تقریباً چوالیس آدمی توجہ لیا کرتے تھے۔ اسی طرح تحصیل علم کرنے

والوں کی فہرست بھی اسی طرح کافی طویل ہوگی، مگر تلاش و جستجو کے باوجود ایسے افراد

کی تفصیل معلوم نہ ہو سکی۔

معاصر علما اور ان سے خوشگوار مراسم

قاضی صاحبؒ کا عہد ہندوستان میں علما و فضلا کی موجودگی اور تحقیقی و تصنیفی کام کی بدولت بہت باثروت ہے۔ اس عہد میں خاک ہند جیسے ایسی بہت سی نامور مستیوں نے جنم لیا، جن کے ثنوی کام کی وجہ سے ارض ہند کو بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ قاضی صاحب مدوح کے اپنے عہد کے بہت سے نامور حضرات سے خوشگوار مراسم قائم تھے۔ جن میں سراج الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۲۵ رمضان المبارک ۱۱۵۹ھ / ۱۷۴۵ء تا ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۲ء) شاہ غلام علی دہلوی (۱۱۵۶ھ / ۱۷۴۳ء - ۱۲۲۰ھ / ۱۸۲۵ء) مولوی سید نعیم اللہ بہرائچی (۱۱۵۳ھ / ۱۷۳۹ء - ۱۲۴۰ء تا ۱۲۱۸ھ / ۱۸۰۳ء) میاں محمد احسان، شیخ محمد مراد (ام الصوفیہ) حیات : ۱۲۱۱ھ / ۱۷۹۷ء) مولوی غلام کچی بہاری (م ۱۲۸۶ھ / ۱۷۷۳ء) مولوی محمد کلیم اللہ بنگالی، نواب ارشاد خان (۱۱۶۳ھ / ۱۷۷۳ء) میر مسین (م ۱۱۸۹ھ / ۱۷۷۵ء) میر عبدالباقی۔ میر نعیم اللہ گلاوٹھی (م ۱۱۹۲ھ / ۱۷۷۸ء) اور میر علیم اللہ گنگوہی (م ۱۲۱۱ھ / ۱۷۹۶ء) وغیرہ شامل ہیں۔

لے تفصیل کے لئے دیکھیے راقم الحروف کا تحقیقی مقالہ "مخزنہ" پنجاب یونیورسٹی۔ لاہور

تفسیر منظہری

تفسیر منظہری قاضی صاحب کی اہم ترین اور واقع ترین تصنیف ہے۔ جس کی افادیت کو نہ صرف بر عظیم پاک و ہند، بلکہ ساری دنیا کے اسلام میں تسلیم کیا گیا ہے، اس لیے آئندہ صفحات میں اس تفسیر پر تفصیل سے بحث کی جائے گی اور یہ دیکھا جائے گا کہ اس تفسیر کی خصوصیات کیا ہیں اور اس کی افادیت و اہمیت کیا ہے۔

مقدمہ

قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتیؒ کی تیس سے زیادہ تصانیف ہیں۔ مگر ان میں شہرت و اہمیت اور علمی افادیت کے اعتبار سے تفسیر منظری کو خاص امتیاز حاصل ہے۔ چار ہزار سے کچھ اوپر صفحات اور دس مجلدات پر مشتمل اس تفسیر کا شمار عربی زبان کی بلند پایہ تفاسیر میں ہوتا ہے۔ صاحب تصنیف کے اونچے علمی درجے اور فن حدیث و فقہ نیز تصوف اور ادب عربی میں تبحر نے اس تصنیف کو عالم گیر اہمیت دے دی ہے، اس تفسیر سے دنیا بھر کے محققین اور ارباب علم استفادہ کرتے رہے ہیں، ہندوستان کے مشہور محقق اور عربی دان علامہ انور شاہ کشمیری اس کے متعلق فرمایا کرتے تھے:

”اس جیسی تفسیر (روئے) زمین پر نہیں ہے۔“

تفسیر منظری پر تفصیلاً گفتگو کرنے سے پہلے چند تمہیدی امور پر روشنی ڈالنا مناسب

ہوگا، جو حسب ذیل ہیں۔

- تفسیر کا معنی و مفہوم اور اس کی اہمیت و ضرورت۔
- ضروری علوم برائے تفسیر نویسی۔
- اصول تفسیر۔
- تفسیر کے دبستان اور قاضی صاحب کا رجحان طبع۔

۱۔ دیکھیے تقارین بر سر ورق، تفسیر منظری المجلد الخامس والسادس، مطبوعہ حمایت اسلام پریس۔

_____ تفسیر کا آغاز و ارتقا، دُنیا سے اسلام کی نامور تفاسیر اور ان کے مصنفین۔
 _____ ہندوستان کا تفسیری سرمایہ۔

تفسیر کا معنی و مفہوم

لفظ تفسیر کا مادہ فسر (ف۔س۔ر) ہے اور یہ باب تفعیل کا مصدر ہے جس کے حسب ذیل معنی بیان کیے جاتے ہیں:

۱۔ صاحب لسان العرب لکھتے ہیں:

الفسر کے معنی ہیں: فسّر الشیء یفسّره - کسی شئی کو ظاہر کرنا۔۔۔

۔۔۔۔۔ الفسر کے اصلی معنی ہیں ڈھانپنی ہوئی شئی سے پردہ ہٹانا۔ اور تفسیر کا مفہوم ہے مشکل لفظ کے مفہوم کو کھولنا، واضح کرنا۔

صاحب القاموس فیروز آبادی کی تحقیق بھی تقریباً یہی ہے، وہ لکھتے ہیں:

"الفسر کے معنی ظاہر کرنے اور محض شئی کو کھولنے کے ہے"۔

۲۔ مشہور مفسر قرآن ابن جبران (صاحب البحر المحیط) اس کے معنی میں توسیع پیدا کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اور لفظ تفسیر کسی شئی کو برہنہ کرنے کے لیے بھی مستعمل ہوتا ہے۔۔۔ ثعلب کا قول ہے، فسرت الفرس۔ یعنی میں نے اس کو برہنہ کیا تاکہ وہ چلے۔۔۔ یہ مفہوم کشف پر مبنی ہے۔ گویا اس نے اس کی کمر کو کھول دیا تاکہ وہ تیز رفتاری سے چلے۔

۳۔ صاحب التفسیر والمفسرون (محمد حسین الذہبی) کے نزدیک اس کے معنی ایضاح اور تبیین کے ہیں۔ فرماتے ہیں:

"تفسیر بمعنی ایضاح اور تبیین ہے اور اسی سے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۱۔ ابن منظور الافریقی: لسان العرب، ۶: ۳۶۱ (بذیل مادہ)۔

۲۔ قاموس اللغات، ۲: ۱۱۰۔ ۳۔ تفسیر بحر محیط، ۱۳: ۱۱

ولایا تو نك بِمِثْلِ الْاَجْنَاكِ بِالْحَقِّ وَاحْسِنَ تَفْسِيرًا ۝۵

۴ - قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی ج نے اس کے معانی میں اور بھی وسعت پیدا کی ہے، لکھتے ہیں:

”تفسیر سے مراد جو بیان میں بہتر ہو۔ جو اشکالات کو زائل کر دے، الفسر کے معنی بیان

اور پوشیدہ شئی کو کھولنے کے ہیں۔“ ۵

ایک اور مقام پر تفسیر کی حقیقت یوں بیان کی گئی ہے:

”اس کے معنی دلیل (رہنمائی) کے ہیں نیز وہ پانی (قارورہ) جو طبیب دیکھتا

ہے تاکہ اس کو بیماری کے سبب کا پتا چلے۔ اسی طرح تفسیر وہ ہے، جس میں

آیات کا شان نزول اور قصہ تریز بحث آتا ہو۔“ ۶

ان مختلف بیانات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ابتداءً مادہ ”فسر“ کا استعمال

ظاہری اور معنوی حجابات دور کرنے اور کسی مسئلے کی توضیح و تبیین کرنے کے معنوں میں ہوتا

رہا۔ اور بقول حضرت قاضی صاحب علت مرض جاننے کے لیے طبیب کا قارورہ دیکھنا بھی

اسی زمرے میں آتا ہے۔ — مرور ایام سے یہ اصطلاح معانی معقولہ سے متعلق حجابات

دور کرنے یعنی ان کی توضیح و تشریح کے ساتھ مختص ہو کر رہ گئی۔ چنانچہ شروع شروع میں اس

اصطلاح کا استعمال سائنسی اور فلسفیانہ کتب کی شروع کے لیے ہوتا رہا۔ ۷ بنا بریں ارسطو

کی تصانیف کی شرحوں پر باقاعدہ اس کا اطلاق کیا جاتا رہا۔ مگر رفتہ رفتہ یہ استعمال بھی مفقود

ہو گیا اور اس مادے کو خالصتاً قرآنی تفاسیر کے ساتھ مختص کر دیا گیا۔ ۸

اصطلاحی بحث

اصطلاحاً علم تفسیر وہ علم ہے جس کے ذریعے قرآنی علوم و افکار اور اس کی آیات بینات

۵ التفسیر والمفسرون، ۱: ۱۱

۶ تفسیر مظہری، مطبوعہ دہلی، بار دوم، ۷: ۲۵ (سورۃ الفرقان)

۷ حوالہ سابق، ۱: ۵۲ ۸ التفسیر والمفسرون، ۱: ۱۳ -

۹ امین الخولئی مقالہ تفسیر در اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۶: ۴۸۸، نیز ابن القفطی: تاریخ الحكماء -

کو توضیح و تشریح کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ قدام کے نزدیک اس علم کی تفسیر میں مجملاً یہ کہہ دینا کافی خیال کیا جاتا تھا کہ تفسیر کلام اللہ کے مطالب کو بیان کرنے یا اس کے الفاظ و حروف کی تشریح کرنے کا نام ہے،^{۱۱} لیکن متاخرین نے باقاعدہ شرح و بسط کے ساتھ اس کی تعریف لکھی ہے، علامہ الزرکشی لکھتے ہیں:

”وہ ایسا علم ہے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب سے بحث کرتا ہے، جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اور اس کے معانی کا بیان، نیز اس کے احکام کی وضاحت سے عبارت ہے“^{۱۲}

ابو حیان اندلسی تفسیر کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں:

”وہ ایسا علم ہے جو الفاظ قرآن کی کیفیت نطق، اس کے مدلولات، اس کے افرادی احکام اور تراکیب اور اس کے ان معانی سے جن پر تراکیب کو محمول کیا جاتا ہے بحث کرتا ہے“^{۱۳}

نواب صدیق حسن خاں قنوجی تفسیر کی تعریف بالفاظ ذیل کرتے ہیں۔

”وہ ایسا علم ہے جو طاقت بشری کے مطابق نظم قرآن کے معانی سے، حسب قواعد عربیہ بحث کرتا ہے“^{۱۴}

زمانہ ۲ حال کے ایک محقق مفتی محمد عبده مصری موضوع تفسیر کی یوں وضاحت کرتے ہیں:

”تفسیر سے مراد ہے قرآن مجید کو اس طرح سمجھنا کہ اس سے لوگوں کی اس طرح رہنمائی کی جائے کہ انھیں دنیوی اور اخروی سعادت حاصل ہو۔“^{۱۵}

گویا قرآنی آیات میں بشری طاقت کے مطابق غور و فکر کرنے اور اپنی دینی و دنیوی زندگی میں اس سے رہنمائی چاہنے کے مقصد کا نام تفسیر ہے۔ قاضی صاحب نے تفسیر اور

^{۱۱} المبادیٰ النصریہ، مطبوعہ مطبع الخیریہ، ۱۳۲۰ھ، ص ۲۵-۲۶

^{۱۲} السیوطی، الاتقان، ۲: ۱۴۲، ^{۱۳} تفسیر البحر المحیط، ۱: ۱۳۰-۱۳۱

^{۱۴} ابجد العلوم، ۱: ۱۰۱، منہج القرآن، ۲: ۶

^{۱۵} محمد رشید رضا مصری، تفسیر المنار، مطبوعہ قاہرہ ۱۳۲۶ھ، ۱: ۱۴

تاویل میں بنیادی طور پر فرق کیا ہے، بقول ان کے تفسیر زیر بحث آیت کے شان نزول اور اس کے لغوی مفہوم پر غور و فکر کرنے کا نام ہے، جب کہ تاویل سے مراد آیت کا سیاق و سباق کی مناسبت سے کسی ایسے معنی پر محمول کرنا ہے جو مجموعی طور پر قرآن و سنت کے منافی نہ ہو^{۱۵}، اس اعتبار سے مفہوم تفسیر میں بڑی وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔

ضرورت و اہمیت

قرآن حکیم دنیا کی تمام کتابوں سے منفرد کتاب ہے، یہ بیک وقت آسان اور سہل الفہم بھی ہے اور مشکل و صعب الفہم بھی۔ سہل الفہم ہونے کی بنا پر یہ صحابہ کرامؓ کے قلوب و اذہان میں داخل ہو کر ان کی سیرت و کردار میں بے مثال انقلاب پیدا کرنے کا موجب ہوئی۔ جب کہ مشکل ہونے کی بنا پر عربوں جیسی فصیح اللسان قوم کو اس کے بعض اشاروں اور کتابوں کے فہم میں دشواری پیدا کرنے کا موجب بنی (جیسا کہ الحیض الابيض والحیض الاسود^{۱۶} نیز حکم یتیم^{۱۷} کے فہم میں دلچسپ صورت حال پیش آنے سے ظاہر ہے)۔

اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ قرآن حکیم قصص و امثال اور حکایات کا مجموعہ یا مواعدظ و نصائح کا ذخیرہ یا احکام و قوانین کا مسودہ ہی نہیں بلکہ اس کی آیات وقت کے ہر مسئلے اور زمانے کی ہر اجتماعی اور انفرادی ضرورت کا تسلی بخش حل اپنے اندر پنہاں رکھے ہوئے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس میں سعادت دارین کے بے مثال اصول بیان کیے گئے ہیں۔ اس لیے اس کو کا حقہ سمجھنے اور اس سے ہر زمانے کی ضرورت اور مشکل کا حل تلاش کرنے کے لیے انسانی علوم و فنون کی روشنی میں مسلسل غور و فکر اور تدبیر و تفکر کی ضرورت رہتی

۱۵ تفسیر مظہری، ۵۲:۱۱

۱۶ دیکھیے ابو عیسیٰ الترمذی، جامع الصحیح، ۲۱۱:۵، حدیث ۲۹۷۱، جہاں سورۃ البقرہ کی آیت ۱۸۷ کے متعلق حضرت عدی بن حاتم کا دلچسپ قصہ مذکور ہے۔

۱۷ دیکھیے ابو داؤد، سنن ابی داؤد، ۲۲۸:۱ تا ۲۲۹، ح ۳۲۱ تا ۳۲۳، جہاں سورۃ مائدہ میں مذکور حکم یتیم (آیت ۶) سے بعض صحابہؓ کے زمین پر لوٹ پوٹ ہو کر یتیم کرنے کا قصہ مذکور ہوا ہے۔

ہے۔ یہی ضرورت تفسیر نویسی کا اہم محرک ہے، اسی بنا پر ابتدائے زمانہ اسلام سے لے کر اب تک ہر دور اور ہر عصر میں تفسیر نویسی کا سلسلہ بلا انقطاع جاری رہا ہے۔

تفسیر نویسی کی ضرورت کے متعلق ابن خلدون کا نظریہ قدرے مختلف ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ قرآن حکیم عربی لغت میں نازل ہوا، جسے سب لوگ باسانی سمجھتے تھے، اسی بنا پر قرآن حکیم کے چند مقامات کے سوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو توضیح و تشریح کی ضرورت نہ پڑی اور اکثر لوگ مجمل سمجھانے سے سمجھ جاتے تھے، البتہ بعد میں لوگوں کو اس سلسلے میں دشواری کا سامنا کرنا پڑا، اسی بنا پر وقت کے ساتھ ساتھ تفسیر کی ضرورت و اہمیت بڑھتی گئی۔

مگر دوسری طرف علماء اور محدثین کا ایک طبقہ ایسا ہے جو تفسیر منقولہ کا قائل ہے، چنانچہ انھوں نے ابن خلدون کے محولہ بالا نظریے سے اختلاف کیا ہے، مشہور محقق اور نقاد ابن قتیبہ فرماتے ہیں کہ ”تمام عرب قرآن کے غریب اور متشابہ الفاظ کے فہم میں یکساں نہ تھے، اسی بنا پر ان کو بھی سمجھنے اور سمجھانے کی ضرورت پیش آتی تھی،^{۱۹} تاہم اس سوال پر کہ آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پورے قرآن مجید کی تفسیر بیان فرمائی ہے یا نہیں؟، علمائے تفسیر متفق الخیال نہیں ہیں۔ ایک جماعت کا، جس کے سرخیل امام تقی الدین ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ / ۱۳۲۷ء) ہیں، یہ گمان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پورے قرآن مجید کے اولین شارح اور مفسر ہیں۔ امام ابن تیمیہ نے اس نظریے کے حق میں اپنی کتاب ”مقدمہ فی اصول التفسیر“ میں نہایت مدلل بحث کی ہے اور اس نظریے کے اثبات کے لیے قرآن اور سنت سے متعدد دلائل پیش کیے ہیں۔^{۲۰} مگر جب دلائل سے ہٹ کر ”عملی تفسیر“ کا اس نقطہ نظر سے جائزہ لیا جاتا ہے تو اس سلسلے میں

^{۱۹} دیکھیے مقدمہ ابن خلدون، مطبوعہ قاہرہ (لجنة البیان العربی)، بار اول ۱۳۷۹ھ /

^{۱۹} ابن قتیبہ، المسائل والاجوبۃ، ص ۸

^{۲۰} مقدمہ فی اصول التفسیر، ص ۳۷۔ نیز دیکھیے تفسیر ابن جریر، ۱: ۹۰ تا ۹۱۔

شدید مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ عملاً اس نوع کی روایات کچھ زیادہ نہیں ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ کو اسی بنا پر یہ کہنا پڑا تھا کہ تین علوم یعنی علم تفسیر، علم مغازی اور علم الملاحم کی کوئی اصل (یا سند) نہیں ہے، ^{۲۱} خود ابن تیمیہؒ بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ان علوم میں مروی بیشتر روایات میں مراسیل ^{۲۲} کا غلبہ ہے۔ ^{۲۳} پھر اس میں اسرائیلیات اور موضوعات کا بھی بہت بڑا حصہ مروی ایام سے شامل ہو گیا ہے، چنانچہ ابن تیمیہ اصولی طور پر اس سے اتفاق کرتے ہیں کہ:

”والموضوعات فی کتب التفسیر کثیرہ“ ^{۲۴}

(اور کتب تفسیر میں موضوع روایات کی کثرت ہے)

اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی روایات کے علاوہ صحابہ رضو تالمعینؓ کی روایا کو بھی اس ذخیرہ روایات (تفسیری) میں شامل کر لیا جائے تو اس سے محولہ بالا مقصد یعنی پورے قرآن مجید کی تفسیر منقول کا مسئلہ حل نہیں ہوتا کیونکہ صحابہ کرام رض میں سب سے زیادہ تفسیری روایات کے راوی حضرت عبداللہ بن عباس رض ہیں جن کی تفسیری روایات کو صاحب القاموس محمد الدین الفیروز آبادی (م، ۸۱، ص ۶۱۴/۲) نے بعنوان ”تنویر المقیاس من تفسیر ابن عباس رض“ کے نام سے یکجا کر دیا ہے، مگر مشہور نقاد اور محدث امام شافعیؒ کو ان روایات کے استنادی پایے میں بھی کلام ہے، بقول ان کے حضرت عبداللہ بن عباس رض کے مشکل سوغیر روایات مروی ہیں، ^{۲۵} بایں ہمہ اس مجموعے سے پورے قرآن مجید کی مشکلات تفسیر کا حل خاصا مشکل ہے، کیونکہ یہ روایات چیدہ چیدہ آیات سے تعلق رکھتی ہیں۔

^{۲۱} مقدمہ فی اصول التفسیر، ص ۵۹، السیوطی: الاتقان، ۲: ۳۰۴؛ ابن الرزیع الشیبانی؛

تمییز الطیب من الخبیث، ص ۱۹۸۔

^{۲۲} مراسیل سے مراد وہ روایات ہیں، جن کو تابعی، صحابی کا نام ترک کر کے براہ راست

حضور سے روایت کرے (ابن حجر، شرح منجۃ الفکر وغیرہ)۔

^{۲۳} دیکھیے مقدمہ، فی اصول التفسیر، ۵۹۔ ^{۲۴} کتاب مذکور، ص ۷۷،

^{۲۵} سیوطی: الاتقان، ۲: ۲۲۴۔

یہی حال عمد صحابہ و تابعین کے دیگر مجموعوں کا ہے۔^{۲۶}

اسی بنا پر محدثین اور مفسرین کے اعتدال پسند طبقے نے، جس میں قاضی محمد شاد اللہ^{۲۷} حضرت قاضی صاحب بھی شامل ہیں، اعتدال و توسط کی راہ اختیار کی ہے، جس کا مقصد تفسیر بالمنقول اور تفسیر بالمعقول کو ملاحظہ بہترین مجمع البحرین فراہم کرنا ہے۔ البتہ اس میں شبہ نہیں کہ محض عقل و فکر سے مسائل قرآنی کو حل کرنے اور سمجھنے کی راسخوں کے طبقے نے کبھی حوصلہ افزائی نہیں کی۔

ضروری علوم برائے تفسیر

تفسیر قرآن لکھنے کے لیے متقدمین کے ہاں اس نکتے پر بھی بڑا زور دیا جاتا تھا کہ ایسا شخص تفسیر نویسی کے میدان میں اترے جو اس کی استعداد رکھتا ہو۔ اس استعداد اور لیاقت کی اگرچہ کوئی انتہا نہیں ہے مگر اس کی کم از کم حد یہ مقرر کی گئی ہے کہ وہ کم از کم حسب ذیل سولہ علوم و فنون میں مہارت و مہارت رکھتا ہو،

- | | | |
|----------------------|--------------------------------|-------------------------|
| ۱۔ علم اللغۃ | ۲۔ علم النحو | ۳۔ علم الصرف |
| ۴۔ علم الاشتقاق | ۵۔ علم المعانی والبیان والبدیع | ۶۔ علم القراءات |
| ۷۔ علم اصول الدین | ۸۔ علم اصول الفقہ | ۹۔ علم الفقہ |
| ۱۰۔ علم اسباب النزول | ۱۱۔ علم قصص القرآن | ۱۲۔ علم التأخ والمسنوخ۔ |
| ۱۳۔ علم اصول حدیث | ۱۴۔ علم الحدیث | ۱۵۔ علم اصول التفسیر۔ |
| ۱۶۔ علم الموصیۃ | | |

بعض علما اس پر کچھ اور علوم کا بھی اضافہ کرتے ہیں، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس نوع کے علوم کی تعداد کو محدود نہیں کیا جاسکتا، مثلاً محولہ بالا فرست علوم میں علم تاریخ،

^{۲۶} نواب صدیق حسن خان: ایجد العلوم، مطبوعہ بھوپال، ص ۲۰۳، نیز دیکھیے سعید احمد

اکبر آبادی، فہم قرآن؛

^{۲۷} دیکھیے عبدالصمد صادم، تاریخ التفسیر، ص ۲۰

علم جغرافیہ (ارض القرآن) اور علم السیرۃ وغیرہ شامل نہیں ہیں، جب کہ موجودہ دور میں ان علوم کو بھی تفسیر کا ناگزیر حصہ سمجھا جاتا ہے۔ پھر یہ تو علوم کی کم از کم حد ہے، زیادہ سے زیادہ علوم کی نہ کوئی حد ہو سکتی ہے اور نہ انہیں محدود کیا جاسکتا ہے، علاوہ ازیں مفسر کے لیے ان علوم کے علاوہ علوم راجح الوقت کا ماہر ہونا بھی ضروری ہے تاکہ مروجہ علوم کی روشنی میں قرآنی آیات پر صحیح انداز میں تدبیر و تفکر کے لیے علم تفسیر کو نئی آب و تاب بخشی جاتی رہے۔

متقدمین کی طرف سے علوم کی تعین و تحدید کا بڑا مقصد یہ تھا کہ مبادا ہر کس و ناکس تفسیر قرآن کرنے بیٹھ جائے اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی یہ بے مثال اور عظیم الشان کتاب بازیچہٴ اطفال بن کر رہ جائے۔ اس کا ایک منشا عالم اسلام کو ناخواندہ یا کم علم لوگوں کے ناچختہ عقائد و نظریات سے محفوظ کرنا بھی تھا۔^{۲۸} چنانچہ دورِ جدید میں جب سے یہ پابندی ختم کی گئی ہے، تفسیر قرآن کے نام سے طرح طرح کی کتب تصنیف کی جا رہی ہیں، جن میں "تفسیر قرآن" کے علاوہ سب کچھ ہوتا ہے۔

علم اصول تفسیر

علم فقہ اور علم حدیث کی طرح علم تفسیر کا بھی ایک خاص میدان اور منہج ہے، جس طرح ائمہ نے فقہ کو مدون کرنے کے لیے علم اصول فقہ اور حدیث کے فہم میں آسانی کے لیے علم اصول حدیث کی تدوین کی، اسی طرح علم تفسیر میں آسانی اور سہولت کی خاطر علم اصول تفسیر کو مدون کیا گیا۔

علم اصول تفسیر کا بنیادی مطمح نظر یہ رہا ہے کہ قرآنی آیات پر کس منہج سے غور و فکر کیا جائے۔ اس میں اپنی رائے و قیاس (تفسیر بالدرایت) اور تفسیر بالمنقول (تفسیر بالروایت) میں کس طرح توازن و اعتدال پیدا کیا جائے۔ علاوہ ازیں دیگر علوم و معارف کو کن احتیاطوں اور پابندیوں کے ساتھ قبول کیا جائے۔

^{۲۸} ابن حبان: تفسیر البحر المحیط، مقدمہ۔

اس عنوان پر اگرچہ بنیادی قسم کی معلومات تو عمد نبوی و صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم سے چلی آتی ہیں البتہ مستقل عنوان کے تحت اس موضوع پر تصنیف و تالیف کا کام قدرے تاخیر سے شروع ہوا، غالباً اس موضوع پر پہلی باقاعدہ کتاب علامہ زرکشی (م ۱۹۲۴ھ/ ۱۳۹۲) کی "البرہان فی علوم القرآن" ہے جو قاہرہ میں ۱۳۷۶ھ (۱۹۵۷) میں طبع ہوئی۔ اس پر امام جلال الدین السيوطی (م ۹۱۱ھ/ ۱۵۰۵) نے بہت کچھ اضافہ کر کے اپنی مشہور کتاب "الاتفاق فی علوم القرآن" مرتب کی، جس پر مشہور محقق Sprenger نے مقدمہ لکھا اور اس کے مضامین کا تجزیہ کیا۔ یہ کتاب اصول و علوم تفسیر کا نہایت محققانہ تجزیہ و محاکمہ کرتی ہے اور اس موضوع پر بڑی مفید تصنیف ہے۔

اس عنوان پر ابتداءً ابن قتیبہ (صاحب تاویل مشکل القرآن) اور ابن تیمیہ (صاحب مقدمہ فی اصول التفسیر) نے بھی قابل قدر کام کیا ہے مگر ان کی نوعیت جزوی تھی اور ان کتب میں چند بنیادی ادا اساسی باتوں کے سوا بہت کم مباحث زیر بحث لائے گئے ہیں۔ البتہ متاخر دور میں امام العصر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" اس عنوان پر نہایت مفید کتاب ہے، اس کتاب میں پہلی مرتبہ محققانہ نقطہ نظر اپناتے ہوئے اصول تفسیر کی تعین و تشریح کی گئی ہے۔

عام طور پر ہر بڑے مفسر نے اپنے اپنے "اصول تفسیر" اپنی تفاسیر کے مقدموں میں بیان کر دیے ہیں، اس طریقہ کار کی ابتدا ابن جریر الطبری نے کی۔ بعد ازاں القرطبی، ابن العربی، ابن کثیر، ابن جبان اور ابوالسعود العمادی وغیرہ نے اپنے اپنے اصول تفسیر اپنی تفاسیر کے آغاز میں "مقدمہ" کی صورت میں یکجا کر دیے ہیں، تفسیر کے فن کی ترویج و ترقی سے آگاہ ہونے کے لیے ان مقدموں کا مطالعہ از حد مفید ہے۔

تفسیر مظہری کے اصول تفسیر

ہماری کتاب کے موضوع قاضی صاحب نے اگرچہ اپنی تفسیر کا کوئی باقاعدہ مقدمہ نہیں لکھا، اس لحاظ سے ان کے اصول کار (اصول تفسیر) کو جاننے کا ہمارے پاس باقاعدہ کوئی ذریعہ موجود

نہیں ہے، مگر آپ نے تفسیر کے کئی مقامات پر اپنے اصولِ کار کی خود ہی توضیح کر کے ہماری یہ مشکل حل کر دی ہے، ان اصولِ کار پر باقاعدہ گفتگو تو اپنے مقام پر کی جائے گی، تاہم اس جگہ ان کے اصولِ تفسیر کا سرسری سا تذکرہ مناسب ہوگا، ہمارے خیال میں انہوں نے زیرِ نظر تفسیر میں حسبِ ذیل اصولوں کا التزام فرمایا ہے۔

جیسا کہ سابقہ حصے میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا، قاضی صاحبؒ، شاہ ولی اللہؒ اور ان کی تصانیف سے بے حد متاثر تھے، جس کی وجہ یہ تھی کہ انہیں طویل عرصے تک شاہ صاحبؒ کی خدمت میں رہ کر استفادے کا موقع ملا تھا پھر جس دور میں ان کو شاہ صاحبؒ سے تلمذ حاصل ہوا، یہ دور شاہ صاحبؒ کے نظریات و افکار کی پختگی اور استحکام کا دور کہلاتا ہے، الفوز البکیر کی تحریر و تصنیف بھی اسی زمانے میں (یعنی حرمین سے واپسی کے بعد) ہوئی، اس بنا پر ہو سکتا ہے قاضی صاحبؒ نے دورِ طالبِ علمی میں ہی اس تصنیف کا مطالعہ کیا ہو، بہر حال فراغت کے بعد تو لازماً علمِ اصولِ تفسیر کی یہ کتاب ان کے زیرِ استفادہ رہی، اس اعتبار سے اگر یہ کہا جائے تو عین مناسب ہوگا کہ اس تصنیف میں پیش کیے گئے اصولوں کے مطابق علمِ تفسیر پر پہلی کتاب "تفسیر منطری" لکھی گئی۔ اس تفسیر میں "الفوز البکیر" کے اصولوں کا بڑا التزام کیا گیا ہے، چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

قدیم زمانے میں یہ مسئلہ بحث و تمیض کا موضوع بنا رہا ہے کہ کتبِ تفسیر میں اسبابِ نزول یا قصصِ شانِ نزول کے عنوان سے جو روایات مروی ہیں، ان کا پایہ اعتبار کیا ہے۔ بعض مفسرین (بالخصوص روایت پرست، مثلاً السیوطیؒ وغیرہ) آیات کو انہی شانِ نزول کے قصوں کے مطابق سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، مگر شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے پہلی مرتبہ اس سلسلے میں تحقیقی نقطہ نظر اختیار کیا۔ آپ الفوز البکیر میں اس موضوع پر لکھتے ہیں:

"اسبابِ نزول: جو بات مجھے صحابہؓ و تابعین کا کلام دیکھنے سے معلوم ہوتی

ہے، یہ ہے کہ وہ یہ نہیں کہتے کہ یہ آیت فلاں واقعے میں نازل ہوئی، جو

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پیش آیا تھا اور وہی اس کے نزول

کا سبب ہے بلکہ وہ ان واقعات کا ذکر کرتے ہیں جن پر یہ آیت صادق

آتی ہے۔ خواہ وہ آنحضور کے زمانے میں پیش آیا ہو یا آنحضور کے بعد۔

شاہ صاحب اپنی اس تمام بحث کا نتیجہ یہ نکالتے ہیں کہ:

”الحکم لعموم اللفظ لا لخصوص المورد“^{۲۹}

(اعتبار لفظ کے عموم کا ہوتا ہے، اس کے خصوصی موقع استعمال کا نہیں)

قاضی صاحب شاہ صاحب کے بیان کردہ اس اصول سے پوری طرح متفق ہیں،

چنانچہ تفسیر مظہری میں متعدد مقامات پر یہ جملہ (اور اس قسم کے مباحث) ملتے ہیں:

”العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص المورد“^{۳۰}

(اعتبار لفظ کے عموم کا ہوتا ہے نہ خصوصی مورد استعمال کا)۔

عقل و فکر کے لیے مجال سخن

روایت پرست مفسرین کے نزدیک یہ مسئلہ بھی اکثر بحث و تمحیص کا موضوع بنا رہا ہے

کہ تفسیر نویسی میں عقل و فکر کو کہاں تک دخل کیا جائے۔ اس ضمن میں گو الطبری اور السیوطی^{۳۱}

وغیرہ نے کافی سختی سے کام لیا ہے مگر بعض دوسرے مفسرین مثلاً البغوی اور ابن کثیر^{۳۲}

وغیرہ نے محدود سطح پر عقل و فکر سے کام لینے کو جائز قرار دیا ہے، مگر ان کی متعین کردہ حد

بھی ”تفسیر نگاری“ کے وسیع مقاصد (تدبر فی القرآن) وغیرہ کے لیے موزوں ثابت نہیں ہو سکی۔

اس پس منظر میں شاہ صاحب نے الفوز البکیر میں عقل و فکر کے دخل و اثر انداز ہونے

کی مختلف صورتیں بیان کی ہیں، جسے شاہ صاحب مفسر کی ”توجیہ“ کے عنوان سے بیان

کرتے ہیں۔^{۳۳} حضرت قاضی صاحب شاہ صاحب کی اس رائے سے بھی پوری طرح متفق

ہیں، البتہ آپ اس کو ”روایت اور توجیہ“ کے بجائے ”تفسیر اور تاویل“ کی زیادہ مقبول

عام اصطلاحوں میں ذکر کرتے ہیں، چنانچہ جلد اول میں ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

”تفسیر تو آیت کے شان نزول، اس کے قصے اور اس کے اسباب نزول

^{۲۹} الفوز البکیر، مطبوعہ لاہور، ص ۲۲ و بعد ۳۰ کتاب مذکور، ص ۲۲

^{۳۱} تفسیر مظہری، ۱: ۲۲۱، ۲: ۳۶۵، ۳: ۳۲ الفوز البکیر، ص ۲۲، ۲۶، ۲۸

پڑ بحث کرنے کا نام ہے جو بطریق سماع ہی ممکن ہے اور جو کسی ایسی روایت پر مبنی ہو جو ثقہ ہو، اور "تفسیر" کی اصل دلیل یعنی وہ پائی (قادرہ) ہے جسے طبیب دیکھتا ہے اور مرض کے سبب پر غور و فکر کرتا ہے، اسی طرح مفسر بھی آیت کا شان و رود اور اس کا قصہ کھولتا ہے، رہی تاویل تو اس سے مراد ہے آیت کو کسی ایسے احتمالی معنوم پر محمول کرنا جو اس کے سیاق و سباق کے مطابق ہو اور جو کتاب و سنت کے خلاف نہ ہو، اسے بذریعہ استنباط و استخراج سمجھا جائے، جس کی اہل علم نے اجازت دی ہے، اور تاویل کی اصل "اول" یعنی رجوع کرنا ہے، کہا جاتا ہے "اولتہ" فالنصر "میں نے اسے پھیرا تو وہ پھر گیا، اور کبھی اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں غور و فکر کرنے والے پر ایسی تاویل کا دروازہ کھول دیتا ہے جو کسی دوسرے پر نہیں کھلتا۔" ۳۳

حضرت قاضی صاحب نے محولہ بالا اقتباس میں تفصیل و تاویل (روایت و درایت) میں پوری طرح توازن و اعتدال ملحوظ رکھنے کا ذکر کیا ہے، واقعہ یہ ہے (جیسا کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے)، جب تک روایت کے ساتھ درایت کو شامل نہ کیا جائے، مضامین تفسیر میں وسعت و رنگارنگی پیدا نہیں ہو سکتی۔ قاضی صاحب نے تاویل کی اصطلاح کو جو "توجیہ" کی اصطلاح پر ترجیح دی ہے، اس بھی ایک پس منظر ہے:

تاویل کا مادہ "اول" ہے، اسی لیے اس کے معنی لوٹانے اور پھیرنے کے ہیں، اصطلاحاً اس کے کسی لفظ کے اصلی و حقیقی معنی مراد لیے جاتے ہیں، علاوہ ازیں یہ اصطلاح (تاویل) قرآن حکیم کے متعدد مقامات پر اسی حقیقی و اصلی معنوں میں مستعمل ہوئی ہے، اسی بنا پر ابتداءً کئی صدیوں تک کتب تفسیر کے لیے لفظ تاویل ہی استعمال کیا جاتا رہا، مثال کے طور پر قاضی بیضاوی کی انوار التنزیل و انوار التاویل، نسفی کی مدارک التنزیل و انوار التاویل،

۳۳ تفسیر مظہری، ۱: ۵۱ تا ۵۲ ۳۴ لسان العرب، بذیل مادہ

۳۵ مثلاً آل عمران - ۷، یوسف - ۳۶ - ۳۷

یعنی اور ابن قتیبہ دینوری کی "تاویل مشکل القرآن (الک الگ) اس قسم کی مثالیں ہیں۔ مگر چونکہ متاخر عہد میں تاویل کے نام پر "تفسیر علمی" کے ذریعے من مانی تاویلات کو تفسیر قرآن میں دخیل کیا جانے لگا تھا، اس لیے آہستہ آہستہ تاویل کا لفظ متروک ہو کر تفسیر کی اصطلاح رائج ہو گئی۔

نافل مفسر نے ان دونوں آراء میں اس طرح مطابقت پیدا کر دی ہے کہ جسے باسانی قبول کیا جاسکتا ہے، یعنی یہ کہ مفسر روایات کے طور پر جو کچھ نقل کرتا ہے، وہ تو تفسیر ہے، مگر اس میں جو نقد و تبصرہ کرتا ہے یا اس بنیاد پر جو اسے اختیار کرتا ہے، اسے تاویل کہنا چاہیے، گویا قاضی صاحب کے نزدیک تفسیر میں توقیل و قال کی گنجائش نہیں، البتہ تاویل کے میدان میں بڑی گنجائش ہے اور ہر قسم کی توجیہات (جو اول الذکر کی روشنی میں پابند ہو کر اختیار کی جائیں) اس میں کی جاسکتی ہیں۔ اسی بنا پر تفسیر منظری میں اس قسم کی توجیہات پر تاویل کا لفظ ہی استعمال کیا گیا ہے، مثلاً آپ سورۃ البقرہ کی آیت ۱۹۳ کے تحت لکھتے ہیں:

"میں کہتا ہوں، اس کی تاویل میں کہ یہاں یہ بھی لیا جاسکتا ہے کہ

فان انتھوا فلاح عدوان - یعنی کہ اگر وہ رک جائیں تو ان پر کوئی گناہ

نہیں، مگر ظالموں پر"

اس بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ تفسیر منظری شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے بیان کردہ اصولوں کی روشنی میں تفسیر اور تاویل دونوں کی جامع ہے۔ واقعہً یہ خصوصیت دنیائے اسلام کی چند ایک تفاسیر کو حاصل ہے۔

مختلف اقسام تفسیر کا جمع و احصا

شاہ صاحب چوتھے باب میں سات قسم کی تفسیروں (تفاسیر محدثین، متکلمین، الفقہاء، النخاۃ اللغویین، اللادباۃ، القراء اور الصوفیین) کا تذکرہ فرماتے ہیں اور پھر ان سب کے جمع و احصا کی جانب حسب ذیل الفاظ میں اشارہ کرتے ہیں:

۳۶ تفسیر منظری، ۱: ۲۱۴

” اور اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی مہربانی سے فقیر کو ان تمام علوم و فنون میں کسی قدر مناسبت حاصل ہوگئی ہے اور میں نے اس کے اکثر اصول و فروع پالیسے ہیں، پس مجھے ایک گونہ استقلال اور تحقیق حاصل ہوگئی ہے جو ہر باب میں اجتہاد کے مشابہہ ہے۔“ لکھ

شاہ صاحبؒ کے بیان کردہ طریقے کے مطابق قاضی صاحب نے بھی ان ساتوں اقسام تفسیر کو تفسیر منظری میں جمع کر کے اسے ہر پہلو سے جامع مانع بنا دیا ہے۔

اسرائیلیات اور مبحث نسخ

شاہ صاحب نے ان موضوعات پر بھی جو کچھ لکھا ہے، تفسیر منظری میں بڑی حد تک اس کی پابندی پائی جاتی ہے۔ اس بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ جس طرح ابن کثیرؒ نے اپنے استاد ابن تیمیہ کے اصولوں کے مطابق تفسیر لکھی تھی اسی طرح قاضی صاحب نے بھی شاہ صاحبؒ کے بیان کردہ اصولوں اور قواعد کے مطابق (جزوی اختلافات کے باوجود) تفسیر منظری مرتب کی ہے۔

دبستان تفسیر اور قاضی صاحب کا دھماکا طبع

علم اصول تفسیر کے نقطہ نظر سے یہ بات بھی اہم ہے کہ تفسیر منظری کا کون سے دبستان خریدے تعلق ہے؛ لیکن تفسیر نویسی کے کئی سکول یا دبستان اب تک منظر عام پر آچکے ہیں مگر عموماً ان میں حسب ذیل مکاتب فکر بہت نمایاں ہیں:

التفسیر بالمأثور

علماء اور مفسرین کے ایک طبقے نے جس کی یہ توجہ اور رجحان تھا کہ انہی کے اسرار الطبری کہتے ہیں۔ تفسیر بالمأثور کا نقطہ نظر یہ ہے کہ جس میں روایات کے یہ صحیح روایات

یا آثار صحابہ و تابعین کی سند کو لازمی تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس طریقے کے مطابق جن علمائے تفسیر لکھی ہیں۔ ان میں السمرقندیؒ، الثعلبیؒ، البغویؒ، ابن عطیہؒ، ابن کثیرؒ، الثعالبیؒ اور جلال الدین سیوطی جیسے اکابر شامل ہیں، تاہم ان سب تفسیر میں تفسیر بالمآثور کی پابندی کی حدود میں یکسانیت نہیں ہے۔^{۳۸}

التفسیر بالرأی الجائز

چونکہ محولہ بالا اسلوب کچھ زیادہ کامیاب نہ رہا تھا جس کی وجہ علم تفسیر کے موضوع پر روایات و آثار کی کمی تھی، اس لیے اس کمی کو پورا کرنے کے لیے جلد ہی محدود سطح پر قیاس و رائے کا عمل دخل شروع ہوا۔ پھر رائے و قیاس پر مبنی تفسیر نگاری کے رحمان نے آگے چل کر ایک مکمل عقلی و فکری اسلوب کی شکل اختیار کر لی تھی، لہذا اس سے اس صورت کو متمیز کرنے کے لیے اور یہ واضح کرنے کے لیے کہ عقل و فکر کا عمل دخل ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھا، اس کے ساتھ "الرأی الجائز" کی قید لگادی جاتی ہے، اس نوع کی نمائندہ تفسیر میں امام فخر الدین رازیؒ، البیضاویؒ، النسفیؒ، خازن البغدادیؒ، ابو حیان اندلسیؒ، القمی النسابوریؒ، خطیب الشربینیؒ اور ابوالسعود العمادی وغیرہ کی تفسیر شامل ہیں۔^{۳۹}

التفسیر العقلی یا دبستان معتزلہ

معتزلہ خالصتاً ایک عقل پرست گروہ تھا، جس نے اپنے مخصوص عقائد و افکار کو ہر شعبے میں داخل کیا، چنانچہ۔ تفسیر میں بھی ان کا خصوصی رنگ منفرد رہا۔ اس مسلک کی تفسیر میں مختلف فلسفیانہ افکار و نظریات کی صداے بازگشت نظر آسکتی ہے۔ اس نوع کی تفسیر میں علامہ محمود الزمخشری کی الکشاف اور قاضی عبدالجبار المعتزلی و شریف المرقزی کی تفسیر نمائندہ خیال کی جاتی ہیں۔^{۴۰}

^{۳۸} الذہبی: التفسیر والمفسرون، ۱: ۲۰۵ تا ۲۸۹ ۳۹ کتاب مذکور، ۱: ۲۹۰ تا ۳۲۰ و بعد

فقہی تفاسیر

بعض تفاسیر فقہی اور قانونی ضرورت کے تحت مرتب کی جاتی ہیں، ان میں فقہی آیات کی تفسیر کو اساسی اہمیت دی جاتی ہے، اس نوع کی نمائندہ تفاسیر میں المصباح فی تفسیر ما زی، جہاں ابراہ ابن العربی المالکی اور القرطبی المالکی کی تفاسیر شامل ہیں، لکھ

دبستان تصوف

بعض صوفیہ نے بھی قرآنی آیات کی تفسیر پر قلم اٹھایا ہے اور اپنے مخصوص نظریات و تصورات کو تفسیر کے سانچے میں پیش کیا ہے، اس نوع کی تفاسیر میں البستری، السلمی، الشیرازی اور السمنانی وغیرہ کی مرتب کردہ تفاسیر شامل ہیں۔ لکھ

دبستان تفسیر منظری

تفسیر منظری دنیائے اسلام کی ان معدودے چند تفسیروں میں شامل ہے، جس کے تمام مضامین و محتویات کی فہرست محولہ بالا مختلف دبستان ہائے تفسیر کی نمائندہ کتب سے مشابہت رکھتی ہے، اس تفسیر میں بیک وقت متعدد مکاتب فکر کا تاثر نمایاں ہے۔ بنیادی طور پر تو فاضل مفسر محدثانہ (عقل پرست، منقولی) ذہن کے مالک ہیں، اسی بنا پر، جیسا کہ سطور بالا میں ذکر ہوا، تفسیر بیان کرنے کے تین مرحلوں میں سے دو مرحلوں (اول و دوم) کا مدار بڑی حد تک احادیث و آثار پر رکھا گیا ہے، قاضی صاحب علوم القراءات اور شان نزول اور قصص قرآن کے سلسلے میں مکمل طور پر محولہ بالا ذخیرے پر انحصار کرتے ہیں، اس حصے میں اول الذکر دبستان تفسیر کی جھلک بڑی نمایاں ہے۔

تفسیر کے تیسرے درجے میں، جہاں آپ آیات کی تاویل (مراد) متعین کرتے ہیں اور اپنی فکر کی جولانگاہ کو وسیع کرتے ہیں، اس حصے پر دوسرے دبستان تفسیر یعنی تفسیر

”بالرأی الجائز“ کا عنصر بہت غالب رہتا ہے۔

اسی درجے میں قاضی صاحب فقہی آیات کی تفسیر میں جب قدیم و جدید مسالک فقہ کا تجزیہ کرتے ہیں اور اس کے اختتام پر متداول کتب فقہ و دلائل حدیث کی روشنی میں راجح مسلک کی تعیین و تحدید کرتے ہیں تو اس حصے پر دبستان فقہ یا الجصاص کے اسلوب بیان کی چھاپ بہت واضح دکھائی دیتی ہے۔

اسی طرح اس مرحلے پر قاضی صاحب مقصوفانہ نکات کی توضیح و تشریح اور ان کی تنقید و تعقیب کرتے ہیں، اس حصے پر دبستان تصوف کا رنگ نمایاں ہے۔ الغرض قاضی صاحب نے اپنی تفسیر میں ان تمام مکاتب فکر کی نمائندگی کی ہے اور اپنی تفسیر کو ہر لحاظ سے جامع اور مانع بنایا ہے۔

تاریخ تفسیر اور عہد بہ عہد ارتقا

قدمانے محققین نے علوم اسلامیہ کو نشوونما کے لحاظ سے تین اقسام میں منقسم کیا ہے، ایک وہ علم جو پکا اور جمل گیا، یہ علم نحو اور اصول ہے، دوسرا وہ علم جو خوب پکا لیکن جلا نہیں، وہ علم فقہ اور حدیث ہے، تیسرا علم وہ ہے، جو نہ پکا نہ جلا، وہ علم بیان اور تفسیر ہے۔^۱ اس تصریح کا مفہوم یہ ہے کہ علم تفسیر میں ابھی پخت و پز کی مزید گنجائش ہے یعنی بالفاظ دیگر یہ علم ابھی رو بہ ترقی ہے۔

محققین کے نزدیک یہ امر بہر حال تسلیم شدہ ہے کہ فن تفسیر کا آغاز و ارتقاء فن حدیث کے زیر سایہ ہوا، اسی بنا پر بعض علمائے تفسیر کا خیال ہے کہ فن تفسیر کے بانی امام مالک ہیں،^۲ مگر امام مالک تو اپنی کتاب الموطن میں اس موضوع پر زیادہ مواد فراہم نہ کر سکے البتہ ان کے بعض ہم عصر تابعی علمائے اس پر کافی کام کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد و

^۱ امین الخولنی، مقالہ تفسیر، در اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۶: ۵۱۵

^۲ المبادی النظریہ، ص ۲۶، اسی بنا پر پروفیسر Cassa de Vaux (مقالہ نگار

Encyclopaedia of Islam لائڈن، بذیل مادہ تفسیر) نے تفسیر کو حدیث کا ایک شعبہ قرار دیا ہے۔

مولیٰ (آزاد کردہ غلام) عکرمہ (م ۱۰۵ھ) فرمایا کرتے تھے کہ جو کچھ ان دو مقوموں (جلدوں) کے درمیان ہے، میں اس سب کی تفسیر کر چکا ہوں، ^{۵۷۶} اسی طرح ابن جریر (م ۱۵۰ھ) کی تفسیر تین جلدوں میں تھی۔ ^{۵۷۷} اس سے پتا چلتا ہے، کہ قرن اول ہی میں تفسیر کا رجحان حدیث سے منفرد ہونے لگا تھا۔ تفسیر کے منفرد اسلوب کا تشخص زیادہ دوسری تیسری صدی ہجری میں نمایاں ہوا، اسی صدی کے نامور محدثین امام بخاری ^{۵۷۸} اور امام ترمذی ^{۵۷۹} نے اپنی اپنی کتب میں "کتاب التفسیر" کے عنوان سے مستقل کتب (ابواب) مرتب کیں۔ ^{۵۸۰}

یہ مسئلہ ابھی تک بحث و تمحیص کا موضوع ہے کہ دنیائے اسلام کی باقاعدہ پہلی تفسیر کون سی تھی اور اسے کس نے مرتب کیا تھا۔ تفسیر عبداللہ بن عباس ^{۵۸۱} کے متعلق ہم اوپر صراحت کر آئے ہیں کہ یہ باقاعدہ اور مکمل قرآن مجید کی تفسیر نہ تھی بلکہ چیدہ چیدہ آیات کے متعلق مرفوع یا موقوف روایات کا مجموعہ تھی اور یہ کہ امام شافعی ^{۵۸۲} کو ان روایات کے استنادی پایے میں بھی شک تھا، ^{۵۸۳}

مصنف ضعی الاسلام نے ابن الندیم کی الفہرست ^{۵۸۴} کے حوالے سے ثابت کیا ہے کہ تفسیر پر پہلی باقاعدہ کتاب الفراء النخوی (۲۰۷/۲۸۲۲) نے لکھی تھی، جس کا باعث یہ تھا کہ اس کا ایک خاص دوست عمر بن بکیر وزیر حسن بن سہل کا مصاحب تھا، اس نے الفراء سے درخواست کی کہ وزیر اکثر اس سے آیات قرآنیہ کے بارے میں سوال کرتا رہتا ہے اور اسے بعض اوقات ان کے بارے میں کچھ بھی علم نہیں ہوتا۔ لہذا کوئی ایسی کتاب لکھ دیجیے جو ایسے موقعوں پر کام آسکے۔ چنانچہ الفراء نے مکمل قرآن مجید کی، ترتیب تلاوت کے لحاظ سے، تفسیر (دو مجلدات میں) لکھ کر اسے ارسال کر دی ^{۵۸۵}۔ اس کتاب کا نام

^{۵۷۵} السیوطی، الاتقان، ۲: ۲۲۵ ^{۵۷۶} کتاب مذکور، ص ۲۲۴

^{۵۷۷} البخاری نے صحیح البخاری میں تفسیر قرآن پر دو کتب یعنی کتاب التفسیر اور کتاب فضائل القرآن مرتب کی ہیں جو پوری کتاب کا ۱/۲ حصہ ہیں۔

^{۵۷۸} دیکھیے محمد امین المصری، صحیح الاسلام، ۲: ۱۴۱

^{۵۷۹} الفہرست ص ۹۹ ^{۵۸۰} التفسیر والمفسرون، ۱: ۱۴۳-۱۴۴

معانی القرآن ہے اور یہ اب قاہرہ سے طبع ہو چکی ہے۔ لیکن بہت سے ارباب تحقیق الفراء کو پہلا مفسر نہیں مانتے۔ بعض علمائے ابو عبیدہ (م ۲۰۹ھ/۸۲۴) کی کتاب مجاز القرآن کو بھی اسی زمانے کی تصنیف قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ اس میں بھی سورتیں ترتیب وار لی گئی ہیں، لہذا بہر حال یہ مسئلہ ابھی تشنہ تحقیق ہے۔ تاہم یہ بات یقینی ہے کہ تفسیر کا یہ علم تیسری صدی ہجری میں مدون ہوتا اور فن حدیث سے متمیز ہونا شروع ہوا، بعد کے ادوار میں قرآن حکیم کی جو تفاسیر لکھی گئیں۔ انھیں موضوع اور مضامین کے لحاظ سے حسب ذیل اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے:

- (۱) التفسیر بالماثور
 - (ب) التفسیر بالرای المجاز
 - (ج) التفسیر العقلی المعتزلی
 - (د) التفسیر الفقہی
 - (ه) التفسیر الصونی
 - (و) التفسیر الشیعی
- تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) التفسیر بالماثور: جیسا کہ پہلے بیان کیا چکا ہے فن تفسیر کا آغاز روایت کے بجائے فن روایت سے ہوا، ابتدائی زمانے میں اسے فن حدیث ہی کا ایک حصہ سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ امام بخاری، امام مسلم اور امام ترمذی وغیرہ محدثین نے اپنی اپنی تصانیف میں زیر نظر عنوان پر مستقل کتب میں روایات جمع کیں۔

اس نوع کی پہلی عظیم الشان تصنیف امام ابو جعفر ابن جریر الطبری (م ۲۲۱-۲۹۲) نے جامع البیان فی تفسیر القرآن کے نام سے مرتب کی، جو تفسیر طبری کے نام سے علمی حلقوں میں

۱۵۰ مقالہ تفسیر از امین الخولی، در اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ص ۵۱۲۔ نیز التفسیر معالم

حیات و منہجہ الیوم، ص ۳۱ تا ۳۲۔

۱۵۱ یہ تقسیم محمد حسین الذہبی: التفسیر والمفسرون کے مطابق ہے۔

متعارف ہے۔ یہ کتاب تفسیر بالماثور کا بہت بڑا مخزن ہے، تاہم بعض مقامات پر فاضل مفسر کی ذاتی آرا بھی ملتی ہیں۔ اس صدی میں ایک اور تفسیر ابو اللیث السمرقندی الحنفی المعروف بابام الہدیٰ (م ۳۷۲ھ / ۲۹۸۳) نے بعنوان 'بحر العلوم' تصنیف کی۔ یہ تفسیر بھی تک زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہوئی، مگر دارالکتب المصریہ میں اس کے قلمی نسخے سے پتا چلتا ہے کہ موصوف کی تفسیری روایات پر نظر بڑی گہری تھی۔ قاسم بن قطلوبغا مشہور حنفی عالم نے اس کی احادیث کی تخریج کی ہے۔^{۵۳}

پانچویں صدی ہجری کی ایک اور اہم تفسیر الکشف والبیان عن تفسیر القرآن ہے، جسے محقق نبیل ابوالسحاق الثعلبی النیساپوری (م ۴۲۷ھ / ۱۰۳۵) نے مرتب کیا۔ اس میں قصص اور اسرائیلیات کی بڑی کثرت ہے، یہ تفسیر بھی ابھی تک منظر عام پر نہیں آسکی۔^{۵۴} اس صدی کے اواخر اور چھٹی صدی کے اوائل میں امام محی السنۃ البغوی (م ۵۱۶ھ / ۱۱۲۲) بقول ابن خلیکان: ۵۱۰ھ / ۱۱۱۷) نے معالم التنزیل مرتب فرمائی۔^{۵۵} اس تفسیر کی شان میں یہ کہہ دینا ہی کافی ہے کہ "امام ابن تیمیہ اسے سب سے بہتر تفسیر قرار دیتے ہیں،^{۵۶} اور قاضی صاحب مدوح نے اس تفسیر سے سب سے زیادہ استفادہ کیا۔

چھٹی صدی ہجری ہی میں "تفسیر المحرر الوجیز" تصنیف ہوئی، جسے ابن عطیہ اندلسی الغرناطی (م ۵۴۶ھ / ۱۱۵۱) نے تصنیف کیا، یہ تفسیر ابن تیمیہ کے نزدیک زعمشتری کی انگشتاں سے بہتر ہے۔^{۵۷} آٹھویں صدی ہجری کی دو تفاسیر یعنی اسماعیل یا عماد الدین ابن کثیر البصری الشافعی (م ۷۷۴ھ / ۱۳۷۳) کی تفسیر القرآن العظیم اور (عبدالرحمن بن مخلوف الاشعری) کی الجواہر الحسان فی تفسیر القرآن، بھی تفسیر بالماثور کا عمدہ اور قابل قدر

^{۵۳} دیکھیے حاجی خلیفہ: کشف الظنون، ۱: ۲۳۴، ۵۴: وفيات الاعیان، ۱: ۳۷ تا ۳۸

^{۵۵} حاجی خلیفہ: کشف، ۲: ۲۸۵، السیوطی: بغیۃ الوعاة، ص ۳۸۸

^{۵۶} ایضاً، الذہبی، ۱: ۲۳۶ بحوالہ فتاویٰ ابن تیمیہ۔

^{۵۷} ابن تیمیہ کی رائے اور تبصرے کے لیے ملاحظہ ہو الذہبی، ۱: ۲۳۸ تا ۲۴۲، نیز فتاویٰ ابن

تیمیہ، ۲: ۱۹۴، مقدمہ فی اصول التفسیر، ص ۲۳۔

نمونہ ہیں۔ تاہم علامہ جلال الدین السيوطی نے اپنی تفسیر الدر المنثور فی التفسیر بالماثور میں ہر قسم کی روایات جمع کر کے اسے تفسیر بالماثور کا عمدہ نمونہ بنا دیا۔

۱۵۸

ب۔ التفسیر بالرأی الجائز: تفسیر کی یہ قسم تفسیری پہلو پر عمدہ پیش رفت کی غماز ہے۔ کیونکہ جب یہ دیکھا گیا کہ محض روایات کے سہارے مضامین قرآن کی توضیح و تفسیر بیان کرنا مشکل ہے اور اس سلسلے میں ضعیف ہی نہیں بلکہ موضوع اور محرف روایات اور اسرائیلیات کا سہارا لیتا ناگزیر ہے تو مثبت انداز میں آیات قرآنیہ پر تدبر و تفکر کا آغاز ہوا۔ پہلی چیز، جسے روایات سے ہٹ کر تفسیری کتب میں سب سے پہلے قبول کیا گیا، وہ لغوی معلومات تھیں، جنہیں علمائے لغات قبیلہ قبیلہ حل پھر کر جمع کرتے تھے، آہستہ آہستہ اس میں توسع پیدا ہوتا چلا گیا۔ اس توسع کے نتیجے میں ایک تو وہ تفسیری ادب معرض وجود میں آیا جس میں روایات کا عمل دخل برائے نام رہ گیا۔ جب کہ دوسرا تفسیری ادب جو اس کے نتیجے میں معرض وجود میں آیا، وہ تھا، جس میں درایت اور روایت دونوں کا حسن امتزاج پایا جاتا تھا، اس نوع کی تفاسیر میں امام فخر الدین رازی کی مفاتیح الغیب المعروف بہ "تفسیر کبیر" سب سے نمایاں ہے۔ انہوں نے پہلی مرتبہ تفسیر میں منطق و فلسفہ کی اصطلاحوں کا بے دریغ استعمال کیا۔ اسی بنا پر بعض علمائے اس کی افادیت کو مشکوک قرار دیا ہے۔ تاہم اس کے بعض پہلو بلاشبہ اعلیٰ تحقیق کے معیار پر پورا اترتے ہیں۔

علامہ ناصر الدین القاضی البیضاوی (م ۶۸۵ھ / ۱۲۸۶ء) نے فن تفسیر پر انوار التنزیل و اسرار التاویل "مرتب کی جو زیادہ تر زرخیزی کی انکشاف پر مبنی ہے اور عقل و نقل کی جامع ہونے کے علاوہ جماعت اہلسنت والجماعت کے مسلک کی بہترین ترجمان بھی ہے۔

اسی طرح کی ایک تفسیر علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد التسفی کی "مدارک التنزیل و حقائق التاویل" بھی ہے، جس کی علامہ زین الدین عینی (م ۸۴۳ھ / ۱۴۶۸ء) نے تلخیص کی ہے۔

۱۵۸ الشوکانی: بدر الطالع، ۱، ۲۸۱ تا ۳۳۵، ابن العماد: شذرات، ۱، ۵۱ تا ۵۵، ۱۵۸ التفسیر والمفسرون، ۱، ۲۹۰ تا ۲۹۷

۱۵۹ طاش کوپرلی زادہ: مفتاح السعاده، ۱۴: ۷۳۶، السبکی، طبقات الشافعیہ، ۵: ۵۹ وغیرہ۔

۱۶۰ حاجی خلیفہ: کشف الظنون، ۲: ۲۷۸، الدر الکامنه، ۲: ۲۲۷، محمد حسین الذہبی، ۱۴: ۲ تا ۳

اسی نوع کی دیگر تفاسیر میں الخازن البغدادی (م ۴۲۱ھ / ۱۰۳۰ء) کی "لباب التاویل فی معانی التنزیل" القمّی النسیا پوری (م ۱۱، ۱۱ھ / ۱۳۱۱ء) "عزائب القرآن ورفائب الفرقان اور ابو حیان اللاندسی (م ۴۲۵ھ / ۱۰۳۴ء) کی "البحر المحیط بھی قابل ذکر ہیں۔ مؤخر الذکر میں علم نحو کے مسائل بیان کرنے پر بہت زور دیا گیا ہے۔ طوالت کی بنا پر پہلے خود مصنف نے "بعض معانی النہری من البحر" اور بعد ازاں ابن ام مکتوم (م ۴۲۴ھ / ۱۰۳۳ء) نے بعنوان "الدر اللقیط من البحر المحیط" اس کی تلخیص کی۔ ۶۲

دو نامور مفسرین علامہ جلال الدین المحلي (م ۸۶۴ھ / ۱۴۵۹ء) اور جلال الدین السیوطی (م ۹۱۱ھ / ۱۵۰۵ء) کی مشترکہ تصنیف "تفسیر جلالین"، اپنے مختصر مگر جامع انداز بیان کی بنا پر دینی مدرس میں متداول رہی۔ علاوہ ازیں اس نوع کی دیگر تفاسیر میں علامہ شمس الدین المعروف بخطیب الشربینی (م ۹۴۴ھ / ۱۵۶۹ء) کی "السراج المنیر فی الاعانتہ علی معرفتہ بعض معانی کلام ربنا الجبیر" سہل الماخذ اور اپنے معتدل انداز تحریر کی بدولت کافی مقبول رہی ہے۔ ۶۳ اسی طرح ابوالسعود العمادی المعروف بہ "خوجہ چلبی" (م ۹۸۲ھ / ۱۵۷۴ء) کی "ارشاد العقل السلیم الی امزایا الکتاب الکریم" خاص طور پر متاخرین میں بہت قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ ۶۴

رج: التفسیر العقلمی یا تفسیر المعتزلی: معتزلہ نے مشکلات قرآن کے حل کے لیے اس حد تک عقل و فکر کو دخیل کیا کہ ان کی تفاسیر اپنے اسی مخصوص رنگ کی وجہ سے پہچانی جانے لگیں۔ معتزلی تفاسیر میں سے علامہ جبار اللذاز محشری کی تفسیر "الکشاف" کو اپنے مخصوص لغوی و بلاغی نیز اعجاز قرآنی کو نمایاں کرنے پر مبنی اسلوب کی بنا پر ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا

۶۲ الدر الکامنه، ۲۱۳:۱، مفتاح العادة، ۲۰۴:۱۰، التفسیر والمفسرون، ۱:۱ تا ۳۲۱ -

۶۳ الخطط الجدیدہ، ۱۲:۳۲۴، شذرات الذهب، ۴:۸۶۱، معجم المطبوعات العربیہ،

ص ۱۱۰۸ تا ۱۱۰۹ -

۶۴ علی آفندی، العقد المنظوم فی ذکر افاضل الروم، قاہرہ، ۱۳۱۰ھ، ص ۲۸۲، نیز نواب

صدیق حسن خاں: اکیسیر فی اصول التفسیر -

رہا ہے، گو اس تفسیر کے معتزلی افکار ہر دور میں زاپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھے جاتے رہے
ہیں۔ مفسرین میں سے بیضاوی اور نسفی وغیرہ نے زمخشری کے اس غیر محتاط رویے پر
کڑی گرفت کی ہے۔ ہمارے محترم قاضی صاحبؒ بھی اس کے المعتزلی خیالات کی
تردید کرتے نظر آتے ہیں۔ اس نوع کی دیگر تفاسیر میں قاضی عبدالمبار (م ۳۱۵ھ / ۲۲۴-۲۱) کی
تزییہ القرآن عن المطامن اور شریف المرتضیٰ (م ۳۲۶ھ) کی امانی الشریف یا غرر الفوائد
در القلائد نمایاں ہیں۔^{۶۵}

(د) التفسیر الفقہی، بعض تفاسیر خاص طور پر فقہی نقطہ نگاہ سے تصنیف کی گئی ہیں۔
اس سلسلے کا آغاز ابو بکر الجصاص رازی (م ۳۰۰ھ / ۲۹۸) نے اپنی کتاب احکام القرآن لکھ کر
کیا جس میں صرف فقہی آیات کی تاویل تفسیر رقم کی گئی ہے۔ بعد ازاں الکیا الہراسی الشافعیؒ
(م ۵۰۳ھ / ۱۱۱۰) نے احکام القرآن، ابن العربی المالکی (م ۵۴۳ھ / ۱۱۴۸) نے احکام القرآن
اور ابو عبد اللہ القرطبی المالکی نے الجامع لاحکام القرآن کے عنوان سے فقہی تفاسیر مرتب کیں۔ مورخ الذکر
پورے قرآن مجید کی تفسیر ہے اور اپنے اعتدال پسندی سے کی بنا پر بہت افادیت کی حامل
ہے۔^{۶۶}

(ه) التفسیر الصوفی: صوفیاء کی تفاسیر کو اگرچہ بعض علما نے، جن میں ابن تیمیہ پیش پیش
ہیں، تفسیر بلنسی سے انکار کیا ہے ^{۶۷} تاہم صوفیہ نے بھی اپنے خیالات کی نشر و اشاعت
کے لیے آیات قرآنیہ کی تفاسیر لکھی ہیں۔ اس نوع کی تفاسیر میں سہل بن عبد اللہ التستری
(م ۳۸۳ھ / ۲۸۹۶) کی "تفسیر القرآن العظیم" ابو عبد الرحمن محمد بن حسین (م ۴۱۲ھ / ۲۱۰۲۱)
کی حقائق التفسیر (مخطوطہ) ^{۶۸} اور ابو محمد شیرازی کی (م ۶۰۶ھ / ۲۱۲۰۹) کی عرائس البیان
فی حقائق القرآن نیز شیخ ابن العربی (م ۶۳۸ھ / ۲۱۲۴۰) کی التفسیر، اور نجم الدین داؤد و
علاء الدولہ السمنانی (م ۷۳۶ھ / ۲۱۳۳۵) کی التاویلات البغیہ ^{۶۹} وغیرہ شامل ہیں۔

^{۶۵} التفسیر والمفسرون، ۱: ۲۳ تا ۲۱، ^{۶۶} التفسیر والمفسرون، ۳: ۱۰۹ تا ۱۲۸

^{۶۷} ابن تیمیہ: اصول التفسیر، ص ۹۲، مطبوعہ بیروت ۱۹۷۲

^{۶۸} جامعہ ازہر کے کتاب خانے میں محفوظ ہے (دیکھیے التفسیر والمفسرون، ۱۳: ۵۰ تا ۵۵)

^{۶۹} مخطوطہ مخزوزہ دارالکتب المصریہ، مشتمل بر ۵ مجلدات، ^{۷۰} التفسیر والمفسرون، ۱۳: ۵۶ تا ۵۸، ۶۶ تا ۸۲

(۹) التفسیر الشیعی: شیعی تفاسیر میں سید الحسن العسکری (م ۲۵۴ھ/۲۸۶۸) کی تفسیر (نامکمل) ۱؎، محمد بن مسعود بن عیاش السلمی الکوفی (تیسری صدی ہجری) کی تفسیر، علی بن ابراہیم القمی (اواخر تیسری و اوائل چہارم صدی) کی تفسیر، شیخ ابو جعفر محمد بن الحسن بن علی الطوسی (۲۶۰ھ/۶۱۰-۶۷۴) کی التبیان ۲؎، ابو علی الفضل بن الحسن الطبرسی (م ۴۶۰ھ/۱۱۱۳) کی مجمع البیان، محمد بن مرتضیٰ المعروف بملاحسن الکاشی کی "الصافی"، الاصفی ہاشم بن سلیمان البحرانی (م ۱۱۰۴ھ/۶۱۶۹۵) کی البرہان، عبداللطیف الکاذرانی کی مرآة الانوار و مشکات الاسرار ۳؎، محمد مرتضیٰ الحسینی المعروف بنور الدین کی "المؤلف" وغیرہ نمایاں ہیں۔ ۱؎

برصغیر پاک و ہند کا عربی میں تفسیری سرمایہ

برصغیر پاک و ہند میں عربی و فارسی زبانیں مسلمانوں کے ساتھ آئیں۔ مسلم علماء و صوفیاء نے جو دوسری صدی ہجری سے اس علاقے میں آنا شروع ہوئے، تبلیغ و تدریس کے لیے مقامی بولیاں استعمال کرنا بھی شروع کر دی تھیں۔ اغلب یہ ہے کہ اسی زمانے میں ہندی زبان میں مطالعہ قرآن حکیم کا آغاز ہوا۔ چنانچہ مشہور سیاح بزرگ بن شہریار کے بقول ایک ہندی راجہ "نہروک بن رائق" تاجدار "الراہ" کی فرمائش پر حاکم منصورہ عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز نے ۲۷۰ھ (۶۸۸۳) میں ایک عراقی الاصل، مگر متوطن ہندی عالم سے "ہندیہ" زبان میں تفسیر لکھوانی شروع کی تھی، جو اقلًا سورہ یس تک پہنچ پائی تھی ۴؎۔ اس کے بعد بھی اس موضوع پر کئی کوششیں ہوئیں۔ مگر اس میں سے اکثر ذخیرہ دست برد زمانہ کا شکار ہو گیا ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں عربی زبان کا تفسیری سرمایہ حسب ذیل ہے۔

۱؎ یہ تفسیر نامکمل ہے۔ مطبوعہ قاہرہ (الذہبی: التفسیر والمفسرون، ۲: ۲۲)۔

۲؎ یہ تفسیر آج کل معدوم ہے (التفسیر والمفسرون، ۲: ۲۲)۔

۳؎ اب مقدمہ کے سوا باقی ناپید ہے (ایضاً) ۴؎ التفسیر والمفسرون، ۲: ۲۲ تا ۲۳۴۔

۵؎ سفر نامہ عجائب الهند، مطبوعہ لائیڈن ۶۱۸۸۳-۶۱۸۸۶، ص ۳۔

۱ - تبصیر الرحمن وتیسیر المنان بعض ما یشیر الی اعجاز القرآت : شیخ
 زین الدین (علاء الدین) علی بن احمد بن علی الہمامی ہندی المعروف مخدوم علی المہاشی (م ۸۲۵ھ /
 ۱۴۲۱ء) علاقہ بمبئی کے رہنے والے تھے اور اس نواح کے مرکز عقیدت بزرگ ہیں۔ وہ ہندوستان
 میں شیخ ابن عربی کے فلسفہ وحدت الوجود کے شارح اور شافعی عالم تھے۔ ان کی محمولہ بالا
 عنوان کے تحت تفسیر متوسط الجہم تفسیر ہے، بجز سورہ فاتحہ کے باقی تمام تفسیر کا انداز شرح
 مزوجہ (جلالین کی طرز) کا ہے۔ اس تفسیر میں بالخصوص ربط آیات و سور، معانی صوفیہ اور
 مطالب فقہیہ کا بیان نہایت عمدگی سے کیا گیا ہے۔ ۱۷

ب - منبع نفائس العیون : شیخ مبارک بن خضر ناگوری (م ۱۰۰۱ھ / ۱۵۹۲ء) نے
 جو اس تفسیر کے مصنف ہیں، اپنی حیات طیبہ کے آخری ایام میں یہ تفسیر شرح و بسط کے ساتھ
 لکھنا شروع کی تھی اور تقریباً چار ضخیم جلدوں میں اسے مکمل بھی کر لیا تھا، مگر افسوس کہ یہ
 قیمتی کتاب دستبرد زمانہ کا شکار ہو کر دنیا سے ناپید ہو گئی۔ بدایونی اس تفسیر کو تفسیر کبیر
 سے مشابہت دیتا ہے۔ ۱۸

ج - التفسیرات الاحمدیہ فی بیان الآیات الشریعۃ : ملا جیون بن عبداللہ المحتفی،
 ساکن امیٹھی، ضلع لکھنؤ (م ۱۱۳۰ھ / ۱۷۱۷ء) عمد مغلیہ کے ایک ممتاز عالم دین اور فقیہ کامل
 تھے۔ ان کی زیر نظر تفسیر صرف ان آیات سے تعلق رکھتی ہے، جن میں کوئی فقہی حکم بیان
 کیا گیا ہے۔ ان کی تعداد بقول ان کے پانچ سو متجاوز نہیں ہے۔ یہ تفسیر ۱۰۶۲ھ / ۱۶۵۲ء
 اور ۱۰۶۹ھ / ۱۶۵۹ء کے مابین لکھی گئی۔ ۱۹

۱۷ دیکھیے زبید احمد۔

ص ۱۵، اکیس فی علوم التفسیر، ص ۵۹

۱۸ البداؤنی، ۳: ۴۲، نیز دیکھیے اردو دائرہ معارف اسلامیہ، مقالہ تفسیر، ۶: ۵۳۲

۱۹ تفسیرات احمدیہ، ۳، ص ۴۔

۲۰ مرید تفصیل کے لیے C.A. Brockelmann حکمہ ۲: ۶۱۲، فقیر محمد بھٹلی:

حدائق المنضیہ، ص ۲۲۶، اکیس فی اصول التفسیر، ص ۲۲۔ زبید احمد، The Contribution

ملا جیون کی تفسیرات احمدیہ کے بعد تفسیر مظہری کا نمبر آتا ہے، یہ اس لحاظ سے تو ہندوستان کی چوتھی تفسیر قرار پاتی ہے، مگر واقعہً اپنے مخصوص اندازِ فکر اور اسلوبِ تحریر کے باعث یہ پہلی عظیم الشان تفسیر ہونے کا شرف رکھتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اول الذکر یعنی تفسیر مہامئی (تفسیر رحمانی) ویسے ہی جلالین کی طرز کی تفسیر ہے، اس میں تفسیری مباحث شاذ و نادر ہی نظر آتے ہیں۔ منبع نفائس ویسے ہی دستبردِ زمانہ کا شکار ہو چکی ہے، جب کہ تفسیرات احمدیہ صرف پانچ سو کے قریب فقہی آیات کی تفسیر ہے، اسی پس منظر میں بلاشبہ اس تفسیر کو تاریخِ ہند کی پہلی باقاعدہ تفسیر (جو باقی سے) قرار دیا جاسکتا ہے۔ ہندوستان میں کچھ ایسی تفسیر بھی عربی زبان میں تصنیف ہوئیں، جن کا علمی پایہ تو کچھ زیادہ نہیں، البتہ ان کا ادبی مقام بہت بلند ہے۔ ایسی تفسیر میں ملک الشعراء فیضی (م ۱۰۰۲-۱۰۱۵/۱۵۹۵ء) کی غیر منقولہ تفسیر "سواطع الالہام" اور عبدالواحد بن امام علی الہ بادی کی منقوط تفسیر پارہ عم "جب شغب" یا "فیض غیب" خاص طور پر بہت معروف ہوئیں۔ مگر تفسیر مظہری کا ان سے کوئی مقابلہ نہیں۔

منقوط

نسخہ تفسیر منظہری کی حفاظت و طباعت

تفسیر منظہری کا اصل نسخہ جو فاضل مفسر نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا، ایک عرصے تک قاضی صاحب کے آبائی اور خاندانی کتاب خانے (واقعہ پانی پت) کی زینت رہا۔ غالباً یہی نسخہ یا اس سے تیار کردہ نقل آج کل مولانا ابوالحسن زید دہلوی کی تحویل میں ہے۔ یہ نسخہ سے نواب الحاج کلب علی خاں (والی رام پور) اور قاری عبدالرحمان محدث پانی پتی نے اپنے لیے ایک ایک نقل تیار کرائی تھی، اسی نسخے کو سامنے رکھ کر قاری ابو محمد محی الاسلام نے پریس کے لیے بیضہ تیار کیا، جو بعد میں ندوۃ المصنفین دہلی کی تحویل میں آیا۔ راقم بعد مکانی کی وجہ سے ان میں سے کوئی نسخہ بھی نہیں دیکھ سکا۔ البتہ میں نے تفسیر منظہری کی جلدوں کے چند اجزا ملاحظہ کیے ہیں، تفصیل حسب ذیل ہے۔

- ۱۔ نسخہ مولانا الیف اللہ عثمانی: ان کے پاس تفسیر منظہری کی جلد اول کا محفوظ نسخہ ہے جو ان کے جد امجد کی تحویل میں رہا۔
- ۲۔ نسخہ خانقاہ موسیٰ زئی شریف: یہاں تفسیر منظہری کی حسب ذیل چار جلدوں کے قلمی نسخے محفوظ ہیں:

● جلد چہارم: یہ جلد سورۃ الانعزال سے شروع ہو کر سورۃ التوبہ پر اختتام پذیر ہوئی ہے، اس کی کتابت سیاہ اور عمدہ روشنائی سے کی گئی ہے، تقطیع بڑی ہے،

۱۔ عبد الرزاق قریشی، تشریحات مکاتیب، ص ۲۳۱، عدد ۱۔

۲۔ ابو محمد محی الاسلام، تعارف تفسیر منظہری، قلمی، ص ۱۵

اس پر کاتب نے حسب ذیل ترقیمہ (نوٹ) لکھا ہے:

باموالمصنف الذی کتبہ المصنف بامر حاجی دوست محمد قندھاری۔

اسے محمد عیسیٰ نامی کاتب نے لکھا ہے جو حاجی صاحب کے خاص کاتبوں میں سے تھے۔

جلد ہفتم: یہ جلد کتابت اور نقش و نگار کے لحاظ سے اس پورے سیٹ میں خوب صورت ترین ہے، اس کے ابتدائی صفحات پر کاتب نے سیاہ اور سرخ (سنہری) روشنائی سے خوب صورت حاشیہ نگاری کی اور اس کے درمیان انہی دو رنگوں سے عبارت تفسیر کو لکھا ہے، آخری صفحے پر اور اسی طرح درمیان سے شروع ہونے والی سورتوں کے آغاز میں بھی اسی طرح نقش و نگار بنائے گئے ہیں۔ جلد کے بقیہ اوراق پر کتاب خوب سیاہ روشنائی اور جلی قلم سے کی گئی ہے۔ اس کی تقطیع کا ساڑھ بھی بڑا ہے۔ اختتام پر نقل کرنے کا سنہ ۱۲۷۹ھ تحریر ہے۔

جلد ہشتم (الصفات تا الحجرات): تفسیر مظہری کی اس جلد کی کتابت مولانا رحیم بخش نے کی ہے اور اس کے اختتام پر ۱۲۷۳ھ کا سنہ کتابت تحریر ہے۔

جلد نہم (ق تا الناس): یہ جلد خاصی ضخیم ہے، اس میں آخری چار سیپاروں کی تفسیر یک جہ ہے۔ مطبوعہ نسخے میں اس کے ساتھ مزید دو سورتوں (الفتح والحجرات) کو شامل کر کے دو جلدیں بنا دی گئی ہیں۔ اس کے اختتام پر کاتب کی جانب سے حسب ذیل نوٹ دیا گیا ہے:

”اس نسخے کو رام پور کے قلمی نسخے سے نقل کیا گیا ہے، جس میں ناواقف کاتب نے بہت سی غلطیاں کر دی تھیں، لہذا وہ غلطیاں اس نقل میں بھی جوں کی توں باقی رہ گئی ہیں۔ (۱۲۷۹ھ)

موسیٰ زنی کے سجادہ نشین حاجی محمد اسماعیل صاحب نے بتایا کہ تفسیر مظہری کی جلد پنجم کا قلمی نسخہ سید محمد جمیل احمد بغرض طباعت لے کر گئے تھے، جو واپس نہیں کیا گیا:

۳۔ نسخہ ”رام پور“ محولہ بالا عبارت سے پتا چلتا ہے کہ رام پور میں بھی تفسیر مظہری کا ایک قلمی نسخہ موجود تھا، چنانچہ اس نسخے میں سے ایک جلد (المجلد الخامس) کا ذکر اقیار علی

عرشی (لائبریرین رضا لائبریری رام پور) نے بھی کیا ہے، یہ جلد ۱۲۰۲-۱۲۰۴/۱۷۸۶ء۔ ۲۱، ۵۰ میں مکمل ہوئی۔ اس جلد کی ظاہری حالت اچھی ہے، اس میں ۲۲۳ ورق اور ہر صفحے میں ۲۰ لائنیں ہیں۔

مطبوعہ نسخے

یہ کتاب ایک عرصہ تک مخطوط رہنے کے بعد جس ترتیب سے طباعت کے مراحل سے گزری۔ اس کی تفصیل بھی دلچسپ ہے۔

اس کی طباعت کی ابتدائی کوشش مولوی رکن الدین بن محمد معزز الدین ... قادری حصاری نے کی اور اس کی پہلی جلد (الفاتحہ، البقرہ) ۱۲۷۲/۱۸۵۵ میں اور دوسری جلد (آل عمران - النساء) ۱۲۷۴/۱۸۵۶ میں شائع ہوئی، اس کا اغلاط نامزد صفحات پر مشتمل ہے مگر یہ طباعت میاری نہ تھی، اس کو دیکھتے ہوئے منشی حافظ عبدالرحمان نے آدھ پارے پر مشتمل اس کا ایک جزو شائع کیا اور ۱۳۹۰ء اس سلسلے کو سید محمد یامین میرٹھی نے مولوی عیاش الہی کے تعاون سے تیسری جلد (المائدہ تا الترمیم) میرٹھی سے، ان کے برخوردار سید جمیل الدین نے اس کی چہارم (یونس تا الانبیاء) حیات اسلام پریس لاہور سے (۱۳۶۳/۱۹۴۴ء) میں شائع کر دی، مگر یہ خاتمہ ان اس کی تکمیل نہ کر سکا۔

تیسری جلد کی طباعت کے ضمن میں قاری ابو محمد محی الاسلام کی تلاش سے کامیاب رہی اور انہوں نے مکرانشاعت علوم ریاست جیسا بادر دکن، کی مالی امداد کے ساتھ اس کی تیسری جلد میں میاری طباعت کے ساتھ شائع کی (۱۳۵۵/۱۹۳۵ء) ان کے اس سلسلے تکمیل کام کو کتبہ دار المصنفین دہلی نے الحاج شیخ محمد اسماعیل کے تعاون کے ساتھ اس کی باقی جلدوں میں شائع کرنے کا کام لیا، اس کے بعد اس کا اشاعت ترقی کا کام بھی اسی ادارے نے انجام دیا۔ فی الوقت اس طباعت کے کئی اداروں سے عکسی طباعت ہو چکی ہے۔

یہ تصدیق کے لئے درج ذیل اداروں کا شکریہ ادا کیا جا رہا ہے: مولانا سید سید سید سید سید سید

نام، وجہ تسمیہ، مختلف اجزا کی تقسیم، ماخذ تفسیر، زمانہ تصنیف

قاضی صاحب نے اپنی مشہور زمانہ تفسیر کا نام اپنے استاد و مرہتی حضرت مرزا منظر جان جانان کے نام پر تفسیر منظری (یا التفسیر المنظری) رکھا۔ یہ تفسیر میں تو کسی جگہ آپ نے اس نام کا تذکرہ نہیں کیا اور نہ اس کی وجہ تسمیہ پر روشنی ڈالی ہے۔ البتہ سید نعیم اللہ بیڑا پچی کے نام ایک مکتوب میں اس کا ذکر کیا گیا ہے، لکھتے ہیں:

”فقیر اکثر وقت تفسیر اور حدیث کی خدمت میں گزارتا ہے اور حضرت منظر کے نام مبارک پر تفسیر منظری لکھ رہا ہے، جس کا نام تفسیر منظری رکھا ہے، بفضل الہی تفسیر منظری کے، اے پارے مکمل ہو گئے ہیں۔ اگر زندگی نے وفا کی تو مکمل ہو جائے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ ورنہ جو کچھ ہوگا ہو جائے گا، فاصلہ بہت ہے۔ اس لیے تفسیر کا مسودہ آپ کی خدمت میں بھیجنا مشکل ہے۔“

تفسیر منظری کے نام کا تلفظ عام طور پر حرف میم اور ہا کی زبروں کے ساتھ (منظری) کیا جاتا ہے، جس میں حضرت منظر کا نام بصورت اسم طرف ماخوذ ہے، تمام فارسی، عربی اور اردو سوانح نگاروں (مثلاً سید نعیم اللہ بیڑا پچی، نواب صدیق حسن خان، فقیر محمد جہلمی، مفتی غلام سرور قادری، مولوی عبدالحی لکھنوی، اور مولوی رحمان علی وغیرہ) نے یہی موقف اختیار کیا ہے اکثر مستشرقین

C.A. Storey

فارسی ادبیات، ۱: ۳۶۳ عدد ۲۲) اور Charless Reiu

۱/۲: ۱۰۳۳) وغیرہ نے حضرت منظر کا اسی طریقے سے لکھا ہے۔ لیکن فاضل Brockelmann

G.A.L، تاملہ، ۲: ۱۸۴۹ نے حضرت منظر کا نام منظر اجنم المیم و بکسر الحاء،

صیغہ اسم فاعل از باب افعال اور تفسیر کا "تفسیر منظری" Muzhiri لکھا ہے

یہ مکتوب تو اس وقت لکھا گیا تھا جب اس تفسیر کے ابھی سترہ پارے مکمل ہوئے تھے، پھر جب آپ نے اسے مکمل کر لیا تو انہی کو ایک اور مکتوب میں اس کی اطلاع ان الفاظ میں دی۔

"فقر آپ کی خدمت سے دور ہے، گو بموجب فرمان نبوی "المؤمن من احب" (ہر شخص اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اسے محبت ہو) دور نہیں ہے۔ انشاء اللہ بہشت بریں میں دائمی ملاقات میسر آئے گی۔ تفسیر مظہری اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اختتام کو پہنچ گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے تصوف، سیرت نبویہ، مغازی سیدالانام اور اختلاف قرأت پر شافی مباحث آگئے ہیں۔ یہ سب کچھ حضرت مظہر کے فیوض کا کرشمہ ہے، ورنہ اس فرد مایہ کا کیا مقام ہے۔ پانچ جلدیں تین سواجزا ہیں۔ ایک ورق اتنا بڑا ہے کہ تختہ کاغذ کے چار ورق ہوتے ہیں۔

حق تعالیٰ اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ آمین

وجہ تسمیہ

نام کسی کتاب کا ہو یا فرد کا وہ اس مسمیٰ کی انفرادیت Identity پر دلالت کرتا ہے۔ اسی لیے ہر زمانے میں اہل علم نے اپنی اولاد اور اپنی تصانیف کے نام رکھنے میں بڑے احتیاط کا مظاہرہ کیا ہے، کیونکہ درحقیقت نام ہی سے اس شے کے عملی تعارف کا آغاز ہوتا ہے۔ تفسیر کی دنیا میں تو اور بھی احتیاط دیکھنے میں آتی ہے۔ اسی لیے تمام مستقدمین اور متاخرین نے اپنی اپنی تفاسیر کے نام تجویز کرنے میں بڑی احتیاط پسندی کا مظاہرہ کیا ہے، جس کی ایک مثال ہمارے سامنے ہے، سوال یہ ہے کہ قاضی صاحب نے اپنی تفسیر کا یہ نام کیوں رکھا۔؟ ہمارے خیال میں اس میں حسب ذیل پہلو مد نظر رکھے گئے ہیں:

۱۔ عقیدت بے پایاں کا اظہار: قاضی صاحب کی تحریرات میں ہر جگہ اپنے گرامی قدر استاد و مربی حضرت مظہرؒ سے گہری عقیدت اور وابستگی کا اظہار ہوتا ہے، جس کی وجہ خود ان کے اپنے الفاظ میں یہ تھی کہ "آپ نے انہی کے آغوش تربیت میں پرورش پائی تھی۔"

پھر وہ دینی یا دنیوی اعتبار سے جس مرتبے اور مقام پر پہنچے اسے حضرت مظہرؒ ہی کا فیضانِ نظر سمجھتے تھے۔ حضرت مظہرؒ کے یہ احسانات گو بدلہ و مکافات سے بے نیاز تھے، مگر قاضی صاحب نے اپنی سب سے مہتمم بالشان تصنیف "تفسیر مظہری" کو ان کی ذات سے منسوب کر کے ان کے نام کو لازوال شہرت بخش دی ہے۔

۲۔ علم لدنی کا اعتراف: لیکن ہمارے خیال میں یہ ایک وجہ "وجہ تسمیہ" کے طور پر کافی نہیں ہو سکتی۔ اس میں عقیدت و محبت کے علاوہ "علم لدنی" کا اعتراف بھی جھلکتا ہے۔ پہلے گذر چکا ہے کہ قدامت مفسرین نے تفسیر نویسی کے لیے جن علوم کی شرط رکھی ہے، ان میں ایک علم "علم لدنی" (علم الموحیہ) بھی شامل ہے۔ قاضی صاحب علم لدنی یا علم الموحیہ اپنے پیرومِ شد حضرت مظہرؒ کے توسط سے حاصل ہوا۔ اس ضمن میں وہ صوفیا کی دو اہم اصطلاحوں "ضمنیت کبریٰ" اور "ضمنیت صغریٰ" کا حوالہ دیتے ہیں۔ بقول آپ کے جنھیں اول الذکر مقام حاصل ہوتا ہے انھیں براہِ راست ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض پہنچتا ہے۔ اور مولف الذکر مرتبے پر فائز افراد کو اپنے پیرومِ شد کے ذریعے سے فیض حاصل ہوتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ شیخ محمد عابد سنائیؒ اور حضرت مظہرؒ کو ضمنیت کبریٰ حاصل تھی۔ جب کہ خود انھیں ضمنیت صغریٰ کی بشارت دی گئی تھی۔ لہٰذا اس طرح گویا قاضی صاحب کے خیال میں علم الموحیہ کا سفر ذات رسالت مآب سے شروع ہو کر حضرت مظہرؒ سے ہوتا ہوا ان تک پہنچتا تھا۔ حضرت مظہر کی شہادت کے بعد بھی یہ فیضان جاری رہا۔ سید نعیم اللہ کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

"حضرت مظہرؒ کا یہ فیض مبارک جس طرح ان کی زندگی میں جاری تھا، اب بھی ابر کرم کی طرح گوہر افشاں رہتا ہے۔" ۵۵
اس اعتبار سے اس نام کو تحدیثِ نعمت کہا جاسکتا ہے۔

۵۴ کلمات طیبات، مکتوب بنام شاہ غلام علی دہلوی، ص ۱۱۴، ۲۷۷

۵۵ بشارات، ق، ورق ۱۶۱ ب

۳۔ تحریک مجددی سے وابستگی، راقم الحروف کے خیال میں یہ نام محض انتساب ہی نہیں، بلکہ ایک مکمل نام بھی ہے، کیونکہ حضرت مظہرؒ کے نام کے متعدد حصوں (نام، جابجا ناں، تخلص، مظہر۔ لقب شمس الدین حبیب اللہ) میں سے مظہر کے حصے کا انتخاب بلاوجہ نہیں ہو سکتا۔ خاص طور پر اس لیے کہ ان کی شہرت و مقبولیت زیادہ تر دوسرے ناموں سے ہوئی۔ چنانچہ اکثر تذکرہ نگاروں نے ان کا نام جانِ جاناں کے تحت درج کیا ہے (مثلاً دیکھیے بیل: اور نیٹیل بائیوگرافیکل ڈکشنری، بذیل جانِ جاناں)۔ اور ان

سے منسوب سلسلہ در سلسلہ شمیہ مظہرؒ کہلاتا ہے (C.A. Storey، ۱/۲۶، ۱۰۳۳)۔ مظہر سے جن تلمیح اسے زیادہ بہتر طریقے پر ممکن نہیں ہے۔

”مظہر“ اسم ظرن کا صیغہ (یعنی جلنے ظہور ہے اور اس کا مادہ اشتقاق ظہر (ظ۔ ہ۔ م۔ ا) ہے، جس سے قرآن مجید میں اسلام کے اظہار و غلبے کی پیشین گوئی تین مرتبہ دہرائی گئی ہے:

هو الذي ادس رسول الله بالهدى ودين الحق ليظهوره على الدين
كلمه (التوبه: ۳۳: الفتح: ۲۸: الصف: ۹۱)

وہی تو ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور دین حق دے بھیجا تاکہ وہ اس کے دین کو تمام دینوں پر غالب کر دے۔

مشہور ماہر لغات قرآن امام راقب اصفہانی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

”اس آیت میں اِيْظْهَرُہ کے معنی نمایاں کرنے کے بھی ہو سکتے ہیں اور معاونت و غلبے کے بھی۔ یعنی خدا تعالیٰ اسے تمام ادیان پر غالب کر دے گا۔“

اور قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ ظہور سے مراد دین حق کا تمام دینوں پر اغلب الزماں میں غالب کر دے۔“

پھر جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا، قاضی صاحب حضرت مجدد الف ثانی کی تحریک مجددی (تحریک نشاۃ ثانیہ اسلام) کے دو ذریعوں سے وارث و امین ٹھہرے تھے۔ یعنی ان کے دونوں استاد و

مفتی اعظم دارالافتاء فی غریب القرآن، ص ۵۸۸، اردو ترجمہ، لاہور کے تفسیر مظہری، ۱۳۸۱ء مطبوعہ دہلی بار دوم۔

مر بیان شاہ ولی اللہ اور حضرت مظہرؒ اس تحریک کے پر جوش داعی تھے، قاضی صاحب کو اس تحریک سے وابستگی اس طرح گوارا داشت میں ملی تھی۔ اس تحریک کا بڑا مقصد دنیا میں اسلام کے دوبارہ احیاء کے لیے کوششیں کرنا تھا، قاضی صاحب نے تصنیف و تالیف کے ذریعے اس جدوجہد میں صرف بھرپور عملی شرکت کی بلکہ اس تحریک کی قیادت فرمائی، چنانچہ تفسیر مظہری بھی اسی "تحریک تجدید دین" کا ایک حصہ ہے، خود تفسیر میں ایک مقام پر تحریک نشاۃ ثانیہ اسلام کا یوں ذکر فرماتے ہیں:

"اور یہ جہاد باقی ہے، جب تک کہ یہ نشاۃ ثانیہ باقی ہے۔"

اسی بنا پر ہمارے خیال میں آپ اس نام کے ذریعے اپنی اس تصنیف کو پر جوش انداز میں اس تحریک احیاء اسلام و غلبہ دین سے وابستہ کرتے نظر آتے ہیں۔ کیونکہ کسی نظریے کے عملی اظہار (تغلب) سے پہلے اس کا علمی غلبہ نہایت ضروری ہے۔ جس کے بغیر عملی کامیابی ناممکن ہے۔ اسی بنا پر قاضی صاحب نے زیر نظر تفسیر لکھ کر اس کے علمی غلبے کا سامان فرمادہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور اس کے نام میں اس کی طرف ہی اشارہ پایا جاتا ہے۔

مختلف اجزا اور ان کی تقسیم

اکثر تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ یہ تفسیر سات مجلدات میں مرتب کی گئی تھی، مگر فی الواقع یہ بیان حقیقت سے دور ہے، کیونکہ آپ خود سید نسیم اللہ بہرہ راجھی کے نام ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

"دو و پنج جلد قریب سہ صد جزو بست۔"

اس سے پتا چلتا ہے کہ ابتدا میں قاضی صاحب نے پوری تفسیر پانچ جلدوں میں مرتب فرمائی تھی، لیکن چونکہ یہ پانچوں جلدیں کافی ضخیم تھیں، اسی لیے بعد میں انہوں نے اپنی زندگی میں یا ان کی وفات کے بعد کسی اور نے قرآن حکیم کی منازل سبعہ کی مناسبت سے سات جلدوں میں

تفسیر مظہری، ۱: ۱۵۵، مطبوعہ مدنی بارہ

۱۵ معارف اعظم (پہلا)، ۶/۲۳: ۲۰۲۔

تقسیم کر دیا۔ اس کے ایک قلمی نسخے میں جلدوں کی تعداد کل نوہے اسی طرح جب اس کی اشاعت ہوئی تو اسکی جلدوں کو چھوٹا بنا دیا گیا اور پانچ جلدوں کے بجائے کل دس جلدیں بنا دی گئیں۔ اردو زبان میں ترجمہ ہوا تو ضخامت اور بڑھ گئی، اس بنا پر اردو ترجمے کی مجلدات چودہ بنائی گئی ہیں۔ بہر حال عربی طباعت میں جلدوں کی ترتیب اور صفحات کی تعداد حسب ذیل ہے:

تکم جلد	مشمتمل بر	کل صفحات
جلد اول	سورة الفاتحة - البقرہ	۲۲۸
" دوم	آل عمران - النساء	۲۸۶ و ۲۰۸
" سوم	المائدہ - الانعام - الاعراف	۲۵۶
" چہدم	الانفعال - التوبہ	۳۴۰
" پنجم	یونس - ہود - یوسف - الرعد - ابراہیم - ۴-۵	
" ششم	الحجر - النحل - بنی اسرائیل الکہف - مریم - طہ - الانبیا - الحج - ۵۰-۵	
" ہفتم	المومنون - النور الفرقان - الشعراء - النمل - القصص - ۳۹۲	
" ہشتم	سورة الاحزاب السا - فاطر - یس - سورة محمد	۲۲۸
" نهم	الفتح - التحریر	۲۲۸
" دہم	الملک - الناس	۳۸۴

آپ نے تفسر لکھنے کا آغاز محرم ۱۱۹۵ھ کے بعد کیا اور تکمیل ۱۳۰۸ھ میں ہوئی۔ اس اعتبار سے اس کی تکمیل میں تیرہ سال کے قریب وقت صرف ہوا۔ اگر ۱۱۹۵ھ اور ۱۳۰۸ھ کو بھی شامل کیا جائے تو تصنیف کی مدت چودہ سال بنتی ہے۔

تفسیر منظہری کے مصادر و ماخذ

تفسیر منظہری پر اپنی گفتگو کو آگے بڑھانے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مصادر و ماخذ پر ایک نظر ڈال لی جائے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ قاضی صاحب نے اس کی تحریر و تصنیف میں کتنی عرق ریزی سے کام لیا تھا اور یہ کہ ان کے مطالعہ کی حدود کیا ہیں۔ اجمالی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ فاضل مفسر نے اپنے زمانے تک کی تمام دستیاب کتابوں سے استفادہ کیا: یہی وجہ ہے کہ یہ تفسیر جامعیت اور کاملیت میں اپنا ثانی نہیں رکھتی۔ کسی کتاب کے ماخذ و مصادر معلوم کرنے کے دو طریقے ہوتے ہیں، اول یہ کہ خود مصنف نے جن کتابوں کا ذکر کیا ہو، ان پر ہی انحصار کیا جائے۔ اور دوم یہ کہ "قیاس استقرائی" کے ذریعے اس کے ماخذ و مصادر کا متن کتاب سے کھوج لگایا جائے۔ چونکہ قاضی صاحب نے زیادہ تر مقامات پر خود ہی متعلقہ مصادر و ماخذ کی نشاندہی فرمادی ہے اس لیے ہمیں ان کی تلاش میں موثر الذکر طریقہ کچھ زیادہ استعمال نہیں کرنا پڑا۔ البتہ چونکہ قاضی صاحب نے پُرانے پزیرگوں کے طریقے کے مطابق کسی جگہ محض کتاب کا اور کسی جگہ محض مصنف کا تذکرہ کیا ہے اس لیے ہم نے دستیاب کتب سیر و تذکرہ کی مدد سے ان مصنفین کے پورے نام اور ان کے مختصر تراجم کا حواشی میں ذکر کر دیا ہے تاکہ ان کی شخصیات کا مطالعہ کرنے میں آسانی اور سہولت ہو سکے۔ ان کی ترتیب زیادہ تر مصنفین کے ناموں کی بجائی ترتیب کے مطابق رکھی گئی ہے۔

ابتدائی طور پر تفسیر منظہری کے ماخذ و مصادر کو حسب ذیل عنوانات پر تقسیم کیا

جاسکتا ہے۔

- | | |
|-----------------------------|----------------------------|
| (۱) تفسیر | (۶) فقہ و اصول |
| (۲) حدیث و روایت | (۷) تاریخ و سیرت اور مغازی |
| (۳) درایت حدیث و تنقید رواة | (۸) وعظ و اساطیر |
| (۴) علوم قرأت و تجوید | (۹) تصوف و سلوک |
| (۵) لغت و اشتقاق | (۱۰) فلسفہ و کلام |

تفصیل حسب ذیل ہے۔

کتب علم تفسیر

کتب علم تفسیر میں سے فاضل مفسر مندرجہ ذیل کتابوں کا بکثرت اور بالاستیعاب حوالہ دیتے ہیں۔ (۱) تفسیر ابن ابی حاتم، (۲) تفسیر ابن جریر الطبری، (۳) تفسیر ابن عباس

۱۔ دیکھیے تفسیر مظہری، مثلاً ۱: ۱۰۰، ۱۵، ۳۸، ۱۰۲، ۱۴۰، ۲۵۳ وغیرہ۔

۲۔ پورا نام عبدالرحمن التیمی المنظلی (م ۳۲۷ھ/۲۹۲۸) ہے وہ تفسیر و تاویل کے امام ہیں (معجم المؤلفین، عمر رضا کحالی، ۱: ۵۰-۵۱)۔

۳۔ تفسیر مظہری، ۱: ۱۰۰، ۳۸، ۳۹، ۶۴، ۱۹۷، ۲۵۳ وغیرہ۔ اس کا نام جامع البیان فی تفسیر القرآن ہے (آگے تفسیر مظہری تہم کو لکھا جائے گا۔)

۴۔ مصنف کا پورا نام محمد بن جریر الطبری۔ ابو جعفر (م ۳۱۰ھ/۲۹۲۳) ہے۔ وہ مشہور مفسر، نامور

عالم و فقیہ اور مجتہد تھے (دیکھیے ایانعی: مرآة الجنان، ۲: ۲۶۱، الصفدی: الوافی

بالوقیات، ۲: ۲۸۴ تا ۲۸۷ وغیرہ)۔

۵۔ ت م، ۱: ۱۵، ۱۸۹، ۹۰ وغیرہ

۶۔ یہ وہ تفسیر ہے جو الکلبی ابو صالح کے توسط سے حضرت عبداللہ بن عباس (۶۸۴ھ/۶۸۷) سے روایت کرتے ہیں جسے فیروز آبادی صاحب القاموس (م ۸۱۷ھ/۱۴۱۴) نے مرتب کیا

(کشف الظنون، ۲: ۳۳۲-۳۳۳، ۳۶۱، وغیرہ نیز میر اعلام النبلا، ۳: ۲۳۶)

(۳) تفسیر ابن کثیرؒ؛ (۵) تفسیر البحر المحیط لابن جبرانؒ؛ (۶) تفسیر احکام القرآن لاسماعیل القاضیؒ؛
 (۷) تفسیر معالم التنزیل للامام البغویؒ؛ (۸) تفسیر البیضاویؒ؛ (۹) تخریج البیضاویؒ؛
 لمحدثین سعاف (۱۰) تفسیر الکشف والبیانؒ؛ (۱۱) احکام القرآن لابن بکر الجصاص

ت م، ۱: ۱۲۵۴، ۳-۵ وغیرہ

۷ ابن کثیر کا پورا نام عماد الدین اسماعیل بن عمر، ابو القداز، قریشی، بصری تھا، وہ مشہور و معروف
 محدث فقیہ تھے، ان کی وفات ۴۴۳ھ/۱۳۴۳ میں ہوئی (الدرر الكامنة، ۱: ۲۱۲)

ت م، ۱۰: ۵۸ وغیرہ -

۸ اس کا پورا نام اثیر الدین محمد بن یوسف، اندلسی (م ۴۲۵ھ/۱۳۲۲) تھا، وہ نامور مفسر
 اور نحوی عالم تھے (وفات الوفيات لابن شاکر الکلبی، ۲: ۲۸۲-۲۸۵ وغیرہ)

ت م، ۲/۲، ۲۳ وغیرہ -

۹ ان کا پورا نام اسماعیل بن اسحاق بن اسماعیل الازدی البغدادی۔ المالکی تھا، وہ نامور مفسر
 محدث اور مشہور فقیہ تھے، وہ بغداد میں پیدا ہوئے اور وہاں قاضی بنے، وفات ۲۸۲ھ/
 ۲۸۹۶ (ابن فرحون، الذهبیاج، ۹۲-۹۵)

ت م، ۱، ۲، ۱۰، ۱۰، ۳۹، ۶۰، ۶۲، ۶۳، ۶۴ وغیرہ -

۱۰ ان کا نام ابو محمد حسین بن مسعود بن محمد، المعروف بہ ابن القزازی البغوی۔ تھا، وہ نامور امام،
 مفسر اور محدث تھے، ان کی وفات ۱۰۱ھ/۱۱۱۶ یا ۵۱۶ھ/۱۱۲۲ میں ہوئی -

(معجم المؤلفین، ۴: ۶-۶۲)

ت م، ۱، ۱۳، ۳۳، ۳۶، ۴۵، ۴۴ وغیرہ

۱۱ تفسیر البیضاوی کا پورا نام تفسیر النوار التنزیل والسرار التاویل، جسے مصنف کا پورا نام قاضی
 ناصر الدین بن عمر البیضاوی ہے۔ ان کی وفات (۶۸۵ھ/۱۲۸۶) میں ہوئی (ابن العماد:
 شذرات الذهب، ۵: ۳۹۲ تا ۳۹۳) -

ت م، ۵: ۱۵۶ وغیرہ

۱۲ ان کا پورا نام احمد بن محمد بن ابراہیم ابواسحاق النیسابوری، المفسر (م ۴۲۷ھ/۱۰۳۵) ہے
 (دیکھیے معجم المؤلفین، ۲: ۶۰ وغیرہ)

الرازیؒ (۱۲) تفسیر الجلالین للمحتمی والسیوطیؒ، (۱۳) تفسیر الدر المنثور للسیوطیؒ۔ (۱۴)
 (۱۴) اسباب النزول للسیوطیؒ، (۱۵) تفسیر الکشاف للزمخشریؒ، (۱۶) تفسیر السمرقندیؒ،
 (۱۷) السجاوندیؒ، (۱۸) تفسیر بحر موج لدولت آبادیؒ، (۱۹) تفسیر القرآن

ت م، ۲/۲: ۳۲، ۳۳، ۵۲، ۱۲۷ وغیرہ۔ اس کا پورا نام احمد بن علی المحقق تھا، وہ نامور

محدث اور عظیم فقیہ تھے، ان کی وفات ۳۷۰ھ/۲۹۸ (دیکھیے سیر النبلا، للذہبی، ۱: ۲۳۲)

ت م، ۵۰: ۲۸۷۔ لے دو عظیم المہ یعنی شیخ جلال الدین المحلی (م ۸۶۴ھ/۶۱۴۵۹) اور شیخ

جلال الدین السیوطی (م ۹۱۱ھ/۶۵۰۵) نے تصنیف کیا (کشف الظنون، ۱: ۲۲۵-۲۲۶)۔

ت م، ۱: ۱۹۲، ۲۵۴، ۱/۲: ۱۸۵۔ ۲۳ کتاب مذکور ۲۰: ۳، ۹: ۲۹۸۔

ت م، ۱/۲: ۱۷۳، ۳: ۱۷۵، ۱۸۵ وغیرہ۔ ان کا نام جبار اللہ محمود بن محمد المعتزلی

الزمخشری تھا (وفات ۵۳۸ھ/۱۱۴۳) دیکھیے منہج الزمخشری فی تفسیر القرآن لمصطفی الصاوی)

ت م، ۱: ۱۴۱۔ السمرقندی کا پورا نام ابواللیث نصر بن محمد بن ابراہیم تھا۔ وہ نامور متقی فقیہ تھے۔

وفات ۳۷۳ھ/۲۹۸۳ میں ہوئی، کتاب کا نام بحر العلوم ہے (سیر اعلام النبلا، ۱: ۲۲۷-۲۲۸)

ت م، ۱: ۱۴۱۔ ان کا پورا نام محمد بن محمد بن عبدالرشید السمرقندی تھا (موجود: ۵۹۶ھ/۶۱۴۰)

ان کی مشہور کتاب السراجیہ فی الفرائض ہے۔ تاہم قاضی صاحب نے ان کا اس بحث میں

ذکر نہیں کیا، بلکہ ان کا حوالہ حروف مقطعات کی بحث میں دیا ہے۔ جس سے پتا چلتا

ہے کہ قاضی صاحب کے مطالعے میں ان کی کوئی ایسی کتاب تھی، جو علم تفسیر سے متعلق ہے۔

یہ کتاب عین للعانی فی تفسیر سبع المثانی کے نام سے معروف ہے (دیکھیے ابن قتلوبغا،

تاج التراجم، ۴۲، معجم المؤلفین، ۱: ۲۳۳)

ت م، ۳۰: ۳۰، ۳۱: ۳۰، ۲۷: ۲۷ وغیرہ، بحر موج ایک فارسی زبان کی متداول تفسیر ہے،

جسے علامہ شہاب الدین دولت آبادی (م ۸۴۹ھ/۶۱۴۴۵) نے تصنیف کیا۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۹: ۲۷۰-۲۷۱)۔ ہندوستان کی یہ واحد تفسیر ہے جو

قاضی صاحب کے مطالعے میں رہی۔

عبد بن حمید، (۲۰) تفسیر القرطبی، (۲۱) تفسیر القرآن للکلبی، (۲۲) تفسیر کبیر للرازی، (۲۳) تفسیر المدارک للنسفی، اور الواحدی کی اسباب التزول۔

علم حدیث و روایت حدیث

جیسا کہ ابتداءً بیان ہوا۔ تفسیر قرآن حکیم کے لیے علم حدیث و روایت حدیث کی بہت اہمیت ہے، کوئی بھی مفسر احادیث نبویہ کی مدد کے بغیر یہاں ایک قدم بھی آگے

۲۸ ت م، ۱۲: ۱۰۰ وغیرہ۔ مصنف کا پورا نام عبد بن حمید بن نصر الکلبی، ابو محمد (م ۲۲۹ھ

۲۸۶۳) تھا، وہ مشہور محدث اور نامور فقیہ تھے (معجم المؤلفین، ۵: ۶۶)

۲۹ ت م، ۱: ۱۲۔ وغیرہ۔ اس کا پورا نام: تفسیر جامع الاحکام القرآن ہے۔ یہ دیکھنے

اسلام کی نامور اور مشہور تفاسیر میں سے ہے۔ مصنف کا نام ابو عبد اللہ شمس الدین

محمد بن احمد انصاری الخزرجی (م ۶۴۱ھ/۲۶۴۳)، (فتح الطیب للمقرئ، ۲۲۱-۲۲۲)

۳۰ ت م، ۳: ۴، الکلبی کا پورا کا پورا نام ابو النصر محمد بن السائب الکلبی تھا، وہ مفسر

اور محدث کے طور پر مشہور ہیں۔ وفات ۶۴۱ھ/۱۲۴۱ میں ہوئی (معجم المؤلفین، ۱۰: ۱۵)

۳۱ ت م، ۲: ۲، تفسیر کبیر کا پورا نام "مفاتیح الغیب" ہے۔ اس کے مصنف امام

فخر الدین الرازی (م ۶۰۶ھ/۱۲۱۰) ہیں (وفیات الاعیان لابن خلکان،

۱: ۶۰۰-۶۰۲)

۳۲ ت م، ۱: ۱۰۲، ۲: ۴، ۵: ۱۰۰ وغیرہ، اس کا پورا نام مدارک التنزیل وحقائق التاویل ہے،

اسے ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود (م ۴۱۰ھ/۱۳۱۰) نے تصنیف کیا جو

نامور حنفی فقیہ، متکلم اور مفسر قرآن تھے (براہ کلمان: تاریخ آداب اللغۃ العربیہ

(جرمن) ۲: ۱۹۶-۱۹۷، تکملہ، ۲: ۲۶۳ تا ۲۶۸)

۳۳ ت م، ۱: ۴۲، ۴۳، ۱۲۴ وغیرہ۔ الواحدی کا پورا نام علی بن احمد الواحدی النیسابوری

ہے۔ وہ نامور شافعی عالم تھے۔ وفات ۴۶۸ھ/۱۰۷۶ میں ہوئی (طبقات

الشافعیہ للسیکی، ۱/۱۸۲)

نہیں چل سکتا اور چونکہ قاضی صاحب نے تفسیر بالروایت اور تفسیر بالدرایت دونوں کو اپنی تفسیر میں جمع کرانے کا التزام کیا ہے۔ اس لیے آپ کو اس عنوان پر وسیع مطالعے اور استفادے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ پھر جیسا کہ ہم آئندہ واضح کریں گے فاضل مفسر نے سب سے زیادہ حدیث کی کتابوں اور تصانیف کا حوالہ دیا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ اس فن میں ان کو کمال تبحر حاصل تھا اور اسی سے شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے عطا کردہ لقب ”بہیقی وقت“ کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

بہر حال قاضی صاحب نے اپنے مطالعہ حدیث میں حسب ذیل کتابوں کو پیش نظر رکھا ہے:

(۱) ابن ابی حاتمؒ؛ (۲) کتاب البحر والاحوالؒ؛ (۳) کتاب الصمت وادب اللسان لابن ابی الدنیاؒ؛ (۴) ابن ابی شیبہ مصنفؒ؛ (۵) ابن ابی عاصم، کتاب السنۃؒ؛ (۶) الجزری، ابن الاثیرؒ؛

۳۴ ت م، ۱، ۹، ۱۰، ۱۵، ۱۸، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱

- (۷) ابن الجوزی: فضائل مکہ، (۸) ابن خزیمہ: المختصر، (۹) ابن دقیق العید: المام، (۱۰) ابن عبدالبر: تحریر، (۱۱) ابن عبدالبر: الصحیح، (۱۲) ایضاً: الاستذکار، (۱۳) سنن ابن ابی ماجہ، (۱۴) ابن الملقن: شرح صحیح البخاری، (۱۵) ابن مندہ، (۱۶) ابن نجار،

۷۲ ت م، ۱/۲: ۹۳۔ ابن الجوزی کا پورا نام ابوالفرج عبدالرحمان الشافعی تھا۔ وہ محدث اور حافظ الحدیث تھے (م ۵۹۷/۲۱۳۰۰) وفيات الاعیان، ۱: ۲۵۰، مطبوعہ بولاق ۱۲۹۹ھ) ۷۳ ت م، ۱: ۲۱۷، المختصر الصحیح، اسے محمد بن اسحاق السُّلمی النیساپوری (م ۳۱۱/۲۹۲۴) نے جو نامور محدث اور فقیہ تھے تصنیف کیا (معجم المؤلفین، ۹: ۳۹)

۷۴ ت م، ۱: ۲۲۷۔ کتاب کا نام الامام فی احادیث الاحکام اور مصنف کا اسم گرامی محمد القشیری الشافعی المعروف بہ ابن دقیق العید (م ۷۰۲/۲۱۳۰۲) ہے (الدرر الكامنة، لابن حجر العسقلانی، ۳: ۹۱ تا ۹۶)

۷۵ ت م، ۱: ۹۸۔ ابن عبدالبر مشہور و معروف محدث اور فقیہ و مجتہد تھے۔ ان کا پورا نام یوسف بن عبداللہ بن محمد النمری، القربطی (م ۴۶۳/۶۱۰۷) تھا (شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی: بستان المحققین، ص ۱۸۱ تا ۱۸۵)۔

۷۶ ت م، ۱: ۲۳۵ ایضاً، ۲/۲: ۶۳

۷۷ ایضاً، ۱: ۷۸، ۱۵: ۷۸۔ امام ابن ماجہ جو حدیث کی روایت میں صف اول کے محدثین میں شمار ہوتے ہیں، ۲۷۳/۲۸۸۶ میں فوت ہوئے۔ پورا نام ابو عبداللہ محمد بن یزید القزویٰ تھا (بستان، ص ۲۹۸)، ان کی سنن صحیح ستہ میں شامل ہے۔

۷۸ ت م، ۸: ۱۲۵۔ ابن ملقن، جو صحیح بخاری کے شارحین میں منفرد مقام کے حامل ہیں، نامور محدث تھے۔ ان کا پورا نام عمر بن علی بن احمد الانصاری (م ۸۰۴/۲۱۴۰۱) تھا (معجم المؤلفین، ۱)۔

۷۹ ت م، ۱: ۱۵۳۔ ابن مندہ کا پورا نام نبیہ الرحمن (م ۴۷۰/۶۱۰۷) تھا۔ وہ مشہور محدث اور فقیہ تھے۔ ان کی کتاب کا نام مستخرج علی الصحیحین (الذہبی: سیر النبلاء، ۱۱: ۲۲۶-۲۲۸)۔

۸۰ ت م، ۱/۲: ۱۳۸، ۱۴۳۔ قاضی صاحب نے ان کا ذکر ان کے عرفی نام ابن نجار ہی سے کیا ہے۔ (باقی لگے صفحے پر)

- (۱۷) ابوبکر الجوسعی: المخرج علی الصمیمین، ۵۱۵ (۱۸) ابوبکر الصونى، ۵۱۵ (۱۹) ابوداؤد: سنن، ۵۱۲
- (۲۰) ایضاً تراویل ۵۲ (۲۱) مسند ابی داؤد الطیالسی، ۵۱۳ (۲۲) ابوسلمان: کتاب الثواب، ۵۱۳
- (۲۳) کتاب عظمت اللہ و مخلوقاتہ، ۵۱۳ (۲۴) ابوعبید القاسم بن سلام: کتاب الاحوال، ۵۱۳
-
- (گزشتہ سے پیوستہ) کتاب کا نام کسی جگہ مذکور نہیں، ان کا پورا نام محب الدین محمد بن محمود (م ۶۲۲ھ / ۱۲۲۵ء) ہے اور کتاب کا نام القمر المنیر فی المسند النکیر ہے (الذحبی: تذکرۃ الحفاظ، ۴: ۲۱۲ تا ۲۱۴)۔
- ۵۱۳ ت م، ۱: ۲۱۷۔ ابوبکر الجوسعی اور ان کے حالات راقم الحروف کو کسی کتاب میں دستیاب نہیں ہو سکے۔
- ۵۱۳ ت م، ۸: ۱۰۰۔ وغیرہ ابوبکر الصونى ایک شافعی عالم، فقیہ اور محدث عصر تھے، انھوں نے حدیث و فقہ پر متعدد کتب تصنیف فرمائیں۔ جن میں سے "خیلانیات" (فی الحدیث) زیادہ مشہور ہے۔ ممکن ہے فاضل مفسر نے یہاں یہی کتاب مراد لی ہو، ان کا پورا نام محمد بن عبداللہ (م ۳۵۰ھ / ۶۹۵ء) تھا (بستان المحدثین، ص ۱۹۴)۔
- ۵۱۳ ت م، ۱: ۶۴، ۲۲۷۔ سنن ابی داؤد کے جلیل القدر مؤلف کا نام سلیمان بن اشعث المعروف بانی داؤد السجستانی (م ۲۷۵ھ / ۲۸۸۸ء) ہے۔ ان کی کتاب بے پناہ شہرت اور افادیت کی حامل ہے (وفیات الاعیان، ۱: ۱۲۶۸ وغیرہ)۔
- ۵۱۳ ت م، ۲/۲: ۱۵، ۳۳
- ۵۱۳ الطیالسی کا پورا نام سلیمان بن داؤد بن الجارود (م ۲۰۲ھ / ۲۸۹ء) ہے۔ وہ بھی نامور محدثین میں شمار کیے جاتے ہیں (معجم المطبوعات العربیہ، ۱: ۳۱)۔
- ۵۱۳ ت م، ۲۱۲: ۱۰۳۔ وغیرہ۔ قاضی صاحب ابو سلیمان کا ذکر "الشیخ الخطابی، اور ابوالفتح وغیرہ کے ناموں سے کرتے ہیں۔ ان کا پورا نام عبداللہ بن محمد بن جعفر اور عرف شیخ الخطابی (م ۳۶۹ھ / ۲۹۷۹ء) ہے (معجم المؤلفین، ۶: ۱۱۴ وغیرہ)۔
- ۵۱۳ ت م، ۹: ۹۴، ۹: ۴۷۔ وغیرہ۔ اس کے مصنف بھی شیخ الخطابی المذكور ہیں۔
- ۵۱۳ ت م، ۳: ۱۵، ابوعبید القاسم بن سلام لہروی البغدادی تھا۔ ان کے والد ایک ہراتی شخص کے رومی غلام تھے۔ وہ حدیث فقہ اور دیگر علوم اسلامیہ کے ماہر تھے (وفات ۲۲۲ھ / ۲۸۴۷ء)۔
- (ابن خلکان، ۱: ۵۲۹)۔

(۲۵) صحیح ابی عوانہ، ۵۸ھ (۲۶) سنن ترمذی، ۵۸ھ (۲۷) ابو موسیٰ المدینی: المطولات، ۵۹ھ (۲۸)
 ابو یعلیٰ: مسند، ۶۱ھ (۲۹) الاجزی: کتاب الشریعتہ، ۶۱ھ (۳۰) احمد بن حنبل: مسند، ۶۲ھ (۳۱)
 ابن راہویہ: مسند، ۶۳ھ (۳۲) محمد بن اسماعیل البخاری: الجامع الصحیح، ۶۳ھ (۳۳)

۵۷ھ ت م، ۳: ۷۶۔ صحیح ابی عوانہ کا پورا نام "المستدرک الصحیح المخرج علی صحیح مسلم" ہے۔ فاضل
 مصنف کا نام یعقوب بن اسحاق النیسابوری الاسفرائینی، الشافعی (م ۳۱۶ھ/۲۹۲۸ء) ہے۔
 (سیر اعلام النبلاء، ۹: ۲۴۸ تا ۲۵۰)

۵۸ھ کتاب کا نام الجامع الصحیح، اور مؤلف کا پورا نام امام ابو عیسیٰ الترمذی، بن عیسیٰ السلمی
 ہے۔ وہ حدیث و فقہ کے نامور ائمہ میں شمار ہوتے ہیں، وفات ۲۷۹ھ/۲۸۹۲ء میں ہوئی۔
 (سیر اعلام النبلاء، ۹: ۶۱-۶۳)

۵۹ھ ت م، ۷: ۱۳۹۔ ابو موسیٰ کا پورا نام محمد بن عمر بن احمد الاصفہانی (م ۵۸۱ھ/۷۱۱۸۵ء) ہے۔
 (بستان، ۲۰۲ تا ۲۰۵ وغیرہ)

۶۰ھ ت م، ۱۶: ۱۴۳۔ ابو یعلیٰ کا نام احمد بن علی التیمی الموصلی تھا وہ حدیث و درایت حدیث
 کے نامور اساتذہ میں سے تھے (بستان المحدثین، ۹۲ تا ۹۵)

۶۱ھ ت م، ۹: ۲۴۴، ۱۰: ۱۴۰۔ الاجزی ایک نامور محدث اور فقیہ تھے۔ ان کا پورا نام محمد بن حسین بن
 عبداللہ اور کنیت ابو بکر ہے۔ وفات ۳۶۰ھ/۶۹۷ء میں ہوئی (الذہبی: سیر النبلاء، ۱۰: ۱۷۸)۔

۶۲ھ ت م، ۱۰: ۱۰۱، ۱۱: ۱۱۲، ۱۲: ۲۶۲، ۱۳: ۲۲۱ وغیرہ امام احمد بن حنبل بخاری کے اساتذہ میں
 سے ہیں، ان کا پورا نام احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی، المروری۔ البغدادی (م ۲۴۱ھ/۲۸۵۵ء) ہے، وہ
 فقہائے اربعہ میں بھی شامل ہیں۔ (سیر النبلاء، ۸: ۲۵-۹۷)۔

۶۳ھ ت م، ۱: ۱۰۲، ۲: ۱۱۲، ۳: ۳۳۹، ۴: ۱/۲ وغیرہ ابن راہویہ کا نام اسحاق بن ابراہیم بن مخلد المروری
 (م ۲۳۴ھ/۲۸۵۱ء) ہے۔ وہ بھی نامور محدثین اور میں سے تھے (الحواساری: روضات الجنات،
 ص ۱۰۰، ۱۰۱ وغیرہ)

۶۴ھ ت م، ۱: ۱۱، ۲: ۱۱۲، ۳: ۱/۲، ۴: ۱۱۲، ۵: ۲/۲، ۶: ۱۰، ۷: ۱۱۲، صحیح البخاری کا پورا نام
 الجامع الصحیح ہے۔ جس کے بارے میں امت کا عقیدہ ہے کہ وہ قرآن مجید (باقی اگلے صفحے پر)

(۲۲) ایضاً: کتاب البرزخ، ۲۳ (۲۳) الحاکم النیساپوری: المستدرک علی الصحیحین ۵۱۵ (۲۴)
ایضاً: الاربعین، ۲۵ (۲۵) ابن حجر العسقلانی: فتح الباری شرح البخاری، ۲۶ (۲۶) الخطیب البیہقی:
مشکوٰۃ المصابیح، ۲۷ (۲۷) الخلیفی: فوائد، ۲۸ (۲۸) دارقطنی: سنن، ۲۹ (۲۹) الدارمی:

۲۷ ت م، ۹: ۷۰۔ کتاب البرزخ کا پورا نام "البدور السافرہ بشرح حال الموتی والآخرہ" ہے۔ اس
میں امام سیوطی نے اس موضوع پر تمام روایات کا ذخیرہ جمع کر دیا ہے۔ قاضی صاحب نے اس کی
تلخیص فارسی زبان میں "تذکرۃ الموتی والقبور" کے نام سے کی۔ جس کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

۲۸ ت م، ۲/۲، ۱۲، ۱۵، ۲۵۔ حاکم نیساپوری کا پورا نام محمد بن عبد اللہ المعروف بابن البیع ہے
(م ۲۰۵/ص ۱۴-۲۱)۔ وہ روایت و درایت کے مسلمہ امام ہیں۔ انھوں نے امام بخاری اور
امام مسلم کی شرائط پر ان کی متروک احادیث جمع کی ہیں (بستان، ص ۱۰۸-۱۰۹)۔

۲۹ ت م، ۵: ۱۱۶

۳۰ ت م، ۱: ۱۸۰، ۱۸۹، ۲۸۱، ۲۲۳، ۲/۱، ۱۹، ۱۳۵، ۹: ۲۹۶۔ حافظ ابن حجر حدیث و
درایت حدیث کے اساطین میں سے تھے۔ ان کا پورا نام احمد بن علی بن محمد (۸۵۲ھ/۱۴۴۹ء)
ہے۔ یوں تو انھوں نے بے شمار کتب تصنیف فرمائیں۔ لیکن ان کی کتاب "فتح الباری" ان
کی سب سے عظیم تصنیف ہے۔ (اردو دائرۃ معارف اسلامیہ، ۱: ۱۴۹) قاضی صاحب ہر
جگہ ان کا ذکر "الحافظ" کے عنوان سے کرتے ہیں۔ اور ان کی تحقیقات پر اعتماد کرتے ہیں۔

۳۱ ت م، ۱: ۹۹، ۳۱، ۵: ۲۶۹۔ خطیب البیہقی کا پورا نام ولی الدین محمد عبد اللہ العمری (م
بعد از ۴۳۴ھ/۶۱۳۲ء) ہے۔ وہ علم حدیث میں بہت اونچا مقام رکھتے ہیں (معجم المؤلفین، ۱۰: ۲۵۱)۔
۳۲ ت م، ۱: ۱۲۔ الخلیفی کا پورا نام علی بن الحسن الموصلی (م ۳۹۲ھ/۶۱۰-۹۹) تھا۔ وہ حدیث کے
نامور امام تھے (سیر النبلا، ۶: ۱۲، ۱۷-۱۸)۔

۳۳ ت م، ۱: ۱۱۷، ۱۳۸، ۱۸۱، ۲۱۰، ۲۳۵، ۲/۱، ۹۴۔ الدارقطنی کی نسبت دارقطنہ ایک
قصبے کی طرف ہے، جو نواح بغداد کا ایک قصبہ تھا، ان کا پورا نام ابوالحسین علی بن عمر
البغدادی (م ۳۸۵ھ/۶۹۹ء) ہے۔ وہ حدیث کے نامور استاد تھے، ان کی کتاب
عالم اسلام میں بڑے احترام سے دیکھی جاتی ہے (بستان، ص ۱۱۸-۱۲۲)۔

سنن، ۱۱۸: ۵۰، الداؤدی، ۱۱۸: ۵۱، الدیلمی: مستند الفردوس، ۱۱۸: ۵۲، السجری: الابانتہ، ۱۱۸: ۵۳، سعید بن منصور: سنن، ۱۱۸: ۵۴، امام شافعی: مستند، ۱۱۸:

۱۱۸: ۲/۲، ۱۵، ۱۶، ۳۸۔ ان کا پورا نام محمد بن عبداللہ بن عبدالرحمن الیمینی الدارمی السمرقندی (م ۲۵۵ھ/۷۸۶) ہے، وہ اپنے عہد کے ایک ممتاز محدث اور مجتہد تھے۔ ان سے امام مسلم اور امام ابو داؤد نے بھی روایت کی ہے (بستان، ص ۱۱۶-۱۱۸)۔

۱۱۸: ۲، قاضی صاحب نے الداؤدی کا حوالہ فقط ان کے نام سے دیا ہے، ان کی کسی کتاب کا ذکر نہیں کیا۔ کتب تذکرہ سے اس نام کے تین افراد کا پتا چلتا ہے: (۱) احمد بن نصر الاسدی المالکی۔ ابو جعفر (م ۲۰۲ھ/۷۱۰)۔ وہ النامی فی شرح الموطا کے مصنف ہیں، (۲) محمد بن علی الداؤدی (م ۲۴۵ھ/۷۱۵) جو السیوطی کے شاگرد تھے، (۳) عبدالرحمان داؤدی (م ۲۶۴ھ/۷۱۰)۔ (معجم المؤلفین، ۲: ۱۹۲، ۵: ۱۹۳، ۱۰: ۳۰۳) راقم الحروف کے خیال میں اول الذکر ہی قاضی صاحب کی مراد ہیں۔

۱۱۸: ۱، ۱۵، ۱۶، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳۔

۱۱۸: ۶، ۳۳۴، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶

(۵۵) ایضاً: کتاب الام، ۵۶، الشریف المرتضیٰ: منہج البلاغۃ، ۵۷، الطبرانی مستدرک الشائین،
 (۵۸) ایضاً: معجم الکبیر، ۵۹، ایضاً: المعجم الاوسط، ۶۰، ایضاً: المطولات، ۶۱، الطحاوی
 شرح معانی الآثار، ۶۲، مصنف عبدالرزاق، ۶۳، عبد القادر الرهاوی: کتاب الاربعین،
 (۶۴) مسند العقیلی، ۶۵، بدرالدین عینی: عمدۃ القاری فی شرح صحیح البخاری،

۵۷ ت م، ۴: ۱۷۹۔

۵۸ ت م، ۶: ۵۵۱۔ منہج البلاغۃ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خطبات کا مجموعہ ہے۔ جسے

الغزلی المرتضیٰ، ابوالقاسم علی بن الطاہر بن احمد الشیخی (م ۴۳۶ھ/۱۰۴۲) نے مرتب کیا۔

۵۹ ت م، ۱: ۱۶۹۔ اس کتاب کے اور اس کے بعد کی تینوں کتابوں کے مصنف مشہور امام الحدیث

الطبرانی (ابوالقاسم سلیمان بن احمد، م ۳۶۰ھ/۷۹۷) ہیں جو اساطین علم حدیث میں شمار ہوتے

ہیں (بستان، ص ۱۴-۱۴۲)

۶۰ ت م، ۱: ۳۸۵، ۱۶: ۳۸۵۔ ایضاً، ۱: ۱۲، ۱۲، ۴۱۴، ۴۳۔

۶۱ ایضاً ت م، ۶: ۲۴۱

۶۲ ایضاً، ۱۱۲: ۱۵۷، ۹۷، ۹۳۔ الطحاوی ایک قصے "الطحا" کی طرف منسوب ہے جو "صید مصر"

کے دیہاتوں میں سے ایک دیہات ہے۔ ان کا پورا نام ابو جعفر الحنفی تھا۔ وہ حدیث اور تفسیر

فی الحدیث کے ماہرین میں سے تھے (وفات ۳۲۱ھ/۷۸۲) (بستان، ۲۲۶-۲۳۰)۔

۶۳ ت م، ۱: ۱۵، ۳۸، ۱۵، ۴: ۱۵۷۔ عبد الرزاق کا پورا نام عبد الرزاق بن ہمام بن نافع الخیري ہے۔ وہ

نامور محدث اور فقیہ تھے (وفات ۲۱۱ھ/۷۸۲) (بستان، ۱۲۶-۱۲۷)

۶۴ ت م، ۱: ۲۔ عبد القادر الرهاوی، جن کا پورا نام عبد القادر بن عبد اللہ الحرانی الحنبلی (م ۶۱۲ھ/

۶۱۲) ہے۔ جلیل القدر محدث اور عالم تھے۔ کتاب کا پورا نام "کتاب الاربعین المتباینۃ الاسناد"

ہے۔ (معجم المؤلفین، ۵: ۲۹۲)۔

۶۵ ت م، ۱: ۲۲۱، العقیلی کا نام محمد بن عمرو بن موسیٰ العقیلی (م ۳۲۴ھ/۷۹۳) ہے۔ وہ نامور

محدث تھے (الصفدی: الوافی، ۴: ۲۹۱)۔

۶۶ ت م، ۶: ۱۴۶۔ عینی کا پورا نام "بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد الحنبلی الحنفی (باقی اگلے صفحے پر)

درایت حدیث اور تنقید و رواۃ

تفسیر مظہریؒ میں قاضی صاحبؒ نے احادیثِ آثارِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اتنا بڑا ذخیرہ فراہم کیا ہے جو شاید ہی کسی اور کتاب میں مل سکے، اس ذخیرے کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ فاضل مفسر نے اسے "متن و سند کی اکثر تنقید کے ساتھ پیش کیا ہے، جس سے قاری کو فقہی اور تفسیری روایات میں انتخاب کا موقع مل سکتا ہے، اس مقصد کے لیے قاضی صاحبؒ نے جن کتابوں پر اعتماد کیا ہے، ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) ابن ابی زری، عبد الرحمن: الموضونات، ۱۸۰، ۱۸۸، ۲۲۰، ۶، ۱۳۶، ۲۲۳۔ ابن حزمؒ
(۲) ابن عبد البر الاندلسی: الاستیعاب، معرفۃ الصحاب، ۵، البخاری، محمد بن اسماعیل: تاریخ،

۱۰۹ تفسیر مظہری، ۱/۲: ۱۰۰، ۱۸۰، ۱۸۸، ۲۲۰، ۶، ۱۳۶، ۲۲۳۔ ابن الجوزی
کا تذکرہ پہلے آچکا ہے۔

۱۰ ت م، ۱۰: ۸۱،

۱۱ ت م، ۱: ۱۸۰، ۲۱۸۔ امام ابن حزم (ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الظہری
۲۵۶ھ/۶۲۲) کا نام تنقید احادیث و روایات میں نام کی صراحت کے بغیر آیا
ہے، وہ ایک کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ لہذا یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ قاضی
صاحب نے ان کی کون سی کتاب مراد لی ہے۔ (اردو دائرۃ معارف اسلامیہ،
۱: ۲۸۵-۲۹۲)

۱۲ ت م، ۱۹۱۰۹۰ (بذیل ترجمہ ابی بکر)۔

۱۳ ت م، ۱: ۳۳۵۔ امام بخاریؒ کی زیر نظر تصنیف ضعیف اور ثقہ راویوں کے حالات
پر مشتمل ہے۔ بقول حاجی خلیفہ امام بخاریؒ نے اسے روضۃ نبوی کے پاس بیٹھ
کر تصنیف کیا، اس کے تین حصے ہیں: کبیر، اوسط اور صغیر (کشف الظنون،
۱: ۲۸۴)۔

(۶) تقی الدین شیخ، ^{۱۱۴} (۷) الذہبی، ^{۱۱۵} (۸) ایضاً: کتاب العلو، ^{۱۱۶} (۹) الحاکم النیساپوری: معرفۃ علوم الحدیث، ^{۱۱۷} (۱۰) حافظ ابن حجر العسقلانی: الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ^{۱۱۸} (۱۱) ایضاً: تہذیب التہذیب، ^{۱۱۹} (۱۲) السیوطی، جلال الدین، ^{۱۲۰} (۱۳) عبدالحق، ^{۱۲۱} (۱۴) عبدالقدیر بن عدی المعروف بابن عدی: الکامل فی معرفۃ الضعفاء، ^{۱۲۲}

^{۱۱۳} یہ نام اسی طرح تفسیر مظہری میں نقل ہوا ہے۔ اس نام کے تحت دو محدثین کے اسماء آتے ہیں: امام شمس الاسلام تقی الدین ابن تیمیہ الحرانی (م ۷۲۸ھ / ۱۳۲۷ء)، جو کثیر التصانیف عالم تھے، (۲) ابو عمرو تقی الدین عثمان المعروف بہ ابن صلاح، (م ۶۴۲ھ / ۱۲۴۵ء) جن کی درایت حدیث کے عنوان پر "علوم الحدیث المعروف بہ مقدمہ ابن صلاح" مشہور و متداول ہے۔ غالباً قاضی نساج کی مراد مؤخر الذکر سے ہے۔
^{۱۱۵} ت م ۱۰، ۳۴، ۱۵۶، ۲۱۷، ۳۲۵، ۳۱۷، ۳۱۷ وغیرہ۔ الذہبی کا پورا نام شمس الدین الذہبی (م ۷۴۵ھ / ۱۳۴۷ء) ہے وہ حدیث اور تذکرہ نویسی کے مشہور و معروف عالم تھے، انھوں نے اس موضوع پر سات کتابیں تصنیف فرمائیں: (۱) تجرید اسماء الصحابہ، تخییر اسد الغابہ، (۲) تذکرۃ الحفاظ۔ یا تذکرہ حفاظ حدیث، (۳) تہذیب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، (۴) طبقات الحفاظ، (۵) المشتبہ فی اسماء الرجال، (۶) میزان الاعتدال (۷) سیر اعلام النبلاء (معجم المؤلفین) راقم الحروف کے خیال میں ان سے پہلی، چوتھی اور چھٹی کتاب مراد ہو سکتی ہے۔

^{۱۱۶} ت م ۵، ۹۸ - ^{۱۱۷} ت م ۲۳، ۲۰۵

^{۱۱۸} ت م ۳، ۱۹ - ^{۱۱۹} ت م ۱، ۱۸، ۲۲۱

^{۱۲۰} ت م ۷، ۲۸، السیوطی کا نام مطلقاً آیا ہے۔ تاہم ان کی اس عنوان پر مشہور کتاب اللالی المصنوعہ فی احادیث الموضوعہ ہے۔

^{۱۲۱} ت م ۱۰، ۵۱، ۲۳۲ - شیخ عبدالحق محدث دہلوی (ابن سیف الدین محدث دہلوی، م ۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۳ء) کا نام بھی تفسیر مظہری میں مطلقاً آیا ہے۔ انھوں نے حدیث اور فن درایت حدیث پر چار کتابیں تصنیف فرمائیں: (۱) لمعات شرح مشکوٰۃ (عربی) (باقی اگلے صفحے پر)

(۱۵) العقيلي، ^{۱۲۳} (۱۶) محمد بن حبان: تاريخ الثقات ^{۱۲۴}، (۱۷) النسائي ^{۱۲۵}، (۱۸) يحيى بن معين ^{۱۲۶}، (۱۹) يحيى بن سعيد القطان ^{۱۲۷}،

علوم قرأت و تجويد

تفسیر منظری میں علوم القراءت و التجويد پر بھی ہمیں مفصل اور مدلل مباحث ملتے ہیں، قاضی صاحب نے مشہور قاریوں کی نہ صرف قراءات کو بیان کیا ہے۔ بلکہ ان کے اصولوں اور قواعد پر بھی روشنی ڈالی، اس مقصد کے لیے قاضی صاحب نے جن کتابوں سے استفادہ کیا ہے، ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) ابو عمر والدانی: التيسير في القراءات السبعة ^{۱۲۸}، (۲) الجزري: طيبة النشر في القراءات العشر ^{۱۲۹}،

استدراكات

(گذشتہ سے پیوستہ) (۲) اشعث اللغات (فارسی)، (۳) مدارج النبوة اور (۴) شرح السامع الرجال لبخاری (رحمان علی: تذکرہ، ص ۲۷۶ تا ۲۸۸)۔

^{۱۲۲} ت م، ۱: ۳۸۵، ^{۱۲۳} ایضاً، ۹: ۶۳

^{۱۲۴} ایضاً، ۱: ۱۷۰، ۱۸۰، ^{۱۲۵} ایضاً، ۱: ۲۱۷

^{۱۲۶} ت م، ۱: ۱۵۶، ۱۷۰، ۱۸۳۔ ان کا پورا نام يحيى بن معين البغدادي (م ۲۳۳ھ/

۲۸۴۸) تھا، وہ مشہور محدث اور فقاہ تھے۔ اس عنوان پر ان کی کتاب کا نام

”التاريخ والعلل ومعرفه الرجال“ ہے۔ (معجم المؤلفين۔ وغیرہ)

^{۱۲۷} ت م، ۱: ۲۱۷-۲۲۸۔ ان کا ذکر بھی تفسیر میں مطلقاً آیا ہے۔

^{۱۲۸} ایضاً، ۵: ۸۹، ۳۷۳، ۷: ۲۳۳، ۹: ۱۵۹۔ ابو عمر والدانی (عثمان بن سعید بن

عمر الاموي القرطبي، م ۲۳۴ھ/۶۵۲) فن قراءت و تجويد کے مشہور عالم تھے۔

ان کی کتاب اس موضوع پر بڑی اہمیت کی حامل ہے (الذہبی: تذکرۃ الحفاظ ۲۹۸: ۳۰۰)

^{۱۲۹} ت م، بمواقع کثیرہ۔ الجزري کا پورا نام ابو السعادات، ابن الاثير الجزري۔ م ۶۰۶ھ/۱۲۰۹ ہے

وہ بھی اس موضوع پر بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔

(۳) الشاطبی: قصیدہ شاطبیہ ۱۳۰ھ

لغت و اشتقاق

قاضی صاحب اپنی تفسیر میں لغوی اور اشتقاقی مباحث پر بھی مدلل بحث کرتے ہیں، اس عنوان پر آپ کے مصادر و ماخذ حسب ذیل ہیں:

(۱) ابن ہشام: الیتمان ۱۳۱ھ (۲) الجزری: ابن الاثیر: التہایہ ۱۳۲ھ (۳) الجوهری ۱۳۳ھ
(۴) خلیل بن احمد ۱۳۴ھ (۵) السکاکی ۱۳۵ھ (۶) المبرودہ: الکامل ۱۳۶ھ (۷) فیروز آبادی: القاموس ۱۳۷ھ

۱۳۰ھ ت م، ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۸۹۔ الشاطبی (ابو محمد القاسم بن خیر امام القراء والمجودین، م ۵۹۰ھ/۱۱۹۳) بھی فن قرأت پر بڑی رکھتے ہیں۔ ان کے قصیدے کا پورا نام "حرز الامانی ووجہ التھانی" ہے (كشف الطنون، ۱: ۶۴۶)۔

۱۳۱ھ ابن ہشام کا پورا نام ابو محمد عبد الملک الحمیری (م ۲۱۸ھ/۸۲۲) ہے۔ انھوں نے سیرت طیبہ پر بھی شہرہ آفاق کتاب تصنیف کی ہے۔ اس کے علاوہ وہ بہت بڑے لغت دان بھی تھے، زیر نظر کتاب اسی عنوان سے منقول ہے۔

۱۳۲ھ ت م، ۱، ۸۳، ۲۲۷: ۲/۳، ۳۵، ۶، ۱۰، ۱۱، ۱۲۔

۱۳۳ھ ت م، ۱/۲، ۳۹، ۹۱، ۹۲۔ الجوهری کا پورا نام ابو نصر اسماعیل الفارابی (م ۳۸۳ھ/۱۰۰۲) ہے وہ لغت و اشتقاق کے مسلمہ امام تھے۔ ان کی کتاب کا پورا نام: تاج اللغۃ و صحاح العربیہ المعروف بہ الصحاح ہے (كشف الطنون، ۱: ۱۰۷)۔

۱۳۴ھ ت م، ۱، ۳۲، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴،

فقہ و اصول

جیسا کہ ہم آئندہ بیان کریں گے۔ تفسیر منظری، تفسیر و روایت کے ساتھ ساتھ فقہ اور اصول فقہ کا بھی "خزینہ" ہے۔ اس میں قریب قریب ہر موضوع پر نہایت مدلل اور مفصل مقالات لکھے گئے ہیں، جس سے نہ صرف فقہ اور اصول فقہ پر معلومات میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ اس سے خود قاری میں تفسیر اور اجتہاد کی بصیرت بھی پیدا ہوتی ہے۔ اس موضوع پر ان کے مصادر و مآخذ کی تفصیل حسب

ذیل ہے:

(۱) ابن حزم: المحلی، (۲) ایضاً: الملئ، (۳) ابن الجوزی: عبد الرحمن؛ التحقيق، (۴) ابن حجر: تہذیب الفقہاء
 (گزشتہ سے بیوستہ) لغت اور علوم عربیہ کے مہجر عالم تھے۔ انھوں نے اپنی کتاب الکامل میں فصاحت و بلاغت کے موضوع پر مفید معلومات مہیا کی ہیں۔

۱۳۴ھ ت م ۱۶: ۳۹۔ الفیروز آبادی کا پورا نام محمد بن یعقوب الشیرازی۔ الشافعی۔ المعروف بہ مجد الدین الفیروز آبادی (م ۸۱۴ھ/۶۱۴) اور کتاب کا نام "القاموس المحیط والقابوس الوسیط۔ الجامع لما ذہب من کلام العرب من شاطیط" اس کی متعدد شرح لکھی گئی ہیں، جن سے زیادہ مشہور سید مرتضیٰ الزبیدی (م ۵۱۲ھ/۶۱۹) کی تاج العروس ہے۔

۱۳۵ھ ت م ۱: ۴۰، کتاب کا پورا نام: کتاب المحلی باثنا فی شرح المحلی ہے۔

۱۳۹ھ ایضاً، ۴: ۱۸۵۔ ابن حزم کی اس نام کی کوئی کتاب موجود نہیں ہے۔ اس لیے ہمارے خیال میں یا تو یہ المحلی کا محرف ہے اور یا پھر اس سے ان کی کتاب الفصل میں اہل الموا والنحل مراد ہے۔

نکلا ت م، ۴: ۱۸۰

۱۴۱ھ ت م، ۷: ۲۴۷، ابن حجر الہیتمی کا پورا نام ابو العباس شہاب الدین المکی المصری (م ۹۰۹ھ/۶۹۷) ہے وہ اپنے زمانے کے مشہور عالم اور فقیہ تھے۔ (طاش

کو پرنی فاؤنڈیشن، مفتاح السعادة، ۱: ۲۰۹)

(۵) ابن النمام: فتح القدير، ۱۲۲ھ (۶) ابوالقاسم بن محمد بن عبداللہ دمشقی: شرح البزدوی المسمیٰ
 بالنوری، ۱۲۳ھ (۷) ابوالقاسم الحنفی: الديباج، ۱۲۲ھ (۸) ابو عبداللہ المدونہ، ج ۱ (۹) ایضاً
 المقدمہ، ۱۲۶ھ (۱۰) ابو عبیدہ معمر بن مثنیٰ: کتاب الطهور، ۱۲۴ھ (۱۱) ابو حامد الغزالی، ۱۲۸ھ
 (۱۲) اسعد المدنی: فتاویٰ مذہب ابی حنیفہ، ۱۲۹ھ (۱۳) اسماعیل بن یحییٰ: مختصر المزنی، ۱۵۱ھ

۱۲۲ھ ت م ۱، ۹، ۱۰، ۱۲، ۱۳، ۲۳، ۳۰، ۳۶، ۶۰، ابن النمام (شیخ کمال الدین محمد بن عبدالواحد الحنفی)
 م ۸۶۱ھ/۶۱۲۵۶ مشہور حنفی فقیہ اور مجتہد تھے۔ ان کی زیر نظر کتاب "فتح القدير للعاجز الفقير"
 ہدایہ کی مشہور شرح میں سے ہے۔

۱۲۳ھ ت م ۴، ۵، ۲۲۹، ۲۸۴۔ اس مصنف کے دیگر حالات معلوم نہ ہو سکے۔

۱۲۴ھ ت م ۵، ۲۲۴، ۱۰، ۲۲۸۔ مزید معلومات غیر دستیاب ہیں۔

۱۲۵ھ ابو عبداللہ (عبدالرحمن بن القاسم، المالکی۔ م ۱۹۱ھ/۲۸۰۶) فقہ مالکی کے مدون اور مشہور فقیہ
 ہیں۔ ان کی کتاب "المدونہ فی فقہ المالکی" فقہ مالکی کی بنیادی کتاب ہے۔ (کشف الظنون،

۱۶۲۲:۲)

۱۲۶ھ ت م ۳، ۲۸۳۔

۱۲۷ھ ابو عبیدہ معمر بن مثنیٰ (م ۲۰۹ھ/۸۲۲) تقریباً دو سو کتابوں کے مولف تھے (شذرات، ۲۲:۲،
 ۲۵)، جس سیاق و سباق میں ان کی زیر نظر کتاب کا حوالہ دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے
 کہ یہ فقہ کی کتاب ہوگی۔

۱۲۸ھ ت م ۶، ۲۹۹۔ ابو حامد الغزالی (محمد بن احمد الطوسی الغزالی (م ۵۰۵ھ/۲۱۱۱) کا تفسیر منظرہ میں
 حوالہ مطلقاً آیا ہے۔ تاہم فقہ شافعی پر ان کی اہم ترین کتاب "الوجیز فی فروع الفقہ الشافعی" ہے۔
 لہذا فاضل مفسر کی مراد یہی کتاب ہوگی۔

۱۲۹ھ ت م ۱۰، ۱۹۱۰، بمواضع کثیرہ، اسعد المدنی (بن ابی القیسرانی۔ م ۱۱۱۶ھ/۱۷۰۲)۔ جو مفتی مدینہ منورہ
 رہے، مشہور حنفی فقیہ اور عالم تھے۔ ان کے زیر نظر فتاویٰ علمائے بڑی قدر کی نگاہ سے
 دیکھے جاتے ہیں۔ یہ فتاویٰ مطبع الخیریہ۔ قاہرہ سے ۱۳۰۹ھ میں طبع ہو چکے ہیں۔

۱۵۱ھ ت م ۱، ۳۷۰، اسماعیل بن یحییٰ (المزنی، الامانی صاحب الامام الشافعی) (باقی اگلے صفحے پر)

(۱۴) برہان الدین، ذخیرۃ الفتاویٰ، ۱۵۱ھ (۱۵) التفتازانی، ۱۵۲ھ (۱۶) خواہر زادہ، المبسوط، ۱۵۳ھ (۱۷) السرخسی :
المبسوط، ۱۵۴ھ (۱۸) الشافعی، رسالہ، ۱۵۵ھ (۱۹) شہاب الدین دولت آبادی، فتاویٰ ابراہیم شاہی، ۱۵۶ھ (۲۰) شیرازی، منہب فی المذہب، ۱۵۷ھ

گزشتہ سے پیوستہ) مشہور شافعی علما میں سے تھے۔ ان کی زیر نظر کتاب "مختصر المنزلی دلی فروع الشافعیہ"
اس موضوع پر بڑی گراں قدر تصنیف ہے،

۱۵۱ھ ت م، ۲۳۷۔ برہان الدین محمود بن احمد البخاری (م ۶۱۱ھ / ۷۱۲۱۴) مشہور حنفی فقیہ و
مجتہد تھے۔ ان کے فتاویٰ کا زیر نظر مجموعہ "الذخیرۃ البرہانیہ" کے نام سے معروف و
متداول ہے (کشف الطنون، ۲: ۸۲۳)۔

۱۵۲ھ ت م، ۱۳۰۳۔ التفتازانی (سعد الدین مسعود بن عمر م ۴۹۳ھ / ۷۱۳۹۰)، مشہور متکلم
ہیں، فقہی عنوانات کے تحت تفسیر مظہری میں ان کا نام مطلقاً آیا ہے، شاید اس سے
فاضل مفسر کی مراد، اس عنوان پر التفتازانی کی مشہور کتاب "التلویح فی کشف حقائق
التبیح" ہو۔

۱۵۳ھ ت م، ۲۹۳: ۶، ۳۰۶، ۳۰۷، ۲۲۹: ۱۷۔ خواہر زادہ۔ محمد بن الحسین بن محمد البخاری الحنفی (م
۲۸۳ھ / ۷۱۰۹۰) مشہور حنفی کتاب المبسوط کے مولف ہیں (کشف الطنون، ۲: ۱۵۸-۱۵۹)
۱۵۴ھ ت م، ۳۰۶، ۳۰۷، ۲۲۹: ۱۷، ۳۰۶، ۳۰۷، ۲۲۹: ۱۷۔ السرخسی و شمس اللہ محمد بن احمد بن ابی سہل الحنفی (م ۲۸۳ھ /
۷۱۰۹۰) معروف ترین حنفی فقہاء اور مجتہدین میں سے ہیں۔ (کشف الطنون، ۲: ۱۵۸-۱۵۹)۔

۱۵۵ھ ت م، ۱۸۱: ۱۔ امام شافعی کی یہ کتاب (رسالۃ الامام الشافعی - مطبوعہ قاہرہ) اصول فقہ پر
ہے اور اس موضوع پر یہ پہلی کتاب ہے۔

۱۵۶ھ ت م، ۲۲۹: ۱۷۔ شہاب الدین دولت آبادی۔ قاضی (م ۸۴۹ھ / ۷۱۴۲۵) ہندوستان
کے عظیم فقہاء میں سے تھے۔ ان کے فتاویٰ کا یہ مجموعہ چونکہ ابراہیم شاہ کے عہد میں مکمل ہوا،
اسی لیے اسے مذکورہ نام دیا گیا ہے۔ یہ فتاویٰ فارسی زبان میں ہیں۔

۱۵۷ھ ت م، ۱۹۱: ۱۷۔ ابواسحاق۔ ابراہیم بن محمد، المعروف بہ الشیرازی (م ۲۷۶ھ /
۷۱۰۸۳)۔ فقہ شافعی کے مشہور ماہرین میں سے ہیں۔

(۲۱) صدر الشریعہ: التبیح الاصول، ۱۵۸ھ (۲۲) صدر الشہید: واقعات الحسامیہ، ۱۵۹ھ (۲۳)
 قاضی خان: فتاویٰ قاضی خان، ۱۶۰ھ (۲۴) القدوری: المختصر (یا مختصر القدوری)، ۱۶۱ھ، (۲۵)
 الکرخی، ۱۶۲ھ (۲۶) کلینی: الکافی، ۱۶۳ھ (۲۷) الماوردی: الحاوی الکبیر، ۱۶۴ھ، (۲۸)
 مجد الدین: المختار، ۱۶۵ھ، (۲۹) (محمد الدقوی) الاقناع، ۱۶۶ھ، (۳۰) محمد ثناء اللہ پانی پتی منار الاحکام، ۱۶۷ھ

۱۵۸ھ ت م، ۱: ۴۱۷، صدر الشریعہ، عبید اللہ بن مسعود البخاری۔ المحتفی (حیات، ۴۲، ۴۳/

۶۱۳۲۶) کی زیر نظر کتاب علم اصول فقہ پر ہے اور بڑی اہمیت کی حامل ہے، اس پر مصنف نے خود ہی "التوضیح" کے عنوان سے شرح لکھی (کشف، ۱: ۲۹۶ تا ۲۹۹)

۱۵۹ھ ت م، ۷: ۲۲۹، صدر الشہید (عمر بن عبدالعزیز البخاری۔ م ۵۳۶ھ/۳۶-۶۱) اور ان کی کتاب واقعات الحسامیہ دونوں فقہ حنفی میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔

۱۶۰ھ ت م، ۱: ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، قاضی خان (مجد الدین ابوالحسن بن منصور م ۲۲۸ھ/۳۶-۶۱) ہندوستان کے اجل علما اور فقہاء میں سے تھے۔

۱۶۱ھ ت م، ۱: ۲۲۹، ۲۳۸۔ القدوری کا پورا نام ابوالحسن احمد بن محمد المحتفی القدوری (م ۲۲۸ھ/۳۶-۶۱) ہے۔ وہ فقہ حنفی کے ماہرین میں خصوصی امتیاز کے حامل فقیہ ہیں۔

۱۶۲ھ ت م، ۱: ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰۔ الکرخی (ابوالحسن عبید اللہ بن الحسن، م ۳۲۰ھ/۵۱-۶۹) کا نام بھی تفسیر منطری میں مطلقاً آیا ہے، وہ امام محمدؒ کی کتابوں کے خصوصی شارح اور فقہ حنفی کے مسلمہ امام ہیں، انھوں نے امام محمدؒ کی دو کتابوں جامع الکبیر، و جامع الصغیر کی نیز القدوری کی المختصر کی شرح لکھیں۔

۱۶۳ھ ت م، ۲/۲: ۲۲۲۔ کلینی (محمد بن یعقوب الرازی، م ۳۲۹ھ/۳۱-۶۹) مشہور شیعہ عالم اور فقیہ ہیں۔ ان کی زیر نظر کتاب الکافی شیعہ روایات اور فقہ میں بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔

۱۶۴ھ ت م، ۱: ۲۸۱۔ الماوردی کا پورا نام ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب البہری (م ۲۵۰ھ/۵۸-۶۱) ہے۔ جو الاحکام السلطانیہ کے مصنف تھے۔ ان کی کتاب الحاوی فقہ شافعی پر بڑی اہمیت کی حامل ہے۔

۱۶۵ھ ت م، ۹: ۳۳۷۔ مجد الدین ابوالفضل بن محمود المحتفی (م ۶۸۳ھ/۲۸۳-۶۱) (باقی اگلے صفحے پر)

- (۳۱) محمد بن الحسن الشیبانی: جامع الصغیر^{۱۶۸}، (۳۲) ایضاً: السیر الکبیر^{۱۶۹}، (۳۳) ایضاً: النوادر^{۱۷۰}،
 (۳۴) المرغینانی: ہدایہ، لکھ نجم الدین: فتاویٰ الخاصی^{۱۷۱}، (۳۶) النسفی: ابوالبرکات۔ فتاویٰ النسفی^{۱۷۲}،
 (۳۷) ایضاً: کنز الدقائق^{۱۷۳}، (۳۸) ایضاً: الکافی شرح الوافی^{۱۷۴}، (۳۹) النووی: منهاج الطالبین،^{۱۷۵}
 (۴۰) یوسف: جامع المضمرات: لکھ

(گزشتہ سے پیوستہ) مشہور حنفی عالم اور فقیہ تھے۔

۱۶۶ ت م، ۷: ۲۲۹۔ محمد الادقوی، ابوبکر (م ۳۸۸ھ/۶۹۹۸) "الاقناع" کے مصنف اور مشہور
 شافعی فقیہ ہیں۔

۱۶۸ ت م، ۱: ۳۱۰

۱۶۷ ت م، ۱: ۲۳۰

۱۷۰ ایضاً، ۶: ۲۸۵

۱۶۹ ایضاً، ۴: ۱۱۴

۱۷۱ ت م، ۱: ۱۸۱، ۵: ۳۲۷۔ دموابع کثیرہ۔ "ہدایہ" فقہ حنفی کی بنیادی اور اہم ترین کتابوں
 میں سے ہے، اس کے گرامی قدر مصنف المرغینانی (شیخ الاسلام۔ برہان الدین الفرغانی،
 م ۵۹۳ھ/۶۱۹۶) اپنے زمانے کے نامور فقہاء میں سے تھے۔

۱۷۲ ت م، ۱: ۱۸۱، ۵: ۳۲۷۔ دموابع کثیرہ۔ "ہدایہ" فقہ حنفی کی بنیادی اور اہم ترین کتابوں
 میں سے ہے، اس کے گرامی قدر مصنف المرغینانی (شیخ الاسلام۔ برہان الدین الفرغانی،
 م ۵۹۳ھ/۶۱۹۶) اپنے زمانے کے نامور فقہاء میں سے تھے۔

۱۷۳ ت م، ۱: ۲۶۷۔ اس کو تفسیر مظہری میں فتاویٰ الخلاصی لکھا گیا ہے۔ جب کہ اس کا درست نام فتاویٰ
 الخاصی ہے، اس کے مصنف کا پورا نام نجم الدین یوسف بن احمد الخوارزمی، القاضی۔
 المعروف بہ قطیس (م ۶۳۴ھ/۶۱۲۳۶) ہے (کشف، ۲: ۱۲۲۲)

۱۷۴ ت م، ۱: ۲۶۷

۱۷۵ ایضاً، ۶: ۵۰۵۔ تفسیر مظہری میں کنز الدقائق کا نام صراحت کے ساتھ مذکور نہیں
 ہے۔ مگر مذکورہ مقام کی عبارت اور اس کے الفاظ سے واضح تاثر ملتا ہے کہ
 یہ کتاب بھی آپ کے مطالعے میں رہی تھی۔

۱۷۶ ایضاً، ۱: ۱۹۶، ۳۸۵۔ اس کتاب کا متن بھی النووی نے لکھا اور پھر اس کی شرح

بھی خود ہی تصنیف فرمائی (کشف، ۲: ۱۹۹)

۱۷۷ ت م، ۷: ۲۲۹۔ مصنف کا پورا نام یوسف بن عمر بن یوسف (بانی اگلے صفحے پر)

تاریخ و سیرت اور مغازی

تفسیر مظہری میں تاریخ اسلام - سیرت و مغازی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پڑھی نہایت دقیق اور قیمتی معلومات فراہم کی گئی ہیں جو تفسیر کی بہت کم کتابوں میں دستیاب ہو سکتی ہیں، میر حال اس موضوع پر آپ کے زیر مطالعہ رہنے والی حدیث و سیرت کی اہم کتابیں حسب ذیل ہیں:

(۱) ابن اسحاق، سیرۃ^{۱۷۸}؛ (۲) ایضاً: المبدأ^{۱۷۹}، (۳) ابن سعد: الطبقات^{۱۸۰}، (۴) ابن الجوزی: الوفا باحوال المصطفیٰ^{۱۸۱}، (۵) ابن عساکر: تاریخ دمشق^{۱۸۲}، (۶) ابن ہشام: سیرت نبویہ^{۱۸۳}

(گزشتہ سے پیوستہ) الکا دوری، المعروف بہ نبیرۃ شیخ عمر البرزازی (م ۸۳۲ھ / ۱۴۲۹ء) تھا، ان کی زیر نظر کتاب القدوری کی شرح ہے -

۱۷۸ ت م، ۱: ۲۳۶، ۱/۲، ۵۶: ۲/۲، ۲: ۱۰۶، ۲۷۹: ۳-۱، ۳۴۱، ابن اسحاق (ابو عبد اللہ ابو بکر محمد - صاحب المغازی م ۱۵۰ھ / ۲۷۶ء) سیرت و مغازی کے امام ہیں۔ (ابن خلکان: ۱:

۶۱۱) حال ہی میں ان کی سیرت نبویہ شائع ہوئی ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۱: ۲۲۰ تا ۲۲۱)

۱۷۹ ت م، ۹: ۲۸۶۔ المبدأ کا پورا نام المبدأ و قصص الانبیاء ہے۔ (الجلیبی: السیرۃ، ۲: ۲۳۵)

۱۸۰ ت م، ۱/۲: ۱۱۶، ابن سعد (ابو عبد اللہ - محمد الکاتب م ۲۳۰ھ / ۸۴۲ء) مشہور سیرت نگار

اور تذکرہ نویس ہیں، ان کی کتاب الطبقات البکیر قرون اولیٰ کے متعلق بنیادی اہمیت

کی حامل ہے -

۱۸۱ ت م، ۱/۲: ۵۷

۱۸۲ ایضاً، ۱: ۹۸-۹۹۔ ابن عساکر (ابوالقاسم علی بن الحسن، م ۵۷۱ھ / ۱۱۷۹ء)

"تاریخ دمشق" کے مصنف اور مشہور تاریخ دان عالم تھے۔ (برا کلیمان: G.A.L:

۱: ۳۳۱، مکملہ، ۱: ۱۵۶۶)

۱۸۳ ت م، ۹: ۳۰۱،

- (۷) ابو نعیم الاصفہانی: حلیہ ابی نعیم، ۱۸۶ھ (۸) ایضاً، تاریخ اصفہان، ۱۸۵ھ (۹) الازرقی: اخبار مکر، ۱۸۶ھ
 (۱۰) البلاذری: فتوح البلدان، ۱۸۶ھ (۱۱) البیہقی: کتاب دلائل النبوة، ۱۸۸ھ (۱۲) الحاکم النیسابوری،
 تاریخ نيسابور، ۱۸۹ھ (۱۳) خطیب البغدادی: تاریخ بغداد، ۱۹۰ھ (۱۴) الدمیاطی: العیون، ۱۹۱ھ
 (۱۵) الزرقانی: شرح المواہب اللدنیہ، ۱۹۲ھ (۱۶) السیسی: روض الالف، ۱۹۲ھ (۱۷)

۱۸۶ھ ت م ۱، ۲۲۳ - ابو نعیم الاصفہانی احمد بن عبداللہ، م ۲۲۰ھ / ۱۰۳۸ ہجرت نگاری
 میں منفرد مقام کے حامل ہیں۔ (ابن خلکان - عدد ۳۲۵)

۱۸۵ھ ت م ۱، ۲۲۴ -

۱۸۶ھ ت م ۲، ۲۱۷ - الازرقی (ابوالولید محمد بن عبداللہ بن احمد م ۲۰۴ھ / ۷۸۱۹) کی کتاب
 اخبار مکر۔ مکر مکر کی تاریخ اور اس کے حالات پر ایک مستند دستاویز کی حیثیت رکھتی
 ہے (برا کلکان، تکملہ، ۱۷: ۲۰۹)

۱۸۶ھ ت م ۱۰، ۲۲۲، ۲۵: ۲۵ - البلاذری کا پورا نام ابو العباس یا ابو الحسن احمد بن یحییٰ (م ۲۷۹ھ /
 ۸۹۲ء) ہے۔ اس موضوع پر ان کی کتاب اپنا ثانی نہیں رکھتی۔

۱۸۹ھ ت م ۱، ۱۰: ۱۰
 ۱۸۹ھ ت م ۵، ۷: ۷

۱۹۰ھ ایضاً، ۲۹۳: ۲۹۳ - تاریخ بغداد کے مصنف ابو بکر احمد بن علی البغدادی (م ۴۶۳ھ / ۱۰۷۰)
 اپنے زمانے کے نامور عالم۔ محدث اور تذکرہ نگار تھے۔

۱۹۱ھ ت م ۲، ۱۷: ۱۷ - الدمیاطی (ابو محمد عبدالمؤمن بن خلف بن ابی الحسن، م ۷۰۵ھ / ۱۳۰۵) اور
 ان کی کتاب کا نام فقط شہدائے بدر کی تفصیل کے ضمن میں آیا ہے۔ لیکن حیرت ہے کہ اس
 موضوع پر الدمیاطی کی کوئی کتاب دستیاب نہیں۔ (برا کلکان، ۲: ۳۶۱)

۱۹۲ھ ت م ۱، ۱۲۳: ۱۰، ۱۰: ۳۰، ۳۰۵ - الزرقانی (ابو عبداللہ محمد بن عبدالباقی م ۱۱۲۲ھ /
 ۱۷۱۰) ایک ایسے سیرت نگار ہیں۔ جن کا نام اور کام ہمیشہ یاد رہے گا۔ انھوں نے اپنی
 کتاب میں سیرت کا اتنا بڑا ذخیرہ فراہم کر دیا ہے۔ جو اس سے پہلے کی کسی کتاب میں موجود نہیں۔
 (معجم المؤلفین، ۱۰: ۱۲۳)۔

۱۹۲ھ ت م ۱/۲: ۱۷، السیسی کا پورا نام ابو القاسم عبدالرحمان۔ م ۵۸۱ھ / ۱۱۸۵) ہے۔

الصناعتی، الشامی: سبل الہدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، ۱۹۳ء (۱۸) المقریزی: امتناع، ۱۹۲ء
(۱۹) الواقدی، ۱۹۵ء (۲۰) نامعلوم: خلاصۃ السیر، ۱۹۶ء

وعظ واساطیر

قاضی صاحب نے "تذکر بالقرآن" کو مؤثر بنانے اور اس میں عبرت اور بصیرت کلانگ پیدا کرنے کے لیے بھی تفسیر منظری میں بہت سا مواد فراہم کیا ہے۔ اس عنوان پر آپ کے مآخذ کی فہرست درج ذیل ہے:

۱۹۳ء ت م، ۱: ۹۰، ۱۲۳، ۲/۲: ۵۱، ۷۱: ۱۸۹۔ محمد بن یوسف دمشقی الشامی (م ۹۲۳/۷۱۵۳۶) کی کتاب سبل الہدی والرشاد۔ المعروف بہ سیرت شامی سیرت طیبہ کے موضوع پر ایک دائرہ معارف Encyclopaedia کی حیثیت رکھتی ہے۔ حضرت منظرؒ جانچناں کے خطوط سے پتا چلتا ہے کہ قاضی صاحب کے پاس اس کا ایک قلمی نسخہ موجود تھا (مکاتیب، م ۸۳، ص ۱۲۳)۔ یہ کتاب بیروت سے طبع ہو چکی ہے۔

۱۹۲ء ت م، ۴: ۲۵۔ اس کتاب کا ذکر تفسیر منظری میں "الامتناع" کے نام سے ہی آیا ہے، مگر تلاشِ بسیار کے باوجود المقریزی کی اس نام سے کوئی کتاب دستیاب نہ ہو سکی۔ اس پر "سہو کاتب" کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ جب مزید تحقیق کی گئی، تو اس خیال کی تصدیق ہو گئی۔ کیونکہ اس کا ذکر شہدائے بدر کے ضمن میں اس طرح آیا ہے:

"محمد بن عمر الاسلمی، البلاذری اور صاحب الامتناع نے ذکر کیا ہے" (ت م، ۴: ۲۵)

لہذا ہمارے خیال میں اس سے مراد "امتناع الاسماع" ہے، جو المقریزی کی مشہور کتابوں میں سے ہے۔

۱۹۵ء ت م، ۱: ۱۵۳، ۴: ۲۵، ۵: ۴۱۹، ۹: ۲۳، ۲۷: ۲۱۹۔ الواقدی (ابو عبد اللہ محمد بن عمر م ۲۰۷/۷۸۲۲) کی یہ کتاب فن مغازی پر بہت اہمیت رکھتی ہے، اسے حال ہی میں ایک مستشرق Marsdon Johnes نے آکسفورڈ سے شائع کیا ہے۔

۱۹۶ء ت م، ۶: ۵۲۸، ۱۰: ۳۲۹۔ اس کتاب کے مصنف کا پتا نہیں چلتا۔ (باقی اگلے صفحے پر)

(۱) ابن الاثیر الجزری: المحسن والحصین، ۱۹۴ھ (۲) احمد بن حنبل: کتاب الزہد، ۱۹۸ھ (۳)
 الاصفہانی: الترغیب والترہیب، ۱۹۸ھ (۴) الثعلبی: العرائس، ۱۹۸ھ (۵) الجزی: مؤلف الجن، ۱۹۸ھ
 (۶) الدینوری: المجالس، ۲۰۲ھ (۷) عبد بن زنجویہ: الترغیب والترہیب، ۲۰۲ھ (۸) عبد اللہ بن احمد
 بن حنبل: زوائد الزہد، ۲۰۲ھ (۹) المحامی: امامی الاصبہانیہ، ۲۰۲ھ (۱۰) المنذری: الترغیب والترہیب، ۲۰۲ھ
 (گزشتہ سے پیوستہ) البتہ قاضی صاحب اور حضرت مظہر کے خطوط کے دیکھنے سے پتا چلتا ہے
 کہ اس کا ایک قلمی نسخہ بمع ترجمہ شاہ ولی اللہ موجود تھا (مکاتیب - قریشی، ص ۱۶، م ۱۱۲)
 غالباً اس کے مولف شاہ صاحب ہی تھے۔

۱۹۸ھ ایضاً، ۷: ۱۲۶، ۹: ۱۳۷

۱۹۹ھ ت م، ۲: ۲۰۲
 ۱۹۹ھ ت م، ۱: ۱۵۴، ۱/۲: ۱۹، ۵: ۳۱، ۸: ۲۹، ۹: ۵۴ - الاصفہانی کا پورا نام ابو القاسم
 اسماعیل بن محمد (م ۵۳۳ھ/۱۱۳۸ء) ہے۔ قاضی صاحب نے ترغیب و ترہیب کے لیے
 سب سے زیادہ استفادہ اسی کتاب سے کیا ہے۔

۲۰۰ھ ت م، ۱۲۸ - الثعلبی (ابو اسحاق احمد بن ابراہیم (م ۲۲۷ھ/۳۵-۲۱) کی کتاب عرائس
 المجالس - قصص الانبیاء کے ضمن میں آتی ہے۔ تاہم اس میں کمزور روایات اور اسرائیلیات
 کی کثرت ہے۔ اسی لیے ہم نے اس کا اس عنوان کے تحت ذکر کیا ہے۔

۲۰۱ھ ت م، ۱: ۱۰۰، ۱۰۱ - اس کا حوالہ نقطہ ایک مقام پر آیا ہے۔ باقی تفصیل غیر دستیاب ہیں۔

۲۰۲ھ ت م، ۱: ۳۶۲ - باقی معلومات دستیاب نہیں۔

۲۰۳ھ ت م، ۸: ۱۵۴ - عبد بن زنجویہ کا پورا نام حمید بن مخلد بن قتیبہ (م ۲۴۸ھ/۲۸۶۳ء) ہے
 (کشف الظنون، ۱: ۱۰۱)۔

۲۰۴ھ ت م، ۲: ۳، ۳: ۲، ۸: ۱۱۸، عبد اللہ بن احمد بن حنبل (م ۲۸۸ھ/۲۹۰۱ء) مشہور امام حدیث
 احمد بن حنبل کے صاحبزادے تھے۔

۲۰۵ھ ت م، ۸: ۱۰۴، ان کی کتاب اس موضوع پر مفید کتاب سمجھی جاتی ہے (کشف الظنون، ۱: ۱۶۳)۔

۲۰۶ھ ت م، ۱۰: ۳۹۷، المنذری کا پورا نام زکی الدین ابو محمد عبد العظیم بن عبد القیوم (م ۲۵۶ھ/۲۵۶ء)
 ہے۔

(۱۱) ہناد: مصنف فی الزہد، ^{۲۰۷}

تصوف و سلوک

تفسیر منظری، تفسیر اشاری - یعنی صوفیانہ توضیحات و تشریحات کا بھی بہت بڑا مخزن ہے۔ اس عنوان پر آپ نے جن کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔ ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) ابن العربی، فصوص الحکم ^{۲۰۸} (۲) ایضاً فتوحات مکیہ ^{۲۰۹} (۳) ابوبکر شبلی، ^{۲۱۰} (۴) شہاب الدین السہروردی، عوارف المعارف ^{۲۱۱} (۵) الشیخ الشعراوی، ایواقیت و الجواہر ^{۲۱۲} (۶) عارف رومی،

^{۲۱۳} ت م، ۲: ۶، ۱۹: ۶، ۱۱۴: ۱۱۴ - ہنادین السری بن مصعب بن ابی بکر الیمینی (م ۲۲۲ھ/۶۸۵۷)

کی کتاب مصنف فی الزہد، اس موضوع کی قدیم کتابوں میں سے ہے۔

^{۲۱۴} ت م، ۱: ۱۵۰ - ابن العربی (شیخ الاکبر) محی الدین محمد بن علی، م ۴۳۸ھ/۷۱۲ھ، فلسفۃ وحدت وجود کے بانی اور اس کے شارح ہیں۔ قاضی صاحب نے ان کے عقائد کا ذکر کر کے ان کا رد کیا ہے، مگر بعض مقامات پر ان کے خیالات سے استفادہ کیا ہے۔

^{۲۱۵} ت م، ۱: ۱۵۰، ۱۳۷

^{۲۱۶} ت م، ۸۱۵ - ابوبکر شبلی (علی بن عیسیٰ، م ۳۳۴ھ/۶۹۴) گولپنے زمانے کے نامور صوفی بزرگ تھے۔ مگر انھوں نے اپنے پیچھے کوئی کتاب نہیں چھوڑی، البتہ ان کے اقوال مختلف کتابوں میں مذکور ہیں (مقالہ شبلی در اردو دائرہ معارف اسلامیہ، بذیل مادہ ۵)

^{۲۱۷} ت م، ۱: ۵۲، ۲۲۹ - شہاب الدین السہروردی (ابو حفص محمد بن عبداللہ، م ۶۳۳ھ/۱۲۳۵) سلسلہ سہروردیہ کے بانی اور وسط ایشیا کے ایک نامور صوفی بزرگ تھے۔ ان کی کتاب قاضی صاحب کے زمانے تک نصاب تعلیم کا حصہ تھی۔

^{۲۱۸} ت م، ۶: ۱۳۸ - الشیخ الشعراوی، عبدالوہاب بن احمد (م ۹۷۶ھ/۲۱۵۶) نے اپنی کتاب میں اہل عقل اور اہل کشف کے اقوال کا مقابلہ کیا ہے۔ (کشف الظنون،

۲: ۲۰۵۴)

فلسفہ و کلام

تفسیر منظری میں علم کلام اور فلسفہ سے تعلق رکھنے والے بعض مسائل پر بھی بحث کی گئی ہے، اس سلسلے میں قاضی صاحب کے مصادر و مآخذ حسب ذیل ہیں:

- ۲۲۲ (۱) ابوالحسن الاشعری: مقالات الاسلامیین، ۲۲۱ (۲) ابومنصور الماتریدی: تاویلات القرآن
 (۳) امام الحرمین، ۲۲۳ (۴) التفتازانی، ۲۲۴ (۵) جلال الدین الدوانی: رسالۃ الزور، ۲۲۵

(گزشتہ سے پیوستہ) اقوال کا مآخذ حضرت مظہرؒ کے مکتوبات یا زبانی فرمودات ہیں۔ اسی لیے کسی کتاب کا حوالہ غیر ضروری سمجھا گیا۔

۲۲۱ ت م، ۵: ۷۰ ابوالحسن الاشعری (علی بن اسماعیل - م ۳۲۲ھ / ۹۳۵ - ۶۹۳۶) اشاعرہ کے امام اور مکتب الاشعریہ کے بانی ہیں۔ ان کی کتاب استابول (۱۹۲۸ - ۱۹۳۳) سے C.H. Ritter نے طبع کر دی ہے۔

۲۲۲ ت م، ۱: ۱۴۳، ۲: ۲۰۱ - ابومنصور الماتریدی (م ۳۳۳ھ) - امام ماتریدیہ ہیں۔ جو مسلک حنفی مکتب فکر کی ترجمانی کرتے ہیں۔ قاضی صاحب ذہنی طور پر۔ ان کے زیادہ قریب رہے ہیں۔

۲۲۳ ت م، ۵: ۷۰ - امام الحرمین کا پورا نام عبدالملک بن عبداللہ بن یوسف الجوسی النیساپوری الشافعی (م ۴۷۸ھ / ۶۱۰۸۵) ہے۔ تفسیر منظری میں ان کا ذکر مطلقاً آیا ہے۔ کتب مآخذ سے پتا چلتا ہے کہ انھوں نے اس موضوع پر تین کتابیں تصنیف فرمائیں: (۱) نہایت المطلب فی درایتہ المذہب، (۲) شامل فی اصول الدین، (۳) الارشاد الی قواطع الدولہ (اصول الاعتقاد، ابن خلدان - ۱: ۳۶۱ تا ۳۶۲)

۲۲۴ ت م، ۲/۲: ۱۳ - التفتازانی (سعد الدین محمود بن عمر، م ۹۳۳ھ / ۶۱۳۹۰) کا ذکر اگرچہ مطلقاً آیا ہے۔ تاہم چونکہ ان کی علم کلام پر کتاب "شرح عقائد النسفی" کے نام سے مشہور ہے اس لیے یہاں یہی کتاب مراد ہوگی۔

۲۲۵ ت م، ۵: ۸۰ - اس کتاب کا متن اور اس کی شرح دونوں ہی علامہ جلال الدین الدوانی (محمد سعد الصدیقی ۱۵۰۲/۶۱۵۰۲) نے ترتیب دی ہیں۔ (کشف الظنون، ۲: ۹۵۷)

(۶) حلیمیؒ، (۷) الطحاویؒ، (۸) الفزالی، ابو حامد، المنتقذ من الضلالؒ، (۹) محمد شتا اللہ
پانی پتی: السیف المسلولؒ

۲۳۷ ت م ۶، ۱۱۹۔ الحلیمی (الحسین بن الحسن البخاری الشافعی م ۳۰۳ھ / ۱۲-۲۱) کا نام
مجی تفسیر مظہری میں علی الاطلاق آیا ہے۔ مگر ظاہراً اس سے ان کی کتاب منہاج الدین
فی شعب الایمان (کشف، ۲: ۹۵۷) مراد ہوگی۔

۲۳۷ ت م ۵۶: ۷

۲۳۸ ت م ۶، ۱۱۹

۲۳۹ ت م ۱۹، ۳۷، ۱۹۱۔ قاضی صاحب کی یہ کتاب فارسی زبان میں ہے۔ اس کا حال ہی
میں اردو ترجمہ ملتان سے شائع ہو گیا ہے۔

زمانہ تصنیف

تفسیر منظری اپنے عہد کی انتہائی مفید اور اہم کتاب ہے۔ لہذا اس کے دور تصنیف کا جاننا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

اس عظیم تصنیف کا آغاز حضرت مظہر جانانا کی شہادت (۱۰ محرم الحرام ۱۱۹۵ھ / ۶ جنوری ۱۷۸۲ء) کے بعد اور اختتام ۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۲۰۸ھ / ۳۱ دسمبر ۱۷۹۳ء کو ہوا۔ اس طرح مجموعی طور پر کوئی تیرہ سال اس کی تصنیف میں صرف ہوئے۔ ناضل مفسر نے ابتدائی تفسیر کی آخری جلد (موجودہ ترتیب کے لحاظ سے جلد نہم دہم) تصنیف کی تھی۔ تفسیر قرآن کا آغاز سورۃ الفاتحہ کے بجائے سورۃ الفتح سے کیا اور اختتام سورۃ الناس کے بجائے سورۃ "محمد" پر۔ تفسیر نویسی کی یہ ترتیب اس لیے اختیار کی گئی کہ آپ سورۃ الفتح کے ابتدائی الفاظ:

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا

سے سن آغا، خاتم النبیا کے اسم مبارک محمد سے موسوم سورۃ پر حسن خاتمہ کے آرزو مند تھے، چنانچہ اسی بت پر امتتامی نوٹ میں فرماتے ہیں:

۱۔ مولوی نعیم اللہ بیڑا جی: معمولات منہر یہ، ص ۱۲۷، بشارات، ق، ورق ۱۶۵ ب
۲۔ تفسیر منظری، ۸: ۲۲۸۔

۳۔ یہ اس بات پر منحصر ہے کہ حضرت مظہر کی شہادت کے کتنے عرصے کے بعد قاضی صاحب نے تفسیر نویسی کا آغاز فرمایا۔ اگر فوراً بعد تصور کیا جائے تو اس کی مجموعی مدت تصنیف ۱۲ سال گیارہ ماہ اور پچیس دن بنتی ہے۔

۴۔ الفتح - ۱۔

وَقَدْ اتَّفَقَ خَتَمُ تَفْسِيرِ الْمُنْظَرِيِّ بِخَتَمِ سُورَةِ خَتَمِ الرَّسُولِ مُحَمَّدٍ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمَسْئُولُ مِنَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ أَنْ يُجْعَلَ خَتَمِي
عَلَى خَيْرِ مَا خَتَمَ بِهِ خِيَارُ أُمَّةٍ مُحَمَّدٍ ۝

تاریخی مناسب نے شروع میں جو جلد مرتب فرمائی (موجودہ نم، دہم) اسے پہلے مرتب کرنے
کی وجہ یہ تھی کہ اس جلد میں تقریباً بیشتر سورتیں لگی ہیں، ایک مفسر کی حیثیت سے آپ یہ چاہتے
تھے کہ اس جلد کا مطالعہ پہلے ختم کر لیا جائے تاکہ مدنی دور کے اسباب و عواقب اچھی طرح
ذہن نشین ہو جائیں اور ان سے صحیح نتائج کا حصول مناسب حد تک بہتر بنایا جاسکے۔ آپ
کے معاصر اور اس عہد کے ایک اور نامور عالم دین شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے بھی اسی طریق
کار کے مطابق سب سے پہلے سورہ عم کی تفسیر لکھی اور پھر ابتدائی پاروں پر کام شروع کیا تھا جو
شومی قسمت سے نامکمل رہا۔ ۝

تفسیر منظری میں فاضل مؤلف نے ہر سورہ کے اختتام پر تاریخ تکمیل لکھنے کا التزام فرمایا
ہے جو آخری دو جلدوں (نم، دہم) کے سوا باقی سب جلدوں میں موجود ہے، ان جلدوں کے
صفحات (بمطابق طباعت ثانی ندوۃ المصنفین دہلی) اور ان کا زمازما تصنیف حسب ذیل ہے۔

نمبر شمار	آغاز تصنیف جلد	اختتام	کل صفحات	ٹوٹل صفحات
۱	(نامعلوم)	۲۵، ربیع الثانی ۱۱۹۸ھ	۲۲۸	
۲	۲۶، ربیع الثانی ۱۱۹۸ھ	۱۱، رجب ۱۱۹۸ھ	۲۸۴	
۳	۱۲، رجب ۱۱۹۸ھ	۱۶، محرم ۱۲۰۰ھ	۲۵۶	
۴	۱۷، محرم ۱۲۰۰ھ	۷، ذی الحجہ ۱۲۰۰ھ	۳۲۰	

۵ تفسیر منظری، ۸: ۳۹۲ ۷ تفسیر عزیزی مطبوعہ دہلی

۸ تفسیر منظری، ۱: ۲۲۷ تا ۲۲۸ ۸ ایضاً، ۲: ۲۸۶

۹ ایضاً، ۳: ۲۵۶

۱۰ ایضاً، ۴: ۳۲۰۔ یہاں ایک تصحیح ضروری ہے کیونکہ جلد سوم کے اختتام پر ۱۶ محرم ۱۲۰۱ھ

تحریر ہے، جب کہ جلد چہارم پر ۱۲۲۳ھ رقم ہے۔

۵	-	۸ ذی الحجہ ۱۲۰۰ھ	۳ رمضان ۱۲۰۲ھ	۵۰۴
۶	-	۲۴ رمضان ۱۲۰۲ھ	۲۶ رمضان ۱۲۰۲ھ	۵۰۰
۷	-	۲۴ رمضان المبارک ۱۲۰۲ھ	محرم ۱۲۰۴ھ	۳۹۲
۸	-	محرم ۱۲۰۴ھ	۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۲۰۸ھ	۴۴۸
	-			۹
	-			۱۰

یہ کل ۴۴۷ صفحات بنتے ہیں، جو تقریباً بارہ سال، گیارہ مہینے اور پچیس دن —
 (کل ۴۴۲ ایام) میں مکمل ہوئے، اس طرح تفسیر نویسی کی اوسط پون صفحہ یومیہ سے زیادہ
 نکلتی ہے، جو اس وسیع مطالعے کے پیش نظر، جس کا اندازہ فہرست مآخذ پر ایک نظر ڈالنے
 سے بخوبی ہو جاتا ہے، بہت وقیع ہے۔ کیونکہ اس پون صفحہ سے کچھ زیادہ لکھنے کے
 لیے قاضی صاحب کو کتنی کتب کی ورق گردانی کرنا پڑتی ہوگی۔ پھر اس دوران حوادثِ
 دہر کی وجہ بھی تفسیر نویسی کے کام میں خلل پڑتا رہا۔ کہ اس دوران میں سیاسی حوادث سے
 لے کر طبعی، جسمانی اور اہل و عیال کی جدائی تک کے عوارض برابر وقوع پذیر رہے۔ مگر فاضل
 مفسر کا قلم ان تند و تیز آندھیوں میں بھی بدستور چلتا رہا اور اس وقت دم لیا جب منزل مقصود
 پر پہنچ گئے۔

ابتدائی تین جلدوں (نہم، دہم، اور اول) کا زمانہ تصنیف بہت کم ہے، یعنی،
 اگر نقطہ آغاز حضرت مظہر کی شہادت (۱۰ محرم الحرام ۱۱۹۵ھ) کو قرار دیا جائے، تو کل
 تصنیفی مدت ۱۶ ماہ بنتے ہیں، جب کہ اس دوران تصنیف ہونے والے صفحات کی کل
 تعداد ۱۳۲۰ ہے۔ اس طرح ان تینوں جلدوں میں لکھنے کی یومیہ اوسط قریب قریب تین
 صفحات متعین ہوتی ہے۔ اس کے برعکس جلد دوم و سوم دونوں کا تصنیفی زمانہ دو دو سال

۱۱ جو بدلتے غلط ہے۔ پھر چونکہ جلد پنجم کی بعض سورتوں کا زمانہ تصنیف بھی ۱۲۰۱ھ
 ہے، اس لیے محولہ بالا تصحیح (۱۲۰۱ھ) کی گئی ہے۔

ہے، اس لیے ان کی یومیہ لکھنے کی اوسط بہت کم ہے، جس کی وجہ یہ تھی کہ مفسرِ علامہ کو انہی سالوں میں یکے بعد دیگرے دو جواں سال صاحبزادوں کی مرگ ناگہانی کا صدمہ برداشت کرنا پڑا تھا۔ جلد چہارم ایک ہی سال میں مکمل ہو گئی۔ جب کہ جلد پنجم اور ششم تقریباً دو سالوں میں مکمل ہوئیں، اور جلد ہفتم کو تقریباً تین سال کا وقت مکمل ہونے میں لگا، ان جلدوں میں سست روی کی وجہ غالباً ان جلدوں کے مشکل فقہی مضامین ہیں، جنہیں مرتب کرنے کے لیے فاضل مصنف کو بہت سی کتب کا مطالعہ کرنا پڑا۔ علاوہ انہیں اس دوران سیاسی حالات بھی اثر انداز ہوتے رہے۔ اسی زمانے میں شاہ عالم کو بصارت سے محروم کر کے ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں ایک سیاہ باب کا اضافہ کیا گیا تھا، پھر اسی زمانے میں پانی پت مکمل طور پر مرہٹوں کے قبضے میں چلا جاتا ہے اور مرہٹہ کمانڈر بیگم سومرو یہاں مستقل ڈیرہ جمائے نظر آتی ہے، جلد ہشتم البتہ، امینوں میں مکمل ہو گئی۔

مباحثِ علومِ قرآنیات و تجوید

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے،: **أُنزِلَ الْقُرْآنُ عَلٰی سَبْعَةِ أَحْرَافٍ**۔
 اسی بنا پر قدیم و جدید علما اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن حکیم کو کا حقاً سمجھنے کے لیے قرآنیات کا مطالعہ
 از بس ضروری ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس علم کی بدولت لغات قرآن کے فہم کے علاوہ اس
 کے مضامین میں وسعت اور تنوع پیدا ہوتا ہے۔ بنا بریں علم تفسیر میں قرآنیات کا بیان سہ گونہ
 اہمیت رکھتا ہے۔

۱۔ علوم قرآن میں سے ایک علم کی حیثیت سے۔

۲۔ لغات قرآن کو سمجھنے کے لیے۔

۳۔ معانی قرآن میں فہم و بصیرت پیدا کرنے کے لیے۔

اسی بنا پر علامہ طبری سے لے کر آج کے زمانے کے جدید مفسرین تک بھی نے علومِ قرآنیات

کو بنیادی اہمیت دی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہر تفسیر میں یہ مباحث ایک جیسے نہیں ہیں۔

۱۔ یعنی قرآن حکیم سات مختلف لہجوں میں اتارا گیا، فاضل مفسر نے سورۃ الفرقان (۱۸) کے آغاز

میں موطا امام مالکؒ، صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے حوالے سے حضرت عمر فاروقؓ سے ایک روایت

نقل کی ہے، جس میں حضرت عمر فاروقؓ نے اختلافِ قرآنیات کو حضورؐ کی تعلیم سے منسوب

کر کے آخر میں محولہ بالا قول نقل کیا ہے (دیکھیے تفسیر منطوری، ۷: ۹)۔

۲۔ دیکھیے تقی عثمانی: علوم القرآن، ص ۹۸ تا ۱۵۶

۳۔ تفسیر منطوری، ۱: ۲۸۹

استناد و علمی پایہ

قاضی صاحب نے علوم القراءات والتجوید پر جو کچھ لکھا ہے اس کی استنادی و علمی حیثیت کو جاننے کے لیے یہ بیان کر دینا ہی کافی ہے کہ انھوں نے یہ علم سالہا سال کی محنت اور باقاعدہ درس و تدریس کے ذریعے حاصل کیا تھا، اس ضمن میں ہم گزشتہ صفحات میں ان کی تعلیمی زندگی کے تحت یہ ذکر کر آئے ہیں کہ تحصیل قراءات کے لیے انھوں نے مقامی اساتذہ پانی پت کے علاوہ دہلی شہر کے اساتذہ سے بھی کسب فیض کیا تھا، جن میں سے ایک استاد شیخ صالح المصری، تلمیذ شیخ القراء عبدالمخالق المنونی کا نام تو تفسیر منظہری میں بھی ذکر کیا گیا ہے۔

علاوہ ازیں قاضی صاحب نے تفسیر نویسی کے دوران کتب تفسیر کے ساتھ ساتھ علم قراءات و تجوید کی بنیادی قسم کی کتب کو بھی پیش نظر رکھا ہے جن میں سے تین کتابیں یعنی التیسیر الدانی، طبیۃ النشر فی القراءات العشر اور قصیدۃ شاطبیہ کا تفسیر میں بکثرت حوالہ دیا گیا ہے۔

مذکورہ بالا تینوں کتابیں اپنے اختصار اور جامعیت کے لحاظ سے قراءات کی دنیا میں منفرد مقام رکھتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کتابیں صدیوں سے تعلیم گاہوں میں قراءات سکھانے کے نصاب میں شامل چلی آتی ہیں۔ انہی وجوہ کی بنا پر قراءات کے بیان اور ان کی تشریح میں تفسیر منظہری بے پناہ افادیت رکھتی ہے۔

تفسیر منظہری اور قراءات متواترہ

اُمت نے جن قراءات عشرہ کی صحت و ثقاہت پر اعتماد کا اظہار کیا ہے، لکھ تفسیر منظہری

قراءات متواترہ سے مراد قرآن حکیم کی وہ متواترہ قراءات ہیں جن کی روایت درجہ تواترہ کو

پہنچی ہوئی ہو، نیز ان میں حسب ذیل شرائط موجود ہوں

۱۔ وہ مصحف عثمانی کے رسم الخط میں سما سکتی ہوں۔

۲۔ وہ عربی زبان کے قواعد کے مطابق ہوں۔

۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کی روایت متواترہ ہو۔

(باقی اگلے صفحے پر)

میں زیادہ تر یہی قراآتیں زیر بحث لائی گئی ہیں، تفصیل حسب ذیل جدول سے ظاہر ہے۔

نمبر قاری	نام قاری مع سن وفات	نمبر شماراوی	نام راوی و سن وفات	تفسیر منظری میں مقامات حوالہ
۱-	ابوبکر (یا ابو عمرو) زبان بن العلاء بن عماد المازنی البصری، (م ۱۵۵ھ/۶۷۰ء)			۱: ۵۹، ۶۰، ۶۶ ۶۷ بمواضع کثیرہ
۱-			ابو عمرو والدوری حفص بن عبد العزیز الازدی البغدادی (م ۲۴۰ھ/۲۸۵ء)	۸: ۱۹۸، ۲۰۳ (بعنوان ابو عمرو) ۲۹۲، ۳۲۷ (بعنوان الدوری) -
۲-			ابو شعیب صالح بن زیاد بن عبداللہ السوسی، (م ۲۶۱ھ/۲۸۷ء)	۸: ۲۹۸ بمواضع کثیرہ
۲-	نافع بن عبدالرحمان بن ابی نعیم اللیشی المدنی، ابوالحسن، (م ۱۶۹ھ/۶۸۵ء)			۱: ۶۶، ۱۰۲، ۳۲۷ بمواضع کثیرہ

گزشتہ سے پیوستہ) ان میں سے ہر قراآت کو دو، دو راویوں (شاگردوں) نے روایت کیا ہے (دیکھیے ابن الجوزی، طبیبۃ النشر، طبع علی محمد الضباع، قاہرہ، ۱: ۸ تا ۱۳، تقی عثمانی، علوم القرآن، کراچی، ص ۲۳۷)۔ وہ بصرے کے مشہور قاری تھے اور قراآت و عربیت کے سب سے بڑے عالم، ثقہ اور امین تھے (طیبہ، ص ۸)۔ وہ اپنے عہد کے امام، قوی الحافظہ عالم اور مقری، نیز متعدد کتب کے مؤلف تھے (یا قوت الحموی، معجم الادبا، ۸: ۲۱۶، ابن حجر، تہذیب التہذیب، ۲: ۸۰-۸۱)۔ چند کتب کے مصنف بھی تھے۔ (دیکھیے الزبکی، الاعلام، ۳: ۲۷۶)۔ حدود ۷۰ھ میں پیدا ہوئے، رنگت سیاہ تھی، مگر مدینہ منورہ میں قراآت کے بے تلج بادشاہ تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے منہ سے خوشبو آتی تھی، کیونکہ بقول ان کے ایک مرتبہ خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے منہ سے اپنا منہ ملا کر پڑھا تھا (طیبۃ النشر، ص ۷)۔

نمبر قاری	نام قاری و سنہ وفات	نمبر شمارہ راوی	نام راوی و سنہ وفات	تفسیر منظری میں مقامات حوالہ
		۱-	الاصمعی، عبدالملک بن قریب بن عبدالملک الکوفی (۲۱۶ھ/۸۳۱ء)	
		۲-	قانون عیسیٰ بن مینا (م. ۲۲۰ھ/۸۳۵ء) ^{۱۱}	۳۸۹، ۴۰۱، ۱
		۳-	ابوسعید عثمان بن سعید القطبی المصری (م. ۱۹۷ھ/۲۸۱۲)	۳۸۹، ۴۰۰، ۵۹، ۱
		۱-	بزی، ابوالحسن، احمد بن محمد بن عبداللہ بن بزیہ المکی، (م. ۲۵۰ھ/۲۸۴۳) ^{۱۲}	۳۸۵ : ۱ ۶۷، ۱/۲
		۲	قنبل ابو عمر محمد بن محمد بن عبدالرحمن (م. ۲۹۱ھ/۶۱۹۰) ^{۱۳}	۱۰ : ۲۸۹ وغیرہ - ۱ : ۳۴۵، ۴۰۰ وغیرہ

۹ مشہور و معروف ادیب اور نحوی تھے (ابن خلیکان، ۱، ۳۶۲ تا ۳۶۵)، مگر تفسیر میں خاص ان کا نام لے کر ان کا ذکر نہیں کیا گیا، گو نافع کے شاگرد و راوی ہونے کے باعث وہ نافع اور "الباقون" اور "اہل الکوفہ" کی اصطلاحوں میں شامل ہوتے ہیں۔

۱۱ قانون رومی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی عمدہ (جید) کے ہیں (دیکھیے طیبۃ الفشر، ص ۷)۔
۱۲ وراثت سے موسوم ہونے کا سبب یہ تھا کہ وہ سفید رنگت والے تھے (ایضاً)۔
۱۳ نہایت فصیح و بلیغ اور قراآت میں اپنے زمانے کے امام تھے (ایضاً)۔
۱۴ بزی بڑے اونچے پائے کے عالم، قاری اور ضابط تھے، عرصے تک مسجد حرام کے مؤذن رہے (ایضاً)۔
۱۵ قنبل کے معنی ایسے شخص کے ہیں جو جسمانی اعتبار سے صحت مند اور تنومند ہو (اشد و لدا)، بقول الجزری حجاز میں قراآت ان پر ختم تھی (ایضاً)

نمبر شمار قاری	نام قاری و سنہ وفات	نمبر شمار راوی	نام راوی و سنہ وفات	تفسیر منظری میں مقامات حوالہ
۳-	ابوبکر عاصم بن ابی النجود بن بہدله الاسدی الکوفی، (م ۱۲۷ھ / ۷۴۲ء) ۱۵ھ	۱-	ابوبکر شعبہ بن عیاش بن سلام اللاتردی، الکوفی، (م ۱۹۳ھ / ۸۰۸ء) ۱۶ھ	۱: ۱۵، ۱۶، ۱۹، ۳۲۵
		۲-	ابو عمر حفص بن سلیمان المیفرہ، الاسدی، الکوفی، البزاز (م ۱۸۰ھ / ۷۹۹ء) ۱۶ھ	۲: ۲۰، ۸: ۶۰، و بمواضع کثیرہ
۵	ابو عمران عبداللہ بن عامر الیحصی، المعروف بابن عامر (م ۱۰۸ھ / ۷۲۶ء) ۱۸ھ	۱-	ابولولید شام بن عمار بن مضر بن میسرہ السلی دمشقی، (م ۲۲۵ھ / ۷۸۷ء) ۱۹ھ	۱: ۶۰، ۳۲۵، و بمواضع کثیرہ -
		۲	ابو عمرو بن عبداللہ بن احمد المعروف بابن ذکوان القرشی دمشقی (م ۲۲۳ھ / ۷۸۷ء) ۱۶ھ	۱: ۶۰، ۱۲۲

- ۱۵ وہ اپنے درجے کے عالم اور ثقہ تھے۔ الشلمی کے بعد ان کی مسند پر بیٹھے، ان کے پاس اکتاف عالم سے لوگ بغرض تحصیل علم آیا کرتے تھے (طیبتہ، ص ۷) ۱۶ ایضاً، ص ۹۔
- ۱۷ وہ عاصم کی قرأت کو سب سے بہتر جاننے والے تھے۔ اسی بنا پر ابن معین اسی روایت کو صحیح ترین روایت قرار دیا کرتے تھے۔ عملاً یہی روایت دنیا بھر میں سب سے زیادہ پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے (ایضاً، ص ۹)۔
- ۱۸ وہ دمشق کی جامع مسجد کے امام اور دمشق کے قاضی اور شیخ القرائینز قاضی کبیر بھی تھے (ایضاً)۔
- ۱۹ وہ دمشق کی جامع مسجد کے خطیب اور نہایت ثقہ اور دیندار شخص تھے (ایضاً، ص ۸)۔
- ۲۰ بقول الجزری وہ ملک شام کے شیخ القرائین تھے (ایضاً، ص ۹)۔

نمبر شمار قاری	نام قاری و سنہ وفات	نمبر شمار راوی	نام راوی و سنہ وفات	تفسیر منظری میں مقامات حوالہ
۶ -	ابوعمار حمزہ بن حبیب الزیات الکوفی (م ۱۵۶/۲۷۷)			۱۰۲، ۹۰، ۸۹، ۷۴، ۶۰، ۵۰: ۱ ۳۰۹، ۱۰ وغیرہ -
		۱ -	خلف بن ہشام، ابو محمد البزار (م ۱۸۸/۲۸۰۳)	۲۲
		۲ -	خلاد بن خالد ابو عیسیٰ الشیبانی (م ۲۲۰/۸۳۵)	۱: ۲۲۵ وغیرہ
۷ -	ابو الحسن علی بن حمزہ بن عبد اللہ الکسانی، الکوفی (م ۱۸۹/۲۸۰۳)			۱۰۲، ۹۰، ۸۹، ۷۴، ۶۰، ۵۹، ۱۵: ۱ ۱۰۲، ۹۰ ۳۰۹، ۱۰ و بمواضع کثیرہ
		۱ -	ابوالمحارث، لیث بن خالد المرزوی، (م ۲۲۰/۲۸۵۳)	۲۳
		۲ -	ابو عمرو، حفص بن عمر الدوری (مذکور)	۳۲۷، ۲۹۳، ۱۸

۲۱ وہ ایک خوش الحان قاری ہونے کے علاوہ ایک نحوی، فرائضی اور حافظ الحدیث تھے (ایضاً)۔

۲۲ وہ حمزہ کے راوی ہیں۔ اس لحاظ سے ان کے تحت آجرتے ہیں، مگر تفسیر منظری میں منفرداً ان کا ذکر نہیں کیا گیا۔

۲۳ وہ علم لغت، علم اشتقاق (حرف) اور قرأت کے مسلمہ استاد تھے۔ ان کے شاگردوں میں دو

خلفائے بیوہیاس امین الرشید اور مامون الرشید بھی شامل ہیں۔ (طیبۃ النشر، ص ۱۰)۔

۲۴ ابوالمحارث المرزوی کا ذکر بھی تفسیر منظری میں دستیاب نہیں ہو سکا۔

۲۵ الدوری دو قاریوں (قاری ابو بکر زبان بن العلاء، عدد ۱) اور الکسانی (عدد ۱) (باقی اگلے صفحے پر)

نمبر قاری	نام قاری و سنہ وفات	نمبر شماراوی	نام راوی و سنہ وفات	تفسیر منظری میں مقامات حوالہ
۸ -	ابو جعفر المدنی، یزید بن قعقاع المخزومی المدنی (م ۱۸۰ھ / ۷۹۶)			۱: ۱۵۹، ۱۶۶، ۱۹۱، ۳۲۵ -
		۱ -	عیسیٰ بن وردان، ابوالحارث المدنی (م حدود ۱۶۰ھ / ۷۷۶)	
		۲	ابن حجاز، ابوالریح سلیمان بن مسلم البصری (م ۱۷۵ھ / ۷۹۱) ۲۴	
۹	یعقوب بن اسحاق بن یزید المحضری، ابو محمد (م ۲۰۵ھ / ۷۸۳) ۲۸			۱: ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۹۰، ۱۰۲ وغیرہ -
		۱	ادیس، ابو عبد اللہ محمد بن متوکل اللؤلؤی، البصری (م ۱۳۳ھ / ۷۵۰)	
		۲	روح بن عبد المؤمن ابوالحسن المدنی، (م ۱۳۵ھ / ۷۵۲)	

گزشتہ سے پیوستہ کے مشترکہ راوی ہیں، اسی بنا پر ان کی روایت کے ساتھ قاری کا نام ضرور اضافہ کیا جاتا ہے۔ یہاں تک قراءات سبعہ اور قراءے سبعہ ختم ہو جاتے ہیں۔ انھلے تین قاریوں کو ملا کر قراءات عشرہ بنتی ہیں۔
 ۲۴ جلیل القدر تابعی عالم اور قاری تھے۔ ان کے اساتذہ کی فہرست میں بعض صحابہ بھی شامل ہیں۔
 (ایضاً، ص ۱۱)۔

۲۴ ابو جعفر اور مابعد کے دونوں قاریوں (یعقوب و خلف) کے راویوں کا تفسیر منظری میں ذکر نہیں کیا گیا۔

۲۸ ابو عمرو (عدد۱) کے بعد بصرہ میں قراءات ان پر ختم تھی۔ نہایت ثقہ اور ضابط تھے (ایضاً، ص ۱۲)۔

نمبر شمار قاری	نام قاری و سنہ وفات	نمبر شمار راوی	نام راوی و سنہ وفات	تفسیر منظہری میں مقامات حوالہ
۱۰	ابو محمد خلف بن ہشام بن ثعلب الیزازی البغدادی (م ۲۲۹ھ / ۲۸۲۳)			
		۱-	ابو یعقوب اسحاق بن ابراہیم الوراق المروزی ، (م ۲۸۶ھ / ۲۸۹۹)	
		۲-	ابو الحسن ادریس بن عبد الکریم الحمدادی (م ۲۹۲ھ / ۲۹۰۴)	

ان دس قراء میں سے آخری قاری (ابو محمد خلف بن ہشام) کے سوا باقی قراءے تفسیر کا تفسیر منظہری میں بکثرت ذکر آتا ہے، جب کہ دسویں قاری ابو محمد خلف کا ذکر الیٰ ان مقامات پر بھی جہاں بقول محشی ان کا ذکر آتا ہے، چاہے قلم زد نہ کیا گیا ہے، غالباً اس کی وجہ یہ تو تسامح علمی ہے یا پھر قاری خلف کی روایت و قراءت پر عدم اعتماد کا اظہار۔ بہر حال تفسیر منظہری کے محشی قاری ابو محمد محی الاسلام نے جا بجا حواشی یا بین السطور میں اس کا اور لقیہ متروک قراءتوں کا ذکر کر کے یہ کمی پوری کر دی ہے۔

۲۹ ابو محمد خلف بن ہشام قراءے سب سے قاری حمزہ (عد ۶) کے راوی اور قراءے عشرہ میں سے تھے، مگر دونوں حیثیتوں میں ان کا ذکر تفسیر منظہری میں نہیں ملتا۔

۳۰ مثال کے طور پر فاضل محشی (قاری ابو محمد محی الاسلام، جو قراءات عشرہ کے قاری تھے) نے حسب ذیل مقامات پر خلف کی قراءت کی حاشیے میں یا بین السطور تصریح کی ہے، تفسیر منظہری، ۱: ۲۱۶، ۲۲۲، ۲۲۷، ۳۲۸، ۳۵۷، ۳۸۱، ۳۸۳ وغیرہ۔

مقاصد اساسی

تعلیم قرآن میں قراءات متواترہ بنیادی اہمیت رکھتی ہیں، ان کے بغیر نہ تو الفاظ و تراکیب کی صحیح شناخت ہو سکتی ہے اور نہ بحر معانی کی شناوری ممکن ہے۔ اسی لیے تفسیر منظری میں قراءات متواترہ کا بیان حسب ذیل مقاصد کے لیے کیا گیا ہے:

۱۔ زبان دانی (لغات کی معرفت): قراءات متواترہ درحقیقت مختلف لغات و لہجات قریش کی ترجمانی کرتی ہیں۔ اسی بنا پر ان سے لغت شناسی اور زبان دانی میں بڑی مدد ملتی ہے، چنانچہ قاضی صاحب جلد ہفتم میں فرماتے ہیں:

لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا:۔۔۔ اہل بصرہ بقتر وا کی یا پر زبر پڑھتے ہیں اور تالا پر زیر۔ اور اہل مدینہ اور ابن عامر یا پر پیش اور تالا پر زیر۔۔۔ اور دوسرے۔۔۔ اور یہ سب مختلف لغات (لہجے۔ بولیاں) ہیں۔^{۳۱}

اسی طرح جلد ہشتم میں ایک مقام پر لکھتے ہیں:

جِبَلًا:۔۔۔ اہل مدینہ اور عاصم جیم کے نیچے زیر اور یا کے نیچے بھی۔ اور لام پر تشدید اور یعقوب جیم اور با پر پیش پڑھتے ہیں اور یہ سب لغات ہیں۔^{۳۲}

اس سے معلوم ہوا کہ یہ قراءات درحقیقت قریش مکہ کی مختلف لغات (بولیوں) پر مبنی تھیں، ان کے علم سے زبان دانی میں یقیناً مدد ملتی ہے۔

۲۔ معانی قرآن میں وسعت و عمومیت: تفسیر منظری میں قراءات کے ذریعے معانی اور الفاظ و مفردات قرآن میں وسعت اور عمومیت پیدا کرنے کا کام بھی لیا گیا ہے۔

مثال کے طور پر قاضی صاحب جلد اول میں تفسیر سورۃ الفاتحہ میں فرماتے ہیں:

المَلِکُ اور المَلِکُ - کہا جاتا ہے کہ ان دونوں کا مفہوم یک ہی ہے، اور حق

^{۳۱} ایضاً، ۷: ۴۷، نیز دیکھیے، ص ۱۶۲

^{۳۲} ایضاً، ۸: ۹۳ تا ۹۴، تفسیر سورۃ یس (آیت ۶۲)

یہ ہے کہ مالک کا لفظ ملک سے، بمعنی رب ہے۔ کہا جاتا ہے "مالک الدار" اور ملک "ملک" سے ہے۔ میم کی پیش کے ساتھ بمعنی سلطان، وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی دو صفات ہیں اور دو متواتر قراءتیں ہیں۔ ۳۲

قاضی صاحب نے اس کے علاوہ بھی متعدد مقامات پر اس قسم کی توضیح و تشریح بیان کی ہے، جس سے ہمارے مذکورہ موقف کی تائید ہوتی ہے۔

غرض فاضل مؤلف نے اپنے تفسیری مطالعے میں جہاں مختلف قراءتوں کے بیان کا التزام کیا ہے، وہاں قراءتوں کے اختلاف کی وجوہ و علل بھی بیان کی ہیں، چونکہ یہ وجوہ صرفی و نحوی نوعیت کی ہیں، اسی بنا پر اس سے فن قراءت سے گہری واقفیت کے علاوہ محولہ بالا علوم میں بھی مؤلف کی مہارت و مہارت کا پتا بھی چلتا ہے۔

۳۔ نقی استنباطات کی تائید و توثیق: مختلف قراءتوں سے جس طرح معانی قراءت مفردات قرآن میں وسعت پیدا ہوتی ہے، اسی طرح قراءتوں کے مطالعے سے نقی استنباطات کی تائید و توثیق میں بھی مدد ملتی ہے تفسیر مظہری کے مطالعے سے اس پر بھی روشنی پڑتی ہے، چنانچہ قاضی صاحب ایک مقام پر لکھتے ہیں:

اور غیر پر تامل و تنسی اعبد کی وجہ سے زبر پڑنا جائز ہے؛ اس لیے کہ تفصیل سے تعبد و نقی کے مفہوم میں ہے، اس طرح کہ اس کا اصل "تامل و تنسی ان اعبد غیر اللہ ہے، تم مجھے کہتے ہو کہ میں غیر اللہ کی عبادت کروں، ہے، پھر حرف فعل کے زبر کی بنا پر حذف ہو گیا ہو، جس کی تائید زبر کے ساتھ اعبد کی قراءت سے بھی ہوتی ہے۔ ۳۳

اس عنوان پر سورہ البقرہ کا حسب ذیل مقام تو بے حد مشہور ہے، فرماتے ہیں:

وَلَا تَقْرَبُوا هُنَّ حَتَّىٰ يَطْهَرْنَ:..... عاصم اور کسایی نے طاء اور ہاء پر تشدید کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قاری حرف طاء پر سکون اور ہاء پر پیش بغیر شد کے پڑھتے ہیں، اور دونوں قراءتوں کا مفہوم امام مالک رحمہ اور امام شافعی رحمہ اور امام احمد کے نزدیک ایک ہی ہے، تا آنکہ

۳۳ تفسیر مظہری، ۱: ۸

۳۴ تفسیر مظہری، ۱: ۹۸، نیز دیکھیے، ص ۲۲، ۲۵، ۲۹، ۳۲، ۳۴، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷،

وہ غسل کریں۔ لہذا ان کے نزدیک حائضہ عورت کے قریب جانا، خون رک جانے کے بعد غسل سے پہلے جائز نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ تخفیف والی قراءت کا مطلب یہ ہے کہ ان کا خون (حیض) بند ہو جائے، لہذا اس قراءت کے مطابق غسل سے پہلے، خون بند ہونے کے بعد بیوی سے جماعت جائز ہے۔^{۳۵}

اسی طرح آگے چل کر قراءت عشرہ کا یہ سلسلہ اجتہاد و استنباط احکام سے براہ راست منسلک ہو جاتا ہے۔ غرض فاضل مفسر نے قراءت کے علم کو بھی دیگر تفسیری مقاصد کے ساتھ مربوط کر کے بیان کیا اور ان کا مفید عوام و خواص ہونا ثابت کیا ہے۔

اصول قراءت عشرہ متواترہ کا ذکر

تفسیر مظہری کے خصائص زیریں میں سے یہ خصوصیت بھی قابل ذکر ہے کہ اس میں علم القراءت کا مطالعہ سطحی یا سرسری انداز سے نہیں کیا گیا، بلکہ اس میں دوسرے علوم کے ساتھ ساتھ اس علم کا بھی بڑی گہرائی میں جا کر مطالعہ کیا گیا ہے، یہاں بھی مفسر علامہ کے تبحر علمی اور مجتہدانہ بصیرتوں کا پوری طرح اظہار ہوا ہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس تفسیر میں قراءت کے بیان کے علاوہ ان کے اُن اصولوں اور قواعد کا بھی ذکر ملتا ہے، جنہیں اکثر کتب تفسیر میں بیان کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی اور جو قواعد کہ خاص فن کی کتابوں (مثلاً التیسیر، الشاطبیہ اور طیبۃ النشر وغیرہ) میں ہی ملتے ہیں۔ تفسیر میں اس نوع کے مباحث کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ طالب علموں کو وجہ الاختلاف کا پتا چل جاتا ہے، جس سے وہ اس قابل ہو جاتے ہیں کہ از خود فیصلہ کر سکیں کہ کس قاری کو کس جگہ کیسے پڑھنا ہے وغیرہ۔

ماہ الاختلاف (وجہ اختلاف) کے علاوہ فاضل مفسر نے اوراق تفسیر میں قراءت کے بڑے بڑے اصولوں اور قواعد کا ذکر بھی کیا ہے، ان میں جو مستثنیات ہیں ان کا بیان بھی اسی جگہ کر دیا گیا ہے، اس طرح اکثر اس نوع کے مباحث بڑے پھیل گئے ہیں، مثلاً جلد اول میں

ادغام البکیر، علیہم اور الیہم وغیرہ کی ہا میں قراءت کا اختلاف، ضمیر جمع (ہم وغیرہ) میں اشباع ہے ہمزہ ساکنہ، متصل اور بد منقصل و لازم، ہمزہ کی جانب حرکت نقل کرنا، یا ہمزے کا حذف، ابتدا سے کلمہ میں دو ہمزوں کا اجتماع، الناس کی حالت خبر میں امالہ الف، زاد، جآء، شآء وغیرہ کا امالہ، قیل اور غیض وغیرہ کا اشمام، دو مختلف الحركات، مگر دو کلموں میں واقع ہمزوں کی حرکات، آذانم اور آذانتا کا امالہ، ہدای، مشوای اور میمای وغیرہ کا امالہ، اس نوع کے بہت سے مسائل پر جزوی یا کلی طور پر بحث کی گئی ہے، اور قراءت کے نقطہ نظر سے نہایت اہم اور قیمتی معلومات فراہم کی گئی ہیں، جس سے تفسیر منظری کی افادیت بہت بڑھ گئی ہے۔

تلفظ و ادائیگی کلمات کے طریقے (تجوید)

تفسیر منظری میں جس طرح علم القراءت کے نقطہ نظر سے بہت مفید اور قابل قدر معلومات فراہم کی گئی ہیں، اسی طرح علم تجوید سے متعلق بھی اہم مباحث ذکر کیے گئے ہیں، یہ سبحانی یا لہجائی نوعیت کے مباحث اگرچہ علم تفسیر کی حدود سے ماورا ہیں، مگر چونکہ صاحب تفسیر منظری نے قرآن فہمی اور قرآن خوانی کو باہم مربوط رکھا ہے، لہذا انہوں نے بعض مقامات پر علم تجوید کے بعد اہم اصولوں اور قراءت کی وضاحت بھی کی ہے۔ مثال کے طور پر سورہ الفاتحہ کی تفسیر میں ایک مقام پر اشمام، دوم اور اظہار کی تین اصطلاحوں کا ذکر آیا تھا، ان کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۳۶	تفسیر منظری، ۱: ۵۵	۳۷	ایضاً، ۱: ۹۰
۳۷	ایضاً، ۱: ۹۰	۳۸	ایضاً، ۱: ۱۸۱
۳۸	ایضاً، ۱: ۲۱۰	۳۹	ایضاً، ۱: ۲۲۵
۳۹	ایضاً، ۱: ۲۳۰	۴۰	ایضاً، ۱: ۲۵۰
۴۰	ایضاً، ۱: ۲۶۰	۴۱	ایضاً، محل ذکر
۴۱	ایضاً، ۱: ۲۸۵	۴۲	ایضاً، ۱: ۳۱۰

اور اشمام ہونٹوں کو باہم ملانے سے عبارت ہے، اور الروم سے مراد اخقاۃ اور حرکت کے معمولی حصے سے تلفظ ہے۔ "۴۹

اسی طرح سورہ البقرہ کی تیسری آیہ مبارکہ (وَلِیَقِیْمُونَ الصَّلٰوٰۃَ) کی قراءتوں اور اس کی بجائی کیفیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

اگر لام ص، ط اور ظ کے بعد مفتوح (زبر والی) ہو، توورش اس کو خوب موٹا کر کے اور اور باقی رقیق پتلا کر کے پڑھتے ہیں، بجز لفظ اللہ کے، جب اس سے پہلے زبر یا پیش ہو، کہ اس صورت میں تمام قراء موٹا کر کے پڑھتے ہیں۔ "۵۰

علیٰ ہذا القیاس جہاں ضروری سمجھا ہے قرآن حکیم کے کلمات کی بجائی و لبجائی کیفیت کو بیان کر کے ان علوم کے پڑھنے پڑھانے والوں کے لیے آسانی بہم پہنچائی ہے۔ لازماً اس سے تفسیر منظری کی قدر و قیمت بہت بڑھ گئی ہے۔

قراءات شاذہ (غیر متواترہ) کا بیان

تفسیر منظری میں متواتر قراءتوں کے ساتھ ساتھ خال خال مقامات پر غیر متواتر قراءتوں کا

۴۹ ایضاً، ۱: ۷ ۵۰ ایضاً، ۱: ۲۰

۵۱ شاذ قراءتوں سے عام طور پر حسب ذیل اقسام کی قراءتیں مراد لی جاتی ہیں:

- ۱۔ وہ قراءتیں، جن کا موضوع (گر گھسا ہوا ہونا) ثابت ہو چکا ہے۔ مثلاً ابو الفضل الخزازی کی قراءت۔
- ۲۔ وہ قراءتیں جن کی اسناد کمزور ہوں، مثلاً ابو اسماعیل کی قراءت
- ۳۔ بعض اوقات کسی صحابی یا تابعی کی طرف سے ایک آدھ لفظ بطور تشریح بڑھا دیا جاتا تھا، بعد کے لوگ غلطی سے اسے قراءت سمجھ لیتے تھے۔

۴۔ ایسی قراءتیں جو منسوخ ہو چکی ہیں، لیکن راوی کو ان کے نسخ کا علم نہ ہو۔

۵۔ بعض اوقات مبھول چوک کو بھی بعض سامعین قراءت سمجھ بیٹھے تھے۔

۶۔ مجموعی طور پر شاذ قراءتیں متواتر قراءتوں کے اصول ثلاثہ کے بھی خلاف ہوتی ہیں۔

(ابن الجزری: النشر، ۱: ۱۶، ۳۱، ۳۲، الاتقان، ۱: ۸ تا ۹ وغیرہ۔)

ذکر بھی کیا گیا ہے جو اکثر تفسیر میں ضمنی و تبعی حیثیت سے یا بعض دیگر مقاصد کے تحت نقل کی گئی ہیں :-
قرآن حکیم کی یہ قراءتیں نہ تو پڑھنے پر مہمانی کے کام آتی ہیں اور نہ قرآن فہمی کے لیے ان کی
ضرورت ہے، البتہ بعض علوم قرآنیہ مثلاً تاریخ جمع و تدوین قرآن، اور تاریخ تجوید و قراءات
کے ساتھ ان کا تعلق واضح ہے، اسی بنا پر ان کی تاریخ کو کا حقیقاً سمجھنے کے لیے ان کا مطالعہ اہل
ضروری ہے۔ مگر تفسیر مظہری میں ایک اور مقصد کے لیے بھی شاذ قراءتوں کے حوالے دیے
گئے ہیں، اور وہ ہے بعض فقہی احکام کی تائید و توثیق۔

مجموعی طور پر شاذ قراءتوں کا ذکر تفسیر مظہری میں بہت محدود ہے، اور زیادہ تر مؤخر الذکر
مقصد کے تحت ان کا ذکر یا حوالہ آیا ہے۔ اس نوع کی قراءتوں میں حضرت عبداللہ بن مسعود ^{رضی اللہ عنہ}،
عبداللہ بن عباس ^{رضی اللہ عنہ}، ابی بن کعب ^{رضی اللہ عنہ} اور ابو جابر الطراروی ^{رضی اللہ عنہ} وغیرہ کی قراءات کا ذکر
شامل ہے۔ تاہم اول الذکر قراءت کا ذکر نسبتاً زیادہ ہے۔

فاضل مفسر نے شاذ قراءتوں کا مطالعہ حسب ذیل مقاصد کے تحت پیش کیا ہے:

خبر مشہور یا خبر واحد کے درجے میں

تفسیر مظہری کے مطالعے سے حنفی اصول فقہ کے ایک قاعدے پر روشنی پڑتی ہے جس
میں بتایا گیا ہے کہ اگرچہ یہ شاذ قراءتیں متواتر درجے کی نہیں ہوتیں لیکن خبر مشہور یا خبر واحد
کا درجہ دیا جاسکتا ہے، چنانچہ فاضل مفسر اس اصول کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اور ابن مسعود اس آیت کو فَاِنَّ فَاَعُوْذِيْهِمْ پڑھتے ہیں۔ یعنی ان چار مہینوں میں۔“

اس قراءت کی بنیاد پر امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر اس نے ”چار مہینوں“ کے لیے بیوی سے
دور رہنے کی قسم کھالی تو وہ ایلا کرنے والا ہو جائے گا، اور یہ کہ فی (مدت مکمل کرنا) چار مہینوں

^{۵۲} تفسیر مظہری، ۱: ۲۹۲، ۳۲۰، ۱۲۱/۲، وغیرہ، بہت سے لوگ قراءت ابن مسعود کو بھی قراءت

متواتر ہی کہتے ہیں (تقی عثمانی: علوم القرآن، ص ۱۲۱، ۱۵۵) مگر تفسیر مظہری میں اسے شاذ ہی کہا گیا ہے۔

^{۵۲} ایضاً، ۱: ۲۰۱

^{۵۳} ایضاً، ۱: ۱۲۹

^{۵۵} ایضاً، ۱: ۲۰۱

میں نہیں ہو سکتا..... امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس قراۃت شاذہ پر عمل کرنا ضروری ہے، اس لیے کہ یہ شاذ قراۃت لازماً یا تو "قرآن" ہوگی یا پھر "بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی حدیث جس میں حضورؐ نے اس آیت کی تفسیر بیان کی ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک شیء اپنی جگہ حجت ہے، امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی قراۃت مشہور ہے، جس کے ساتھ قرآن حکیم کی آیت کی تخصیص اور مطلق کو مقید پر محمول کرنا جائز ہے" ۵۶

علیٰ ہذا القیاس سورہ البقرہ کی آیت ۲۲۱ کے تحت ایک فقہی مسئلے کے استنباط میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قراۃت کو بطور ایک فقہی دلیل پیش کیا گیا ہے۔ ۵۷

تائید مزید

بعض مقامات پر اپنے مطالعے سے جو نتائج اخذ کرتے ہیں، اس کے لیے شاذ قراۃتوں سے بطور استشہاد تائید مزید کا کام بھی لیا گیا ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر آپ فرماتے ہیں:

اس تاویل پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی قراۃت بھی دلالت کرتی ہے، یعنی "بلی" ادا کرکے ہمنہ پر زبر، بصورت استفہام اور ہمزہ وصلی ساقط کر کے، یعنی "لم یدرک" اور حضرت ابی کی قراۃت میں ہے۔ "ام تدارک علمم" اور اہل عرب "ام" (کیا؟) کی جگہ لفظ بل رکھ دیتے ہیں۔ ۵۸ لیکن مجموعی طور پر تفسیر میں شاذ قراۃتوں کا ذکر محدود ہے۔

تفسیر مظہری کی علوم قراۃت و تجوید میں جامعیت

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ جن متداول تفسیر میں قراۃتوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں تفسیر مظہری کو خاص اہمیت حاصل ہے، اولاً اس لیے کہ فاضل مؤلف بذات خود قراۃت

۵۶ تفسیر مظہری، ۱، ۳۳۰

۵۷ تفسیر مظہری، ۱، ۲۹۲

۵۸ تفسیر مظہری، ۱، ۱۲۹

کے قاری تھے، اس بنا پر اس میں مآخذ و مصادر پر ہی انحصار نہیں کیا گیا بلکہ اپنے ذاتی علم سے بھی اس موضوع پر بہت کچھ اضافہ کیا گیا ہے۔

ثانیاً اس بنا پر کہ اس تفسیر پر نظر ثانی کا کام ایک ایسے شخص نے انجام دیا جو تقریباً نصف صدی سے زیادہ عرصے تک مدارس عربیہ میں قراءات عشرہ کی تدریس کے فرائض انجام دیتا رہا ہے، چنانچہ فاضل مؤلف سے قراءات کے بیان اور ان کی تشریح میں جو کمی پیشی ہوئی تھی۔ قاری ابو محمد محی الاسلام نے نظر ثانی کے دوران اس کی اصلاح کر دی یا حاشیے اور بین السطور میں اسے درست کر کے لکھ دیا۔ اس لحاظ سے قراءات عشرہ کے بیان میں تفسیر منظرہ مستند مقام کی حامل ہے۔ ان اوصاف میں دیگر متداول تفاسیر (باستثناء چند) اس وصف میں اس کا مشکل سے ہی معارضہ کر سکتی ہیں۔

۵۹ قاری ابو محمد محی الاسلام کے بارے میں ایک رسالے میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ انھوں نے تقریباً ۷۰ سال تک قراءات پڑھائی ہیں۔

لغت و اشتقاق اور علم نحو کے مباحث

علم لغت کی اہمیت و افادیت

لغت شناسی، جس کا ایک اہم حصہ مفردات قرآنی کی معرفت بھی ہے، قرآن فہمی کی نشتِ اولین کی حیثیت رکھتی ہے، کلام الہی میں مستعمل کلمات و الفاظ کو جب تک اچھی طرح نہ سمجھ لیا جائے اس وقت تک من حیث المجموع کلام کا سمجھنا مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائے زمانہ اسلام سے لے کر اب تک تفسیر نویسی میں علم لغت کی حیثیت و اہمیت مسلمہ رہی ہے۔ بلکہ بعض محققین کا خیال ہے کہ علم تفسیر کا آغاز ہی لغت شناسی سے ہوا ہے۔ لہٰذا کیونکہ ابتدائی صدیوں کا جو علم تفسیر سے متعلق ذخیرہ ہم تک پہنچا ہے، وہ زیادہ تر لغت شناسی اور مفردات قرآن پر مشتمل ہے۔ پھر لطف کی بات یہ ہے کہ ابتدائی زمانے میں جن صحابہ کرام نے اس علم میں نام پیدا کیا ان میں زیادہ تر اصغر صحابہؓ شامل ہیں، جنہیں کوثر نبوت سے زیادہ مستفید ہونے کا موقع نہ مل سکا تھا۔ انہوں نے ادبی اور لغوی جہت سے اس علم کو آگے بڑھایا۔ ان میں نمایاں مثال جبر اللامت حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ہے، جن کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے جن چار ذرائع سے علم تفسیر میں اضافہ کیا تھا، ان میں دورِ جاہلی کے کلام پر غور و خوض بھی شامل ہے۔ لہٰذا ابن ندیم کی ایک عبارت سے، دورِ جدید کے بعض محققین نے فن تفسیر پر تصنیف کی جانے والی کتابوں میں سب سے پہلی کتاب ایک لغوی عالم الفراء (م، ۲۰، ۲۸۲۲) کی

۱۔ الذہبی: التفسیر والمفسرون، ۱: ۵۷ تا ۶۱، ۷۴۔

۲۔ L. Veccia: مقالہ عبداللہ بن عباس، در اردو

دائرة معارف اسلامیہ (۱۲: ۷۰ تا ۷۴)۔

تفسیر "معانی القرآن" کو قرار دیا ہے۔^۳ ان وجوہ کے پیش نظر مفردات شناسی ہر مفسر کا بنیادی موضوع رہی ہے۔ دور جدید میں بھی لغت شناسی کو مصادر تفسیر میں سب سے زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔^۴

تفسیر مظہری میں لغوی تحقیق و تفتیش کا پہلو نہایت مستحکم ہے۔ فاضل مؤلف نے قریب قریب ہر جگہ لغت نگاری سے تفسیری مباحث کا آغاز کیا ہے۔ تفسیر مظہری کا اس ضمن میں اسلوب اعلیٰ درجے کی لغت نگاری پر مبنی تفاسیر مثلاً تفسیر الکشاف اور تفسیر انوار التنزیل و تفسیر البحر المحیط وغیرہ سے ہرگز کم درجے کا نہیں، تفسیر مظہری کے اس پہلو کو ہم "تفہم فی اللغۃ" (لغت میں مہارت پیدا کرنے والا) کا اسلوب قرار دے سکتے ہیں، جیسا کہ آئندہ سطور میں بیان کیا جائے گا۔

لغوی مصادر و ماخذ

لغت نگاری کے سلسلے میں حضرت قاضی صاحب نے کتب تفسیر کے علاوہ خاص اس فن کی کتابوں کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔ اس سلسلے میں ابن الاثیر الجزری کی النہایہ، الجوہری کی الصحاح اور الفیروز آبادی کی قاموس سے بکثرت استفادہ کیا گیا ہے، یہ تینوں کتابیں اپنی نوعیت کی منفرد کتابیں ہیں، جن میں لغت نگاری کا تحقیقی انداز اپنایا گیا ہے۔ لغت نگاری کے ایک بڑے امام ابن منظور (صاحب لسان العرب) سے اعراض قریب القم ہے، کیونکہ اس زمانے میں لسان العرب آسانی سے دست یاب نہ ہو سکتی تھی۔ تاہم امام راغب اصفہانی (صاحب مفردات فی غریب القرآن) سے استفادے کی بکثرت مثالیں ملتی ہیں، مگر ان کے نام کے عدم ذکر کی بظاہر توجیہ نہیں کی جاسکتی۔

لغت نگاری میں تفسیر مظہری کا اسلوب

لغت نگاری میں تفسیر مظہری کا اسلوب اس فن کی اعلیٰ ترین کتابوں کے مشابہ ہے،

^۳ الذہبی: التفسیر والمفسرون، ۱: ۱۲۲-۱۲۴۔

^۴ مثال کے طور پر مفتی محمد عبدہ، مفتی رشید رضا، اور تفسیر القاسمی کی عربی تفاسیر اور تدریج القرآن، معارف القرآن (اردو تفاسیر) وغیرہ۔

فاضل مدوح سب سے پہلے اصل مادہ Root کو تلاش کرتے ہیں اور ان کے اصلی و حقیقی معنی منکشف کرتے ہیں، مثلاً ”رزقنا ہم“ کی تشریح میں لکھا ہے:

”رزق“ کا لغوی مفہوم ”حفظ“ (حصہ) ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

”وَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنْكُمْ تَكْذِبُونَ“ اور پھر اس کا استعمال ہر اس شے پر

ہوتا ہے جس کے ساتھ کوئی جاندار شخص فائدہ اٹھائے۔ ۵

اسی طرح فسق کی حسب ذیل تشریح کی ہے:

اور لفظ فسق ”فسقت الرطبة“ سے ہے، جب وہ اپنے قشر (Covering)

سے باہر نکل آئے۔ ۶

اسی طرح لفظ نقض (ینقضون) کے تحت لکھتے ہیں:

”نقض“ کے اصلی معنی ہیں ”رسی کی گرہ کا ٹوٹ جانا“ پھر یہ عہد یعنی وعدے توڑنے میں

استعمال ہونے لگا، لیکن عہد کے لیے لفظ جبل (رسی) استعارۃ استعمال ہوتا ہے۔ کیونکہ

اس میں معاہدہ کرنے والوں کو باہم جوڑنے کا اشارہ ملتا ہے۔ ۷

لغت نگاری یا مفردات شناسی کا یہی اسلوب تمام معتبر اور مستند تفاسیر میں یکساں

طور پر اختیار کیا گیا ہے، بنیادی طور پر اس کے حسب ذیل دو فوائد سامنے آتے ہیں:

۱۔ مشتقات کے اصل مادے کی پہچان ہو جاتی ہے، جس سے قاری میں مختلف اشتقاقیات

کو جوڑنے اور ان کے معانی میں ربط و تعلق پیدا کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔

ب۔ ان مشتقات کے اصل اور حقیقی معنی معلوم ہو جاتے ہیں، جس سے تفسیری

نکات کے فہم میں مفید پیش رفت ہوتی ہے۔

تفسیر نگاری کا یہ انداز جس میں اصل مادوں کی پہچان اور ان کے حقیقی و مستعار (مجازی)

معانی میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، مکمل طور پر امام راعب اصفہانی

(صاحب مفردات فی غریب القرآن) کا جانا پہچانا انداز ہے، جو تفسیر مظہری کے مفردات

۵ تفسیر مظہری، ۱: ۲۰ (البقرہ - ۳) ۶ ایضاً، ۱: ۲۳

۷ ایضاً، ۱: ۲۳

فی غریب القرآن سے تاثر کا غماز ہے، علاوہ ازیں ابن الاثیر الجزری صاحب النہایہ بھی کافی حد تک اسی اسلوب کے دلدادہ نظر آتے ہیں، غالباً اسی بنا پر تفسیر مظہری میں عام کتب لغات میں سے ابن الاثیر الجزری سے نسبتاً زیادہ استفادہ کیا گیا ہے۔

اجتماعی مادے کی شناخت

اصلی مادے کی شناخت کے سلسلے میں تفسیر مظہری میں ایک اور پیش رفت یہ اختیار کی گئی ہے کہ مصنف علوم بعض اوقات لغت عربی میں مہارت اور وسعت مطالعہ سے ایسے ایسے لطائف و نکات پیش کرتے ہیں جو بہت کم تفاسیر میں نظر آتے ہیں، جن میں مثال کے طور پر اجتماعی (بہت سے الفاظ کی ایک ہی مشترکہ اصل اور) مادے کی دریافت بھی ہے، ایسے موقعوں پر تفسیر میں ایک ہی اصل الاصول بیان کر دیا جاتا ہے جو ان سب مختلف الفاظ پر یکساں طریقے سے صادق آتا ہے، مثال کے طور پر قاضی صاحب سورۃ البقرہ کی آیت ۵ کے تحت لکھتے ہیں:

”یہ لفظ (فلح) اور جو دوسرے الفاظ فاود عین کلمہ میں اس کے ساتھ مشترک ہیں مثلاً خلق، فلذ، فلی، ”شوق“ اور قطع پر، گویا کہ ”مفلح“ فلاح پانے والا دوسروں سے متفرق ہو کر علیحدہ ہو گیا اور ان کے مابین بہت زیادہ ”فاصلہ“ ہو گیا ہے۔ یہ لغت نگاروں میں سے یہ نکتہ امام راغب اصفہانی نے بیان کیا ہے، اس سے پتا چلتا ہے کہ قاضی صاحب لغت نگاری میں ان سے متاثر تھے اور تفسیر میں لغت نگاری کے اسی دبستان سے وابستہ تھے جس کی قیادت اصفہانی کرتے ہیں۔“

معانی مفردات

فاضل مفسر صرف الفاظ و کلمات کے مفردات بیان کرنے تک محدود نہیں رہتے بلکہ ان کے لغوی و حقیقی معانی بیان کرنے میں بھی بڑی جانکاہی دکھاتے ہیں، چنانچہ

مفردات کے لغوی معانی حسب ذیل مصادر سے بیان کرتے ہیں :

۱۔ داخلی شہادت قرآنی (قرآن حکیم)

"القرآن لفسر بعضها بعضاً" کے مصداق قاضی صاحب لغوی معانی کی تلاش و تحقیق میں سب سے پہلے "قرآنی استعمال" کی جانب توجہ مبذول کرتے ہیں اور بڑی عمدگی سے استعمال قرآنی کے اعتبار سے الفاظ و مفردات کا مفہوم واضح کرتے ہیں، مثال کے طور پر لفظ خشوع کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے :

الخشوع بمعنى سکون۔ یہ سکون آواز اور نگاہ کا ہے، اللہ تعالیٰ سورہ طہ میں فرماتے ہیں:
وَحَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمَنِ۔ اور آوازیں رحمان کے لیے جھک گئیں، دوسری جگہ (سورہ القلم میں) فرمایا "خاشعة البصا دہم" (نگاہیں جھکی ہوئیں)
اسی طرح بلاۃ کی تفسیر میں لکھا ہے :

البلاء اس کے معنی ہیں "آزماتا" جو کبھی تو سختی اور عذاب کے ساتھ ہوتا ہے اور کبھی نعمت اور آسائش بہم پہنچانے سے، کہ اللہ تعالیٰ ان کے جذبہ شکر کو آزماتا ہے۔ سورہ انبیاء کی آیت ۳۵ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً (اور ہم تمہیں برائی اور اچھائی کے ساتھ آزماتے ہیں)۔

علیٰ ہذا القیاس کلمہ "لولا" کے قرآنی استعمال پر حسب ذیل نوٹ تحریر کیا ہے :

لولا بمعنی هلا... اسی طرح قرآن مجید میں جہاں بھی لفظ لولا آیا ہے وہ ہلا کے مفہوم میں ہے، بجز ارشاد باری: فَلَوْلَا اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ (الصافات: ۷۳) (بس اگر وہ نہ ہوتا تیسرے کرنے والوں میں سے) یہاں اس کا مفہوم "لولا لیکن" ہے۔ یہ لغت نگاری اور تشریح مفردات کا یہ طریقہ انتہائی جدید اور سائنٹفک سمجھا جاتا ہے، کیونکہ اس کے ذریعے یہ پتا چل جاتا ہے کہ خود متکلم نے اس لفظ کا کیا مفہوم مراد لیا ہے۔

ب۔ شہادت احادیث نبویہ :

قرآن اور حدیث کے دونوں چشمے ایک ہی منبع فیض اور مخزن حکمت سے پھوٹے ہیں،

کچھ اس لیے اور کچھ آنحضورؐ کے اولین مخاطب قرآن اور مہبط وحی ہونے کے اعتبار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات عالیہ قرآن فہمی کے لیے اشد ضروری ہیں۔ بسا اوقات بعض کلمات احادیث میں استعمال شدہ ہوتے ہیں، انہی الفاظ و کلمات کو جب قرآن حکیم میں استعمال کیا جاتا ہے، تو قرآنی استعمال کو سمجھنے کے لیے احادیث میں ان کا استعمال قرینہ بن سکتا ہے۔ چنانچہ متعدد کتب لغات میں جن میں ابن الاثیر الجزیری کی النہایہ سب سے نمایاں ہے، یہی اسلوب تحریر اختیار کیا گیا ہے۔ تفسیر مظہری میں بھی مفردات قرآنیہ کے فہم کے لیے احادیث نبویہ کو بطور استدلال و استشہاد سامنے رکھا گیا ہے، مثال کے طور پر ایک مقام پر لکھا ہے:

عجبت مادہ عجب سے ہے۔۔۔ اس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ”عجب ربکم من قوم یساقون الی الجنة فی السلاسل“ (تمہارے رب کو ان لوگوں پر تعجب ہوگا جو جنت کی طرف زنجیروں میں جکڑے ہوئے داخل ہوں گے) اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: ومن الناس من یعجب قولہ (اور کچھ لوگ ایسے ہیں جن کی بات آپ کو اچھی لگتی ہے) نیز فرمان نبوی ہے: عجب ربکم من شاب تمہارے رب کو اس نوجوان کے متعلق تعجب ہے۔ نیز فرمان نبوی ہے۔۔۔ بلہ

چونکہ اس حوالے سے اس خاص استعمال کو ثابت کرنا اور اس کے خصوصی معانی کو دریافت کرنا ہوتا ہے، اس لیے اس ضمن میں مرفوع، موقوف، مرسل اور آثار صحابہ سے استفادہ کرنے میں کوئی باک نہیں سمجھا گیا۔

ج۔ بحوالہ اقوال تابعین وائمہ تفسیر

قرآن اور حدیث دونوں سے اگر استشہاد میسر نہ ہو تو اس کے بعد فاضل مفسر تابعین وائمہ تفسیر کے لغوی اقوال سے استدلال کرتے ہیں، تابعین میں سے جن بزرگوں کے اقوال نقل کیے گئے ہیں، ان میں دونوں تفسیری مکاتب یعنی مکتب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اور مکتب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی کے ممتاز نمائندے شامل ہیں، مثلاً مجاہد، مقاتل بن حیان،

محمد بن سیرین، نعمان بن بشر، عطاء بن ابی رباح، قتادہؓ، شعبیؓ، السائب بن یزید، الزہری، ابراہیم النخعیؓ، ۶۵۵ھ، سفیان ثوری، زین العابدین سعید بن المسیب اور خواجہ حسن بصری وغیرہ جیسے لوگ شامل ہیں۔ سورہ الصافات کی ایک آیت کے تحت لکھتے ہیں۔

د۔ بحوالہ اقوال ائمہ لغت

فاضل مفسرؓ نے محولہ بالائینوں ذرائع کے ساتھ ساتھ ان ائمہ لغت کے اقوال کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔ جنہوں نے عربی زبان و ادب کی تدوین و تالیف میں بڑی محنت کی ہے، اس ضمن میں جن ائمہ لغت کے اقوال سے صاحب تفسیر نے استفادہ کیا، ان میں ابن کيسان نخوی (م ۲۹۹ھ/۶۹۱۲)، ابن ہشام صاحب التیجان (م ۲۱۸ھ/۶۸۳۳)، ابو حاتم السجستانی (م ۲۵۵ھ/۶۸۶۸)، ابو عییدہ (م ۲۰۹ھ/۶۸۲۴)، ابن الاثیر الجزری (م ۶۰۶ھ/۶۱۲۰۹)، الجوهری (م ۳۹۳ھ/۶۱۰۰۲)، الاخفش، الخلیل بن احمد النخوی (م ۵۱۵ھ/۶۴۹۱)، الزجاج (م ۳۱۱ھ/۶۹۲۳)، سیبویہ، (م ۱۸۰ھ/۶۷۹۶) الضحاک بن مزاحم (م ۱۰۵ھ/۶۴۲۳)، الفرّاء (م ۲۰۷ھ/۶۸۹۸)، مجدالدین الفیروز آبادی (م ۸۱۷ھ/۶۱۳۱۴)، ابوبکر البیہقی (م ۳۲۸ھ/۶۹۲۰) اور المعز بن شیبہ (م ۲۰۴ھ/۶۸۲۰) جیسے اکابر لغت شامل ہیں، جن کے تفسیر منظرہ کے مختلف مقامات میں حوالے دیے گئے ہیں۔

ه۔ بحوالہ مقامات کتب تفسیر

سابقہ تفاسیر میں سے بعض تفسیروں میں لغوی تحقیقات بڑی مہارت سے مرتب کی گئی ہیں، فاضل مفسر نے تفسیر نویسی کے دوران میں ان تفاسیر کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔ اس نوع کی کتب تفسیر میں طبری کی جامع البیان، ابو حیان اندلسی (م ۴۷۵ھ) کی البحر المحیط، بغوی (م ۵۱۰ یا ۵۱۶ھ) کی معالم التنزیل، بیضاوی (م ۶۸۵ھ/۶۱۲۸۶) کی انوار التنزیل، زمخشری (م ۵۳۸ھ/۶۱۱۴۳) کی الکشاف، اور نسفی (م ۴۱۰ھ/۶۱۳۱۰) کی مدارک التنزیل وغیرہ شامل ہیں۔ لیکن جہاں ائمہ لغت اور ائمہ تفسیر کے اقوال میں باہمی تعارض واقع ہوا، وہاں بیضاوی کو ترجیح دی گئی اور الکشاف کی تحقیقات پر عدم اطمینان کا اظہار کیا گیا۔

۹۔ اشعار اور محاورات کلام عرب سے استشہاد

تفسیر منظری میں لغت نگاری کا جس وقت نظر سے مطالعہ کیا گیا ہے، اس کا اس امر سے مزید اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ فاضل مؤلف نے اس میں بعض مقامات پر لغت نگاری کے قدیم اسلوب کا بھی مظاہرہ کیا ہے۔ چنانچہ قدیم لغت نگاروں کے طریقے کے مطابق آپ بوقت ضرورت قدیم عربی محاورات، ضرب الامثال ^۱ اور قدیم شعرا کے کلام سے بھی استشہاد کرتے ہیں، مثال کے طور پر سورہ البقرہ کی آیت ۳۴ میں لا اذم کی ترکیب استعمال ہوئی ہے۔ فاضل مفسر بیان کرتے ہیں کہ یہاں لام (لا اذم) بمعنی الیٰ ہے۔ پھر اس مضمون کی تائید میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا یہ شعر نقل کیا ہے:

الیس من صلیٰ لقبلتکم واعرف الناس بالقرآن بالسنن ^۲

اسی طرح سورہ الصافات کی تفسیر میں آیت ۴۵ کے تحت یہ مصرعہ نقل کیا ہے:

ع: وکاسٍ شربت علی لذیۃ، ^۳

علیٰ ہذا القیاس سورہ ص کے چوتھی آیت کی تشریح میں حسب ذیل شعر پیش کیا ہے:

والعاطفون تعین مامن عاطف؛ والمطعمون زمان مامن مطعم ^۴

اس ضمن میں جن شعرا کے کلام سے استشہاد کیا گیا ہے، ان میں بعض گمنام شاعروں کے علاوہ نابغہ الذبیانی، جیسے جاہلی، حسان بن ثابت اور عبداللہ بن رواحہ جیسے مخضرم اور امام بوسیری جیسے متولد شعرا شامل ہیں، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تفسیر منظری لغت نگاری کے قدیم و جدید اسلوب کی حامل ہے۔

خصائص لغت نگاری

تفسیر منظری میں جس طرح لغت اور مفردات کے ابواب مرتب کیے گئے ہیں، اس

^۱ مثلاً دیکھیے تفسیر منظری، ۱: ۴۳، ۲/۲، ۵۴، ۱۰: ۲۰۷۔

^۲ تفسیر منظری، ۱: ۵۵، ^۳ ایضاً، ۸: ۱۱۵

^۴ ایضاً، ۸: ۱۵۴

سے قاضی صاحب کی بالغ نظری اور وسعتِ مطالعہ کا بخوبی پتا چل سکتا ہے۔ قاضی صاحب نے لغت نگاری کے ذریعے حسبِ ذیل دو مقاصد پیش نظر رکھے ہیں:

۱۔ تفقہ فی اللغۃ

فاضل مولف نے مفردات نگاری کے تمام قدیم و جدید طریقوں کو باہم ملا کر ایک ایسا اسلوب پیدا کیا ہے جو تحقیقِ بلیغ پر مبنی ہے، جس کا مقصد محض قرآن فہمی تک محدود رہنا نہیں بلکہ اس کا مطمح نظر لغت دان یا تفقہ فی اللغۃ ہے، اسی بنا پر قاضی صاحب نے بعض کتبِ تفایر کی طرح سرسری اور سطحی اندازِ تحریر اختیار نہیں فرمایا بلکہ ہر لغوی مسئلے کا گہرائی میں جا کر حل پیش کیا ہے۔ لغت نگاری کا یہ انداز بہت سی اساطین تفسیر مثلاً تفسیر الزمخشری، البیضاوی، البغوی، تفسیر البحر المحیط اور تفسیر احکام القرآن للقرطبی وغیرہ کے مشابہ ہے۔ زمانی تاخر کے باعث فاضل مفسران سب سے مستفید ہوئے ہیں، مگر بایں ہمہ آپ کے اس اسلوب کو ہم بعض وجوہ سے ان قدرے بہتر اور ترقی یافتہ قرار دے سکتے ہیں، کیونکہ قاضی صاحب نے اپنے اس مطالعے میں قدیم و جدید دونوں اسالیب یکجا کر دیئے ہیں اور لغت نگاری کا نہایت عمدہ طریقہ اختیار کیا ہے۔

فاضل مفسر نے یہ کوشش کی ہے کہ مفردات قرآن کے معانی اس طرح واضح کر دیے جائیں کہ قاری کو نہ صرف یہ کہ لغات قرآن پر عبور حاصل ہو جائے بلکہ وہ اعجاز و بلاغت قرآن کا منظر خود اپنی سمجھ سے محسوس کر سکے۔

ب۔ لغوی اور اصطلاحی معانی کا باہمی ارتباط

لغوی اور اصطلاحی معانی کی یوں تو اپنی الگ الگ جولان گاہیں ہیں تاہم ماہرین لغات دونوں میں اکثر وجہ اشتراک تلاش کر ہی لیتے ہیں۔ چنانچہ بعض لغت نگاروں مثلاً راغب اصفہانی وغیرہ نے اس وصف میں بڑا نام پیدا کیا ہے۔ تفسیر منظہری میں بھی اکثر یہ کوشش کی جاتی ہے کہ دونوں معانی کو باہم مربوط کر کے بیان کیا جائے، مثال کے طور پر قرآن حکیم میں دین داری کو صبغۃ (رنگ پڑھانا) قرار دیا گیا ہے، قاضی صاحب اس کی حکمت یوں واضح کرتے

ہیں:

”اور دین“ کو صیغہ ”رنگ پر طھانا“ اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ دین کا اثر صاحب دین پر اسی طرح ظاہر ہوتا ہے جس طرح رنگ کا اثر کپڑے پر۔^{۱۳} دوسری جگہ امت وسط کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

وسطاً۔ اصل میں وسط کا مفہوم ایک ایسا مکان ہے، جس کی چاروں اطراف ایک جیسی ہوں، پھر اسے ”خصال محمودہ“ (اچھی عادتوں ہکے لیے استعمال کیا جانے لگا، کیونکہ یہ عادات افراط و تفریط کے وسط میں واقع ہوتی ہیں، مثلاً جود (سخاوت) جو اسراف اور بخل کے اور شجاعت، تمہور اور بزدلی کے مابین واقع ہے، بعد ازاں ہر اس شخص پر اس کا اطلاق کیا جانے لگا جو اس صفت کے ساتھ متصف ہو،^{۱۴}

لغت نگاری کا یہ اسلوب پختہ کار علماء کے ساتھ مخصوص رہا ہے، کیونکہ اس میں تبحر علمی اور حکمت دین دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔

غرض تفسیر منظری کے یہ لغویانہ مباحث اپنا بلند علمی و تحقیقی مقام رکھتے ہیں جس سے تفسیری دنیا میں لغت نگاری کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا جو ابھی تک جاری ہے۔^{۱۵}

مباحث اشتقاقیہ (صرفیہ)

مفردات قرآن کے ضروری مباحث، اس کے مادہ اصلی اور لغوی معانی کا ذکر کرنے کے بعد اگر ضروری ہو تو فاضل مفسر زیر بحث کلمے کی اشتقاقی حالت بیان کرتے ہیں اور بتلاتے

^{۱۳} تفسیر منظری، ۱: ۱۳۷۔

^{۱۴} ایضاً، ۱: ۱۳۹، نیز دیکھیے قبلہ کے متعلق، ۱: ۱۳۸۔

^{۱۵} دور جدید کے تفسیر نگاروں میں واضح طور پر دو گروہ موجود ہیں، ایک گروہ قدیم و جدید دونوں اسالیب کا حامی ہے، وہ جدید تحقیقات کے ساتھ ساتھ، قدیم مفسرین کی تفاسیر کو نظر انداز نہیں کرتا۔ جب کہ دوسرا گروہ آزاد خیالی کا حامی ہے۔ ان کے نزدیک محض لغوی تحقیقات تمام تفسیری نکات کا مصدر فیض ہیں۔ (دیکھیے

محمد مالک کاندھلوی، اصول تفسیر، قرآن محل کراچی)

یہں کہ یہ لفظ کیا ہے اور کیوں کر تشکیل پذیر ہوا، مثلاً:

”اخبار خبر کی جمع، جیسے شر کی جمع اشرار۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اخبار خیر کی جمع۔ جیسے
”اموات“ میت^{۱۸} یا میت کی جمع ہے۔ امشاج جمع شیخ یا شیخ۔ شجب الشیء سے
اذا خلطتہ (اس کے ساتھ مل جائے)۔ کہا جاتا ہے کہ امشاج مفرد ہے، اس صورت
میں یہ لفظ اعراب کے وزن پر ہوگا۔“^{۱۸}

”الابرار“ بر کی جمع۔ جیسے ارباب یا بار کی جمع جیسے الشهادة۔^{۱۹}

اسی طرح اگر زیر بحث کلمہ معتل ہو، یعنی صرفی تعلیل سے گذرا ہو تو اس کی صرفی تعلیل کا
بھی مختصر طور پر ذکر کرنا مناسب سمجھتے ہیں، چنانچہ لفظ ناس کے متعلق لکھا ہے:
الناس کی اصل اناس ہے، جس سے ہمزہ حذف ہو گیا ہے، جس کے بدلے میں حرف
تعریف (ال) کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ اس لیے دونوں (ہمزہ اصلی اور ال) کو جمع نہیں
کیا جاسکتا۔ اس کا مفرد انسان ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ اسم جمع ہے۔۔۔ مشتق ہے
انس سے، اس لیے کہ وہ باہم مانوس ہوتے ہیں۔^{۲۰}

اسی طرح لفظ شئی کا اصل لفظ ”شاع“ ہے، جو بمعنی فاعل یعنی ”شائی“ ہے۔
لہذا یہ باری تعالیٰ کو بھی شامل ہے، بمعنی مشای (مفعول) یعنی جس کا وجود چاہا گیا۔^{۲۱}
مضارع اور امر و نہی وغیرہ کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ تاہم مجموعی طور پر تفسیر منظری میں
صرفی مباحث بہت کم پیش کیے گئے ہیں، جس کی ہمارے خیال میں سب سے بڑی وجہ یہ ہے
کہ فاضل مفسر نے یہ تفسیر بتدی طلبا کے لیے نہیں بلکہ متوسط الاستعداد طلبا اور منتہی علما
کے لیے تصنیف کی ہے۔ اور چونکہ اس نوع کے مباحث اس طبقے کے لیے غیر ضروری
ہیں، اس لیے حتی الامکان اس نوع کے مباحث سے پہلو تہی اختیار کی گئی ہے۔ اور
اس نوع کے مباحث کو صرف بعض ضروری مقامات تک ہی محدود رکھا گیا ہے۔

^{۱۸} تفسیر منظری، ۸: ۱۸۵ ^{۱۹} ایضاً، ۱۰: ۱۲۸

^{۱۹} ایضاً، ۱۰: ۱۲۹ نیز ۱۰: ۱۵۸ و ۱۰: ۱۶۶

^{۲۰} ایضاً، ۱: ۳۱ ^{۲۱} ایضاً، ۱: ۳۱

نحوی مباحث

قرآن حکیم کے الفاظ سلک مروارید کے دانوں کی طرح ایک دوسرے سے باہم مربوط ہیں۔ چنانچہ جب تک جملوں اور تراکیب کی وضع و ساخت کو سمجھ نہ لیا جائے، اس وقت تک معانی کے بحر عمیق میں شناوری کرنا ممکن نہیں، وضع و ہئیت ترکیبہ کی پہچان علم نحو کے مقررہ قواعد کی روشنی میں کی جاتی ہے۔

گو کم و بیش ہر مفسر نے اس موضوع پر خامہ فرسائی کی ہے مگر خصوصی طور پر اس میدان میں ناموری الزمخشری، البیضاوی، الرازی اور سب سے زیادہ ابو حیان اللاندسی صاحب البحر المحیط کے حصے میں آئی۔ دیگر تفسیروں میں یہ مباحث جزوی اور سطحی نوعیت کے ہیں۔ جب کہ تفسیر مظہری کا اسلوب میاں روی اور اعتدال پسندی کا بہترین مظہر ہے۔ اس تفسیر میں قرآن حکیم کے صرف اہم اور ضروری حصوں کی نحوی ترکیبیں بیان کی گئی ہیں، خواہ مخواہ کے لاطائل مباحث نہیں پیدا کیے گئے۔ چند امثلہ حسب ذیل ہیں:

الحاقہ... جملہ استفہامیہ برائے تمویل (تخویف) ہے۔ یہ ادراک کا مفعول ہے۔^{۲۲}

القاعدة... یہ جملہ پہلے حاقہ کے لیے خبر کے بعد دوسری خبر ہے... یا پھر یہ نیا جملہ برائے تاکید ہے۔^{۲۳}

سخرّھا: یعنی اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی قدرت سے اسے مسلط کر دیا۔ یہ نیا جملہ ہے۔ یا پھر جملہ "وصفیہ"^{۲۴}

ایک سے زائد احتمال

بعض اوقات زیر بحث آیت یا قطع آیت میں ایک سے زیادہ نحوی و اعرابی صورتوں کا احتمال رکتا ہے۔ فاضل مفسر اپنے مطالعے میں یکے بعد دیگرے انھیں پیش کرتے ہیں اور

^{۲۳} ایضاً

^{۲۲} تفسیر مظہری، ۱۰: ۲۸

^{۲۴} ایضاً، ۱۰: ۲۹

ان مختلف اعرابی حالتوں کی معنویت پر بحث فرماتے ہیں، مثال کے طور پر (سورۃ الفتح میں) لکھا ہے:

ویکفر عنہم سیاتہم اللہ تعالیٰ کے فرمان لینر دادو اسے متعلق ہے۔ یا پھر لینر داودا کا بدل اشتمال ہے۔ یا معطوف علیہ ہے، جس کا عطف محذوف ہے۔ یا بدل اشتمال ہے، آیت لیغفر لک اللہ کا اور متعلق ہے انا فتحنا لک سے ۲۵

اسی طرح سورۃ فاتحہ میں غیر المفضوب علیہم کی متعدد ترکیبیں بیان فرمائی ہیں، مثلاً "غیر المفضوب علیہم ولا الضالین۔ الذین انعمت علیہم۔ یعنی منعم علیہم سے بدل ہے۔ منعم علیہم سے مراد وہ لوگ ہیں جو خدا تعالیٰ کے غضب اور ضلالت سے محفوظ ہوں، یا پھر اس کی توضیحی یا مقید صفت ہے۔ اگر موصول کو نکرہ کا قائم مقام خیال کیا جائے،" اسی طرح مثال کے طور پر سورۃ البقرہ کی آیت ہدی للمتقین کی تشریح ملاحظہ کی جاسکتی ہے، جس میں قاضی صاحب نے اس کی مختلف ترکیبیں بیان فرمائی ہیں۔ ۲۶

ان اقتباسات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ قاضی صاحب کو نحوی مسائل پر کس درجہ عبور اور تبحر حاصل تھا۔ انھوں نے الزمخشری اور البیضاوی کی مانند ان نحوی و اعرابی ترکیبوں کو معانی قرآن اور تفسیری نکات سے اس طرح مربوط کر کے بیان کیا ہے کہ یہ مباحث انتہائی مفید اور بامقصد محسوس ہوتے ہیں۔ ان مباحث کے ذریعے جہاں طالب علموں کی تشریحی ضرورت کو پورا کیا گیا ہے، وہاں نظم قرآن کے حسن و جمال کو بھی اجاگر کیا گیا ہے۔ آگے جا کر یہ مباحث اعجاز قرآن کے مباحث سے منسلک ہو جاتے ہیں۔

قرآنیات و تجوید کے علوم سے اعرابی و نحوی مباحث کا تعلق بڑا واضح اور مستحکم رہا

۲۵ تفسیر مظہری ۵:۹

۲۶ ایضاً ۱۰:۱

۲۷ ایضاً ۱۸:۱

ہے، اس لیے قراءات کی وجوہ و علل میں ان آیتوں کی نحوی ترکیبیں بھی بیان کی گئی ہیں۔
 اس طرح نحوی و اعرابی مباحث کی اہمیت سرگونہ ہو جاتی ہے۔
 یہ نحوی مباحث بہر حال صرفی و اشتقاقی مباحث کی نسبت کیفیت اور کیفیت میں
 بہت زیادہ ہیں، کیونکہ صرفی مسائل کے برعکس ان مباحث کی ضرورت متوسط الاستعداد
 اور فہمی درجے کے لوگوں کو بھی ہوتی ہے۔

تفسیر ممزوجہ، ربط بین الآیات، روایات شان نزول

تفسیر ممزوجہ

تفسیر مظہری میں عموماً تفسیری مباحث دو حصوں میں بیان کیے گئے ہیں، حصہ اول جسے ہم تفسیر ممزوجہ قرار دے سکتے ہیں، ان مختصر تشریحی و تفسیری کلمات پر مشتمل ہوتا ہے، جو مختصر مگر جامع پہلو رکھتے ہیں۔ بعد ازاں جہاں ضروری ہوتا ہے، وہاں تفصیلی مباحث بھی پیش کیے جاتے ہیں۔

تفسیر ممزوجہ کا یہ انداز تفسیر جلالین اور ہندوستان کی تفسیر رحمانی سے کافی حد تک ملتا جلتا ہے، اول الذکر تفسیر کو چونکہ اس تفسیر کے ماخذ میں بھی شامل ہے، اس لیے یہ گمان ہوتا ہے کہ صاحب تفسیر تفسیر ممزوجہ کے انداز و اسلوب میں اس عظیم الشان تفسیر سے مستفید ہی نہیں ہوئے، بلکہ اس کے خاص انداز کو اپنانے کی حد تک اس سے متاثر بھی ہوئے ہیں۔

تفسیر ممزوجہ کا طریقہ مختصر ہونے کے باوجود اتنا سہل نہیں ہے۔ کسی عبارت کا دوسری کسی زبان میں ترجمہ کرنا اتنا مشکل نہیں ہوتا جتنا کہ خود اسی زبان میں اس عبارت کا مفہوم بیان کرنا، اور وہ بھی گئے چنے چند الفاظ میں۔ اس صورت میں مفسر کے لیے عبارت پر مکمل عبور حاصل ہونے کے علاوہ زبان کے مختلف اسالیب پر مہارت اور قدرت کا حاصل ہونا ضروری ہوتا ہے تاکہ وہ پیچیدہ اور مشکل عبارت کا مفہوم آسان اور سلیس زبان میں بیان کر سکے اور جملوں اور ترکیبوں کی کما حقہ توضیح کر سکے۔ اس میں شبہ نہیں کہ تفسیر مظہری میں ایسی ہی مہارت اور زبان دانی کا مظاہرہ کیا گیا ہے، طور پر تفسیر میں تفسیر ممزوجہ

کا انداز حسب ذیل اقتباس کے مطابق ہوتا ہے:

” قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقْرَةٌ لَّا ذَلُولَ لِأَيِّ غَيْرٍ مِّمَّا ذَلَّلْنَا بِالْعَمَلِ مِثْلَ الْأَرْضِ تَقْبَلُهَا
لِلزَّرَاعَةِ وَلَا تَسْقَى الْحَرَّتِ ... یعنی لاذلول مثيرة وساقية مسومة سلمها
الله تعالى من العيوب او اهلها من العمل لاشية فيها اي لون يخالف
لون جلدها .. قالوا لئن جئت بالحق اي بحقيقة وصف البقرة وتام
بیانها۔“

اسی طرح رماں دواں اور آسان و سلیس عربی عبارت میں فاصل مفسر آیات کے
مشکل حصوں کا مفہوم یا ان کی مختصر مگر جامع مانع تفسیر بیان کرتے چلے جاتے ہیں جو تفسیر
کے دیگر مباحث کے ساتھ بڑی اہم اور مفید ثابت ہوتی ہے۔ علاوہ انہیں اس مختصر تفسیر کا
متن قرآن سے باہمی ربط اس درجہ بلیغ اور مستحسن ہے کہ قاری اس کی خوبی و عمدگی کا
اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

خصوصیات تفسیر مزوجہ

ہمارے خیال میں تفسیر منظری میں جو تفسیر مزوجہ اسلوب اپنایا گیا ہے، اس کی خصوصیات

حسب ذیل ہیں:

آسان اور سہل الفاظ کا انتخاب:

فاضل پانی تپی جیب آیات کا مختصر مفہوم بیان کرتے ہیں تو اکثر ایسے الفاظ و کلمات کا
انتخاب فرماتے ہیں جو آسان اور سلیس ہوتے ہیں تاکہ قاری کے لیے زیر بحث آیت کا
سمجھنا سہل ہو سکے، اس سلسلے میں محولہ بالا اقتباس کے علاوہ سورہ ن والقلم کی حسب
ذیل تشریحی عبارت ملاحظہ فرمائیے۔ لکھتے ہیں:

ن من الحروف المقطعة ... والقلم الواو للقسم والقلم هو الذي
خط اللوح ... وما يسطرون والضمير للقلم ... ای الحفظة الذين يكتبون

۱۰ تفسیر منظری، ۱: ۸۳

اعمالی بنی آدم والعلما الذین یکتبون علوم الدین وما انت بنعمة ربك...
ای متلبساً بنعمة ربك من النبوة " ۱۷

اس تشریحی اقتباس میں اور اسی طرح دیگر مقامات کے تفسیر ممزوجہ میں اسی طرح کی رواں دواں اور آسان عبارت تشریح و توضیح کے لیے انتخاب کی گئی ہے۔
یکسانیت و تطابق

قرآن حکیم کی بہت سی آیات اور الفاظ کئی کئی بار بیان کیے گئے ہیں، مقامات کے اختلاف کے باوجود اگر ان کا سیاق و سباق ایک جیسا ہے تو ان کے مفہوم میں بھی توافق اور تطابق کا ہونا ایک قدرتی امر ہے۔ تفسیر مظہری میں اس کا اکثر خیال رکھا گیا ہے کہ ایک ہی قسم کے الفاظ جو مختلف جگہوں پر آتے ہیں، ایک ہی طرح سے ان کی شرح کی جائے، مثال کے طور پر قرآن حکیم میں "عذاب الیم" کی ترکیب کئی بار دہرائی گئی ہے، اس کا مفہوم اکثر مقامات پر "عذاب الیم ای مولم" ۱۸ کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے، اسی طرح ان اللہ علی کل شیء قدیر" کا قرآن حکیم میں بکثرت ورود ہوا ہے، فاضل مفسر نے اس کے مفہوم میں ہر جگہ یکسانیت رکھی ہے، مثال کے طور پر سورۃ البقرہ میں اس کی تشریح میں لکھا ہے:

القادر هو الذی ان شاء فعل وان شاء لم یفعل" ۱۹

اور سورۃ الملک میں اسی جملے کے تحت لکھا ہے:

"ای علی کل ما یشاء قدیر لا یمکن لاحد دفع ما ادادہ" ۲۰

اسی طرح تفسیر میں اشارتی حوالے Cross Referencess بھی بکثرت

ملتے ہیں، جس کا مقصد بھی اسی توافق اور تطابق کو ملحوظ رکھنا ہے۔

تفسیر ممزوجہ بیان کرنے کے اسالیب

تفسیر جلالین اور تفسیر رحمانی کی طرح فاضل پانی پتی نے بھی تفسیر ممزوجہ کے طور پر

۱۸ کتاب مذکور، ۱۰: ۳۰

۱۹ تفسیر مظہری، ۱۰: ۳۰

۲۰ کتاب مذکور، ۱۰: ۱۷

۲۱ کتاب مذکور، ۱۰: ۳۱

مختصر مفہوم آیات بیان کرنے کے لیے بہت سے اسالیب اختیار کیے ہیں، جن کا مقصد مختصر مگر جامع طریقے سے الفاظ و کلمات کا مفہوم قاری پر واضح کرنا ہے، یہ مفہوم اگر اپنے لفظوں میں آیت کا مفہوم بیان کرنے سے مکمل ہوتا ہے تو اس کے ساتھ اپنے لفظوں میں بیان کر دیا جاتا ہے اسی طرح اختصار کے پیش نظر بعض دیگر اسالیب بھی اختیار کیے گئے ہیں، جن میں سے چند ایک کا ذکر حسب ذیل ہے:

ا۔ اضافہ و صفت: بعض اوقات کسی لفظ (موصوف) کے ساتھ اس کی کوئی صفت بڑھادی جاتی ہے، جس سے اس کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے، مثلاً:

”وَاقَامِ الصَّلَاةَ الْمَفْرُوضَةَ وَالنَّافِلَةَ وَآتَى الزَّكَاةَ الْمَفْرُوضَةَ“^{۱۷}
اس اضافے سے صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا مفہوم ادا ہو جاتا ہے۔

ب۔ محذوف لفظ کا اظہار: بعض اوقات کسی آیت میں کوئی لفظ (اسم فعل حرف) محذوف ہوتا ہے، اگر اس حذف شدہ لفظ کو واضح کر دیا جائے تو اس کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے، مثلاً ایک مقام پر قاضی صاحب لکھتے ہیں:

”الْحَرْثُ يَقْتُلُ بِالْحَرْثِ... فَمَنْ عَفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ وَالْمَعْنَى مَنْ عَفِيَ لَهُ
مَنْ الْقَاتِلِينَ شَيْءٌ الْجَنَائِيَّةَ كَأَنَّ مَنْ دَمَ أَخِيهِ“^{۱۸}

ج۔ بعض اوقات متعلقات فعل کے اضافے سے بھی بات واضح ہو جاتی ہے، مثلاً سورۃ البقرہ ہی میں ہے:

سَمِيعٌ بِمَا أَوْصَىٰ بِهٖ الْمَوْصَىٰ عَلَيْهِمُ بَتَبْدِيلِ الْمَبْدَلِ... وَانْتُمْ تَعْلَمُونَ
مَا فِي الصَّوْمِ مِنَ الْفَضِيلَةِ“^{۱۹}

علیٰ ہذا القیاس صاحب تفسیر مختلف الفاظ با جملوں کے اضافے سے آیات زیر بحث کے معانی کی تعیین و تشریح کر دیتے ہیں، اس مقصد کے لیے آپ نے جلالین کے علاوہ تفسیر بیضاوی اور بغوی کی تفسیر معالم التنزیل کے اسالیب سے بھی استفادہ لیا ہے۔

^{۱۷} تفسیر مظہری، ۱۰، ۱۰۱

^{۱۸} ایضاً، ۱: ۱۸۴۔

^{۱۹} ایضاً، ۱: ۱۹۴۔

تفسیر مزوجہ کا یہ طریقہ تمام تفسیر میں یکساں طریقے پر مشاہدہ کیا جاسکتا ہے، اور جیسا کہ سطور بالا میں ذکر کیا گیا، یہ حصہ تفسیر منظری کے تفسیری مباحث کے مقدمہ الجیش کی حیثیت رکھتا ہے، اصل تفسیری مباحث اس کے، یعنی آیات کے مجمل مفہوم واضح کرنے کے بعد شروع ہوتے ہیں۔

ربط بین الآيات (نظم قرآن)

قرآن مجید کے متعلق بعض سیاسی و مذہبی (عیسوی و یہودی) مقاصد کے تحت کچھ مستشرقین نے یہ غلط فہمی پھیلانے کی کوشش کی ہے کہ یہ کتاب غیر مربوط آیات اور منتشر مضامین کا مجموعہ ہے اور یہ کہ آیات قرآن میں کوئی خاص ربط و تسلسل نہیں پایا جاتا۔^۱ لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ یعنی یہ کہ قرآن حکیم کی تمام سورتوں، تمام آیتوں اور تمام مضامین میں ایک نہایت اعلیٰ درجے کا ربط و نظم پایا جاتا ہے جو دقت نظر سے دیکھنے سے بخوبی محسوس کیا جاسکتا ہے۔^۲

قرآنی آیات و مضامین کا بہاؤ (ایک حسین و جمیل آیشار کی طرح مسلسل، مربوط اور رواں دواں ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ نظم قرآن کے اس وصف کا ادراک کرنا نے دیکھے مقالہ قرآن در انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا وغیرہ۔

^۱ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ نظم قرآن: "کلام و معنی کے ربط" کی آواز اب یورپ میں بھی سنائی دینے لگی ہے، چنانچہ حال ہی میں امریکہ کی مٹھی گن یونیورسٹی کے ایک مسلم تحقیق نگار مستنصر میر (پاکستانی، لاہوری) نے ایک مقالہ

تفسیر تدبر قرآن میں موجود ربط آیات کے عنوان پر لکھا ہے۔

(خالد مسعود: مقالہ تدبر قرآن کا قابل قدر مطالعہ، در تدبر سہ ماہی، ص ۳ تا ۴، ذی قعدہ ۱۴۰۳ھ)

ہر شخص کے بس کا روگ نہیں۔ اس کے لیے فی الواقع تدبیر فی القرآن کی ضرورت ہے۔ قاضی صاحب بھی راسخون فی العلم کی اسی صف میں شامل ہیں، جنہوں نے یقیناً قرآنی آیات کے باہمی ربط و نظم کے راز کو پایا تھا۔ چنانچہ وہ اوراق تفسیر میں آیات و مضامین کے درمیان خوب ربط و تعلق پیدا کرتے ہیں۔

ربط آیات

قرآن حکیم ایک سو چودہ سورتوں کا مجموعہ ہے، جن میں سب سے بڑی سورۃ زیادہ سے زیادہ ۲۸۶ اور سب سے کم تین آیات کا مجموعہ ہے۔ چونکہ ان سورتوں میں انسانی رشد و فلاح کے ضروری احکام اور مسائل بیان کیے گئے ہیں، اس لیے اکثر چند آیتوں کے بعد مضمون بدل جاتا ہے، گو اس تبدیلی مضمون میں بھی ایک خاص مقصد کار فرما ہوتا ہے، مگر چونکہ یہ بات الفاظ میں ظاہر نہیں ہوتی لہذا اس سے بعض ظاہر بین آنکھیں دھوکے میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مفسرین نے آیات اور مضامین قرآن کے باہمی ربط و تعلق کو واضح کرنے پر خاص توجہ مبذول کی ہے۔

ابتداءً چونکہ اس کی ضرورت نہ سمجھی جاتی تھی، لہذا شروع کی کئی صدیوں تک تفاسیر میں یہ مباحث بالکل نہیں ملتے تھے۔ حتیٰ کہ بغوی (صاحب معالم) اور ابن کثیر و سیوطی کی تفاسیر بھی اس نوع کے مباحث سے خالی ہیں، تاہم تفسیر مظہری میں بالالتزام یہ مباحث پائے جاتے ہیں، چنانچہ جہاں ایک مضمون کی آیات ختم ہوتی ہیں اور دوسرے مضمون کا آغاز ہوتا ہے، فاضل مفسر اپنے ایک تمہیدی نوٹ میں سابقہ حصے کا بعد کے مضمون سے نہایت علمی انداز میں ربط و تعلق بیان فرماتے ہیں، مثال کے طور پر سورۃ البقرہ کی ابتدائی پانچ آیات میں اہل تقویٰ کی صفات اور ان کے فلاح پانے کا ذکر ہے، جب کہ بعد کے حصے میں اہل کفر کا تذکرہ ہے، ان دونوں کے درمیان ربط و نظم واضح کرتے ہوئے قاضی صاحب فرماتے ہیں:

۱۲ دیکھیے محولہ بالا تفاسیر بذیل البقرۃ، آیت ۶، ۲۸، ۲۰، وغیرہ

پھر جب اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں اور اس کے ولیوں کا ذکر کتاب اللہ کے ضمن میں یا مستقل طور پر آیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بعد ان کی ضد (Opposite) شکل کو بھی بیان فرمادیا۔ پھر چونکہ دونوں کا سیاق مختلف ہے۔ اس لیے اس پر مطلع نہیں کیا۔^{۱۳} اسی طرح جب اسی سورۃ کی آیت ۲۷ پر جا کر اہل ایمان کی بشارت اور اہل کفر و فسق کے انذار کا مضمون مکمل ہو جاتا ہے تو اس سے مابعد کے مضمون سے یوں ربط و تعلق پیدا کیا گیا ہے :

”جب کفار کی اوصاف اور ان کے گندے خیالات بیان ہو چکے تو اللہ تعالیٰ نے استفہام انکاری کی صورت میں ان سے براہ راست خطاب شروع کیا، یہ استفہام انکاری انہی حالات و مواقع پر مشتمل ہے جس کا ان کے کفر سے اظہار ہوتا ہے۔ اس لیے کہ ہر انسان پر موت، زندگی، پھر موت اور پھر زندگی اور پھر خدا کی طرف رجوع ہونے کی حالت طاری ہوتی ہے۔ اس لیے فرمایا۔۔۔“^{۱۴}

بعد ازاں جب یہ مضمون بھی آیت ۳۹ پر مکمل ہو جاتا ہے اور آگے بنی اسرائیل سے خطاب شروع ہوتا ہے، جس میں ان کے قومی عیوب اور نقائص عیاں کیے گئے ہیں، ان دونوں مضامین کے مابین یوں تعلق پیدا کیا گیا ہے :

”اور جب اللہ تعالیٰ نے نبوت اور توحید کے دلائل بیان کر دیے اور عام لوگوں سے خطاب بھی کر لیا، جس میں لوگوں پر اپنی عام مہربانیوں کا ذکر فرمادیا۔ تو اس کے بعد بنی اسرائیل سے خصوصی خطاب شروع کیا، جس میں انھیں اپنی وہ نعتیں یاد دلائیں جو ان کے ساتھ مخصوص تھیں۔“^{۱۵}

بعد میں اسی قسم کی عبارت کے ذریعے سورۃ البقرہ کی آیت ۹۵، ۱۲۵ اور ۱۵۲ وغیرہ کا بھی اپنے ماقبل سے ربط و تعلق واضح کیا ہے۔

اس نوع کے مقالات سے نظم قرآن و ربط معانی کے متعلق ہر قسم کے شکوک و شبہات

^{۱۳} تفسیر منظری، ۱: ۲۲

^{۱۴} ایضاً، ۱: ۲۳

^{۱۵} ایضاً، ۱: ۵۹ تا ۶۰ وغیرہ

کا ازالہ ہو جاتا ہے اور مضامین قرآن بنیانِ مرصوص کی طرح باہم دگر پیوستہ نظر آتے ہیں ،
تفسیر مظہری کے اس نوع کے مباحث کی خصوصیات حسب ذیل ہیں ؛
۱۔ ربط معنی و مضمون ؛ فاضل مفسر اس نوع کے مباحث میں کوشش کرتے ہیں کہ
دونوں (پچھلے اور اگلے) مضامین کے درمیان معنوی طور پر ربط واضح ہو جائے ، اس مقصد
کے لیے سابقہ مضمون کے کسی خاص حصے ، نکتے (Point) کو مخصوص کر کے اس کا اگلے
مضمون سے ربط استوار کرتے ہیں ، مثال کے طور پر سورہ آل عمران میں ایک مقام (آیت ۱۳۴)
کے تحت فرماتے ہیں :

اور جب اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں نیکوکار متقی لوگوں کا ذکر فرمایا تو ان کے متصل
بعد ایسے افراد کا تذکرہ شروع کیا جو بوجہ توبہ ان کے ساتھ شامل ہو جاتے ہیں ۔
اس میں محسنین اور تائبین کے ذکر میں مناسبت پیدا کی گئی ہے ۔

ب۔ ظاہری و معنوی مناسبت ؛ معنوی اور موضوعاتی ربط و تعلق پیدا کرنے کے
لیے فاضل مفسر جو الفاظ اور کلمات انتخاب کرتے ہیں ، ان الفاظ کی سابقہ مضمون کے
الفاظ سے لفظی اور ظاہری مناسبت بھی واضح ہوتی ہے ، اس طرح ربط و تعلق کی یہ کیفیت
دو گونہ ہو جاتی ہے ، محولہ بالا اقتباسات پر غور کرنے سے تفسیر کی یہ خصوصیت بھی واضح ہو جاتی
ہے ۔

ج۔ ذاتی غور و خوض ؛ فاضل مفسر نے آیات کے مابین ربط و تعلق کے لیے جو مختصر مگر جامع
مقالات لکھے ہیں ، وہ اکثر آپ کے ذاتی غور و خوض کا نتیجہ یعنی طبعزاد ہیں ، اور یہ اس
بات کی علامت ہیں کہ قاضی صاحب کو کس قدر آیات کے سیاق و سباق ان کے مضامین اور
محتویات پر عبور حاصل تھا ؛ نیز یہ کہ فاضل مفسر ربط آیات کے اس بنیادی مسئلے سے
کس قدر گہرا شغف رکھتے تھے ۔

د۔ شان نزول ؛ تاہم ہر جگہ ان طبعزاد تاویلوں یا توجیہوں سے ربط آیات کا کام
نہیں لیا گیا بلکہ جن آیات کے متعلق شان نزول کی روایات مروی تھیں ، ان کے ربط و تعلق

کے لیے انہی کے نقل کرنے کو کافی سمجھا گیا ہے، مثال کے طور پر سورۃ البقرہ کی آیت ۱۹ کا
ما قبل سے ربط و تعلق یوں بیان کیا گیا ہے:

ابن ابی حاتم نے سعید اور عکرمہ عن ابن عباس کے واسطے یہ روایت نقل کی ہے کہ
ابن صوری یا یہودی نے کہا تھا کہ آپ تو کوئی ایسی شے لے کر نہیں آئے، جسے ہم پہچانتے
ہوں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿پہلے﴾ پھر جب یہ مضمون آیت ۱۰۳ پر
جا کر مکمل ہو گیا تو اگلی آیات کا شان نزول ان الفاظ میں واضح فرمایا:

ابن المنذر نے یہ روایت نقل کی ہے کہ مسلمان کہتے تھے ”داعینا یا رسول اللہ“
(اے اللہ کے رسول ہماری رعایت کیجیے۔ یہ لفظ مراعاة سے ہے۔۔۔۔۔ لیکن یہ لفظ
یہودیوں کے ہاں ایک غلیظ گالی تھا۔۔۔۔۔ چنانچہ یہودیوں نے آنحضرتؐ کو اسی مقصد
کے لیے اس لفظ سے بلا نا شروع کر دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ”
غرض بہت سے مقامات پر شان نزول کی روایات سے بھی باہمی ربط و مناسبت ظاہر
کرنے کا کام لیا گیا ہے۔

سورتوں کے مابین ربط

نظم قرآن کے سلسلے کا دوسرا اہم حصہ سورتوں کے مابین ربط و تعلق کو واضح کرتا ہے،
اس عنوان پر فاضل مفسر نے ربط بین الآیات کی طرح کے مباحث تو نہیں اٹھائے۔ البتہ
جس طرح بعض آیات کے مابین ربط و تعلق کو واضح کرنے کے لیے اسباب نزول کی
روایات کا سہارا لیا گیا ہے، جن سے بڑے لطیف انداز میں ربط و تعلق پر روشنی پڑتی
ہے۔ اسی طرح سورتوں کے آغاز میں بھی شان نزول کی روایات سے یہ کام لیا گیا ہے،
جس سے معنی خیز طریقے پر ربط و تعلق کی وضاحت ہوتی ہے، مثلاً سورۃ النساء
کے آغاز میں حسب ذیل روایت نقل کی ہے:

”امام بیہقی نے اپنی کتاب الدلائل میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی

ہے کہ یہ سورۃ النساء مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔ اسی طرح ابن المنذر، حضرت قتادہ سے اور بخاری نے بھی انہی سے یہی روایت نقل کی ہے۔^{۱۸}

اس روایت کے ذریعے فاضل مؤلف یہ تاثر ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ اس سے پہلے بھی ایک مدنی سورۃ تھی، جس میں وہاں کے حالات اور ضرورت کے تحت احکام و مسائل بیان کیے گئے ہیں، لہذا اس کے بعد اگلی سورۃ بھی مدنی ہے، اور اس میں بھی مدنی ماحول اور ضرورت کے مطابق احکام و مسائل نازل کیے گئے ہیں۔

بعض سورتوں کے آغاز میں شان نزول کی ایک سے زیادہ روایتیں درج کی ہیں، جن سے بڑے ہی لطیف پیرایے میں سابقہ سورۃ کے ساتھ ربط و تعلق پر روشنی پڑتی ہے۔^{۱۹}

اسباب (شان) نزول

قرآن حکیم دُنیا کی عام کتب سے قطعی مختلف کتاب ہے۔ اس کتابِ مبین کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تیس برسوں میں نازل کیا گیا۔ اس عرصے میں قرآن حکیم تھوڑا تھوڑا (بجما فجما) حسب ضرورت نازل ہوتا رہا۔ بعض آیات اور بعض سورتیں کسی خاص واقعے یا ضرورت پیش آنے کے باعث نازل ہوئیں، ان واقعات یا ضرورت نزول پر مشتمل ذخیرہ روایات کو اسباب نزول یا روایات شان نزول کہا جاتا ہے۔ تمام مفسرین نے بلا استثناء ان واقعات و قصص کی اہمیت و افادیت کو تسلیم کیا ہے۔ ان کی افادیت کے حسب ذیل پہلو بہت واضح ہیں:

- ۱۔ علامہ زرکشی کے مطابق اسباب نزول سے احکام کی حکمتیں معلوم ہوتی ہیں۔^{۲۰}
- ۲۔ امام قرطبی فرماتے ہیں کہ اگر اسباب نزول معلوم نہ ہوں تو اس سے معرفت احکام

^{۱۸} تفسیر منطہری، ۲: ۲۱۲

^{۱۹} دیکھیے مثلاً آغاز سورۃ آل عمران، ج ۲/۱

^{۲۰} زرکشی، البرہان فی علوم القرآن، مطبوعہ قاہرہ ۱۳۷۶ھ، مثلاً سورۃ النساء کی آیت ۴۳۔

میں وقت پیش آتی ہے، گویا اسباب نزول کی معرفت، احکام و مسائل کی معرفت کے لیے ضروری ہے۔ ۲۱

ج۔ الواحدی^{۲۱} کے بقول ان سے بعض احکام کے متمہ جات معلوم ہوتے ہیں ۲۲
 ح۔ امام العصر شاہ ولی اللہ کا کہنا ہے کہ آیات کے ٹھیک ٹھیک فہم کے لیے ان کا جاننا از بس ضروری ہے ۲۳ فاضل مفسر، جو شاہ ولی اللہ کے شاگرد ہیں۔ شاہ صاحب کے محول بالا خیال کی تائید کرتے ہیں، چنانچہ جیسا کہ اوپر مقدمہ میں بیان ہوا آپ نے کسی ایک مقام پر اس کے متعلق صراحت فرمائی ہے ۲۴

گویا بقول حضرت مرزا صاحب کے شان نزول کے جاننے کا نام ہی علم تفسیر ہے، اور یہ چونکہ منقول حصے سے تعلق رکھتے ہیں۔ لہذا صحیح تفسیر بیان کرنے کے لیے علوم نقل و روایت کا مطالعہ از بس ضروری ہے، محض قیاس و استقرا کے ذریعے ان کا ادراک نہیں کیا جاسکتا۔
 دوسری طرف یہ بھی ضروری ہے کہ وہ روایت جسے سبب نزول سمجھنے کی بنیاد ٹھہرایا جا رہا ہے، قابل اعتماد ہو، کیونکہ بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اس عنوان پر بے شمار ضعیف اور سقیم روایات مروی ہیں۔ اسی طرح بہت سی ایسی روایات بھی مروی ہیں جو درحقیقت شان نزول نہیں ہوتیں، گو مروی ایام سے انھیں ایسا سمجھ لیا جاتا ہے ۲۵ بنا بریں اس موضوع کی روایات کو بڑے احتیاط سے تفسیر میں درج کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

تفسیر مظہری میں اسباب نزول کی روایات بکثرت نقل کی گئی ہیں۔ لیکن اکثر انھیں بلا جرح و تعدیل کے درج نہیں کیا گیا، بلکہ جہاں ضرورت محسوس کی گئی، وہاں اس نوع کی

۲۱ قرطبی: الجامع لاحکام القرآن، ۶: ۲۹۷، مطبوعہ قاہرہ ۱۳۸۷، بذیل تھیسر سورہ النور۔
 فیمر البقرہ۔ ۱۱۵، المائدہ۔ ۹۳ وغیرہ

۲۲ الواحدی: اسباب النزول، مطبوعہ قاہرہ ۱۳۷۹ء، ص ۳۸

۲۳ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی: الفوز البکیر فی اصول التفسیر، مطبوعہ مکتبہ فخریہ مراد آباد، ۱۳۵۸ء، ص ۲۲، ۲۳

۲۴ تفسیر مظہری، ۱: ۵۲۔ ۲۵ الفوز البکیر، ص ۲۲ تا ۲۴

روایات کی نہایت سختی کے ساتھ تعقیب کی گئی ہے۔ البتہ ہر جگہ اس کا التزام بھی غیر ضروری سمجھا گیا ہے، یہ روایات صرف ان مقامات پر نقل کی گئی ہیں، جہاں ایسا کرنا ضروری تھا۔ بصورت دیگر بغیر اسباب نزول بیان کیے بھی تفسیر نویسی جاری رہی ہے،^{۲۶} بہر حال مجموعی طور پر تفسیر منظری میں اس ذخیرے کی خصوصیات حسب ذیل ہیں:

۱. تنقید روایات: قاضی صاحب نے اس باب کی روایات کو تعقیب و تنقید کے راستے سے گزارنے کا اہتمام کیا ہے تاکہ صحیح اور سقیم میں امتیاز کیا جاسکے۔ مثال کے طور پر سورہ البقرہ کی آیت ۲۶ کے تحت اسباب نزول کے سلسلے میں دو روایتیں نقل کی گئی ہیں، جن میں سے ایک روایت السدی البکیر کی ہے، جسے امام ابن جریر الطبری نے نقل کیا ہے، جب کہ دوسری روایت الواحدی نے عبدالغنی کے حوالے سے ذکر کی ہے، فاضل مؤلف ان پر حسب ذیل جامع تبصرہ فرماتے ہیں:

اور عبدالغنی بہت ہی کمزور راوی ہے اور آیت مدنی ہے جب کہ کفار کے معارضے کا واقعہ مکی ہے، لہذا پہلی روایت ہی سند اور معنی کے لحاظ سے درست ہے۔^{۲۷} تاہم اگر روایات کے راوی عادل، ثقہ اور ضابطہ ہوں تو بعض ضعیف روایات کو مثلاً موقوف^{۲۸} اور مرسل^{۲۹} وغیرہ روایات کو بھی قبول کر لیا گیا ہے۔

۲. مفصل محاکمہ علمی: بعض روایات کی صحت و ثقاہت میں اہل علم کے درمیان خاصا اختلاف پایا جاتا ہے، ایسے مقامات پر فاضل مؤلف نے کسی تبحر عالم اور محدثِ کامل کی طرح ان روایات کے متن و سند پر مفصل علمی تبصرہ فرمایا اور ائمہ اور علما کے باہمی اختلاف پر نہایت مدلل علمی محاکمہ کیا ہے۔

اس قسم کی ایک مثال سورۃ البقرہ کی آیت ۹ کے تحت مل جاتی ہے، جہاں اسباب نزول کے طور پر دو واقعات متعدد طرف سے نقل کیے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک واقعے

^{۲۶} مثال کے طور پر دیکھیے تفسیر منظری، بذیل البقرہ، آیت ۱ تا ۲۶، ۲۸ تا ۹۵۔

^{۲۷} ایضاً، ۱: ۴۱ تا ۴۲، ^{۲۸} ایضاً، ۱: ۱۱۳۔

^{۲۹} ایضاً، ۱: ۱۱۳ تا ۱۱۴۔

کے مطابق یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب یہودیوں نے حضرت عمر فاروقؓ کے سامنے حضرت جبرئیلؑ کے ساتھ اپنی دشمنی اور عداوت کا ذکر کیا۔ دوسری روایت کے مطابق اس کا نزول اس وقت ہوا جب کفار یہود نے خود آنحضرت صلی اللہ وسلم کے سامنے اپنے ان خیالات کا اظہار کیا۔ اول الذکر روایت چار مختلف طریقوں (اسناد) سے منقول ہے، فاضل مفسر بیان کرتے ہیں کہ ان میں سے تین طرق (شعبی، اسدی اور قتادہ والے) منقطع ہیں، کیونکہ یہ جس راوی سے روایت کرتے ہیں اس سے ان کی ملاقات ثابت نہیں۔ حالانکہ ان روایات کو الشعبی، ابن ابی حاتم اور ابن جریر الطبری وغیرہ روایت کرتے ہیں۔ دوسری روایت بھی پانچ طرق سے مروی ہے اور اسے بخاری، امام احمد بن حنبل، نسائی، ترمذی اور بغوی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ ان میں سے بغوی کی روایت بلا سند ہے، جب کہ بخاری کی روایت پر حافظ ابن حجر کے حوالے سے یہ تبصرہ کیا ہے:

”سیاق کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت یہودیوں کی تردید کے لیے پڑھی تھی اور یہ کہ اس سے اسی وقت نازل ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اور اسی توجیہ پر ہمارا اعتماد ہے۔“^{۱۳۵}

اسی طرح مجموعی طور پر یہ ثابت کیا ہے کہ یہ دونوں روایات اسباب نزول بننے کی اہل نہیں ہو سکتیں۔

۳۔ تطبیق بین الروایات: اگر روایات میں فی الجملہ ثقاہت پائی جاتی ہو، مگر ان میں (ایک سے زیادہ ہونے کی صورت میں) بظاہر اختلاف پایا جاتا ہو تو ایسے مقامات پر فاضل مفسر ان میں تطبیق پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک دو مختلف روایات میں تطبیق دیتے ہوئے لکھا ہے:

میرا خیال یہ ہے کہ یہ دونوں قصے درست ہیں جو مذکورہ آیت کے نزول سے قبل پیش آئے۔^{۱۳۵}

۱۳۵ تفسیر منطری، ۱: ۱۰۲ تا ۱۰۳

۱۳۵ ایضاً، ۱: ۱۰۳

۴۔ اسباب نزول اور آیات احکام: فاضل مفسر نے گوبے شمار روایات بسلسلہ اسباب نزول جمع کر دی ہیں، اور ہر جگہ ان روایات سے صحیح نتائج اخذ کیے ہیں، مگر مجموعی طور پر ان روایات سے لفظوں کی تخصیص کا اصول نہیں اپنایا گیا بلکہ اپنے اپنے استاد گرامی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی طرح آیات قرآنیہ کو تمام زمان و مکان کی حد بندیوں سے ماورا سمجھا ہے اور شان نزولی روایات کی بنا پر آیات کے مضامین اور محتویات کو محدود خیال نہیں کیا، چنانچہ ایک مقام پر آپ لکھتے ہیں:-

ان آیات کا نزول منافقوں کے متعلق ہوا، جیسا کہ اس پر احادیث اور اسلاف کی تفسیروں سے روشنی پڑتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ بجائے لیکن کسی خاص موقع پر نازل ہو جانا الفاظ کی تخصیص کا عمامہ نہیں ہوتا۔ لہذا اگرچہ یہ آیت منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن اس کے الفاظ کی عمومیت تمام خواہش پرست لوگوں کو شامل ہے لہذا شان نزولی روایات کی بنا پر مفسر علام نے کسی جگہ بھی اپنی فکر و قیاس کو محدود نہیں کیا۔

۵۔ ربط بین الآيات وبين السور: جیسا کہ سطور بالا میں صراحت کی گئی، فاضل مفسر نے جن آیات کے ضمن میں اسباب نزولی روایات اور قصص پائے جاتے تھے، ان کے تحت انہی کے نقل کر دینے کو کافی سمجھا ہے۔ ان مقامات پر اپنی عبارت (تفسیر) سے آیات قرآنیہ اور سورتوں کے مابین ربط و تعلق پیدا کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی، بلکہ ان روایات و آثار صحابہ رض و تابعین سے ہی بڑے لطیف پیرائے میں ربط و تعلق پیدا کرنے کا کام لیا گیا ہے۔

مباحث فقہ و اصول فقہ

قرآن حکیم فقہ کی اولہ اربعہ (قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس) میں سب سے مہتمم بالشان دلیل اور اسلامی فقہ کا سب سے بڑا ماخذ و مخزن ہے۔ قرآنی آیات تشریحی احکام اور مسائل کا تسلی بخش جواب ہی فراہم نہیں کرتیں، بلکہ غور و فکر کرنے والوں کے لیے ہر دور میں نت نئی راہیں کھول دینے کا موجب ثابت ہوتی ہیں۔ لہذا تفسیر کے موضوعات میں ایک اہم موضوع علم فقہ اور اس سے متعلقہ احکام و معاملات کا استنباط بھی ہے۔ بنا بریں گوہر تفسیر میں اس موضوع پر مفید معلومات پیش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، مگر

ع ہر گلے رازنگ و بوٹے دیگر است

کے بمصداق ہر تفسیر کا اپنا اپنا رازنگ ہوتا ہے، جسے نمایاں کرنے میں مفسر کے اپنے مبلغ علم، اس کی فہم و فراست، جودتِ طبع اور اس کی مجتہدانہ کاوشوں کا بڑا دخل ہوتا ہے۔

موضوع کی اہمیت کا اس امر سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ خاص اس موضوع پر عالم اسلام میں متعدد تفاسیر لکھی گئیں، جنہیں عام تفاسیر سے ممتاز کرنے کے لیے احکام القرآن کے ایک الگ نام سے پکارا جاتا ہے۔ تفسیر منظری، گو احکام القرآن کی مروجہ قسم میں شامل نہیں ہے مگر اس موضوع پر مضامین کی وسعت کی وجہ سے کسی طرح ان تفسیروں سے (خاص اس موضوع) میں کم بھی نہیں ہے۔ بلکہ کچھ پہلوؤں کے اعتبار سے ان سے بہتر اور افضل ہے۔

فاضل مفسر کی طبیعت اور اندازِ تحریر پر جن تین علوم کا ہمہ جہتی غلبہ ہے، ان میں فقہ

سب سے نمایاں ہے (دوسرے دو علوم، حدیث اور تصوف ہیں) وہ بنیادی طور پر ایک فقیہ کامل بلکہ مجتہد فی الفقہ قسم کے عالم تھے۔ اور مزید یہ کہ وہ تمام زندگی فقہ کے شعبے یعنی افتا اور قضا سے وابستہ رہے، اس طرح ان کو عملی زندگی کے قریب تر رہ کر حقائق کو جانچنے کا موقع ملا۔ اس پیشہ و راز تعلق کے علاوہ اسی شعبے سے ان کا تصنیفی رشتہ بھی استوار تھا۔ انھوں نے فقہ و اصول فقہ پر متعدد چھوٹے بڑے رسائل تصنیف فرمائے یہ ان میں سے بعض رسائل انفرادی حیثیت کے حامل ہیں۔

اصول فقہ

فاضل مفسر اصول فقہ پر بھی عبور رکھتے تھے، جس کا اندازہ اس موضوع پر ان کی مستقل کتب (منار الاحکام، رسالہ بنجر و زوی و رسالہ در مذاہب اربعہ) سے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ اس سلسلے میں تفسیر منظری میں جن مسائل پر بحث کی گئی ہے ان کی افادیت کسی طرح مستقل کتاب سے کم نہیں ہے۔

تفسیر منظری میں مسائل فقہ کی تحریر و ترتیب کے لیے خالص مجتہدانہ انداز تحریر اپنایا گیا ہے۔ یعنی فاضل مفسر مسائل فقہ (جزئیات) پر ہی گفتگو اور بحث نہیں فرماتے، بلکہ مسائل فقہ کے طریقہ ہائے استنباط پر بھی روشنی ڈالتے ہیں، جس سے تفسیر کے طالب علم میں عمیق غور و فکر اور وسعت خیال کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ فاضل مفسر کا فقہی ابواب کی تدوین کا اسلوب بڑی حد تک فقہ کی اونچے درجے کی کتابوں مثلاً مرعینانی کی ہدایہ، سرخسی و خواہر زادہ کی المبسوط، جصاص رازی کی احکام القرآن وغیرہ سے ملتا جلتا ہے۔ بنا بریں تفسیر منظری دنیا سے اسلام کی ان محدود سے چند تفاسیر میں شامل ہے، جو تفسیر کے علاوہ فقہ اور اصول فقہ کی معلومات سے بھی مالا مال ہیں۔ تفسیر منظری میں اصول فقہ کے لفظ نظر سے حسب ذیل معلومات مفید ہیں:

۱۔ دیکھیے مقامات منظری، ص ۷۶، نیز ان کی فہرست تصانیف۔ (کتاب ہذا)

۱۔ ماخذ و مصادر: محدثین کی اصطلاح میں جو راوی اپنے استاد یا شیخ کا نام ترک کر دے اسے مدّس اور اس صورت کو تدلیس کہا جاتا ہے۔ تدلیس کی یہ بیماری بعض مصنفین میں بھی پائی جاتی ہے۔ لیکن تفسیر مظہری کا یہ پہلو اس لحاظ سے یقیناً قابلِ تعریف ہے کہ اس میں ہر موضوع سے متعلقہ مصادر و ماخذ کا حوالہ دیا گیا ہے۔ چنانچہ فہرست مصادر پر نظر ڈالنے سے پتا چلتا ہے کہ اصول فقہ کے ماخذ میں امام شافعی، امام محمد بن الحسن الشیبانی، السرخسی، الغزالی، التفتازانی اور البرزوی اور اسی پائے کے ائمہ اور ان کی کتب شامل ہیں۔

۲۔ اولہ شرعیہ: تفسیر مظہری میں اصولی باتوں میں فقہ کی اولہ شرعیہ کا بھی تعارف کروایا گیا ہے کیونکہ ان کی حیثیت و اہمیت کو جانتے بغیر مسائل فقہ پر بحث و تمحیص کو سمجھنا یا سمجھانا مشکل ہے۔ تفسیر مظہری میں حسبِ ذیل اولہ شرعیہ کا ذکر آیا ہے:

۱۔ دلیل اول۔ قرآن حکیم: اصول فقہ میں مسائل کے استخراج و استنباط میں قرآن حکیم کا درجہ سب سے زیادہ ہے۔ اس کے نصوص مابعد کی اولہ پر بلاشبہ فوقیت رکھتی ہیں۔ یہ فاصل مفسر نے تفسیر کے فقہی ابواب میں ہر جگہ نصوص قرآن کا درجہ سب سے مقدم رکھا ہے۔

ب۔ دلیل ثانی۔ سنت نبویہ: اولہ شرعیہ کی دوسری دلیل سنت نبویہ ہے، اہل اصول نے سنت کی تعریف میں قول، عمل اور تقریر نبوی کی تینوں اقسام کو شامل کیا ہے بلکہ چنانچہ تفسیر مظہری میں سنت نبویہ کی ان تینوں اقسام سے استشہاد کیا گیا ہے۔

آگے چل کر حدیث کی بلحاظ روایت تین اقسام ہیں یہ۔ ان میں سے سنت کی پہلی قسم یعنی متواتر کا درجہ سب سے بلند ہے۔ تفسیر مظہری میں ہر جگہ خبر متواتر کو ترجیح اور اہمیت دی گئی ہے۔ حدیث کی دوسری قسم خبر مشہور کا درجہ اول الذکر سے فروتر ہے۔ تاہم احناف خبر

۲ دیکھیے محمد ابو زہرہ: اصول الفقہ، مطبوعہ قاہرہ ۱۳۷۷ھ، ص ۱۳

۳ مثلاً تفسیر مظہری، ۳، ۲۲۲۔ ۲۳۷ محمد ابو زہرہ، اصول الفقہ، ص ۱۰۷ تا ۱۰۸

۴ ایضاً، ص ۱۰۸۔ ۵ تفسیر مظہری، ۱: ۳۹۱ (البقرہ - ۲۷۲)

۷ محمد ابو زہرہ، ص ۱۰۸

مشہور سے یقینی علم حاصل ہونے کے حق میں ہیں۔ چنانچہ تفسیر مظہری میں اسی حنفی مسلک کے مطابق خیر مشہور سے استناد کیا گیا اور اسے نص قرآنی پر اضافہ کرنے کا اہل بھگایا ہے۔
حدیث و سنت کی تیسری قسم (خبر واحد) قدرے تفصیل طلب ہے، امام شافعی اس کو خبر الخاصہ کے نام سے پکارتے ہیں۔ ائمہ ثلاثہ (امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ) اس سے بھی استناد کے قائل ہیں، مگر ان میں سے ہر ایک نے راوی کی عدالت و ثقاہت کو لازمی شرط قرار دیا ہے۔ نیز حنفی اصول فقہ میں اس پر مزید دو شرطوں کا اضافہ کیا گیا ہے، جن کی صراحت تفسیر مظہری میں یوں کی گئی ہے:

اولاً: یہ کہ وہ روایت نص قرآنی کے منافی نہ ہو،^{۱۱}

ثانیاً: یہ راوی کا اپنا عمل یا قول^{۱۲} (فتوای) اپنی روایت کردہ روایت کے منافی نہ ہو۔
بایں ہمہ اس سے ظنی علم حاصل ہوتا ہے یقینی نہیں،^{۱۳} نیز اس سے نص قرآنی پر اضافہ کرنا بھی جائز نہیں۔^{۱۴}

مراہیل (غیر متصل بالنبیؐ) روایات کا مسئلہ بھی اہم ہے۔ اس کے آخری پایے (صحابی) کے ساقط ہونے کے باعث اسے منقطع بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ امام شافعیؒ نے مراہیل کو چار شرائط کے ساتھ اور امام ابوحنیفہؒ و مالکؒ نے بلا اضافہ شرائط اسے سند تسلیم کیا ہے مگر امام احمد بن حنبلؒ اس کو سند ماتنہ کے بالکل خلاف ہیں۔^{۱۵} تفسیر مظہری میں مسلک حنفی کا ذکر متعدد مقامات پر کیا گیا ہے۔^{۱۶} اور ان سے مسائل و احکام کا مستنبط ہونا واضح کیا گیا ہے۔^{۱۷}
اگر ایک ہی موضوع پر متعدد (صحیح و قابل استناد) روایات مروی ہوں، تو فاضل

۱۱ تفسیر مظہری، ۱: ۳۱۰

۱۲ تفسیر مظہری، ۱: ۳۱۰

۱۳ ایضاً، ۱: ۲۰۹

۱۴ ایضاً، ۱: ۳۱۰

۱۵ محمد ابو زہرہ: کتاب مذکور، ص ۱۱۱ تا ۱۱۲

۱۶ تفسیر مظہری، ۱: ۲۱۰، ۲۱۱، ۳۱۸ ایضاً، ۱: ۳۷۱، ۳۷۲ بمواقع عدیدہ۔

مؤلف ان میں بڑی عمدگی کے ساتھ تطبیق پیدا کر دیتے ہیں، لیکن کمزور اور مجروح احادیث سے استفادے اور استناد کے سخت مخالف ہیں، اسی بنا پر فقہی موضوعات کی مواہبات پر نسبتاً سخت تنقید فرمائی ہے۔^{۱۹} تاہم اگر ایک ہی روایت متعدد طرق سے مروی ہو تو ان طرق کے کمزور ہونے کے باوجود اس روایت کو قابل اعتماد سمجھتے ہیں۔^{۲۰} قول صحابی اگر نصوص قرآن و نصوص سنت کے منافی نہ ہو تو اسے قبول کیا جاسکتا ہے۔^{۲۱}

ج۔ دلیل سوم۔ اجماع: فقہ کا تیسرا ماخذ اجماع ہے، اگرچہ امکاناً اجماع ہر دور میں متوقع ہو سکتا ہے، لیکن اہل اصول کے مطابق اجماع یا تو عمد صحابہ کا حجت ہے، جب کہ باہمی کوشش سے متفقہ رائے اختیار کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ یا پھر ائمہ مجتہدین کا جو باہمی اختلاف کے باوجود بعض امور پر از خود متفق ہو جاتے تھے۔^{۲۲}

فاضل مفسر اجماع کو ایک حجت قطعی تسلیم کرتے ہیں۔^{۲۳} اور اس پر قرآن و حدیث سے حجت قائم کرتے ہیں۔ عمد صحابہ بالخصوص عمد شیخین کے اجماع کو قاضی صاحب بڑی اہمیت دیتے ہیں، ایک مقام پر لکھتے ہیں:

”وتخصیص الخلیفتین، یعنی ابا بکر و عمر لانہما اللذان کان معظم تقریر الشریع و انعقاد الاجماع فی زمانہما و بعدہما ما کان من غیرہما
إلا الاتباع“^{۲۴}

اسی بنا پر تفسیر میں جو بعض اوقات ”مجمع علیہ“ اور ”انعقد علیہ الاجماع“^{۲۵} کی دو اصطلاحیں

۱۸ تفسیر منطری، ۱: ۲۸۳

۱۹ مثلاً دیکھیے: ۱: ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۹۱، ۱۹۴، ۱۹۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳ وغیرہ

۲۰ ایضاً، ۱: ۲۸۳ ایضاً، ۱: ۳۰۹

۲۱ محمد البزہرہ، ص ۱۹۹ تا ۲۰۱ ۲۲ تفسیر منطری، ۱: ۲۱۶ تا ۲۱۸

۲۳ ایضاً، ۱: ۱۳۸ (البقرہ - ۱۷۲) ۲۴ ایضاً، ۲/۲: ۲۳۶ (الف)

۲۵ ایضاً تفسیر منطری، ۱: ۲۳۵

۲۶ ایضاً، ۱: ۲۲۲

استعمال کی جاتی ہیں۔ اس سے غالباً اسی فرق کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوگا۔ اجماع کو اہل اصول نے دلیل قطعی قرار دیا ہے، اسی بنا پر اس سے نص قرآنی پر اضافہ کرنا ممکن ہے۔^{۲۹} تفسیر مظہری میں اسی مسلک کی تائید و توثیق کی گئی ہے۔^{۳۰}

د۔ دلیل رابع۔ قیاس: فقہ کے محولہ بالاتینوں دلائل نقل و روایت سے تعلق رکھتے ہیں، مگر زیر نظر دلیل (یعنی قیاس) فکر و نظر پر مبنی ہے۔ قیاس اور اس کے ضمنی مسائل سے متعلق تفسیر مظہری میں نہایت قیمتی معلومات ملتی ہیں۔ عموماً قیاس کی تعریف یوں کی جاتی ہے۔

”کسی غیر منصوص شے کا حکم جو کتاب و سنت اور اجماع میں منصوص حکم کے ساتھ علت حکم میں اشتراک رکھتا ہو، اہل اصول کے نزدیک قیاس ہے۔“

صحتِ قیاس کے لیے چار ایشیا، یعنی مقیس (غیر منصوص حکم)، مقیس علیہ (منصوص حکم)، علتِ مشترکہ اور اس بات کا ثبوت، کہ یہ نص خاص اسی حکم تک محدود نہیں ہے، کی موجودگی ضروری ہے۔^{۳۱} صاحب تفسیر مظہری نے زیادہ تر عملی مثالوں کے ذریعے قیاس کی حقیقت و ماہیت قارئین کے ذہن نشین کرائی ہے۔^{۳۲} قیاس کی بہر حال ایک حد مقرر ہے، اس سے آگے اس کی پرواز ممکن نہیں۔ یعنی فقہ کی محولہ بالہ اذلہ ثلاثہ کے مقابلے میں اور لغت میں قیاس نہیں کام دے سکتا۔ اسی بنا پر تفسیر مظہری میں اس قسم کے جملے بکثرت ملتے ہیں۔

”وَمَا كَانَ وَقُوعُ الطَّلَاقِ لِقَوْلِهِ اخْتَادِي مَعْدُ وَلَا عَنْ سُنَنِ الْقِيَاسِ مَقْتَصِرًا اَعْلَى امُورِ الْاِجْمَاعِ... وَاتَّخَذْنَا الْقِيَاسَ بِمَوْضِعِ الْاِجْمَاعِ“^{۳۳}

^{۲۹} علی حسب اللہ، اصول التشریح الاسلامی، بذیل اجماع، محمد ابو زہرہ، اصول التشریح الاسلامی، ص ۲۰۵ و بعد۔

^{۳۰} دیکھیے تفسیر مظہری، ۱: ۳۰۰، ۳۱۸، ۳۲۲ (حاشیہ)، ۳۳۵ وغیرہ۔

^{۳۱} محمد ابو زہرہ، اصول الفقہ، ص ۲۱۸

^{۳۲} مثال کے طور پر دیکھیے تفسیر مظہری، ۱: ۳۰۰، ۳۱۸، ۳۳۵ وغیرہ

^{۳۳} ایضاً، ۳۳۴

۵۔ استحسان :- استحسان قیاس ہی کی ایک ذیلی شاخ ہے، لغوی طور پر استحسان کے معنی کسی چیز یا امر کو اچھا جاننے کے ہیں، لیکن اصطلاح علم الاصول میں اس سے قیاس جلی کے مقابلے میں قیاس خفی کو ترجیح دینا یا کسی کلی حکم سے بعض مصالح کی بنا پر کسی جزئی حکم کو مستثنیٰ کر دینا ہے۔ امام شافعیؒ کو استحسان کے سخت مخالف ہیں مگر خود اصحاب شوافع نے مالکیہؒ کے اختیار کردہ استحسان سے ملتی جلتی چیز مصالح مرسلہ کو قبول کیا ہے۔^{۳۳۲} تفسیر منظری میں بعض مقامات پر استحسان کا ذکر بھی ملتا ہے۔^{۳۳۵}

۹۔ استصحاب :- استصحاب کا شمار بھی قیاس کی ذیلی شاخوں میں ہوتا ہے، اس کے لفظی معنی تو طلبِ مصابحت کے ہیں مگر اصطلاحاً اس سے مراد کسی ایسے مثبت یا منفی حکم کا اثبات ہے جس کے خلاف (اور حق میں) کوئی دلیل نہ پائی جائے۔^{۳۳۴} آگے چل کر استصحاب کی بھی متعدد اقسام بن جاتی ہیں۔ استصحاب کی دلیل فقہی کا بعض شوافع، ظواہر اور بعض امامیہ نے اثبات کیا ہے، جب کہ اکثر احناف اس کے خلاف ہیں۔^{۳۳۶} تفسیر منظری میں ایک مقام پر اس کا ذکر دلیل ظنی کے طور پر آیا ہے۔^{۳۳۸} فقہی دلیل کے طور پر اسے کسی جگہ استعمال نہیں کیا گیا۔

طریقہ ہائے استنباط

تفسیر منظری میں اصول فقہ کے حوالے سے جو بحث کی گئی ہے، اس میں حسب ذیل طریقہ ہائے استنباط کا ذکر بھی شامل ہے:

۳۳۲ علی حسب اللہ: اصول التشریح الاسلامی، ص ۱۳۱

۳۳۵ تفسیر منظری، ۷: ۳۳۴

۳۳۶ علی حسب اللہ: اصول التشریح الاسلامی، ۱۳۲

۳۳۷ مقالہ استصحاب در اردو دائرہ معارف اسلامیہ، بذیل مادہ -

۳۳۸ تفسیر منظری، ۱: ۲۹۰

۱۔ نصوص قطعیه: ناضل مفسر قرآن دستہ واجماع کی نصوص قطعیه کو بڑی اہمیت دیتے ہیں، پھر نصوص میں دلالت اور وضوح کے اعتبار سے جو فرق ہے۔ اس کا بھی ذکر کرتے ہیں، چنانچہ نص کی چاروں اقسام عبارتہ النص، دلالتہ النص، اشارۃ النص اور اقتضاء النص وغیرہ کے مابین جو امتیاز کیا جاتا ہے وہ اس سے استدلال کرتے اور اپنی بحث کو مدلل بناتے ہیں۔ شوافع کی دلالت منطوق کی اساسی اہمیت کے پیش نظر قاضی صاحب عموم لفظ کو نصوص مورد پر ترجیح دیتے ہیں:

العبرة لعموم اللفظ لا بخصوص المورد۔^{۳۹}

چنانچہ تفسیر مظہری کے فقہی مسائل میں بیشتر احکام اسلامیہ کا دار و مدار اسی حکم پر ٹھیرایا گیا ہے،^{۴۰}

عام طور پر نصوص کے لغوی و حقیقی مضمون کو مراد ٹھیرایا جاتا ہے، لیکن اگر کسی وجہ سے حقیقی مضمون کو مراد ٹھیرانا متعذر ہو تو مجازی معنی بھی مراد لیے جاسکتے ہیں۔ اس نوع کی قرآن و حدیث

۳۹۔ نصوص نص کی جمع ہے، نص کے معنی قرآن اور حدیث کے وہ احکام ہیں جو صاف اور ظاہر الفاظ میں بیان کیے گئے ہوں۔ جرجانی اس کے ساتھ سبب الکلام لاجلہ کا اضافہ کرتے ہیں، یعنی عبارت کا وہ مقصد جس کو بیان کرنے کے لیے وہ کلام چلائی گئی ہو۔
(دیکھیے الجرجانی، التعریفات، قاہرہ ۱۳۲۰ھ، ص ۱۶۵ تا ۱۶۶، نیز محمود الحسن عارف: مقالہ نص، در اردو دائرہ معارف اسلامیہ، بذیل مادہ)

۴۰۔ دیکھیے تفسیر مظہری، ۳، ۴۲۴۔

۴۱۔ شوافع کے نزدیک نص کی مزید تقسیم بنیادی طور پر دلالت المنطوق اور دلالت المقوم سے کی جاتی ہے (محمد ابو زہرہ، ص ۱۳۹ تا ۱۵۴)

۴۲۔ مثلاً دیکھیے تفسیر مظہری، ۱، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴،

میں متعدد مثالیں مل جاتی ہیں۔ تاہم حقیقت اور مجاز دونوں بیک وقت مراد نہیں لے جاسکتے۔^{۴۶} یہ اس وقت ہوتا ہے جب دونوں کو جمع کرنا مشکل ہو۔^{۴۷} تفسیر مظہری میں متعدد احکام شریعہ کا اس اصول کی روشنی میں استخراج کیا گیا ہے۔^{۴۸}

ب۔ ترجیح نصوص :- اگر دو نصوص باہم متعارض ہوں اور وہ دونوں متن و سند کے اعتبار سے یکساں حیثیت رکھتی ہوں تو قاضی صاحب ترجیح کے مروجہ اصولوں کے تحت ان میں تطبیق دینے کی کوشش کرتے ہیں۔^{۴۹} لیکن اگر دونوں میں توافق پیدا کرنا ممکن نہ ہو تو حرمت والی و محرم دلیل کو اباحت والی (مبیح) نص پر ترجیح دیتے ہیں۔ اہل اصول کے اس اصول کار کی تشریح کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں :

”وَالْيَضَاءُ لِقَرَأْنِ فِي الْأَصُولِ أَنَّ الْمَحْرَمَ وَالْمَبِيحَ إِذَا تَعَارَفَا تَقَدَّمَ الْمَحْرَمُ عَلَى الْمَبِيحِ كَمَا لَا يَلْزَمُ تَكَرُّرُ الشَّيْءِ“^{۵۰}

انہیں صورت اگر حرمت والی نص میں تھوڑا بہت سقم بھی ہو تو اسے گوارا کیا جاسکتا ہے۔^{۵۱}

نسخ (ناسخ و منسوخ)

نسخ احکام کا مسئلہ اصول فقہ اور اصول تفسیر دونوں میں معرکتہ الآنا سمجھا جاتا ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن حکیم کے دو مقامات^{۵۲} میں اس کی صراحت کی گئی ہے۔

اگر دو نصوص باہم متعارض ہوں اور ان میں ترجیح دینے کی کوئی صورت نہ ہو تو نزول

^{۴۵} دیکھیے علی حسب اللہ، اصول التشریح الاسلامی، ص ۲۰۵ تا ۲۱۰

^{۴۶} ایضاً، ص ۲۰، ^{۴۷} تفسیر مظہری، ۱۶: ۲۸۹، ۳۸۴

^{۴۸} مثلاً دیکھیے ایضاً، تفسیر سورة البقرہ آیت ۲۲۵ و ۲۶۰۔

^{۴۹} ایضاً، ۱: ۳۲۱ تا ۳۲۲، ^{۵۰} ایضاً، ۱: ۲۸

^{۵۱} ایضاً، ۱: ۲۰۶۔ جہاں حنفی مسلک کی کمزور دلیل کو اسی اصول کے تحت ترجیح دی گئی ہے۔

^{۵۲} ترجیح کی متعدد صورتیں اصول تفسیر کی کتابوں میں بیان کی جاتی ہیں، مثلاً دیکھیے محمد

الوزیرہ: اصول الفقہ، ص ۱۸۳-۱۸۵

ورود کے اعتبار سے متاخر حکم کو نسخ اور مقدم ترک و منسوخ کہا جاتا ہے۔^{۵۳} یہاں تک تو مسئلہ واضح ہے اور اس میں کوئی ابہام نہیں ہے، مگر چونکہ شارع علیہ السلام کی جانب سے ان مقامات کی تصریح نہیں کی گئی، جہاں جہاں قرآن مجید میں نسخ واقع ہوا، اسی بنا پر قدیم زمانے سے ہی ایسے قرآنی مقامات کی تعیین کا مسئلہ بحث و تمیص کا موضوع رہا ہے، جہاں جہاں نسخ واقع ہوا ہے۔

ابتداءً ہر ایسی آیت کو جو کسی متاخر آیت سے اجمال، تفصیل اور تقييد و تعميم وغیرہ میں مختلف ہوتی منسوخ تصور سمجھ لیا جاتا تھا۔ چنانچہ آیہ قتال سے تقریباً ڈیڑھ صد آیات کو منسوخ کہا گیا۔ اور اس طرح منسوخ آیات کی تعداد پانچ سو تک پہنچادی گئی۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ قرآن حکیم میں اتنی ہی تعداد میں آیات احکام پائی جاتی ہیں۔^{۵۴} (اور نسخ احکام میں پایا جاتا ہے، عقائد اور تاریخ میں نہیں)۔

اس غلو فی النسخ کے نظریے کے خلاف جلد ہی رد عمل ہوا، اور ایک معتزلی عالم ابو مسلم اصفہانی (م ۳۴۲ھ / ۶۹۳۳) نے علی الاطلاق نسخ احکام کا انکار کر دیا۔ قاضی ابن العزلی (صاحب احکام القرآن) نے اس میں کچھ تخفیف کی اور تقریباً ڈیڑھ سو آیات تک نسخ کو محدود کر دیا۔^{۵۵} یہ تعداد بھی کچھ زیادہ تھی، اسی بنا پر علامہ جلال الدین سیوطی نے اعتدال سے کام لیتے ہوئے منسوخ شدہ آیات کی بیس تک تحدید کر دی۔ جنہیں بعد ازاں اشعار میں بھی قلم بند کر دیا۔ سیوطی کے بعد اس تعداد پر پھر نظر ثانی کی گئی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ان سے بھی پندرہ آیات غیر منسوخ ہونا ثابت کر دیا اور فقط پانچ آیات منسوخ ہونے کا اعلان کیا بعد ازاں اس میں مزید تخصیص کی گئی اور مولانا سندھی اور مفتی محمد عبدہ نے صرف ان مقامات کے نسخ کا قول کیا جن کے نسخ کا خود قرآن حکیم میں صراحت

^{۵۳} البقرہ - ۱۰۶، النحل - ۱۰۱

^{۵۴} صبحی صالح، مباحث فی علوم القرآن، ص ۲۶۳ و بعد

^{۵۵} ملا جیون، تفسیرات احمدیہ، ص ۴، ۳۔

^{۵۶} دیکھیے احکام القرآن، السیوطی، الاتقان، ۲: ۲۲۔

^{۵۷} ایضاً الاتقان، ۲: ۲۲ تا ۲۳

^{۵۸} شاہ ولی اللہ، الفوز البکیر فی اصول التفسیر، ص ۱۸ تا ۱۹

کی گئی ہے، ایسے مواقع تین سے زیادہ نہیں ہیں۔^{۵۹}

تاہم اصول فقہ میں نسخ کا اطلاق محولہ بالا اصول تفسیر کی اصطلاح سے وسیع معنوں میں کر لیا جاتا ہے کیونکہ اس میں تقييد و تعميم کی بھی بعض صورتیں شامل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تفسیر مظہری میں نسخ کا اطلاق اصطلاح علم فقہ کے طور پر قدرے وسیع معانی میں کیا گیا ہے۔ قاضی صاحب ایک طرف تو اپنے استاد و مرثیٰ کی تصریحات کے مطابق منسوخ بھی جانے والی آیات کی توجیہ کر کے ان کے نسخ کی تردید کرتے ہیں۔^{۶۰} حالانکہ ان میں سے بعض آیات کو ان کے محبوب مصنف علامہ سیوطی منسوخ ثابت کر چکے تھے۔^{۶۱} دوسری طرف چونکہ اصول فقہ میں تقييد و تعميم کی بعض صورتوں پر بھی نسخ کا اطلاق کیا جاتا ہے، لہذا تفسیر مظہری میں بعض ایسی آیات پر بھی نسخ کا اطلاق کر دیا گیا ہے جو شاہ ولی اللہ کی صراحت کے مطابق منسوخ نہیں ہیں۔ اصول فقہ کے اس اصول کی وصاحت کرتے ہوئے قاضی صاحب لکھتے ہیں:

”لکن یدل جواز تقييد المطلق المامور به بعد ما کان جارياً علی اطلاقه ویکون التقييد فی حکم التسح ان کان متراجحاً لما نحن فیہ۔۔۔۔۔ ویکون تخصیصاً ان لم یکن متراجحاً۔“^{۶۲}

چنانچہ اس قسم کے جن جن مقامات پر نسخ کا اطلاق کیا گیا ہے، ان کے متعلق باسانی

^{۵۹} محمد الخضری: تاریخ التشریح الاسلامی، ص ۲۳ تا ۲۴ نیز دیکھیے محمود الحسن عارف، مقالہ نسخ در اردو دائرۃ معارف اسلامیہ، بذیل مادہ۔

^{۶۰} مثلاً ملاحظہ ہو تفسیر مظہری، ۱: ۱۸۸ تا ۱۸۹ (البقرہ: آیت ۱۸۳) ۱۹۱ تا ۱۹۲ (-) ۱۸۴، ۲۴۳

(- ۲۱۹) ۲۲۲ تا ۲۲۳ (- ۲۸۶ وغیرہ)

^{۶۱} مثلاً دیکھیے البقرہ کی آیت ۲۱، ۲۸۶ (الانعام، ۲: ۲۲ و بعد)۔

^{۶۲} ایضاً، تفسیر مظہری، ۱: ۸۳ (البقرہ - ۶۹)

^{۶۳} دیکھیے تفسیر مظہری، ۱: ۱۸۶ (البقرہ - ۱۸۰)، ۲۰۵ (- ۱۸۷)، ۲۴۶ (- ۲۴۱)،

۳۲۸ (- ۲۳۴)، ۳۲۹، ۳۳۰ (- ۲۴۰)، ۳۹۱ وغیرہ

یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ یہاں نسخ کا اطلاق اصطلاح علم تفسیر کے طور پر نہیں بلکہ اصول فقہ کی اصطلاح کے طور پر ہے جس میں تفسیر و تعمیم کی صورتوں پر بھی اس کا اطلاق کر دیا جاتا ہے۔ نسخ کی متعدد صورتیں ہیں، ان میں ایک صورت قرآن کا قرآن سے نسخ ہے۔ یہ صورت متفق علیہ ہے، باقی صورتیں مختلف فیہ ہیں۔ حنفی اصول فقہ کے مطابق نصوص قرآنی کو خبر متواتر، خبر مشہور اور اجماع وغیرہ سے منسوخ قرار دیا جا سکتا ہے، چنانچہ تفسیر مظہری میں خبر مشہور^{۶۴} اور اجماع^{۶۵} سے نسخ (بصورت تفسیر و تعمیم) ثابت کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں بعض مالکیہ اور بعض شوافع بھی احناف کے ہم خیال ہیں،^{۶۶} نسخ کی پوچھی صورت یعنی حدیث کے قرآن سے منسوخ ہونے پر تو کسی کو اختلاف نہیں ہے۔

دیگر متفرق اصول

ان چیدہ چیدہ اصولوں اور فقہی قاعدوں کے علاوہ اصول فقہ کے بعض متفرق اصولوں کا ذکر بھی تفسیر میں کیا گیا ہے، مثال کے طور پر یہ حکم کہ امر و جوب کے لیے ہوتا ہے^{۶۸} اور منی مطلق ممانعت کے لیے^{۶۹} اسی طرح یہ مسئلہ کہ تفسیر مبہم کے لیے ضروری ہے کہ وہ مبہم نہ ہو۔

اثبات مسائل میں قرآنیات متواترہ مشہورہ پر ہی مدار قیاس رکھا گیا ہے، تاہم قرأت ابن مسعود سے بھی استفادہ کیا گیا ہے جسے تفسیر مظہری میں تو قرأت شاذہ بیان کیا گیا ہے، مگر محققین نے اسے بھی قرأت متواترہ مشہورہ قرار دیا ہے۔

^{۶۴} تفسیر مظہری، ۱: ۳۹۱ (البقرہ - ۲۷۳) ^{۶۵} ایضاً، ۱: ۱۸۶ (۱۸۰ -)

^{۶۶} دیکھیے محبت اللہ بہاری: مسلم الثبوت، ۲: ۸ -

^{۶۷} تفسیر مظہری، ۱: ۲۲۵ ^{۶۸} ایضاً، ۲: ۲۳۹

^{۶۹} ایضاً، ۲: ۲۳۹

^{۷۰} دیکھیے علی حسب اللہ: اصول التشریح الاسلامی، ص ۲۱ تا ۲۲

^{۷۱} تفسیر مظہری، ۱: ۲۸۲، ۳۲۵ وغیرہ -

مسائل فقہ (جزئی بحث)

تفسیر منظری میں تفسیر نویسی کے اصولی مباحث کے ساتھ ساتھ مسائل و احکام کی جزوی اور فروعی بحثیں بھی ہیں، اصولی بحث تو وہیں کی گئی ہے جہاں کوئی اہم مسئلہ زیر بحث آیا ہے، جب کہ عام فقہی آیات کے تحت مسائل کی جو توضیح و تنقیح کی گئی ہے وہ اپنی کمیّت اور کیفیت میں اول الذکر یعنی اصولی مباحث سے کہیں زیادہ ہے۔ پھر یہ مسائل انہی آیات کے تحت زیر بحث لائے گئے ہیں، جہاں اخذ و استنباط کے لحاظ انہیں موزوں سمجھا گیا۔ اس طرح مجتہدانہ اسلوب نظر پیدا ہونے میں مدد دیتی ہے۔ عام کتب فقہ اور باسٹنٹائے چند بیشتر تفاسیر میں فقہی ابواب کی ترتیب و تدوین کی سطح انتہائی سادہ اور عامیاناہ سی ہے، بعض مفسرین نے فقط اپنے مسالک کا ذکر کیا ہے۔ جب کہ بعض اہل تفسیر نے خود کو فقط اقوال فقہا بیان کرنے تک محدود رکھا ہے۔ بعض نے جزوی مسائل بیان کیے ہیں، مگر اصولی بحث کو قطعاً نہیں چھیڑا۔ مگر تفسیر منظری میں ان تمام پہلوؤں پر یکساں توجہ مرکوز کی گئی ہے۔ الغرض فقہی ابواب میں ترتیب و تدوین میں قاضی صاحب جیسی احتیاط اور فکر و نظر کی گہرائی بہت کم تفسیروں میں نظر آتی ہے۔

تفسیر منظری کے فقہی مباحث چونکہ مقدار اور کمیّت میں دیگر تمام مباحث سے زیادہ ہیں، لہذا ان پر نقد و تبصرہ کے لیے زیادہ تفصیل و اطناب کی ضرورت ہوگی، مگر ہم اختصار کے پابند رہیں۔ بہر حال تفسیر منظری کے فقہی ابواب کی خصوصیات حسب ذیل ہیں۔

مصادر و ماخذ پر ایک نظر

جیسا کہ قبل ازیں تفسیر منظری کے ماخذ کے ضمن میں یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ تفسیر منظری کے شمار کتابوں کے مطالعے اور معلومات کا پتھر ہے۔ اس کے سب سے زیادہ ماخذ تو علوم حدیث و درایت حدیث میں ہیں، دوسرے نمبر پر مباحث فقہ کے ماخذ آتے ہیں، جن کی مجموعی تعداد چالیس ہے۔ لیکن چونکہ فقہی مسائل پر جو طویل بحثیں کی گئی ہیں، کتب حدیث و درایت حدیث کا استعمال بھی سب سے زیادہ انہی مباحث کے دوران ہوا ہے، اس لیے

یہ کہا جاسکتا ہے کہ حدیث و درایت کے ماخذ بھی درحقیقت فقہ و اصول فقہ کے ماخذ میں شامل ہیں، اس طرح فقہ کے ماخذ و مصادر کی تعداد بہت زیادہ قرار پاتی ہے۔
 فقہ کے ماخذ میں پانچوں مسلک فقہ (بشمول ظواہر) کی مشہور و معروف کتب شامل ہیں، اسی طرح پانچوں مسالک کے تمام اہم مصنفین سے بھی قاضی صاحب نے استفادہ فرمایا ہے، ان وجوہ کے پیش نظر تفسیر مظہری کے فقہی ابواب کی قدر و قیمت بہت زیادہ نظر آتی ہے، کیونکہ تفسیر مظہری کی یہ بحثیں گہرے سوچ بچار اور وسیع مطالعے کی بنیاد پر مرتب کی گئی ہیں اور یہ اپنے اندر بے حد افادہ پہلو رکھتی ہیں۔

فقہی مسالک کی تفصیل

فاضل مفسر زیر بحث مسئلے کی نوعیت بیان کرنے کے بعد مختلف مسالک فقہ کی تفصیل بیان کرتے اور فقہاء کی آراء زیر بحث لاتے ہیں۔ تفسیر میں زیر بحث آنے والے مسالک زیادہ تر مسلمہ فقہی دبستان، یعنی حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اور ظاہری ہیں۔ خیال خال مقامات پر فقہ جعفریہ امامیہ اور بعض غیر زندہ مسالک مثلاً اوزاعیہ، طبریہ کا ذکر بھی کیا گیا ہے، لیکن مسلمہ فقہی مسالک کے بیان کو ہر جگہ اولیت دی گئی ہے۔

یہاں بھی قاضی صاحب اپنی انفرادی شان برقرار رکھتے ہیں، چنانچہ اکثر فقہی مسالک کا سرسری سا ذکر کرنے کے بجائے گہرائی میں جا کر ان کا مطالعہ کرتے ہیں، اسی بنا پر بانی مسلک کے ساتھ ساتھ ضمنی اور تبعی طور پر اس مسلک کے مجتہد فی المذہب درجے کے فقہاء کا حوالہ دینا بھی ضروری سمجھتے ہیں، مزید تفصیل حسب ذیل ہے:

۲۷ امام اوزاعی (ابو عمرو عبد الرحمن) (م ۱۵۷/۶۷۴) ملک شام کے مشہور فقیہ اور مجتہد تھے۔ ان کی فقہ، جس پر تواتر سنت کے اصول کا غلبہ تھا، مغرب اور شام کے بعض علاقوں میں کچھ عرصے تک رائج رہی، مگر چوتھی صدی ہجری میں ناپید ہو گئی۔

(دیکھیے جے۔ ساخت، مقالہ اوزاعی در اردو دائرہ معارف اسلامیہ، بذیل مادہ)

۲۸ ابو جعفر ابن جریر الطبری (م ۲۹۲/۳۱۰) دینائے اسلام کے نامور فقیہ اور مجتہد تھے، انھوں نے بھی ایک مستقل فقہی مکتب قائم کیا تھا، مگر وہ زیادہ کامیاب نہ ہو سکا (ایضاً، اردو دائرہ معارف

(۱) فقہ حنفی: فقہ حنفی جس پر وہ خود بھی عامل ہیں، تفسیر مظہری میں فاضل مفسر کے سب سے زیادہ زیر مطالعہ رہی۔ اس فقہ کے مجتہدین میں سے بانی مسلک امام ابوحنیفہؒ کے علاوہ ان کے دونوں شاگردوں امام ابو یوسفؒ، امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ کا، جب کہ دیگر مجتہدین میں سے امام طحاویؒ، شارح امام محمد السرخسیؒ، خواہر زادہؒ اور الکرخیؒ، نیز صاحب ہدایہ المرغینانیؒ، صاحب المختصر القدوریؒ، مشہور محقق شیخ کمال الدین ابن ہمامؒ، ابوالبرکات النسفیؒ، صاحب الکافی والکنز الدقائق، مشہور مفتی و محقق قاضی خانؒ، نجم الدین الخوارزمی صاحب فتاویٰ الخاصیؒ، التفتازانیؒ، صاحب احکام القرآن المصباح رازیؒ، ابواللیث الحنفیؒ اور دیگر اکابر و مجتہدین اور ائمہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں سے اول الذکر تین ائمہ کے اختلافی اقوال بکثرت نقل کیے گئے ہیں، جب کہ بقیہ افراد کا ذکر دلائل و شواہد اور بعض ضمنی و تبعی مباحث میں آیا ہے۔ اس ضمن میں بعض مقامات پر "بعض الحنفیہ" کے نام سے کچھ آراء بیان کی گئی ہیں اور پھر "المحققون من الحنفیہ" کے عنوان سے ان کی تردید ابطال کیا گیا ہے، جس سے فاضل مفسر کے تحقیق و تدقیق کے رجحان کا پتا چلتا ہے۔

(ب) فقہ شافعی: فقہ حنفی کے بعد فاضل مؤلف کی بیشتر توجہ فقہ شافعی پر مبذول رہی،

۴۴ مثلاً دیکھیے تفسیر مظہری، ۱: ۱۲۵، ۱۶۹، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸،

(۵) فقہ ظاہریہ: فقہ ظاہریہ میں سے، جس کا بیشتر مدار ظواہر نصوص پر ہے، باقی مسک امام داؤد النظارہی ؒ، ابن حزم ؒ وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

(۹) فقہ جعفریہ امامیہ، اوزاعیہ، طبریہ: فقہ جعفریہ میں سے الکلینی صاحب الکافی ؒ، کا، اوزاعیہ میں سے امام اوزاعی ؒ کا اور الطبریہ میں سے امام ابو جعفر الطبری ؒ کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

فقہی آراء بغرض تائید و استشاد

مسئلہ فقہی مسالک کے علاوہ تفسیر مظہری کے فقہی ابواب کا ایک معتد بہ حصہ صحابہ کرام ؓ تابعین عظام ؓ اور تبع تابعین ؓ کے فقہی اقوال و آثار پر مشتمل ہے، ان کی فقہی آراء سے محولہ بالا فقہی مسالک کی تائید و استشاد کا کام لیا گیا ہے۔ یہ فقہی آراء اس موضوع پر مفید اور قابل قدر اضافے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کے مطالعے سے فقہی اقوال کے تدریجی ارتقا کا بھی پتا چلتا ہے، جس سے تحقیق و تفتیش اور فکری تشنگی دور کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ اس سے تفسیر مظہری کے فقہی ابواب کی قدر و قیمت میں یقیناً اضافہ ہوا ہے۔ اس ضمن میں جن اہل علم کی آراء کو پیش کیا گیا ہے، اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

مجاہد ؒ، عطاء بن ابی رباح ؒ، السائب بن یزید ؒ، الضحاک بن مزاحم ؒ،
الربیع بن خثیم ؒ، الربیع بن انس ؒ، الشیبی ؒ، قتادہ ؒ، مقاتل بن سلیمان ؒ،

ؒ تفسیر مظہری، ۱: ۶۳، ۱۴۹، ۱۸۲، ۱۹۰، ؒ ایضاً، ۱: ۴۰، ۴۶، ۱۸۵ وغیرہ

ؒ ایضاً، ۲/۲: ۲۲، ؒ ایضاً، ۳: ۲۲، ۶: ۸۹

ؒ ایضاً، ۱: ۱۹، ۱۹۳، ۲۲۸ وغیرہ ؒ ایضاً، ۱: ۱۲، ۹۲، ۹۳، ۲۴۰، ۲۴۰

ؒ ایضاً، ۱: ۸۹، ؒ ایضاً، ۱۰: ۲۹، ۲/۲: ۲۹

ؒ ایضاً، ۳: ۵۳، ؒ ایضاً، ۱: ۱۰

ؒ ایضاً، ۱: ۳۹، ؒ ایضاً، ۱: ۱۶

ؒ ایضاً، ۱: ۲۱، ۲/۲: ۱۱۶، ۱۳۷، ۲۲۹

ؒ ایضاً، ۱: ۱۹۳، ۳: ۳۲، ۶: ۲۲۱، ۲۲۹، ۲۲۳، وغیرہ۔

محمد بن سیرینؒ، ابن جریجؒ، سفیان الثوریؒ، ابن المبارکؒ، الحکمؒ،
 محمد بن الحنفیہ بن علیؒ، ابو العالیہؒ، حکمہؒ، ابن زیدؒ، طاؤسؒ،
 عمرو بن دینارؒ، نافعؒ، مولیٰ ابن عمرؒ، اعرجؒ، امام محمد شہاب الزہریؒ،
 ابراہیم النخعیؒ، الطبریؒ، الاصبغیؒ، محمد بن نصرؒ، سلیمان بن یسارؒ،
 اور حماد بن ابی سلمہؒ جیسے اکابرین شامل ہیں۔ ان تابعین کے فقہی آراء و اقوال کی اہمیت
 از خود واضح ہے۔

۱۔ صحابہ کرامؓ صحابہ کرامؓ میں سے خلفائے راشدین یعنی حضرت صدیق اکبرؓ،
 فاروق اعظمؓ، عثمان غنیؓ اور حضرت علیؓ کا ذکر سب سے مقدم و بکثرت ہے۔
 ان کے علاوہ جگر گوشہ رسولؐ خاتون جنت حضرت فاطمہ الزہراءؓ، اہمات المؤمنین میں

۱۲۲ تفسیر مظہری، ۱: ۶۶۸۹: ۴۴۹، ۲۴۹

۱۲۵ ایضاً، ۱: ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۱۸۲، ۱۱۷، ۲/۳: ۶۶۵: ۴۳۶، ۲۷۰ ایضاً، ۱: ۹۲

۱۲۶ ایضاً، ۱: ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۸۳، ۷۷، ۶۰، ۱۱۷، ۶۶: ۴۴۹، ۲۷۰ -

۱۲۸ ایضاً، ۱/۲: ۷۸، ۱۳۲، ۱۸۴، ۶: ۲۶۹ - ایضاً، ۱/۲: ۱۸

۱۳۰ ایضاً، ۱: ۱۰، ۱۴، ۱۵، ۸۹، ۹۹ ایضاً، ۱: ۱۵، ۱ -

۱۳۲ ایضاً، ۱: ۱۸، ۱۹، ۲/۳: ۳۲، ۲۸، ۱۸ ایضاً، ۱: ۱۵، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۵

۱۳۴ ایضاً، ۱: ۱۱، ۱۵، ۱۸، ۱۹، ۲/۳: ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۳۲ - ایضاً، ۳: ۳۲ -

۱۳۶ ایضاً، ۱: ۱۷، ۲/۳: ۱۷، ۱۸: ۴۴۵ -

۱۳۷ ایضاً، ۱: ۳، ۱۲، ۲/۳: ۱۷، ۱۸، ۲۸، ۲۹، ۳۲

۱۳۸ ایضاً، ۱: ۳۹، ۴۰ - ایضاً دیکھیے تفسیر مظہری، ۱: ۱۵۸، ۱۶۱، ۱۶۲: ۴۴۴ -

۱۴۰ ایضاً، ۱: ۱۶۱، ۱۶۲: ۴۴۴ وغیرہ

۱۴۱ ایضاً، ۱: ۳، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۱/۲: ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳

۱۲۹ھ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، عبادلہؓ اربعہ ، یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، جبر الامت حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، اقراب الصحابہ رضی اللہ عنہم ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، خادم نبوی حضرت انس رضی اللہ عنہ، حواری رسول حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ، دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ابوذر غفاری، جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ، اور سعید بن العاص وغیرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فقہی اقوال کو بنیادی اہمیت دی گئی ہے۔

ب۔ تابعین و تبع تابعین: تابعین و تبع تابعین میں سے اکثر نامور اور نامور کردہ ارباب بصیرت کے فقہی آثار نقل کیے گئے ہیں، جن میں عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ، سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ، سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ، خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ، علی بن حسین المعروف بہ علی زین العابدین رضی اللہ عنہ۔

۱۲۳ھ ایضاً، ۱: ۱۷، ۱/۲: ۱، ۴: ۶، ۲۳۹ وغیرہ

۱۲۵ھ ایضاً، ۱/۲: ۱، ۹، ۱۵۹، ۳، ۵، ۱۷، ۶: ۲۴۰۔

۱۲۶ھ ایضاً، ۴: ۲۴۰ ایضاً، مجمل مذکور

۱۲۸ھ ایضاً، ۱: ۲، ۱۷، ۱/۲: ۱، ۷، ۱۴، ۱۳۱، ۱۵۵، ۲۰۱، ۶: ۲۴۰ وغیرہ

۱۲۹ھ ایضاً، ۱: ۳، ۱۰، ۳۹، ۶۰، ۷۸، ۸۹ وغیرہ

۱۳۰ھ ایضاً، ۱: ۱، ۲، ۱/۲: ۱، ۱۵۹: ۶، ۲۳۹، ۲۴۵۔

تفسیر منظہری، اور فقہی اجتہاد

موجودہ دور کے بعض اہل علم کی جانب سے ہندوستان کے علماء و فقہاء پر دوسرے اعتراضات کے علاوہ ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ یہاں کسی بھی دور میں "اجتہاد" کو پذیرائی حاصل نہ ہو سکی۔ یا بالفاظ دیگر یہاں "فقہ" تو پیدا ہوئے مگر کوئی مجتہد پیدا نہ ہوا۔ راقم الحروف کے خیال میں یہ اعتراض کم علمی پر مبنی ہے، قاضی محمد ثنا اللہ پانی پتی^۱ کے احوال و کوائف سے اس اعتراض کی بھرپور تردید ہوتی ہے۔

ہندوستان اور فقہ حنفی

ہندوستان میں فقہ حنفی زیادہ تر دورِ غزنویہ (۳۶۷ھ/۶۹۷ء - ۵۸۳ھ/۱۱۸۷ء) میں ترکستان و افغانستان کے راستے سے آئی۔ فاتح لشکر کے ساتھ متعدد حنفی علماء و فقہاء اس فقہ کو اپنے ہمراہ لائے اور یہ سلسلہ بعد میں بھی جاری رہا۔^۲

"تاریخ فقہ" کے مطابق یہ دور جمود اور تقلید پرستی کے عملاً نفاذ و استحکام کا دور تھا، اور پھر جس علاقے سے یہ روایت یہاں پہنچی وہاں کی مقامی آب و ہوا بھی تقلید پرستی کے لیے زیادہ موزوں تھی، علاوہ ازیں یہ دور عالم اسلام میں منطق و فلسفہ کی اشاعت و ترویج کا دور بھی خیال کیا جاتا ہے، جس کے نتیجے میں علوم قرآن و سنت پر اُمت کی مجموعی توجہ میں فرق آگیا تھا، اس پر مستزاد یہ کہ

۱۔ ملاحظہ ہو: الثقافة الاسلامیة فی السند، تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند، ج ۲ (۶ بی، ابتدائی مقالہ) ص ۳۲۹-۳۸۳، بعنوان الدور الخامس۔

یہ دور زیادہ تر "حاشیہ نگاری" کا دور بھی تھا، اس لیے جب ان حالات میں حنفی فقہ کے قدم یہاں آئے تو فطری طور پر اس کے لیے دلوں میں تعصب و تقشف اور سطحیت پسندی بھی در آئی؛ بلکہ ہندوستان کی درس گاہوں میں صدیوں تک فقہ حنفی کی جو کتابیں پڑھی پڑھائی جاتی رہیں، ان میں بھی استدلال یا المنقول کے بجائے استدلال یا المعقول کا طریقہ زیادہ وسعت اور کثرت کے ساتھ اپنایا گیا تھا۔

بزرگ عظیم پاک و ہند میں "علم حدیث" ابتدائی زمانے میں پہنچ چکا تھا کیونکہ اس ابتدائی زمانے میں بعض اکابر محدثین کا تذکرہ ملتا ہے۔ شہ خود حضرت علی، بحوریؒ کے پیش رو شیخ محمد اسماعیل بخاری (م ۲۳۸ھ / ۱۰۵۶ - ۶۱-۵۷) کے بارے میں یہ صراحت کی جاتی ہے کہ وہ محدث تھے۔ مگر اس زمانے میں عام رجحان چونکہ عقلی علوم کی طرف زیادہ تھا اس لیے یہ اکابر و کاتبان محدث یہاں علم حدیث کا صحیح ماحول پیدا نہ کر سکے۔ اسی بنا پر دنیائے اسلام کے دیگر ممالک کے مقابلے میں یہ سرزمین "بصیرت اجتهاد" میں کافی پیچھے نظر آتی ہے۔

حدیث و سنت کی تدریس کا باقاعدہ آغاز حضرت مجدد الف ثانی (م ۱۰۳۲ھ / ۱۶۲۳) اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۲) کی کادشوں کامرہون منت ہے، جسے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے شاگردوں نے اوج کمال پر پہنچا دیا۔ شاہ صاحبؒ نے دہلی کے مدرسہ رحیمیہ میں "عشرہ متداولہ" (حدیث کی دس متداول کتب) کی تدریس شروع کی۔ آج تک انہی کی سند سے جملہ مدارس عربیہ میں جاری و ساری ہے۔

حدیث و سنت کی ترویج و اشاعت نے "فقہ و اجتهاد" کی دنیا میں پھیل بیا کر دی اور

۳ سید مناظر احسن گیلانی: شاہ ولی اللہ، دارالفرقان، شاہ ولی اللہ نمبر۔

۴ مثلاً القدوری: کنز الدقائق؛ شرح وقایہ اور ہدایہ وغیرہ۔

۵ عبدالحی لکھنوی: نزہتہ الخواطر، ج ۱، ۲، وہی مصنف: یاد امام، مطبوعہ علی گڑھ، ۱۹۱۹ء،

سید سلیمان ندوی: ہندوستان میں علم حدیث، درمعارف (عظیم گڑھ)۔ ومقالات سلیمان وغیرہ۔

۶ رحمان علی: تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۱۱، عدد ۵۳۔

۷ کلمات طیبات، مکتوبات شاہ ولی اللہ۔ م ۱، ص ۱۵۹۔

بیت سے ارباب بصیرت نے احادیثِ رسول کی روشنی میں مسائل فقہ پر آزادانہ غور و خوض کا آغاز کر دیا، خود شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی تصانیف میں اجتہاد کی حقیقت اور اس کی ضرورت و اہمیت کو نمایاں کیا، شاہ اسماعیل شہید (م ۱۸۳۱ء) نے بعض مسائل میں شوافع کا اتباع کیا۔ میرزا مظہر جاننات (م ۱۱۹۵ھ/۱۷۸۰ء) شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (م ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء) اور شیخ محمد فاخر الہ آبادی (م ۱۱۶۴ھ/۱۷۵۰ء) وغیرہ کے ہاں بھی جزوی طور پر بعض اجتہادات ملتے ہیں، لیکن ہمارے خیال میں اس عنوان پر سب سے مبسوط، متوازن اور مفصل کاوش قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی کی ہے، جنہوں نے اپنی تصانیف میں اجتہاد کی عملی مثالیں فراہم کر کے بر عظیم پاک و ہند کے فقہاء کو "اجتہاد" کا راستہ دکھایا تھا۔ مگر افسوس کہ لوگوں کی کم ہمتی اور بے بضاعتی کے باعث یہ راستہ زیادہ تر بے آباد ہی رہا۔

اجتہاد اور اس کی شرائط

"اجتہاد" کے لغوی معنی "کسی مقصد کو حاصل کرنے کی انتہائی کوشش کرنا" اصطلاحی طور پر اس سے مراد "کسی مسئلے کے بارے میں اپنی حد تک حکمِ شرع کو دریافت کرنے کی کوشش کرنے کے ہیں" پھر چونکہ اس کا عملی ذریعہ قیاس ہے، اس لیے بعض اوقات اجتہاد اور قیاس دونوں کو باہم مترادف بھی کہہ دیا جاتا ہے بلکہ اجتہاد کا جواز قرآن و سنت، تعامل صحابہ اور اجماع امت سے ثابت ہوتا ہے۔ بلکہ اجتہاد کا مقصد یہ ہے کہ اسلام کے ابدی و سرمدی قوانین تغیر پذیر حالات کا ساتھ دے سکیں، یوں اسلام میں حرکت محض اجتہاد ہی کے دم قدم سے قائم ہے۔^{۱۲}

^{۱۲} مثلاً عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید، و مقدمہ المسوی، شرح موطا، ص ۴۲۔

^{۱۳} لسان العرب، بذیل مادہ، (۴: ۱۰۹، سطر ۱۹)۔

^{۱۴} امام شافعی: الرسالہ، مطبوعہ قاہرہ - ۱۳۱۲ھ، ص ۱۲۷، سطر ۷۔

^{۱۵} محمد ابو زہرہ: الاجتہاد فی الفقہ الاسلامی، نیز اصول الفقہ، ص ۳۷۹ - ۳۹۹۔

^{۱۶} علامہ اقبال Reconstruction of Religious thought in Islam

اردو ترجمہ، از سید نذیر نیازی، بعنوان: تشکیل جدید الہیات مطبوعہ نزم اقبال، لاہور، ص ۲۲۳ - ۲۷۷۔

لیکن اجتہاد ہر کس و ناکس کے بس کا روگ نہیں۔ مجتہد کے لیے علوم شرعیہ (بشمول علوم آلیہ، یعنی صرف و نحو وغیرہ) میں اونچے درجے کی مہارت و مہارت ضروری ہے۔^{۱۳} حضرت شاہ ولی اللہ نے اجتہاد کی حسب ذیل آٹھ شرائط بیان کی ہیں:

وشروطہ أنتہ لا یبدلہ ان یعرف من الکتاب والسنة وما يتعلق
بالاحکام ومواقع الاجماع وشرائط القیاس وکیفیة النظر وعلوم العربیة
والتاسع والمنسوخ وحال الرواة۔^{۱۴}

۱) اجتہاد کی شرط یہ ہے کہ مجتہد کے لیے ضروری ہے کہ وہ قرآن و حدیث جس قدر احکام سے متعلق ہے جانتا ہو، نیز مواقع اجماع، قیاس صحیح کی شرائط، مقدمات کی صحیح ترتیب، علوم عربیہ سے واقف ہو۔ علاوہ ازیں ناسخ و منسوخ اور راویوں کے حالات سے آگاہ ہو، عمد حاضر کے ایک اور فاضل محقق محمد البوزہرہ بھی مجتہد کی حسب ذیل آٹھ شرائط بیان فرماتے ہیں:

"عربیۃ، قرآن مجید اور اس کے ناسخ و منسوخ کا علم، علم حدیث، مواقع اجماع، مواقع اختلاف کا علم، قیاس اور مقاصد احکام کی معرفت^{۱۵} وغیرہ۔"

بظاہر یہ شرائط بڑی سخت ہیں مگر چونکہ اجتہاد ہر شخص کا کام نہیں ہے، اس لیے امت کے لیے شخص کے اجتہاد پر ہی اعتماد کر سکتی ہے جو اجتہاد کی بصیرت اور اس کا درک رکھتا ہو۔ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی بلاشبہ مذکورہ بالا شرائط و اوصاف پر پورا اترتے تھے۔ وہ قرآن مجید اور حدیث و سنت کے مستند عالم دین تھے، وہ مواقع اجماع، شرائط قیاس اور کیفیت نظر سے بھی آگاہ تھے۔ انھیں عربی زبان پر بھی عبور حاصل تھا۔ ان کی تفسیر تفسیر منظمی ان کی "عربیۃ" کا ثبوت ہے۔ ناسخ و منسوخ اور راویوں کے حالات و کوالف سے بھی وہ باخبر تھے، اس لیے انھیں بلاشبہ اجتہاد کا حق حاصل تھا اور وہ مجتہد کہلانے کے

^{۱۳} کشف اصطلاحات الفنون، ۱: ۱۹۹

^{۱۴} عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید، طبع کراچی، ص ۹ تا ۱۰

^{۱۵} اصول الفقہ، مطبوعہ قاہرہ، ص ۳۷۹ تا ۳۸۹

اہل تھے، یہی وجہ ہے کہ ان کے تمام تذکرہ نویسوں نے انھیں متفقہ طور پر مجتہد تسلیم کیا ہے۔ شاہ غلام علی دہلوی لکھتے ہیں:

”حضرت قاضی صاحب زیدہ علمائے ربانی اور مقرب بارگاہِ یزدانی ہیں، انھیں عقلی و نقلی علوم میں کامل دسترس حاصل ہے۔ فقہ اور اصول فقہ میں وہ مجتہد کے مرتبہ پر فائز ہیں۔ انھوں نے ایک بسوط کتاب علم فقہ پر لکھی ہے، جس میں ہر مسئلے کے ماخذ، دلائل اور مذاہب اربعہ میں مجتہدین کے مختارات بیان کیے ہیں، اور ان میں سے جو ان کے نزدیک زیادہ صحیح ہیں، انھوں نے ایک جدا رسالے میں تحریر کر کے ماخذ الاقویٰ نام رکھا ہے۔ علم اصول فقہ میں بھی انھوں نے اپنے مختارات لکھے ہیں۔“^{۱۶}

ایضاً ایضاً الجبنی کے مصنف مولوی محمد محسن تراسی اور سید عبدالحی لکھنوی تحریر فرماتے ہیں:

”قاضی صاحب فقہ و اصول فقہ کے ماہر، عابد و زاہد اور مجتہد تھے، فقہ و اصول فقہ میں ان کے اپنے مختارات ہیں۔“^{۱۷}

غرض ان کے تمام سوانح نگار انھیں مجتہد قرار دیتے ہیں۔ البتہ سوانح نگاروں نے ان کے اجتہاد کی تفصیل فراہم نہیں کی۔ ہم یہاں اس کی کچھ تفصیل بیان کریں گے۔

قاضی صاحب اور اجتہاد

قاضی صاحب کی یہ انتہائی سعادت تھی کہ انھیں دورانِ طالب علمی جن جن اساتذہ کی سرپرستی میسر آئی وہ سب مجتہد اور عامل بالحدیث تھے؛ ان کے اولین استاد میرزا منظر جانجانی شہید تھے۔ وہ بھی چند مسائل میں اجتہاد کا عملی تجربہ رکھتے تھے۔ مولوی محمد حسن تراسی لکھتے ہیں:

”اور وہ نماز میں انگشت شہادت کے ساتھ اشارہ کرتے تھے، اور دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر سینے کے اوپر باندھتے تھے۔ اور غیر جہری نمازوں میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھتے تھے۔“^{۱۸}

^{۱۶} مقامات منظری، ص ۷۵؛ مولوی فقیر محمد جہلمی، حدائق الحنفیہ، ص ۴۶۶۔

^{۱۷} ایضاً الجبنی۔ مطبوعہ برہانہ کشف الاستار، ص ۶۷؛ نزہتہ الخواطر، ص ۱۱۳۔

^{۱۸} ایضاً الجبنی، ص ۶۷۔

ان میں سے اول الذکر مسئلے میں مجددیہ کا اور آخری دونوں مسائل میں احناف کا اختلاف ہے، اس سے ان کی بصیرت اجتہاد پر روشنی پڑتی ہے اور پتا چلتا ہے کہ وہ فقہی معاملات میں منفرد سوچ کے حامل تھے۔ ان کے مکتوبات سے بھی ان کے مجتہدانہ اوصاف نمایاں ہوتے ہیں، بالخصوص وہ مکتوب جس میں ہندوستان کے ہندوؤں کی حیثیت پر بحث کی گئی ہے۔^{۱۹} قاضی صاحب کے دوسرے استاد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تھے، جن سے آپ نے ”عشرہ متداولہ“ کا درس لیا۔^{۲۰} حضرت شاہ صاحب ہندوستان کے مجتہد علمائے کرام میں سرفہرست ہیں، انھوں نے نہ صرف یہ کہ متعدد مسائل میں اجتہاد کیا، بلکہ انھوں نے ہندوستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ اجتہاد کے حق میں نہایت زوردار آواز بلند کی،^{۲۱} اور اپنے عہد کے مسلمانوں میں ”اجتہاد“ کی ضرورت و اہمیت کا شعور بخشا۔ خود قاضی صاحب کا نظریہ اجتہاد بھی بڑی حد تک اپنے اس استاد دہلوی کے تصورات کے عین مطابق ہے۔

قاضی صاحب کے تیسرے استاد حدیث شیخ محمد فخر محدث الہ بادی تھے۔ وہ بھی عامل بالحدیث ہونے میں شہرت رکھتے ہیں۔^{۲۲} غرض قاضی صاحب کے تینوں اساتذہ کرام ”اجتہاد کی بصیرت“ کے حامل تھے، اس لیے ان کے اس مشترکہ وصف نے یقیناً قاضی صاحب کو بے حد متاثر کیا، اور اگر یہ کہا جائے تو عین مناسب ہو گا کہ ”شاگرد“ کے ہاں عملی اجتہاد کی مثالیں اساتذہ کرام سے بھی زیادہ ہیں، اس لیے کہ شاگرد کے تمام فیوض و کمالات اساتذہ اسی کے کمالات کا پر تو ہیں۔ اور جس شاگرد کو بزرگ عظیم پاک و ہند کی مذکورہ بالا تینوں، چندے آفتاب و چندے، ہتاب ہستیوں سے تلمذ کا شرف حاصل ہو، اس کے کمالات علمی کا خود اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

۱۹ کلمات طیبات، ص ۲۵ تا ۲۷، مکتوب ۶۷

۲۰ ایضاً، ص ۱۵۸ - ۱۵۹، م ۱ -

۲۱ دیکھیے عقد الجید اور حجتہ اللہ الیالغہ، وغیرہ

۲۲ دیکھیے عبدالحی لکھنوی: نزہتہ الخواطر، ۶: ۳۲۰ - ۳۲۱

مجتہدین میں قاضی صاحب کا مقام

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے مجتہدین کو حسب ذیل چار اقسام میں تقسیم فرمایا ہے:

۱۔ مجتہد مطلق: مجتہد مطلق، مجتہدین کا سب سے اونچا درجہ ہے، اس درجے کے مجتہدین آزادانہ اپنے اصول ہائے استنباط کا تقرر کرتے ہیں، آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ اور دیگر آثار کا مطالعہ کر کے احکام و مسائل کا استخراج کرتے ہیں اور اپنے استخراج کردہ احکام کے حق میں دلائل فراہم کرتے ہیں۔ اس طبقے میں ائمہ اربعہ اور پہلی دوسری صدی کے دیگر اکابر مجتہدین شامل ہیں۔

ب۔ مجتہد منتسب: مجتہد منتسب وہ ہے جو اپنے شیخ کے اصول کو برقرار رکھ کر اکثر و بیشتر دلائل کی تلاش اور ماخذ پر تبتہ حاصل کرنے کے لیے اس کے کلام سے مدد لے اور اس کے باوجود وہ نئے احکام، ان کے دلائل و ماخذ وغیرہ تلاش کرے جیسا کہ ائمہ اربعہ کے قریبی شاگرد وغیرہ ہیں۔

ج۔ مجتہد فی المذہب: مجتہدین میں تیسرا درجہ مجتہد فی المذہب کا ہے جو عمومی مسائل و احکام میں اپنے امام کا مقلد ہوتا ہے، لیکن کوئی نیا واقعہ پیش آنے پر وہ اپنے امام کے اصولوں کی روشنی میں اجتہاد کر کے اس کا حکم معلوم کر سکتا ہے۔

د۔ مجتہد فی الفتویٰ: سب سے نچلا درجہ مجتہد فی الفتویٰ کا ہوتا ہے جو اپنے فقہی مسلک سے پوری طرح واقفیت رکھتا ہے اور اپنی واقفیت کی بنا پر وہ امام کے کسی ایک قول کو دوسرے پر یا امام کے شاگردوں کی کسی ایک وجہ کو دوسری وجہ پر ترجیح دے سکے گا۔ قاضی صاحب کی اپنی تصانیف کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ وہ حنفی مسلک کے بیک وقت "مجتہد فی الفتویٰ" بھی تھے اور "مجتہد فی المذہب" بھی۔ اب ہم قاضی صاحب کی مذکورہ دونوں حیثیتوں پر علیحدہ علیحدہ بحث کریں گے تاکہ ان کے اجتہاد کی کیفیت اچھی طرح واضح ہو سکے۔

قاضی صاحب بحیثیت مجتہد فی الفتویٰ

یوں تو مسلمانوں کا ہر مفتی مجتہد فی الفتویٰ ہوتا ہے، اس لیے کہ جب تک کوئی فقیہ اپنے مسلک سے اس کے دلائل و وجوہ سے، نیز اختلاف آراء و اقوال سے اور ان میں ترجیح دینے کی اہلیت سے بہرہ ور نہیں ہوتا اس وقت تک وہ "فتویٰ" صادر کرنے کا قانونی استحقاق نہیں رکھتا۔^{۲۴} مگر بایں ہمہ تمام مفتی اس وصف میں یکساں نہیں ہوتے۔ اور اکثر یہ ہوتا ہے کہ مفتی صاحبان پہلے سے صادر شدہ فتاویٰ ہی کو بار بار دہراتے چلے جاتے ہیں اور ان فتاویٰ میں اپنی ذاتی تحقیق و تعقیب کو بہت کم دخل انداز کرتے ہیں، گو استثنائی مثالیں بھی ملتی ہیں۔

قاضی صاحب "ایک ایسے مجتہد فی الفتویٰ تھے جو تمام مسائل کی اچھی طرح تنقیح و تحقیق کرنے، اور پھر حسب ضرورت مختلف اقوال و آراء میں سے کسی ایک قول کو ترجیح دینے کی اعلیٰ ترین صلاحیتوں سے بہرہ ور تھے۔ انھوں نے خود ایک مقام پر مفتی کے لیے مجتہد ہونے اور علوم میں دست گاہِ کامل رکھنے کو ضروری قرار دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"اور یہ فرض کفایہ ہے کہ شہر بھر میں کوئی ایک شخص علم کا ہر باب سیکھے، یہاں تک کہ وہ فتویٰ دینے کے درجے تک پہنچ جائے۔ پس اس صورت میں اگر شہر کے باقی لوگ علم سیکھنے سے محروم رہ جائیں تو اس مفتی کے ہونے کے باعث وہ سب گناہ میں گرفتار ہونے سے بچ جائیں گے۔ اور جب اہل شہر میں سے کوئی ایک شخص بھی علم کے اس مذکورہ مقام تک پہنچ جائے گا تو باقی لوگوں سے علم کے اس کامل درجے تک پہنچنا فرض کفایہ ہونے کی بنا پر ساقط ہو جائے گا اور ان تمام لوگوں کو اپنے پیش آئندہ حالات میں اس کی اتباع کرنا ہوگی۔"^{۲۵}

گویا قاضی صاحب کا خیال یہ تھا کہ ہر شہر میں چھوٹے چھوٹے علما تو ہوتے ہی ہیں،

^{۲۴} عقد الجید، ص ۱۵-۱۷

^{۲۵} تفسیر مظہری، ۴: ۳۲۳۔

البتہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہاں ایک کامل درجے کا فقیہ اور مجتہد بھی پیدا ہو تاکہ نت نئے مسائل و احکام میں وہ اہل شہر کی رہنمائی کر سکے، خود قاضی صاحب علم فقہ کے اس مرتبہ کا عمل پر فائز تھے۔ ان کے اجتہاد فی الفتویٰ کی چند مثالیں حسب ذیل ہیں:

۱۔ حنفی ائمہ کے اقوال میں ترمیح: یوں تو ہر فقہ میں اختلاف رائے موجود ہے مگر حنفی فقہ میں تادیر اجتہاد جاری رہنے کے باعث اختلاف آراء دوسرے مسالک سے کیفیت اور کیفیت میں کچھ زیادہ ہی ہے، ایک ایک مسئلے پر کسی کسی آرا ملتی ہیں۔ ایک عامی شخص فیصلہ نہیں کر سکتا کہ وہ امام کے کس قول پر عمل کرے اور کس پر عمل نہ کرے۔ قاضی صاحب نے اپنے فتاویٰ اور اپنی تصانیف میں فقہ کی اس قسم کی الجھنوں کو دور کیا ہے اور اختلاف آراء سے مثبت نتائج برآمد کیے ہیں۔ مثلاً:

۱۔ امام ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ "عدالت" گواہوں کے حالات کی زیادہ چھان بین نہ کرے، بلکہ صرف ظاہری حالات کو کافی خیال کرے۔ ہاں البتہ اگر مخالف فریق کی جانب سے کسی گواہ کی "تقاہت" کو چیلنج کیا جائے تو پھر ایسا کیا جاسکتا ہے۔ لیکن امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ نیز امام شافعیؒ اور امام احمد حنبلؒ کے نزدیک بہر صورت عدالت کو گواہوں کے ظاہر و باطن کی خوب تحقیق کر لینا چاہیے۔

اس مسئلے میں گویا احناف نے صاحبینؒ کے مؤخر الذکر قول کو ترمیح دی ہے۔^{۲۴} مگر قاضی صاحب نے امام صاحب کے قول ہی کو اقرب الی الصواب قرار دیا ہے، قاضی صاحب تفسیر منظری میں تحریر فرماتے ہیں:

"اور علمائے احناف نے امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے قول پر فتویٰ دیا ہے، لیکن میرا خیال ہے کہ ہمارے موجودہ زمانے میں امام ابو حنیفہؒ کے قول پر فتویٰ دیا جانا چاہیے، کیونکہ ہمارے اس دور میں اسلامی کتابوں کی شرائط پر پورا اترنے والا ایک گواہ بھی نہیں ملتا، اگر ہم اس معاملے میں سختی کریں گے تو اس سے لوگوں کے حقوق متاثر ہوں گے اور انصاف کا دروازہ بند ہو جائے گا۔"^{۲۵}

^{۲۴} دیکھیے الجصاص رازی، احکام القرآن، ۲: ۲۲۳-۲۲۲، بعنوان باب الشہود۔

^{۲۵} تفسیر منظری، ۱: ۲۲۸-۲۲۷۔

قاضی صاحبؒ کی یہ رائے جہاں ہمارے موجودہ دور کے شایان شان ہے۔ وہاں عدالتی نظام کے لیے بھی انتہائی مفید اور کارآمد ہے۔

۲۔ قرآن مجید میں رہزنی کے لیے سزائے قتل و صلب (سولی) کا ذکر ملتا ہے (المائدہ: ۳۳) مگر یہ مسئلہ مجتہدین میں مختلف فیہ رہا ہے کہ کس مقام کی یہ واردات "قطع طریق" (ڈکیتی) کا مصداق ٹھہرتی ہے، ائمہ احناف سے اس ضمن میں چار اقوال مروی ہیں:

اول: وہ واردات اس کا مصداق ہے جو شہر سے باہر اتنی دور کی جائے، جہاں کوئی مدد نہ پہنچ سکے (امام ابوحنیفہ)۔

دوم: موقع واردات اور شہر میں کم از کم ۲۸ میل کا فاصلہ ہو (امام ابوحنیفہ۔ قول ثانی)۔

سوم: شہر سے باہر (دور و نزدیک جہاں بھی بھرہ یا لجر کی واردات کی جائے وہ اس کی مصداق ہے۔ (امام ابو یوسف)

چہارم: اگر اس نوع کی واردات دن دہاڑے پیش آئے اور ڈاکو اس میں اسلحہ استعمال کریں تو خواہ یہ واقعہ اندرون شہر کا ہو یا بیرون شہر کا، وہ قطع طریق کی واردات ہے (ابو یوسف۔ قول ثانی)۔

گو صاحب ہدایہ وغیرہ متعدد اکابر احناف نے امام صاحبؒ کے دوسرے قول کو راجح ٹھہرایا ہے مگر قاضی صاحبؒ نے تفسیر مظہری میں بدلائل ثابت کیا ہے کہ امام ابو یوسفؒ کا آخری قول ہی زیادہ قرین صواب ہے۔^{۲۸} اور ہمارے اس آتشیں اسلحہ کے دور کے لیے بھی یہی قول زیادہ قابل عمل ہے۔

قاضی صاحب کی تصانیف میں اس قسم کی بیسیوں مثالیں مل سکتی ہیں جس سے ان کے فقہ واجتہاد کا بخوبی ادراک کیا جاسکتا ہے۔ اس موضوع پر انھوں نے ایک مستقل رسالہ بعنوان "مختارات" بھی رقم فرمایا تھا جو فی الوقت ہندوستان کے بزرگ مولانا ابوالحسن زید۔ فاروقی دہلوی کے پاس قلمی صورت میں محفوظ ہے۔^{۲۹}

^{۲۸} دیکھیے ہدایہ اولین، ۱: ۳۷۲۔ کتاب قطع الطريق۔

^{۲۹} تفسیر مظہری، ۳: ۸۷۔

^{۳۰} عبدالرزاق قریشی۔ تشریحات، مکاتیب مرزا مظہر، ص ۲۳۲-۲۳۳۔

حنفی مسلک کے کمزور دلائل کے مقابلے میں قوی دلائل

احکام کے ماخذ و مصادر پر نظر رکھنا بھی مجتہد کی ذمہ داری تھکنے، چنانچہ اس عنوان پر امام ابوحنیفہؒ کے اولین شاگردوں سے لے کر کئی صدیوں کے حنفی مجتہدین تک نے بیش قدر کام کیا ہے۔ اس فہرست میں قاضی صاحبؒ کے نام نامی کا بھی اضافہ کیا جاسکتا ہے کیونکہ انھوں نے بے شمار مقامات پر حنفی فقہ کی تائید و تقویت کے لیے عقلی دلائل و براہین کا اضافہ کر کے اس موضوع پر مفید کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ وہ جب کسی مقام پر حنفی دلیل کو کمزور پاتے ہیں تو یا تو اس کی تائید و تقویت کے لیے خود تلاش کر دہ دلیل کا اضافہ فرمادیتے ہیں اور یا پھر مخالف دلیل کو تسلیم کرتے ہوئے دوسرے فریق کے حق میں فیصلہ صادر کر دیتے ہیں۔ اس آخری صورت پر ہم بعد میں بحث کریں گے۔ اول الذکر صورت کی چند مثالیں حسب ذیل ہیں:

ارض مسئلہ تیمم میں احناف کی دلیل پر اضافہ: اگر کسی شخص کو پانی میسر نہ ہو یا پانی تو میسر ہو مگر وہ اس کے استعمال پر قادر نہ ہو تو شریعت نے اسے پاک مٹی سے تیمم کرنے کی اجازت دی ہے، اس کے لیے قرآن مجید میں "صَعِيدًا طَيِّبًا" (المائدہ: ۶) ارشاد فرمایا گیا ہے، جس کی تشریح امام مالکؒ نے زمین اور اس سے متصل نباتات سے، امام شافعیؒ و امام احمدؒ بن حنبل نے فقط مٹی سے اور احناف نے مٹی اور اس کی جملہ اقسام (ریت، چونا، پتھر وغیرہ) سے کی ہے۔ احناف نے اپنے مسلک کی حمایت میں حسب ذیل حدیث کا استشہاد کیا ہے:

جُعِلَتْ لِي الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَ طَهُورًا ۱۳۱

یعنی میرے لیے تمام زمین مسجد اور طہور (ذریعہ پاکی) بنا دی گئی ہے۔

قاضی صاحبؒ اس حنفی دلیل پر ایک اور دلیل کا یوں اضافہ فرماتے ہیں:

"میرا خیال ہے کہ لفظ "صَعِيدًا" مٹی اور روئے ارض (زمین کا بالائی حصہ) دونوں کے لیے

مستعمل ہے جیسا کہ مشہور لغت نویس صاحب القاموس نے اس کی صراحت کی ہے۔

بتا بریں زیر بحث آیت میں صَعِيدًا سے مراد زمین کا بالائی حصہ (روئے ارض) ہی ہے نہ کہ

محض تراب (مٹی) ، اس لیے کہ خود قرآن مجید کی سورہ المائدہ (آیت نمبر ۶) میں صراحت فرمادی گئی کہ "اللذ تم پر کسی طرح کی تنگی نہیں کرنا چاہتا بلکہ یہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کرے (آیت نمبر ۶) اور اگر تیمم کے لیے زرخیز مٹی کی شرط رکھی جائے تو اس میں لوگوں کے لیے بڑی تنگی ہے، خصوصاً ایسے علاقوں کے رہنے والوں کے لیے، جو بنجر، پتھر، پیلے، ریتلے اور پہاڑی علاقوں میں آباد ہیں، کیونکہ انہیں زرخیز مٹی بہزار دقت ہی دستیاب ہو سکتی ہے" ^{۳۲}

قاضی صاحب کی اس عقلی و لغوی دلیل سے یقیناً مسلک حنفی کو تقویت ملتی ہے۔

نماز کے مقامات کی طہارت کا مسئلہ: اگر کسی جگہ نجاست پڑ کر سوکھ جائے تو احناف کے نزدیک اس مقام پر نماز جائز ہے، مگر تیمم جائز نہیں ہے۔ جب کہ بعض دیگر مسالک میں نماز پڑھنے کو بھی رش (پھینٹے مارنے) سے مشروط کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں احناف کی دلیل حدیث نبوی: **ذکوۃ الارض یبسھا** ^{۳۳} (یعنی زمین کی پاکی اس کا خشک ہو جانا ہے) پر مبنی ہے، مگر قاضی صاحب اس حنفی دلیل پر یہ اعتراض فرماتے ہیں کہ یہ خبر واحد ہے اور خبر واحد کے ساتھ حنفی اصول فقہ کے مطابق حکم قرآن میں ترمیم کرنا جائز نہیں ہے، اس کے بجائے وہ خود اس کے حق میں حسب ذیل دلیل کا اضافہ فرماتے ہیں:

"اور میرے نزدیک اس مسئلے کا کہ "زمین کا خشک ہو جانا ہی اس کا پاک ہونا ہے" دار و مدار اس روایت پر ہے جو امام بخاری ^{۳۴} نے حمزہ بن عبد اللہ کی روایت سے نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

كانت الكلاب تبول وتدير في المسجد في زمان رسول الله صلى الله عليه وسلم، فلم يرشون شيئاً من ذلك وهكذا في سنن أبي داود، ^{۳۵}
والاسماعيلي وابي نعيم والبيهقي ^{۳۶} یعنی:

^{۳۲} تفسیر مظہری، ۲/۲: ۱۲۶، نیز ملاحظہ ہو، الحصاص رازی: احکام القرآن، ۴: ۲۲-۲۵، ۲۹-۳۳

^{۳۳} ہدایہ - کتاب الطہارۃ، ۱: ۴۸ - ^{۳۴} بخاری، کتاب الوضوء، ۱: ۵ (۲۳/۴)

^{۳۵} سنن ابی داؤد، ۱: ۲۶۵، حدیث ۳۸۲۔

^{۳۶} تفسیر مظہری، ۲/۲: ۱۲۸؛ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ یہ روایت لکھنے میں (باقی اگلے صفحے پر)

(یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کتے مسجد نبوی میں آتے جاتے اور پیشاب کرتے رہتے تھے، لیکن صحابہ کرامؓ اس پر پانی کا چھڑکاؤ نہیں کرتے تھے)۔

مذکورہ روایت صحیح بخاری میں حمزہ بن عبد اللہ سے اور سنن ابی داؤد میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے۔ اس طرح یہ دو مستقل روایتیں ہوئیں، جب کہ مذکورہ بالا اسی مضمون کی روایت کو اس کے ساتھ شامل کرنے سے راویوں کی کل تعداد کم از کم تین تک جا پہنچتی ہے۔ یوں مفہوم کے لحاظ سے اس روایت کو درجہ مشہرت حاصل ہو جاتا ہے اور "مشہور روایت" سے کسی آیت قرآنی کے مفہوم میں تعمیم و تخصیص جائز ہے۔

ذمی کے بدلے مسلمان سے قصاص کا مسئلہ: اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دے تو آیا اس پر قصاص واجب ہوگا یا دیت؟ احناف کے نزدیک قصاص اور شواہق و حنا بلہ کے ہاں دیت واجب ہوگی۔ احناف ایک روایت سے استشہاد کرتے ہیں۔ جس میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے ہی واقعے میں قاتل (مسلمان) کو قصاص میں قتل کر دیا تھا۔ قاضی صاحبؒ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس روایت کو محدثین میں سے صرف امام دارقطنی نے نقل کیا ہے اور وہ بھی اس روایت کی سند ابراہیم بن یحییٰ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ جھوٹا شخص ہے۔ درست یہ ہے کہ یہ روایت ابن سلیمان سے بطور مرسل ^{۳۷} روایت ہوئی ہے۔ اور ابن سلیمان تو اگر موصول ^{۳۸} حدیث بیان کرے تب بھی کمزور راوی ہے، چہ جائیکہ وہ مرسل روایت کرے۔ (گزشتہ سے پیوستہ) غالباً سہو کاتب ہوا ہے۔ اس لیے کہ اصل روایت کے الفاظ فلم یرشون (ت۔ م) کے بجائے فلم یکنوا یرشون ہیں۔

^{۳۷} مشہور روایت وہ حدیث ہے کہ جسے کم از کم تین افراد روایت کریں۔

^{۳۸} مسلمانوں کی حفاظت و ذمہ داری میں زندگی بسر کرنے والے، مسلم حکومت کے

غیر مسلم شہری کو ذمی کہا جاتا ہے۔

^{۳۹} مرسل وہ روایت ہے جس کا سلسلہ تابعی پر ختم ہو جائے۔

^{۴۰} موصول۔ جس روایت کا سلسلہ سند آنحضرتؐ تک متصل ہوتا ہو۔

اس طرح حنفی مسلک کمزور قرار پاتا ہے، مگر قاضی صاحب اس پر دو دلائل کا اضافہ فرماتے ہیں۔ اولاً آیہ قرآنی النفس بالنفس اور ثانیاً حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عثمان اور حضرت عائشہ کی اسی مضمون کی روایت، لہذا حنفی مسلک ہی ثابت ہوا۔^{۱۷۱}

دیگر مسالک پر ذاتی حوالے سے تنقید: ایک مجتہد جہاں اپنے مسلک کا پوری طرح عالم ہوتا ہے، وہاں اسے دیگر مسالک، ان کے دلائل و شواہد اور ان کے وجوہ و علل کا بھی علم ہونا چاہیے۔ قاضی صاحب علم و فضل کے اس معیار پر بھی پورا اترتے ہیں۔

انہوں نے مختلف مقامات پر دیگر مسالک کا جو مطالعہ پیش کیا ہے اور جس طرح ان کے دلائل و شواہد پر تنقیدی تبصرے کیے ہیں، اس سے ان کے تبحر علمی اور بصیرت اجتہاد کا بخوبی احساس ہوتا ہے، چند مثالیں حسب ذیل ہیں:

۱۔ شریعت اسلامیہ نے حاملہ اور مرصعہ (دایا) کو اجازت دی ہے کہ وہ روزے دوسرے دنوں میں قضا کر سکتی ہے، لیکن ان میں سے کوئی ایک روزہ رکھنے کے بعد اسے باطل کر دے تو احناف کے نزدیک اس پر محض قضا اور مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک قضا و کفارہ دونوں واجب ہوں گے، قاضی صاحب نے اس مسئلے میں حنفی مسلک کے حق میں بدلائل بحث کرتے ہوئے، مذکورہ دونوں مسالک کا رد فرمایا ہے اور بحث کا اختتام اس جملے پر کیا ہے:

”اس قول کی حمایت میں کوئی سند نہیں ملتی۔“^{۱۷۲}

۲۔ شریعت اسلامیہ نے مریض اور مسافر دونوں کے لیے رمضان المبارک کے روزے قضا کر کے رکھنے کی اجازت دی ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص ایک رمضان کے روزے اگلے رمضان المبارک تک بھی نہ رکھے تو اس پر حنفی مسلک کے مطابق محض قضا ہے مگر دیگر

۱۷۱ ت م (تفسیر منظری) ۱، ۱۸۰، ۱۸۱

۱۷۲ ایضاً ۱، ۱۱۱، تقابلی بحث کے لیے دیکھیے ہدایہ، ۱، ۲۳۵۔ مفصل بحث کے

لیے ملاحظہ ہو احکام القرآن، از جصاص رازی، ۱، ۲۲۳ - ۲۲۸۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک کھانا اور فدیہ دونوں واجب ہوتے ہیں۔^{۲۳} قاضی صاحب اس مسئلے میں احناف کی حمایت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”ما قضا ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس کی تائید میں کوئی حدیث مرفوعہ نہیں ملتی اور اس میں فقط آثار صحابہ مروی ہیں۔ صاحب المذنب نے ان میں سے حضرت علیؓ، حضرت جابرؓ اور حضرت حسینؓ کے نام گنوائے ہیں، اور مجھے ان میں سے کسی روایت کی سند صحیح نہیں ملی، سوائے حضرت ابو ہریرہؓ و حضرت ابن عباسؓ کے اور اگر کوئی حدیث مرفوعہ صحیح تسلیم بھی کر لی جائے، تب بھی اس کے خبر واحد ہونے کی بنا پر اس کے ذریعے حکم قرآنی پر اضافہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ جمع و تطبیق: ایک مجتہد کی اجتہادی بصیرت کا یہ پہلو بھی قابل ذکر ہے کہ اس میں مختلف روایات یا اقوال صحابہ و تابعین و مسالک فقہ کی جمع و تطبیق کا خداداد ملکہ حاصل ہوتا ہے؛ قاضی صاحب اس خداداد ملکہ و بصیرت سے بہرہ ور تھے۔ اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

وراثت کے باب میں ایک مختلف فیہ مسئلہ ”ذوی الارحام“ (ماموں، خالہ وغیرہ) کی وراثت کا بھی ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل اس کے حق میں ہیں اور دیگر دو ائمہ اس کے خلاف ہیں، احناف کی دلیل سورہ انفال کی آیت نمبر ۵، اور بعض احادیث نبویہ ہیں، جب کہ فریق مخالف بھی بعض احادیث سے استشہاد کرتا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ اس باب میں خود روایات و احادیث میں اختلاف پایا جاتا ہے، بعض احادیث سے اس کا اثبات اور بعض سے نفی ہوتی ہے، قاضی صاحب ایک مجتہد کی حیثیت سے ان تمام آثار میں تطبیق پیدا کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”احادیث میں مطابقت یوں پیدا کی جاسکتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے پہل خالہ اور پھوپھی کی وراثت کے بارے میں پوچھا گیا اور یہ واقعہ آیت قرآنیہ — وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ (سورہ انفال نمبر ۵، ہے) (یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کی رو سے رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں) کے نزول سے قبل کا ہے اور اس وقت تک چونکہ آپؐ پر کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا، اس لیے آپؐ نے

فرمایا "ان کو کوئی حصہ نہ ملے گا"۔ پھر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی، جس میں اولوالارحام کی وراثت کا ذکر موجود ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا: ماموں و ارباب ہے، اس شخص کا جس کا کوئی اور وارث نہ ہو۔" ۲۵

قاضی صاحب کی ان تصریحات سے مسئلہ حل ہو جاتا ہے اور کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔
۲۔ ہم جنسی کی قبیح عادت جہاں شرعی نقطہ نگاہ سے بھیانک جرم ہے، وہاں طبی اعتبار سے بھی سم قائل ہے، اسی لیے فقہانے اس کے لیے سخت ترین سزائیں تجویز کی ہیں۔ امام مالک، شافعی اور احمد بن حنبل کے نزدیک ہم جنسی کرنے والوں کو رجم کیا جائے۔ امام شافعی کے دوسرے قول کے مطابق اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک اس کی سزا "زنا" کی سزا کے مماثل ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کی سزا کا مسئلہ حاکم وقت کی صوابدید پر ہے۔ آراء و اقوال کا یہ اختلاف ہمیں خود صحابہ کرامؓ اور تابعین کے ہاں بھی نظر آتا ہے۔ قاضی صاحب اپنی اجتہادی بصیرت سے ان سب اقوال اور بعض مرفوع روایات میں یوں تطبیق پیدا فرماتے ہیں:

"اور ان تمام اقوال، ابن عباسؓ کی حدیث مرفوع اور دیگر روایات کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی شخص ہم جنسی کا عادی ہو جائے اور اس سے یہ فعل شنیع بار بار صادر ہو، اور اس پر معمولی زجر و توبیخ کوئی اثر نہ کرتی ہو، تو اس کو جس طرح بھی ممکن ہو قتل کی سزا دی جائے، اور عادی ہونے اور بار بار اس فعل شنیع کے صادر ہونے پر حدیث مرفوع کے الفاظ "من وجدتمہ یعمل عمل قوم لوط" (تم جس کو قوم لوط والا عمل کرتے پاؤ) دلالت کرتے ہیں کہ آپ نے من عمل عمل قوم لوط (جس نے قوم لوط والا عمل کیا) نہیں فرمایا، اور یہی امام ابو حنیفہ کا مسلک ہے۔" ۲۶

۳۔ قاضی صاحب کی بین الفقہی مسائل میں یہ اجتہادی بصیرت ہی کا اظہار ہے کہ وہ اختلافی مسائل میں جمع بین المسالک کے موقف کو زیادہ پسند فرماتے تھے، چنانچہ اپنی کتاب "مالا بدمنہ" میں وضو کے فرائض کا ذکر کرتے ہوئے احناف کے چار، مالکیہ، حنابلہ کے

سات اور شوافع کے چھد فرائض گنوائے ہیں اور پھر اس پر یہ تبصرہ کیا ہے:
پس احتیاط اس میں ہے کہ ان تمام ہی کو ادا کیا جائے کیونکہ یہ سب باتیں امام اعظمؒ کے
نزدیک سنت ہیں۔^{۴۷}

اسی طرح موزوں پر مسح کرنے کی بحث میں لکھا ہے:
”اور سنت یہ ہے کہ ہاتھ کی پانچوں انگلیاں نچلے سرے سے اوپر پنڈلی تک کھینچے۔
اور یہ امام احمد کے نزدیک فرض ہے اور احتیاط اسی میں ہے۔“^{۴۸}

مجتہد فی المذہب کی حیثیت سے

قاضی صاحبؒ کی تصانیف اور فتاویٰ کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ جس طرح ان میں
مجتہد فی الفتویٰ کی خصوصیت پائی جاتی ہیں۔ اسی طرح ان کی ذات میں مجتہد فی المذہب کی
”اوصاف“ بھی موجود تھیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اجتہاد کی بحث کرتے ہوئے مجتہد فی المذہب کی دو
ذمہ داریاں بیان فرمائی ہیں۔ اول یہ کہ وہ اپنے مسلکی اصولوں کی روشنی میں پیش آئندہ واقعات
کے لیے اجتہاد کی بصیرت رکھتا ہو، اور ثانی یہ کہ اگر اسے کوئی نص صریح اپنے امام کے قول
کے خلاف مل جائے تو وہ اسے قبول کرنے میں تامل نہ کرے۔^{۴۹}
ہم نہایت وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ قاضی صاحبؒ میں مجتہد فی المذہب کی مذکورہ دونوں
اوصاف پوری طرح موجود تھیں۔

منفردانہ اجتہادات

قاضی صاحب کے زمانے میں معاشرتی، سماجی اور اخلاقی تبدیلیاں بڑی سرعت کے
ساتھ رونما ہو رہی تھیں، قاضی صاحبؒ نے اپنے عہد کی نبض کو پوری طرح پہچانا اور اپنے
حالات و واقعات کے مطابق بعض اجتہادی فیصلے صادر کیے، ان کی چونکہ تمام کتابیں،

^{۴۷} مالا بدمنہ، مطبوعہ ملتان۔ ص ۱۳ ۴۸ ایضاً، ص ۱۱۔

^{۴۹} عقد الجید، ص ۱۳

بالخصوص ان کے فتوے اور فقہی تصانیف دستیاب نہیں ہیں، اس لیے بعض مسائل کے بارے میں دو ٹوک رائے قائم کرنا مشکل ہے۔ تاہم ان کی تفسیر وغیرہ سے اس عنوان پر جو روشنی پڑتی ہے، اس سے ان کے اجتہادات کے متعلق مثبت رائے قائم کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی، ہم ذیل میں ان کے چند اجتہادی فیصلے نقل کرتے ہیں:

۱۔ شہادتِ عادل کا مسئلہ: اوپر گزر چکا ہے کہ امام شافعیؒ اور صاحبین کے نزدیک گواہوں کی چھان پھٹک عدالت کی ذمہ داری ہے، جب کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایسا اسی وقت ضروری ہے۔ جب فریق مخالف اس شہادت کو چیلنج کرے، گویا متقدمین کے ہاں اس بات پر اتفاق رائے تھا کہ فاسق و فاجر کی گواہی کسی طرح بھی قبول نہ کی جائے، اب اگر اسی بات کو تمام ادوار کے لیے لازم قرار دے دیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ خاص طور پر ہمارے اس عہد میں کوئی شہادت بھی عدالتی طور پر "شرف قبول" حاصل نہ کر سکے گی، اسی لیے قاضی صاحبؒ نے اس مسئلے میں حسب ذیل منفردانہ رائے اختیار کی:

"اگر ہم اس مسئلے میں سختی کریں گے تو لوگوں کے حقوق متاثر ہوں گے، بلکہ ہمارے اس زمانے میں اگر کوئی فاسق شخص، ظاہری طور پر ٹھیک ٹھاک نظر آتا ہو اور غالب گمان یہ ہو کہ وہ جھوٹ نہ بولے گا یا دوسرے قرائن سے یہ بات ظاہر ہوتی ہو تو اس فاسق کی گواہی کو بھی قبول کر لیا جائے گا۔ اگر یہ کہا جائے کہ فاسق کی گواہی کا قبول کرنا صریحاً نص قرآن کے منافی ہے، لہذا اسے قبول نہیں کیا جاسکتا تو ہم اس کے جواب میں کہہ سکتے ہیں کہ یہ بات نص قرآنی کے خلاف نہیں، بلکہ عین اس کی منشا کے مطابق ہے، کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاسْتَشْهِدُوا شَهِدِينَ مِنْ دُونِكُمْ (اور اپنے میں سے دو گواہ بنالیا کرو) جس کا تقاضا یہ ہے کہ گواہ ہر زمانے کے پسندیدہ افراد ہونے چاہئیں۔ اب بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ امام ابوحنیفہؒ جیسا گواہ لایا جاسکے، کیونکہ مکمل شرائط عدالت کے مطابق ایک بھی عادل گواہ تلاش نہیں کیا جاسکتا۔" ۱۰

۲۔ زانی کو جلا وطن کرنے کا مسئلہ: اسلام میں زنا کو ایک بدترین جرم تصور کرتے ہوئے اس کے لیے سخت ترین سزائیں تجویز کی ہیں: اگر ملزم شادی شدہ ہے تو رجم اور غیر شادی شدہ ہونے کی صورت میں اسے احناف کے نزدیک محض ۱۰۰ کوڑوں کی سزا دی جائے اور شوافع و حنابلہ کے نزدیک اسے ۱۰۰ کوڑوں کے ساتھ ایک سال کی جلا وطنی کی سزا بھی ملنی چاہیے۔

قاضی صاحب نے ان دونوں مسالک کے مابین اپنا مسلک ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

”میرا خیال یہ ہے کہ جب قاضی کسی ملزم کو دیکھے کہ جو غلبہ شہوت کے باعث گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ مگر پھر اپنے کیے پر شرمندگی کا اظہار کرتا ہے تو قاضی اسے گوشہ نشین ہونے اور سفر کرنے کا حکم دے گا، لیکن جو شخص یہ جرم بڑی ڈھٹائی اور بے شرمی سے کرتا ہے اور اس پر نادام بھی نہیں ہے تو اسے جلا وطن کرنے کے بجائے ایک سال تک قید خانے میں ڈال دیا جائے۔“

قاضی صاحب کے خیال میں چونکہ جلا وطنی کی سزا احادیث نبویہ سے ثابت ہے، لہذا قاضی اس سزا کو نظر انداز تو نہیں کر سکتا لیکن اگر بغیر لحاظ اسے نافذ کیا جائے تو بعض اوقات اس کے نتائج اور بھی زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں، اس لیے افراد کی مناسبت سے اس حکم کے نفاذ کی نوعیت مختلف ہو تو زیادہ قرین انصاف ہے۔

۳۔ محرمات سے نکاح کی سزا: قرآن مجید میں محرمات کا ذکر کر کے ان سے نکاح کرنے یا شہوانی تعلق قائم کرنے کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے۔ اس لیے کہ اس صورت میں رشتوں کا تقدس مجروح ہوتا ہے، تاہم اگر کوئی شخص اس حکم کی مخالفت کا مرتکب پایا جائے تو اس کی سزا کا تذکرہ قرآن مجید میں مذکور نہیں ہے۔ البتہ ایک حدیث مبارکہ میں اس کی سزا قتل بیان کی گئی ہے ^{۱۵۵} لیکن فقہاء اکثریت۔ مثلاً امام ابوحنیفہؒ، امام زفر بن ہدیل اور سفیان ثوری وغیرہ اس کے لیے قتل کی صراحت نہیں کرتے، اور اس روایت سے ”العقوبة البلیغہ الشدیدة“ (سخت ترین سزا) کا حکم مستنبط کرتے ہیں۔ قاضی

صاحبؒ اس پر اپنے مجتہدانہ انداز میں تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :

”میرا خیال یہ ہے کہ یہاں پر ”قتل“ کی تصریح ہونی چاہیے تاکہ حدیث نبوی کا پوری طرح تتبع کیا جائے۔“ ۵۳

۴۔ جادو کے عمل کا شرعی حکم : جادو کی حقیقت کے بارے میں فلاسفہ کی طرح فقہاء بھی مختلف الجھنیں ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر جادوگر مرد ہے اور اس کا جادو کرنا اس کے ذاتی اقرار سے یا دوسروں کی شہادت سے ثابت ہو جائے تو اسے سزا میں قتل کر دیا جائے اور اس کی توبہ بھی قبول نہ کی جائے، لیکن اگر جادوگر عورت ہے تو اسے اس وقت تک مجبوس کر دیا جائے جب تک کہ وہ جادو کرنے سے توبہ نہ کر لے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ جادوگر کے کسی عمل جادو سے کوئی شخص ہلاک ہو گیا ہے تو اس پر دیت واجب ہوگی اور اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یہ واردات اس نے عمداً کی ہے تو وہ قصاص کی سزا دیا جائے گا۔ ۵۴

قاضی صاحبؒ اس بات پر تو متفق ہیں کہ جادو ایک قابل سزا جرم ہے اور اس کی سزا قتل تک دی جاسکتی ہے مگر وہ اس پر حسب ذیل دو امور کا اضافہ فرماتے ہیں :

اول : یہ کہ نص قرآنی سے ثابت ہے کہ ہر قسم کا جادو اور اس کے جملہ افعال موجب کفر اور شرک ایمان کے منافی ہیں۔ بنا بریں امام شافعیؒ اور شیخ ابو منصور ماتریدیؒ کا بعض جادو کو کفر سمجھنا اور بعض کو کفر نہ سمجھنا محض احتمال عقلی پر مبنی ہے۔ ابن السطور سے حنفی مسلک کی مردوزن کے سلسلے میں دو عملی پر بھی طنز محسوس کی جاسکتی ہے (

دوم : یہ کہ جادو کے علاوہ خفیہ ضرر رسانی کے کئی دوسرے طریقے بھی ہیں۔ مثلاً دوسروں کے خلاف بددعا کرنا۔ یا ”جلالی اسمائے الیہ“ کے اوراد و وظائف وغیرہ، ان سے بھی دوسروں کو نقصان پہنچ جاتا ہے، ان کے متعلق کسی فقیہ نے بحث نہیں کی۔ قاضی صاحبؒ اس قسم کے تمام ضرر رساں طریقوں کو فسق (بد عملی) قرار دیتے ہیں اور ایسے لوگوں کو قطع الطریق (ڈاکوؤں)

۵۳ دیکھیے ت م ، ۶ : ۴۳۲۔

۵۴ احکام القرآن ، للمصباح رازی ، ۱ : ۱۰۶ - ۱۰۷۔

سے مماثلت دیتے ہیں، گویا قاضی صاحبؒ کے خیال میں اس نوع کے اعمال پر بھی کچھ نہ کچھ سزا دی جانی چاہیے۔

۵۔ ہندوستان کے ہندوؤں کی حیثیت : عام طور پر فقہا ہندوستان کے ہندوؤں کو اہل عجم کی فہرست میں شامل کر کے ان کے ساتھ سخت سلوک کرنے کے حق میں ہیں۔ مگر خود ہندوستان کی مقامی سیاست اس سے قطعی طور پر مختلف رہی ہے۔ کیونکہ یہاں مسلمان ہر دور میں اقلیت میں رہے۔ اسی بنا پر قاضی صاحبؒ کے استاد حضرت میرزا مظہر جان جاناں نے اپنے ایک مفصل مکتوب میں ہندو مذہب کی حقیقت پر بحث کرتے ہوئے، ہندوؤں کے ساتھ زہم سلوک کرنے کی ہدایت کی ہے۔ قاضی صاحبؒ نے اس میں مزید وسعت پیدا کی اور انھیں سلوک و مروت میں "مشابہ بہ اہل کتاب" قرار دینے کی حمایت کی ہے، لکھتے ہیں:

"اس پر تمام علما کا اتفاق ہے کہ مجوسی اہل کتاب نہیں ہیں، البتہ امام شافعی کا ایک قول اس کی تائید میں ملتا ہے۔۔۔ میرا یہ خیال ہے کہ اگر محض اس بنا پر مجوسیوں کو اہل کتاب قرار دیا جاسکتا ہے کہ ان کے بزرگ اہل کتاب تھے تو ہندوستان کے بتوں کے بجاری ہندو اس نام کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ وہ خود کتاب پڑھتے پڑھاتے ہیں اور اس کا نام انھوں نے بید (وید) رکھا ہے، جس کے چار حصے ہیں۔ ان کا یہ گمان ہے کہ یہ وید اللہ کی جانب سے نازل شدہ ہے، اور ان کے اصول بہت سے معاملات میں شریعت کے اصولوں کے عین مطابق ہیں۔ اور جو باتیں شریعت کے خلاف ہیں وہ شیطانی اختلاط کا نتیجہ ہیں، جس طرح کہ مسلمان ۷ فرقوں میں بٹ گئے ہیں۔ ان کے اس دعوے کی شریعت سے بھی تائید ہوتی ہے، بایں طور کہ قرآن مجید میں ہے **وَإِنْ مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ** (فاطر، ۲۴) (یعنی کوئی ایسی نہیں جس میں کوئی نہ کوئی ڈرانے والا رہی) نہ گزرا ہو۔"

۵۵ ت م، ۱۰۶: ۱۰۷ - ۱۰۷

۵۶ کلمات طیبات، ص ۲۵-۲۶، م، ۶۷

۵۷ ت م، ۱۸۱: ۱۸۲ - ۱۸۲

لیکن جیسا کہ اوپر گزرا یہ قاضی صاحب کی مکمل رائے نہ تھی بلکہ امام شافعیؒ کی رائے پر تقریظ تھی، ممکن ہے قاضی صاحبؒ کو اس سے یہ توقع ہو کہ جو اب میں ہندو قوم بھی مسلمانوں کے ساتھ ایسا ہی رویہ رکھے گی، لیکن بعد کے حالات نے ثابت کر دیا کہ ہندو قوم بحیثیت مجموعی اس اعتماد کی مستحق نہیں ہے۔

دوسرے فقہی مسالک کی تائید و حمایت

ہمارے خیال میں یہ بات بہت اہم ہے اور بعض لوگ اس پر معترض بھی ہوں گے، لہذا اہم اصل بحث شروع کرنے سے پہلے اس مسئلے کو واضح کریں گے کہ آیا "مجتہد فی المذہب" کی حیثیت سے خود قاضی صاحب کو اپنے مسلکی حدود عبور کرنے کا اختیار بھی حاصل تھا یا کہ نہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے "مجتہد فی المذہب" کے بارے میں اس بحث کو بھی صاف کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"اگر مجتہد فی المذہب اپنے مذہب کے خلاف کوئی حدیث پائے تو کیا اسے اجازت ہے کہ وہ اس مسئلے میں اپنے مذہب کو چھوڑ کر حدیث کو اختیار کرے۔ اس مسئلے میں ایک طویل بحث ہے، اگر دریافت کیا جائے کہ ایک مقلد جو مجتہد تو نہیں لیکن عالم ہے، صاحب استدلال ہے، اور اسے قواعد اصول اور معانی نصوص و اخبار کی معرفت بھی حاصل ہے۔ کیا اسے حدیث پر عمل جائز ہوگا، جب کہ علما کہہ چکے ہیں کہ غیر مجتہد صرف اپنے مذہب کی روایات اور اپنے فتاویٰ پر عمل کر سکتا ہے۔۔۔ کسی نے اس پر یہ کہا کہ یہ جاہل عامی سے متعلق ہے جو معانی نصوص احادیث اور ان کی تاویلات سے ناواقف ہے۔ لیکن عالم تو نصوص و اخبار کو بھی پہچانتا ہے اور اصل روایت سے بھی واقف ہے اور اس کے نزدیک حدیث کی صحت محدثین یا ان کی ثقہ۔ مشہور اور متداول کتابوں سے ثابت ہے تو اس کے لیے عمل بالحدیث جائز ہے، اگرچہ اس کے مذہب کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور امام محمد کے اقوال بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ ۱۵۵

شاہ ولی اللہ کے اس اقتباس سے "مجتہد فی المذہب" کے لیے کسی نص صریح کی موجودگی میں اپنے فقہی مسلک سے تجاوز کرنے کی اجازت ثابت ہوتی ہے۔ جب کہ خود تاضی صاحب اس صورت حال میں "مجتہد فی المذہب" کے لیے اس کی اجازت نہیں بلکہ وجوب ثابت کرتے ہیں، آپ نے سورہ آل عمران کی آیت ۶۴ کے تحت تحریر کیا ہے: "اور اس آیت کی تفسیر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی ایسی حدیث موجود ہو، جس کی کوئی معارض یا ناسخ نص بھی موجود نہ ہو، اور مثال کے طور پر امام ابوحنیفہ کا فتویٰ اس حدیث صحیح کے خلاف ہو اور ائمہ اربعہ میں سے کسی امام کا قول اس حدیث کی حمایت میں موجود ہو تو اس شخص پر حدیث کا اتباع واجب ہوگا، اور اس کا اپنا مسلک اسے حدیث پر عمل کرنے سے نہ روکے گا۔ تاکہ ائمہ اربعہ کی فقہی تقلید نص قرآنیہ اتخاذا بعضہا بعضاً ادبایا من دون اللہ (یعنی اللہ کو چھوڑ کر بعض انسانوں کے بعض انسانوں کو خدا بنا لینے) کی زد میں نہ آئے۔ امام بیہقی نے اپنی کتاب مدخل میں عبد اللہ بن مبارک تک صحیح سند کے ساتھ امام ابوحنیفہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ امام صاحب نے فرمایا:

"جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سامنے آئے تو سر آنکھوں پر، جب صحابہ کرام کے اقوال سامنے آئیں تو ہم ان میں سے کوئی ایک قول منتخب کریں گے اور اگر کسی تابعی کا قول ہو تو (امام صاحب) چونکہ خود بھی تابعی تھے، اس لیے فرمایا، ہم اس کی مزاحمت کریں گے۔ اور امام صاحب سے ہی روئے العلماء میں یہ نقل کیا گیا ہے کہ انھوں نے فرمایا "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے فرمودات کے مقابلے میں (اگر میرا قول ملے) تو اسے یعنی میرے قول کو چھوڑ دو۔ انہی سے یہ بھی مراد ہے کہ "جو حدیث صحیح ذریعے سے ثابت ہو۔ بس وہی میرا مسلک ہے۔" اور یہ جو میں نے اوپر یہ کہا ہے کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی امام نے اس حدیث پر عمل کیا ہو، یہ اس لیے تاکہ اجماع امت کے خلاف عمل کرنا لازم نہ آئے۔" ۵۹

تفسیر منظری کے اس اقتباس سے پتا چلتا ہے کہ قاضی صاحب کے ہاں مجتہد فی المذہب کے لیے یہ مناسب ہی نہیں بلکہ واجب ہے کہ جب اسے اپنے امام کے مسلک کے خلاف کوئی مستند حدیث ملے تو وہ اس پر عمل کرے اور یہ کہ اس قسم کے اقدامات کے باوجود وہ شخص اس فقہی مسلک سے وابستہ رہتا ہے۔ اس لیے کہ خود ائمہ کرام نے صاف و صریح لفظوں میں اپنے مقلدین کو اسی مضمون کی ہدایت کی ہے۔

قاضی صاحب کے بیان کردہ اس اصول کی روشنی میں اگر تمام مسالک اور ان کے اقوال و اعمال کا جائزہ لیا جائے اور ہر فقہی مسلک اپنے ائمہ کے اقوال پر عمل کرنے کے بجائے۔ قرآن و سنت کو بنیاد ٹھہراے تو آج کے اختلاف و انتشار کے اس دور میں امت مسلمہ کو "وحدتِ امة" کا ایک سنہرا اصول ہاتھ آسکتا ہے۔

خود قاضی صاحب نے اپنی تصنیفات اور فتاویٰ میں اسی "اصولِ کار" کو مدارِ فکر ٹھہرایا اور اپنی قائم کردہ اسی اساس پر عمل کر کے کئی دوسرے مسالک کے اقوال و اعمال کو اختیار کیا۔ یوں انھوں نے بحیثیت ایک حنفی فقیہ و مجتہد کے شافعی، حنبلی اور مالکی فقہی مسالک کی جانب پیش قدمی فرمائی ہے۔ اور ان مسالک کی اچھی باتوں کو قبول کیا ہے۔ اسی طرح اگر ان مسالک کی جانب سے بھی ان کے علماء و مجتہدین اسی قسم کی پیش قدمی کا مظاہرہ کریں تو آج ایک "بین الاسلامی فقہ" کا تصور اتنا مشکل اور ناممکن دکھائی نہ دے جتنا کہ فی الوقت نظر آتا ہے۔ یوں اس کے نتیجے میں اتحادِ عالمِ اسلام (PEN ISLAMISM) کا وہ خواب شرمندہ تعبیر ہو جائے جو سید جمال الدین افغانی اور علامہ اقبال جیسے دورِ حاضر کے مفکروں نے دیکھا تھا۔

اس نوع کے مسائل پر ہم اپنی گفتگو کو مسلمہ فقہی مسالک کے حوالے سے ہی پیش کرنے تک محدود رکھیں گے، جس کے حسبِ ذیل عنوان ہوں گے،

- ۱۔ مسلکِ جمہور کی موافقت
- ب۔ شوافع کی ہم نوائی
- ج۔ حنابلہ کی مطابقت
- د۔ مسلکِ مالکیہ کی ہم آہنگی۔

۱۔ مسلک جمہور کی موافقت

قاضی صاحبؒ کے استاد شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کو بھی اکثر معاملات میں جمہور کی موافقت پسند تھی، وہ ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

”ہم فروعی مسائل میں وہ موقف اختیار کرتے ہیں جس پر علماء کی اکثریت، بالخصوص دو عظیم فقہی مسالک، حنفیہ اور شافعیہ نے اتفاق کیا ہو۔“

لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ ہمیشہ ان دونوں فرقوں کا اتفاق ہی ہو، بعض مسائل میں احناف ایک طرف اور باقی کے تینوں فقہی مسالک ایک طرف ہوتے ہیں، اس صورت میں اگر ان کا استدلال قوی اور احناف کا استدلال کمزور ہو تو قاضی صاحبؒ حنفی مسلک کے مقابلے میں جمہور کے مسلک کی موافقت پسند فرماتے ہیں۔ اس موافقت کی بنیاد کبھی تو نص قرآنی پر مبنی ہوتی ہے اور کبھی حدیث نبوی پر۔ تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ ڈاکوؤں کی سزا کا مسئلہ: اگر ڈاکو مال بھی لوٹیں اور کسی انسانی جان کو بھی ہلاک کر دیں تو ان کی سزا مختلف فیہ ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابووسفؒ حاکم وقت (امام، قاضی) کو یہ اختیار دیتے ہیں کہ وہ پہلے ان کے ہاتھ پاؤں کٹوائے اور پھر ان کو سولی دلائے۔ یا محض قتل کرادے یا سولی پر چڑھا دے۔ جب کہ امام شافعی، امام احمد بن حنبل وغیرہ (جمہور) فقہاء کا موقف یہ ہے کہ ڈاکوؤں کی سزا قطعی طور پر متعین ہے، یعنی یہ کہ پہلے ان کے ہاتھ پاؤں کٹوائے جائیں، بعد ازاں ان کو سولی دے دی جائے۔ حاکم وقت اس سزا میں کمی بیشی نہیں کر سکتا۔ اس مسئلے میں قاضی صاحبؒ ”جمہور فقہاء“ کی موافقت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اور یہی موقف ظاہر آیت سے ثابت ہوتا ہے اور یہی وہ تفسیر ہے جسے جمہور فقہانے پسند کیا ہے، اور اسے امام شافعیؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے

۶۶ شاہ ولی اللہ: تفسیحات الیہ، ۲: ۲۴۲

۶۷ دیکھیے المحصا ص رازی، احکام القرآن، ۴: ۵۴ - ۶۱ -

روایت کیا ہے۔ علاوہ ازیں توزیع (تقسیم) کا قول قواعدِ شرع کے زیادہ موافق ہے۔ برخلاف
تخیر (حاکم کو اختیار دینے کے قول) کے۔ اس لیے کہ یہ جرم اپنی کیفیت میں کم و بیش ہوتا ہے۔^۲
۲۔ طوافِ خانہ کعبہ اور حطیم؛ اگر کوئی شخص حطیم کعبہ کی اندرونی جانب سے خانہ کعبہ کا
طواف کر لے تو اس کا طواف درست ہوگا یا نہیں؟ امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ طواف درست
تر ہوگا، مگر اس پر دم (قربانی کرنا) واجب ہوگا۔ لیکن "جمہور فقہاء" اس طواف کو درست تسلیم
نہیں کرتے۔ یہ اختلاف دراصل اس حدیث پر مبنی ہے، جس میں بتایا گیا ہے کہ "حطیم"
اصل میں "خانہ کعبہ" کا حصہ تھا، مگر سرمائے کی کمی کے باعث قریش مکہ اتنے حصے کو تعمیر نہ
کر سکے۔ احناف کے نزدیک یہ حدیث چونکہ خبر واحد ہے، اس لیے اس کے ذریعے نصِ قرآن
پر اضافہ کرنا جائز نہیں ہے۔ مگر قاضی صاحب "احناف کے مسلک کی مخالفت کرتے
ہوئے جمہور کے مسلک کو قرآن مجید کے زیادہ قریب قرار دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

"میرا خیال یہ ہے کہ اس حدیث پر عمل کرنا قرآن مجید پر اضافہ (زیادتی) کے ضمن میں
نہیں آتا۔ بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں طوافِ خانہ کعبہ کا حکم ان
الفاظ میں دیا گیا ہے: **وَ لِيَطُورُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ (الحج: ۱۲۹) اور الْبَيْتِ**
"ال" عہد (تخصیص) کے لیے ہے، اور اس سے مراد وہ "خانہ خدا" ہے جس کی تعمیر
حضرت ابراہیمؑ نے فرمائی تھی۔ کیونکہ سباق و سباق سے اس کی تائید ہوتی ہے، اس لیے
کہ اس سے پہلے ارشاد باری ہے: **وَ اذْبُوْا نَالًا بِرَاھِمِمْ مَكَانَ الْبَيْتِ... الْاٰیةُ**
اور جب ایک دلیل ظنی سے یہ ثابت ہو گیا کہ حطیم خانہ کعبہ کا حصہ تھا۔ پھر اگر کوئی شخص حطیم
کے اندر سے ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کرے، تو دلیل ظنی کی بنا پر اس کے طواف کی تکمیل میں
شک پڑ گیا۔ حالانکہ اسے مکمل یقین کے ساتھ بیت اللہ شریف کے طواف کا حکم ہوا تھا۔ لہذا
وہ شک پیدا ہونے کے باعث اس حکم کی ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ یا یوں کہا
جا سکتا ہے کہ "البیت" کا لفظ مقدار خانہ کعبہ کے متعلق مجمل ہے، لہذا اس حدیث نے آکر
اس کا اجمال دور کر دیا۔ اس لیے اس حدیث کو اس آیت کی تشریح میں قبول کیا جائے گا۔^۳

۳۔ عشر و خراج کے واجب ہونے کا مسئلہ: قرآن حکیم کی تصریح سے ثابت ہوتا ہے کہ زمین کی پیداوار پر عشر واجب ہے (البقرہ: ۲۶۷) جب کہ "کفار" کے زیر قبضہ زمین پر خراج یعنی لگان کا وجوب سنت نبویہ سے ثابت ہے۔ لیکن اگر کوئی خراجی زمین بذریعہ ہبہ یا تجارت کسی مسلمان کے قبضے میں آجائے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس پر بدستور خراج اور صاحبین اور متاخرین احناف کے نزدیک محض عشر مگر جمہور فقہاء کے نزدیک عشر و خراج دونوں واجب ہوں گے۔ اس مسئلے میں چونکہ بقول مؤلف تفسیر منظری احناف کے پاس کوئی دلیل شرعی موجود نہیں۔ اس لیے قاضی صاحب جمہور کی موافقت کرتے ہوئے تفسیر منظری میں تحریر فرماتے ہیں:

"اور یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بلا تخصیص ہر زمین کی ہر پیداوار پر علی الاطلاق عشر واجب ہے۔ پس اگر کوئی مسلمان خراجی زمین کا مالک ہو جائے اور اس میں کوئی فصل کاشت کرے تو آیا اس سے خراج ساقط ہو جائے گا اور اس پر عشر واجب ہوگا۔ یا اس پر زمین کا خراج اور پیداوار پر عشر واجب ہوگا؟ یہی جمہور کا مسلک ہے، اس لیے کہ خراج کا تعلق زمین سے اور عشر کا پیداوار سے ہے نہ کہ زمین سے، اسی لیے عشر کے لیے پیداوار میں نصاب ضروری ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خراجی زمین سے خراج کبھی بھی ساقط نہ ہوگا۔ اور ایک ہی زمین میں عشر و خراج دونوں جمع بھی نہ ہوں گے۔ اس لیے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک عشر کا تعلق بھی زمین سے ہے۔ پیداوار سے نہیں، اسی لیے ان کے نزدیک پیداوار میں نصاب ضروری نہیں۔۔۔۔۔ لیکن امام صاحب کا موقف کہ ایک ہی زمین میں عشر و خراج جمع نہیں ہو سکتے، بجائے خود کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں۔" ۳۴

اس مسئلے میں قاضی صاحب نے احناف کے دلائل پر بھی تبصرہ کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ احناف نے ابن الجوزی اور ابن عدی وغیرہ کی روایت کردہ جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ موضوع ہے۔ اس مسئلے میں محض تابعین کے اقوال ملتے ہیں جو صحیح احادیث کی موجودگی میں حجت نہیں ہو سکتے۔ صاحب ہدایہ (مرعیتانی) نے اس مسئلے میں "اجماع"

کا حوالہ بھی دیا ہے۔ قاضی صاحب اجماع کی تردید کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :

”یہاں صاحب ہدایہ کا اجماع کا حوالہ دینا درست نہیں۔ اس لیے کہ ابن المنذر نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بارے میں دونوں کو جمع کرنے کی صراحت کی ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز حضرت فاروق اعظم کے اقوال و آثار کا تتبع کیا کرتے تھے، اگر اس مسئلے میں اجماع صحابہ ہو چکا ہوتا تو وہ ایسا اقدام ہرگز نہ فرماتے۔“ ۶۵

۴۔ تازہ کھجور کی بیع خشک کھجور سے: سود (ربا) کی حرمت تو ہر قسم کے خشک و شیبے سے بالاتر ہے، تاہم اس کی بعض اقسام ایسی ہیں جن میں فقہاء کے مابین اختلاف رائے موجود ہے۔ ایسی ہی مختلف فیہ صورتوں میں خشک کھجور (تمر) کو تازہ کھجور (الرطب) کے بدلے میں اور خشک میوے (الذیب) کو تازہ انگوروں (العنب) کے بدلے میں کم و بیش کر کے بیچنے کا مسئلہ بھی شامل ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اس کے حامی تھے اور جمہور فقہاء اس کے مخالف ہیں۔ جمہور فقہاء کے اس قول کا مدار اس حدیث پر ہے جس میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی ممانعت صاف و صریح لفظوں میں نقل فرماتے ہیں۔ یہ حدیث چونکہ حنفی مسلک کے خلاف ہے اس لیے اس پر حنفی علمائے بڑے بڑے اعتراضات کیے ہیں۔ قاضی صاحب چونکہ اس حدیث کی صحت کے قائل ہیں اس لیے انھوں نے اس مسئلے میں جمہور کے مسلک کا دفاع کرتے ہوئے احناف کے اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں، آپ لکھتے ہیں :-

”صاحب ہدایہ نے اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے اس کے ایک راوی زید بن عیاش کو اصحاب نقل کے حوالے سے کمزور کہا ہے، میرا یہ خیال ہے کہ زید بن عیاش راوی کا ضعیف ہونا کسی امام فن سے مروی نہیں، ابن الجوزی ان کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ کا یہ قول کہ زید بن عیاش مجہول ہے، نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر ابوحنیفہؒ زید بن عیاش کو نہیں جانتے (تو کیا ہوا) ارباب حدیث تو ان کو خوب جانتے ہیں۔“ ۶۶

۶۵ ایضاً، بحل مذکور۔

۶۶ دیکھیے ہدایہ، ۲: ۶۶ (کتاب الرطب) ۶۶ ت م، ۱: ۳۰۳

پھر چونکہ اکابر محدثین، مثلاً امام مسلم، حافظ ابن حجر، حافظ ابن خزیمہ، اور امام دارقطنی نے اس حدیث کو صحیح تسلیم کیا ہے۔ جس کے بعد حدیث میں قبل و قال کی گنجائش نہیں رہتی، لہذا قاضی صاحب اس سے حسب ذیل نتیجہ برآمد کرتے ہیں:

"اس پر (میرا یہ خیال ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ کھجور کی تازگی (یا رطوبت) اس کے اجزائے اصلیہ میں سے نہیں ہے، اور مساوات میں اصل اجزا کا اعتبار ہوتا ہے، اور یہ صورت یہاں پائی نہیں جاتی، لہذا اس سے یہ ثابت ہوا کہ ان دونوں کی خرید و فروخت نہ مساویاً جائز ہے اور نہ کم و بیش کر کے۔" ۶۸

۵۔ سورہ فاتحہ بطور رکن صلوٰۃ: نماز میں سورہ فاتحہ کا مسئلہ ایک معرکہ الآراء

مسئلہ ہے، اس کے تین نکات میں قاضی صاحب جمہور کے ہم نوا ہیں:

(۱) احناف کے نزدیک سورہ فاتحہ نماز کا رکن نہیں ہے بلکہ نماز کا رکن "قراوت" ہے اور سورہ فاتحہ اپنی انفرادی حیثیت میں محض واجب ہے۔ اس کے برعکس جمہور فقہاء (یعنی شوافع، حنابلہ اور مالکیہ) سورہ فاتحہ کو نماز کا مستقل رکن قرار دیتے ہیں۔ چونکہ جمہور کا موقف صحیح اور مستند احادیث پر مبنی ہے اسی لیے قاضی صاحب اس مسئلے میں پوری طرح جمہور کے ہم نوا ہیں، اپنی کتاب مالا بدمنہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا بھی فرض ہے۔" تفسیر منظری میں انھوں نے اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ جمہور کی موافقت کی ہے۔ لکھتے ہیں:

"اور میرے نزدیک صحیح مسلک یہ ہے کہ سورہ فاتحہ اور اسی طرح سورہ ملانا نماز کے رکن

ہیں، نماز ان دونوں کے بغیر قطعاً درست نہیں ہوتی۔" ۶۸

۶۸ ت م، ۱: ۲۰۳

۶۹ مالا بدمنہ، مطبوعہ ملتان، ص ۲۹۔

۷۰ ت م، ۱۰: ۱۱۸۔

چونکہ احناف قرآن مجید کی آیت "فَاَقْرِءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ" (المزمل: ۱۸) سے استدلال کرتے ہیں۔ لہذا قاضی صاحب نے احناف کے اس استدلال پر یہ تبصرہ کیا ہے:

"اور اس آیت سے سورۃ فاتحہ کے رکن نہ ہونے پر استدلال کرنا درست نہیں، کیونکہ اس آیت سے صاف طور پر جو بات ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ یہاں "قراوت" سے مراد محض "صلوٰۃ اللیل" (رات کی نماز) ہے لہذا اس سے نفی رکن فاتحہ کا استدلال کرتا درست نہ ہوا) اور اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر "رات کی نماز" کے بارے میں تخفیف فرمادی ہے، پس جتنی نماز آسانی سے تم پڑھ سکتے ہو، پڑھ لو۔ بنا بریں اس آیت سے "قراوت" کی مقدار کا استدلال کرنا درست نہیں۔" لکھ

بعد ازاں متعدد صفحات پر پھیلی ہوئی اس بحث کے ذریعے انھوں نے ثابت کیا ہے کہ اس مسئلے میں احناف کا موقف کمزور ہے۔ قاضی صاحب نے صاحب ہدایہ کے اس استدلال کا کہ "لا صلوة الا بفاتحة الكتاب" والی روایت خبر واحد ہے اور خبر واحد سے کسی قرآنی مفہوم پر اضافہ کرنا جائز نہیں، یہ جواب دیا ہے کہ اول تو یہ عام خبر واحد نہیں، بلکہ امت کے ہر درجے میں اس کو قبول عام حاصل رہا ہے۔ دوم اس حدیث کے مفہوم (سورۃ فاتحہ کے لزوم و وجوب) پر اجماع ہو چکا ہے، اور سوم احناف نے حضرت عبداللہ بن مسعود کی تشہد والی خبر واحد سے استدلال کر کے، قعدہ اخیرہ کو فرض قرار دے کر اپنے اس اصول کی خود ہی نفی کر دی ہے۔ بہر حال وہ اس خیال کے حامی ہیں کہ نماز میں سورۃ فاتحہ ضرور پڑھی جائے۔

نماز جنازہ بھی چونکہ "الصلوٰۃ" ہے۔ اس لیے قاضی صاحب جمہور فقہاء کی طرح نماز جنازہ میں بھی سورۃ فاتحہ کے وجوب کے قائل تھے، اپنی فقہی کتاب مالا بدمنہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"امام اعظم رحمہ کے نزدیک سورۃ فاتحہ نماز جنازہ میں "مشروع" نہیں ہے، لیکن اکثر علما نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کے قائل ہیں۔" لکھ

سورہ فاتحہ کے بارے میں اپنے اسی موقف کی بنا پر انھوں نے خود اپنی نماز جنازہ کے متعلق یہ وصیت فرمائی تھی کہ:

”میرا جنازہ جماعت کثیر کے ساتھ کوئی بھی نیک شخص پڑھاٹے۔۔۔۔ اور پہلی تکبیر کے بعد سورہ فاتحہ بھی پڑھے۔“^{۳۷}

سورہ فاتحہ کے متعلق تیسرا مسئلہ جس میں قاضی صاحب جمہور کے ہم نوا ہیں، اس کے نماز کی ہر رکعت میں وجوب و لزوم کا ہے۔ صورت حال یہ ہے کہ احناف نوافل اور وتروں کی ہر رکعت میں اور فرضوں کی محض دو ابتدائی رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے وجوب کے قائل ہیں، جب کہ جمہور فقہاء ہر نماز (از قسم۔ نفل، فرض وغیرہ) کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کی تلاوت کو لازمی (رکن) خیال کرتے ہیں، یہاں پر بھی چونکہ جمہور کے مسلک کی تائید میں مستند اور ثقہ احادیث موجود ہیں، لہذا قاضی صاحب ”حنفی مسلک کے بجائے“ ”مسلک جمہور“ کی موافقت کو اپنا مسلک قرار دیتے ہیں۔^{۳۸}

البتہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھنے کے مسئلے میں وہ پوری طرح حنفی مسلک کے حامی ہیں۔^{۳۹}

۶۔ قرآن مجید کے سجدہ ہائے تلاوت: احناف کے نزدیک قرآن مجید کی تلاوت کے سجدے واجب ہیں، اگر کوئی شخص ادا نہ کرے تو وہ گنہگار ہوگا۔ لیکن جمہور فقہانے انھیں محض سنت قرار دیا ہے۔ اس مسئلے میں بھی چونکہ قاضی صاحب کے نزدیک جمہور کا موقف زیادہ مستند ہے لہذا وہ جمہور کی طرف داری کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”خلاصہ کلام یہ ہے کہ اوپر روایت کردہ حدیث میں سورہ ص کے سجدے کی نفی نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ سجود تلاوت کے واجب ہونے کی نفی ہے جیسا کہ جمہور فقہاء کا مسلک ہے، اور میرے نزدیک بھی اسی قول پر فتویٰ ہے۔ اور احناف میں سے یہی مسلک امام طحاوی کا بھی تھا، مگر امام ابوحنیفہؒ اس کے خلاف ہیں۔ (ان کے نزدیک سجود تلاوت واجب ہیں)۔“^{۴۰}

^{۳۷} وصیت نامہ، درمالابدمنہ، ص ۱۳۸۔

^{۳۸} ت م ۱۰۶ : ۱۱۸ - ۱۱۹۔
^{۳۹} ایضاً، ۱۱۹ - ۱۲۰۔

^{۴۰} ایضاً، ۸ : ۱۶۹ - ۱۷۰؛ نیز ۲۳۱، ۲۳۲ - ۲۳۲۔

شوافع کی ہم نوائی

امام محمد بن ادریس الشافعی دوسری صدی ہجری کے نامور فقیہ اور امام الحدیث تھے۔ انھوں نے حدیث اور فقہ کا علم امام دارالہجرۃ مالک بن انسؒ سے اور امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ جیسے اکابر فقہاء محدثین سے سیکھا اور اس میں بہت سی جدیدیں پیدا کر کے اسے منزل کمال تک پہنچا دیا۔ انھیں فقہ کی تاریخ میں "اصول فقہ" کے بانی و مؤسس کی حیثیت سے بھی خاص امتیاز و تفوق حاصل ہے۔

فقہ کی کئی صدیوں پر پھیلی ہوئی تاریخ گواہ ہے کہ اگر دنیا میں کسی فقہ نے حنفی مسلک کا صحیح لب و لہجے اور تصنیف و تالیف کے ذریعے مقابلہ کیا ہے تو وہ "شافعی فقہ" ہے۔ امام شافعیؒ کی فقہ کو ہر دور میں ممتاز فقہاء محدثین کی تائید و حمایت حاصل رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حنفی فقہ کے بعد دنیائے اسلام میں اشاعت و ترویج کے اعتبار سے شافعی فقہ نمبر ست ہے۔ اسی لیے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنی کتاب "تفہیمات" میں حنفیہ و شافعیہ کو ہاتھان الفرتان العظیمتان (یہ دو بڑے عظیم فرقے) قرار دیتے ہیں۔

قاضی صاحبؒ چونکہ خود بھی بہت بڑے محدث تھے اور منصف مزاج بھی تھے۔ اسی لیے انھوں نے جہاں بعض مقامات پر احناف کی تائید کرتے ہوئے "شافعی مسلک" پر تنقید کی ہے۔ وہاں بعض مقامات پر شافعی مسلک کی تائید بھی فرمائی ہے۔ اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں :

۱۔ قرآن مجید میں "یٰمٰیٰن لغو" (فضول قسموں) کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

لَا یُؤٰخِذُکُمْ اللّٰهُ بِاللّٰغْوِ فِیْ اٰیْمَانِکُمْ الْبَقْرَہ : ۳۲۵

اللہ تعالیٰ تمہاری لغو قسموں پر تم سے مواخذہ نہ کرے گا۔

تاہم "یٰمٰیٰن لغو" کی تعین میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اس کا مصداق ایسی قسموں کو قرار دیتے ہیں جن کا تعلق زمانہ ماضی کے متعلق کھائی ہوئی قسموں سے ہے۔ اس کے برعکس امام شافعیؒ کا یہ خیال ہے کہ بلا قصد و ارادہ کھائی ہوئی ہر قسم "یٰمٰیٰن لغو" ہے،

۳۷ تفہیمات الہیہ، ۲: ۲۴۲۔

خواہ اس کا تعلق ماضی سے ہو یا حال و مستقبل سے۔ قاضی صاحب نے اس مسئلے میں امام شافعیؒ کی طرف داری کرتے ہوئے صراحت فرمائی ہے کہ:

”امام شافعیؒ کا قول ہی آیت کے لغوی مفہوم کے زیادہ قریب ہے، اس لیے کہ جو قسم بھی بلا قصد و ارادہ کے ہوگی، پس وہی قسم اعتبار سے ساقط ہوگی۔ ورنہ اجماعاً اس پر گناہ ہوگا، اگرچہ وہ خبر قسم دیتے ہوئے (ماضی کے متعلق) کھائی گئی ہو، اسی طرح امام شافعیؒ کے نزدیک ایسی قسم زمانہ مستقبل کے متعلق بھی معتبر نہیں ہوتی، اس کی دلیل قرآن مجید کی یہی آیت اسی تفسیر کے ساتھ ہے: ﴿شكَّ

اس مقام پر احناف کی حمایت میں جتنی روایتیں ملتی ہیں، قاضی صاحب نے مفصل بحث کر کے ان کا کمزور اور ساقط الاعتبار ہونا ثابت کیا ہے، جب کہ امام شافعی کے مسلک کی مؤید مرفوع حدیث ہر قسم کے ضعف و شک سے بالاتر ہے۔ لہذا بقول قاضی صاحب یہ حدیث مذکورہ بالا آیت کی تشریح اور بیان کے طور پر قبول کی جائے گی۔ فقہائے احناف نے اس حدیث اور اس مسلک پر جو اعتراضات کیے تھے، قاضی صاحب نے امام شافعیؒ کی طرف سے اس مقام پر پوری طرح ان کا جواب دیتے ہوئے دفاع کیا ہے۔ ﴿شكَّ

۲۔ قرآن مجید میں یہ تو صراحت ہے کہ اگر کوئی شخص چار مہینوں تک اپنی بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھالے اور پھر اپنی قسم کو پورا بھی کر دے تو قسم کے مطابق اس کی بیوی اس سے جدا ہو جائے گی (البقرہ: ۲۲۶) لیکن جدائی کی صورت واضح نہیں کی گئی۔ اسی لیے اس میں فقہاء کے درمیان اختلاف رائے پیدا ہو گیا۔ امام شافعی اور احمد بن حنبل کے نزدیک چار ماہ کی مدت ختم ہونے کے بعد حاکم وقت خاوند کی جانب سے بیوی پر طلاق واقع کر دے گا، مگر حنفی مسلک کے مطابق خاوند کے چار ماہ تک جدا رہنے سے از خود بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی، تفسیر منظہری میں اس مقام پر احادیث، آثار صحابہ و تابعین اور ائمہ مسالک کے حوالے سے مفصل بحث کر کے امام شافعیؒ کے مسلک کو

راج قرار دیا گیا ہے۔ قاضی صاحب؟ اپنی بحث کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

”ان مختلف اقوال و آرا کی ترجیح میں یہ کہا گیا ہے کہ بلاشک و شبہ قرأت متواترہ سے امام شافعیؒ کا مسلک ہی صحیح ثابت ہوتا ہے، جب کہ حنفی مسلک اس سے تکلف کے ساتھ مستنبط کیا جاسکتا ہے اور اس تکلف کی گنجائش اسی وقت نکل سکتی ہے۔

جب کہ روایتاً اس مفہوم کا ثبوت بہم پہنچتا ہو، حال یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہمیں جن کے مؤید اقوال ملتے ہیں، انہوں نے ظاہر آیت کے مطابق یہ اقوال اختیار کیے ہیں، واللہ اعلم بشیء

۳۔ سورۃ حج کا دوسرا سجدہ۔ جو آیت نمبر ۷ میں کیا جاتا ہے، مختلف فیہ ہے۔ احناف اس آیت پر سجدے کے قائل نہیں، جب کہ امام شافعی یہاں سجدے کے حق میں ہیں۔

قاضی صاحب؟ اس مسئلے میں امام شافعیؒ کے پوری طرح ہم خیال ہیں، فرماتے ہیں:

”مشہور محدث حاکم نے عقبہ بن عامر کی حدیث (سجدہ کے حق میں) کی، تاکید میں حضرت عمر فاروقؓ، عبداللہ بن عمرؓ، ابن مسعود، ابن عباسؓ، الدرذالی، ابو موسیٰؓ اور عمار بن پاسبان، وغیرہ کے موقوف اقوال نقل کیے ہیں، اور امام بیہقی نے اس حدیث کی تائید مزید خالد بن سعدان کی مرسل روایت کے ذریعے کی ہے، امام بغوی فرماتے ہیں کہ یہی عمر و علی اور ابن مسعود کا قول ہے، میرا یہ خیال ہے کہ اس باب میں موقوف روایت کا حکم بھی مرفوع روایت کی طرح ہے۔ ۱۷۵

اس طرح قاضی صاحب امام شافعیؒ کی طرح قرآن مجید کے ۱۵ سجدوں کے قائل ہیں۔

۴۔ بعض مستند اور ثقہ روایات میں غیر محض (غیر شادی شدہ) زانی کی سزا میں سو کوڑوں کے ساتھ ایک سال کی جلا وطنی کی سزا کا ذکر بھی ہے۔ یہ سزا احناف کے نزدیک مکمل طور پر معطل ہے۔ جب کہ شافعیہ نے اس کو مردوں کے حق میں برقرار رکھا ہے اور عورتوں کو خوفِ فتنہ سے اس سزا سے مستثنیٰ کیا ہے۔ احناف کا مسلک چونکہ مکمل طور پر قیاسی ہے۔ جب کہ شوافع کے پاس مرفوع احادیث کا ذخیرہ موجود ہے۔ لہذا قاضی صاحب نے بھی اس مقام پر پوری طرح شافعیہ کی ہم نوائی اختیار کی ہے۔ لکھتے ہیں:

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ عورتوں کو شہر بدر کرنے کا حکم اس لیے باطل ٹھیرا کہ انھیں محرم کے بغیر سفر کرنے کی اجازت نہیں۔ لہذا یہ حکم مردوں کے حق میں بھی باطل ٹھیرے گا۔ امام طحاوی نے "حدیثنا" میں عدم جلا وطنی پر حدیث ابو ہریرہ سے استدلال کیا ہے، جس میں باندیوں کی جلا وطنی کی نفی کی گئی ہے۔ جب باندیوں کی جلا وطنی کا حکم باطل ہو تو آزاد عورتوں کو جلا وطن کرنے کا حکم بھی باطل ہوگا۔ اور جب آزاد عورتوں کے جلا وطن کرنے کا حکم باطل ٹھیرا تو آزاد مردوں کو جلا وطن کرنے کے حکم کا بھی یہی حال ہوگا۔

امام طحاوی کا یہ قول درست نہیں ہے، اس لیے کہ عورتوں کی جلا وطنی کا حکم اس لیے باطل ہوا کہ وہاں نصوص شریعت میں باہم تعارض ہے، لیکن عورتوں کے حق میں سقوط کا حکم مردوں کے حق میں سقوط پر منتج نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ مردوں کے حق میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

بعض حنفی علما کہتے ہیں کہ "حدیث تغریب" (جلا وطنی کی حدیث) پر عمل نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ قرآنی حکم پر ایک طرح کا اضافہ ہے جو نسخ کے حکم میں ہے اور یہ نسخ خبر واحد کے ساتھ درست نہیں ہے، یہ قول بجائے خود صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ نسخ کے حکم میں اضافہ منع ہے جو بیان شدہ کسی حکم پر کسی رکن، یا اس کے کسی وصف یا شرط کی زیادتی پر مشتمل ہو، مطلق اضافہ منع نہیں ہے، ورنہ اکثر سنتوں کا حکم بھی اس کی زد میں آجائے گا۔۔۔ امام شافعیؒ کے متبعین نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ آیت جلا وطنی کے بارے میں خاموش ہے۔ اور آیت میں کوئی ایسا اشارہ بھی موجود نہیں ہے جو اس کے خلاف ہو، لہذا اس آیت کی تشریح میں اس حدیث کو قبول کیا جائے۔^{۱۷۵}

یوں اس مسئلے میں شافعی مسلک کی اصولی طور پر حمایت کرتے ہوئے قاضی صاحب نے اس سزا پر عمل درآمد کو حاکم وقت کی مرضی اور اس کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے۔

۵۔ پانی کی کم از کم مقدار جو معمولی نجاست گرنے سے ناپاک نہ ہو، مختلف فیہ ہے، احناف کے نزدیک اس کا قیاسی اندازہ ۱۰ x ۱۰ (دو در دو) کا خوش یا پانی کا ذخیرہ ہے جو

ایک یا لشت سے کم گہرا نہ ہو، شوائع و حنابلہ کے نزدیک دو بڑے مشکوں قلتین کا پانی اس معیار پر پورا اترتا ہے ان کا استدلال ایک حدیث نبوی سے ہے، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بڑے مشکوں کے پانی کو "ماء کثیر" قرار دیا ہے۔ یہ حدیث مستند اور ثقہ ذریعے سے روایت ہوئی ہے، اسی بنا پر خود قاضی صاحب اور ان کے استاد حضرت شاہ ولی اللہ اس مسئلے میں شوائع کے ہم خیال ہیں^{۵۳} قاضی صاحب نے تفسیر منظہری میں اس عنوان پر بڑی مدلل بحث فرمائی ہے، جس میں احناف کی تمام غلط فہمیوں کا جواب دیا ہے، لکھتے ہیں:

"علمائے پانی کی کثیر مقدار کے بارے میں اختلاف کیا ہے، امام شافعی اور امام احمد فرماتے ہیں کہ جب پانی دو بڑے مشکوں کی مقدار میں جمع ہو جائے جو اندازاً پانچ سو رطل بغدادی وزن میں، اور مساحت میں سوا گز لمبا اور اتنا ہی چوڑا اور گہرا ہو، وہ پانی کثیر ہے۔ وہ اس وقت تک ناپاک نہیں ہوتا جب تک کہ اس کا ذائقہ، رنگ یا بو بدل نہ جائے۔۔۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ یہ پانی اتنی مقدار میں ہونا چاہیے کہ ایک جانب سے نجاست دوسری جانب نہ پہنچ سکے، بعض متاخرین نے اس کا اندازہ "دہ در دہ" یا "دوازہ در دوازہ" مقرر کیا ہے۔ تاہم اس اندازے کے بارے میں خود امام ابو حنیفہ سے یا صاحبین سے کچھ بھی مروی نہیں۔۔۔ امام شافعی و امام احمد حدیث قلتین سے استدلال کرتے ہیں۔ اور حق یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، جسے امام شافعی، احمد بن حنبل، اصحاب سنن اربعہ، ابن خزیمہ، ابن جبان، حاکم، دارقطنی اور بیہقی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔۔۔ خود امام طحاوی نے اس روایت کی صحت کا اعتراف کیا ہے۔۔۔ امام طحاوی کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے، لیکن ہم اس پر اس لیے عمل نہیں کرتے کہ قلتین کا مفہوم واضح نہیں — ہم جواب میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کے مختلف معانی میں سے ایک معنی راجح ہو چکا ہے اور وہ بڑے بڑے مشکوں کا ہے۔ پس اس بنا پر اس حدیث پر عمل کرنا واجب ہو گا۔^{۵۴}

۶۔ اگر کسی شخص کے جسم کا کچھ حصہ ٹھیک اور کچھ زخمی ہو تو امام مالکؒ و ابو حنیفہؒ کے نزدیک اگر ٹھیک حصہ زیادہ ہے تو تندرست کو دھونا اور زخمی حصے پر مسح کرنا چاہیے۔ بصورت دیگر تیمم کافی ہے، مگر امام شافعی اور احمد بن حنبل کے نزدیک دونوں صورتوں میں تندرست کو دھونا اور زخمی حصے پر مٹی سے مسح کرنا چاہیے۔ قاضی صاحب اس مسئلے میں بھی امام شافعی کے ہم خیال ہیں۔ لکھتے ہیں :

”اور جن شخص کے بعض اعضاء درست اور بعض زخمی ہوں تو وہ درست حصے کو دھوئے گا اور زخمی حصے پر مسح کرے گا۔ امام شافعی و احمد بن حنبل کا یہی مسلک ہے اور میرے نزدیک بھی فتوے میں اسی مسلک کو ترجیح ہے..... امام شافعی کے اس مسلک کی تائید قیاس اور حدیث جابر سے ہوتی ہے۔“

حنابلہ کی مطابقت

امام احمد بن حنبلؒ فقہ اور حدیث میں امام شافعیؒ کے شاگرد اور انہی کے تربیت یافتہ ہیں، ان کی فقہ زیادہ تر حدیث پر مبنی ہے، زیادہ مسائل میں وہ اپنے استاد امام شافعیؒ ہی کی تقلید کرتے ہیں۔ مسند احمد بن حنبل علم حدیث پر ان کی سدا بہار یادگار ہے۔

قاضی صاحبؒ نے فقہ کے مسائل و احکام میں حدیث و سنت کے اتباع میں کہیں جمہور کی ہم نوائی کی ہے تو کہیں امام شافعی و احمد بن حنبل کی۔ تاہم امام احمد بن حنبل کی انفرادی متابعت کی بھی چند مثالیں مل جاتی ہیں :

ائمہ ثلاثہ (امام ابو حنیفہؒ، امام مالک و امام شافعیؒ) کے نزدیک شادی شدہ زانی کے لیے رجم کی سزا ہے۔ جس کا ثبوت احادیث متواترہ سے ملتا ہے، مگر اس مسلک پر آیہ قرآنی (سورہ نور ۲۱) کی مخالفت کا اعتراض وارد ہوتا ہے، جس میں زنا کی سزا سو دڑے مقرر ہے۔ بعض فقہانے محض (شادی شدہ شخص) کے حق میں اس آیت کے نسخ کا قول کیا ہے، مگر امام احمد بن حنبل اس نسخ کے خلاف ہیں، ان کا موقف یہ ہے کہ

پہلے مقتضائے آیت مبارکہ اسے سو درے لگائے جائیں، بعد ازاں اسے رجم کیا جائے۔ قاضی صاحبؒ بھی اس مسئلے میں امام احمد بن حنبل کے ہم خیال ہیں، لکھتے ہیں: شادی شدہ زانی کے لیے رجم ہے، پس جس طرح یہ آیت "حدیث تغریب" (جلاطنی) کی مخالف نہیں ہے اسی طرح یہ آیت حدیث رجم سے بھی معارض نہیں ہے۔ لہذا ان دونوں (جلا و رجم) پر عمل درآمد کرنا ضروری ہوگا۔ ہمارے اس موقف کی تائید حضرت عبادہ بن صامت کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔۔۔۔ اور اگر ان دونوں آیات سے یہ سمجھا جائے کہ یہاں کل واجب مذکور ہے، پس اس صورت میں نہ تعارض ہوا اور نہ نسخ۔ بلکہ رجم اور کوڑے لگانے دونوں پر عمل کرنا واجب ہوگا۔ جیسا کہ امام احمد کا مسلک ہے۔

مسئلہ مالکیہ کی تائید

امام مالک بن انس جو امام دارالبحرہ کے معزز لقب سے مشہور ہیں، پہلی دوسری صدی ہجری کے نامور محدث اور امام فقہ تھے۔ ان کی فقہ زیادہ تر اندلس اور افریقی ممالک میں اشاعت پذیر ہوئی۔ ان کے ہاں بھی تفقہ اور تحدت دونوں کا پلہ مساوی ہے۔ قاضی صاحبؒ نے احادیث نبویہ کے تتبع میں بعض مالکی مسائل کی بھی تائید کی ہے، ایک مثال حسب ذیل ہے:

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک رمضان المبارک، تدر معین کے روزوں اور نقلی روزوں کے لیے نصف النہار سے قبل نیت کر لینا کافی ہوتا ہے۔ امام شافعی و احمد بن حنبل فقط نقلی روزوں کے لیے مذکورہ بالا اجازت دینے کے حق میں ہیں۔ مگر امام مالکؒ کے ہاں ہر قسم کے روزوں کے لیے رات سے نیت کرنا ہی ضروری ہے، قاضی صاحب اس مسئلے میں مسلک مالکیہ کے مؤید ہیں۔ لکھتے ہیں:

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ کسی روزے کی نیت بھی دن کو کرنا درست نہیں۔ اور قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے، حضرت حفصہؓ کی حدیث بھی اسی کی تائید کرتی ہے، جسے جسے احمد بن حنبل۔ ابوداؤد، الترمذی، نسائی، ابن خزیمہ، ابن ماجہ، دارقطنی اور دارمی

نے روایت کیا ہے۔ (بعد ازاں اس حدیث پر مخالفین کی طویل جرح نقل کر کے اس کا جواب دیا ہے اور پھر مخالفین کی حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے) اور اس حدیث کا (جو مخالفین نقل کرتے ہیں) یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے کی نیت دن کو فرمائی، اور رات کو نہیں فرمائی بلکہ اس کے ظاہر سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ رات کے وقت روزے کی نیت کر لیتے تھے، پھر اپنے گھر والوں کے پاس آتے، اور کبھی کبھار اپنا نقلی روزہ افطار کر لیتے، جس کی اجازت ہے اور حضور کا یہ فرمان کہ "میں صبح روزے سے تھا، اس پر دلالت کرتا ہے" بیشک عرض اجتهاد اور بصیرت اجتهاد کے سلسلے میں قاضی صاحب کا کام ہندوستان کی تاریخ میں نہایت وقیع اور اہم ہے۔ انھوں نے اپنے فقہی اجتهاد کے ذریعے آنے والے علما اور مجتہدین کو اجتهاد کا راستہ دکھانے کی کوشش کی ہے۔ مگر افسوس کہ اب تک نہ صرف یہ کہ ان کے اس وقیع علمی کام کا اعتراف نہیں کیا گیا بلکہ اس کے بارے میں ابتدائی قسم کی معلومات بھی پیش کرنے کی کوئی علمی کوشش نہیں ہوئی۔

تفسیر منظری اور علم حدیث

تفسیر منظر ہی وہ تفسیر ہے، جسے اس کے فاضل مؤلف نے تقریباً تیرہ برس کی مدت میں وسیع مطالعے، گہرے غور و فکر اور انتہائی تدبیر فی القرآن کے بعد قارئین کے سامنے پیش کیا ہے۔ یہ تفسیر فاضل مفسر کی حیات طیبہ کے اس دور میں مکمل ہوئی جب کہ ان کی علمی و روحانی صلاحیتیں پختہ اور مستحکم ہو چکی تھیں، نیز نصف صدی سے زیادہ عرصے تک وہ ہندوستان میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے سلسلے میں اپنا عظیم تصنیفی و علمی ذخیرہ مرتب کر چکے تھے۔ اور طویل مدت سے ہندوستان کی سطح پر بالعموم پیدا ہونے والے حوادث و انقلابات کا قریب رہ کر مطالعہ کر رہے تھے؛ پھر سالہا سال تک وہ پانی پت کی مسند قضا پر متمکن رہے تھے، جس کے فرائض کی بجآوری کے دوران ان کو فقہ، حدیث اور دیگر علوم اسلامیہ کا بکثرت مطالعہ کرنے کا موقع ملا تھا۔ اس منصب کے باعث ان میں حد درجے قوت فیصلہ پیدا ہو چکی تھی۔ بعض قرائن سے پتا چلتا ہے کہ تفسیر منظر ہی ان کی آخری عظیم الشان تصنیف تھی، اس کے بعد انھوں نے چھوٹے موٹے رسائل تو لکھے مگر کوئی بڑی کتاب تصنیف نہ کر سکے۔

اس ضمن میں سب سے بڑا قرینہ تو زمانی ہے، کیونکہ تفسیر منظر ہی کی تصنیف ۱۲۰۸ھ میں مکمل ہوئی۔ اس کی تصنیف کے زمانے میں ہی کچھ ایسے حوادث پیش آئے کہ آپ زندگی سے بیزار ہو چکے تھے، چنانچہ اس زمانے اور اس سے بعد کے زمانے میں لکھے گئے خطوط سے اس عنوان پر روشنی پڑتی ہے۔ علاوہ ازیں تفسیر منظر ہی میں بھی آپ کی متعدد کتابوں کے حوالے ملتے ہیں جو ظاہر ہے اس سے قبل مرتب ہو چکی تھیں۔

یوں تو متقدمین نے تفسیر نگاری کے لیے کم از کم چندہ علوم میں تبحر کی شرط رکھی ہے، لہذا تفسیر یا اس کے مصنف کے علمی و تحقیقی پایے کو جاننے کے لیے ان سب علوم کا احصا مناسب تھا، لیکن ہمارے خیال میں چونکہ ان علوم میں سے بیشتر علوم کی حیثیت ضمنی و تبعی (علوم آلیہ) کی ہے، اس لیے صرف اعلیٰ علوم کے اعتبار سے تفسیر منظرہ کی تفسیری مباحث کا تجزیہ پیش کرنا مناسب ہوگا۔ ان علوم میں علم حدیث کے بابرکت علم سے اس بحث کا آغاز کیا جاتا ہے۔

تفسیر منظرہ اور علم روایت حدیث

تفسیر منظرہ اگرچہ فن حدیث کی کتاب نہیں ہے اور نہ خاص طور پر اس موضوع سے متعلق ہے، تاہم یہ حقیقت ہے کہ یہ تفسیر نہ صرف دولت حدیث سے مالا مال ہے، بلکہ اس میں اس علم کا سب سے زیادہ وسعت اور عمومیت کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔ اسی علم سے تفسیر میں فاضل مفسر نے فقہ و اصول فقہ، اجتہاد، تاریخ و سیر، علم الکلام اور علم تصوف وغیرہ کے مسائل کی ترتیب و تدوین کی۔ یعنی ہر موضوع کی بحث اسی سے شروع ہوئی اور اسی پر اختتام پذیر ہوئی ہے۔ اس بنا پر تفسیر منظرہ احادیث اور آثار صحابہ و تابعین کے اتنے بڑے ذخیرے پر مشتمل ہے کہ شاید ہی کسی اور کتاب میں اتنا متنوع ذخیرہ روایات دستیاب ہو سکے۔ تفسیر منظرہ میں اس درجہ ذخیرہ احادیث جمع ہونے سے دو اہم امور کا پتا چلتا ہے:

اول: فاضل مفسر کو ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے والہانہ محبت و شیفتگی تھی، اسی لیے وہ ہر شعبہ حیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے لوث اطاعت کے جذبے سے سرشار تھے۔ جیسا کہ خود تفسیر منظرہ میں متعدد مقالات پر اس کے جزو ایمان ہونے کی صراحت کی گئی ہے۔

دوم: تفسیری دنیا میں یوں تو متعدد دبستان قائم چلے آتے ہیں، مگر ان میں روایت پسند اور عقلیت پرست کے دو فریق نمایاں ہیں، فاضل مفسر نے اپنا اسلوب ان دونوں

۲۰ نواب صدیق حسن خان: اجداد العلوم، مطبوعہ بھوپال، ص ۳۰۳ تا ۳۰۴

۲۱ مثال کے طور پر دیکھیے تفسیر منظرہ، ۵: ۱۹۱ تا ۱۹۳ (تفسیر سورہ یوسف)۔

کے بین بین رکھا ہے۔ کچھ مسائل کے لیے محض روایات پر انحصار کیا ہے اور بعض مباحث تدبیر فی القرآن و تفکر فی الاحادیث کا نتیجہ ہیں۔ غرض اعتدال اور میانہ روی کی ایک بہترین مثال قائم کی ہے، مختصر اہم تفسیر منظری کے اسلوب کو "تحریک مجددی" یا تحریک نشاۃ ثانیہ اسلام" کا اسلوب قرار دے سکتے ہیں۔

کتب حدیث کی درجہ بندی اور تفسیر منظری

تفسیر منظری میں جس وسعت اور کثرت کے ساتھ علم روایت حدیث سے استفادہ کیا گیا ہے، اس کا کچھ اندازہ مآخذ تفسیر منظری کی فہرست میں کتب علم حدیث پر ایک نظر ڈالنے سے کیا جاسکتا ہے، جس سے پتا چلتا ہے کہ فاضل مفسر نے علم روایت حدیث کی تقریباً ۸۶ اور علم درایت حدیث کی ۱۹ کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔ ان میں سے بیشتر کتب متعدد حصوں یا جلدوں میں ہیں۔ اگر ہر کتاب کی اوسط جلدیں دو فرض کر لی جائیں تو کل مجلدات کی تعداد ۲۱۰ ہو جاتی ہے۔ ایک ہی موضوع پر اتنے وسیع ذخیرے کو زیر مطالعہ رکھنا اور تفسیر میں جا بجا ان کے حوالے دینا فاضل مؤلف کی وسعت علمی اور تبحر دینی نیز تفسیر نویسی کے منفردانہ اسلوب کا غماز ہے۔

تذکرہ نویسوں نے صحت و ثقاہت کی بنیاد پر کتب حدیث کے چار طبقات قائم کیے ہیں، تفسیر منظری میں ان چاروں طبقات کی نمائندہ کتب شامل ہیں۔^۱ تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ کتب حدیث کے پہلے طبقے میں ایسی کتابیں شامل ہیں، جن میں فقط متواتر، مشہور روایات اور صحیح الاسناد اخبار آحاد جمع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہو۔ اس طبقے میں صحیح بخاری، صحیح مسلم اور موطا امام مالک شامل ہیں۔ اس طبقے کی کتابوں کو ہر مکتب فکر کے نزدیک عقیدت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا اور ان سے استفادہ کیا جاتا ہے۔

تفسیر منظری میں ہر موضوع سے متعلق روایات کے سلسلے میں اس طبقے کی کتب پر بے پناہ
اعتماد کیا گیا ہے، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

ب۔ حدیث کے دوسرے طبقے میں سنن اربعہ (سنن ابوداؤد، سنن ترمذی، سنن
نسائی و سنن ابن ماجہ) اور مسند احمد بن حنبل وغیرہ شامل ہیں۔ اس طبقے کی کتب میں
صحیح روایات کے ساتھ ساتھ کچھ ایسی احادیث بھی پائی جاتی ہیں جو درجہ صحت کو نہیں
پہنچتیں، تاہم ان کے ابواب چونکہ احکام فقہ کی مناسبت سے مرتب کیے جاتے ہیں،
اس لیے انھیں ایک مخصوص نام "سنن" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ عام فقہاء کی طرح قاضی
محمد ثناء اللہ صاحب نے بھی کتب صحاح کے بعد ان کو مدار تحقیق ٹھہرایا ہے، گو اکثر بنظر
احتیاط ان کی روایات کے متن و سند پر ایک تنقیدی نگاہ بھی ڈالی جاتی ہے۔

ج۔ تیسرے طبقے میں ایسی کتب شامل ہیں، جن میں ضعیف، شاذ، منکر اور مضطرب
وغیرہ قسم کی احادیث پائی جاتی ہے، مثلاً مصنف ابن ابی شیبہ، مستدابی داؤد الطیالسی،
مصنف عبدالمجید، مصنف عبدالرزاق، سنن کبیرای تہمتی، سنن طحاوی اور سنن
الطبرانی وغیرہ۔ یہ تفسیر منظری میں اس طبقے کی کتب سے بھی استفادہ کیا گیا ہے البتہ
عند الضرورت روایات میں موجود سقم کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔

د۔ کتب حدیث کے طبقہ چہارم میں واعظوں اور قصصہ گو راویوں (القصاص) وغیرہ کی
مرتب کردہ کتب شامل ہیں، مثلاً ابن مردویہ، ابوالشیخ اور ابن شاہین کی مرتب کردہ کتب
تفسیر منظری میں فضائل اور بعض تاریخی احکام و مسائل یا عبرت انگیز امثلہ اور قصص کے لیے
ان سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

ه۔ کتب حدیث کی ایک اور جہت سے بھی درجہ بندی کی گئی ہے وہ اس طرح کہ
کتب حدیث کی پہلی قسم کتب الصحاح پر مشتمل ہے، جس میں کتب ستہ (صحیحین و سنن اربعہ)

۱۱۶ علوم الحدیث، ص ۱۱۶

۱۱۷ دیکھیے ابن الجوزی: کتاب القصاص والمذکرین،

۱۱۸ علوم الحدیث، ص ۱۱۸

شامل ہیں :

ان کی دوسری قسم "الجوامع" پر مشتمل ہے، جن میں کم از کم آٹھ موضوعات (عقائد، احکام، الرقاق، آداب طعام، آداب نوشیدن، تفسیر، تاریخ و سیر، سفر و قیام و قعود (باب الشامل)، فتن اور المناقب پر روایات جمع کی جاتی ہیں۔ مثلاً جامع الصحیح للبخاری و جامع السنن للترمذی وغیرہ۔

اس سلسلے کی تیسری قسم "مسانید" پر محیط ہے، جس میں ایسی کتابیں شامل ہیں جن میں احادیث کو صحابہ (راوی اول) کے نام پر جمع کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے، مثلاً مسند احمد بن حنبل و مسند ابی داؤد الطیالسی وغیرہ۔

قسم چہارم کتب معاجم ہے، جن میں روایات کو اساتذہ (شیوخ) یا شہروں کے نام پر (حروف تہجی کی ترتیب سے) جمع کیا جاتا ہے مثلاً معجم الطبرانی وغیرہ۔

اس درجہ بندی کے مطابق پانچویں قسم "مستدرکات" ہے جن میں کسی خاص محدث کی نظر انداز کی ہوئی ان احادیث کو جمع کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے جو اس کی شرائط پر پورا اترتی ہوں، مثلاً مستدرک حاکم علی الصحیحین۔

قسم سادس مستخرجات کی ہے، جس میں کسی خاص مصنف کی روایات کو اس انداز سے جمع کیا جاتا ہے، جس سے مستخرج کے مصنف تک ان روایات کی سند پہنچانی جاتی ہو، مثلاً "مستخرج ابی بکر الاسماعیلی علی البخاری" وغیرہ۔

ساتویں قسم اجزائے ہے، جس سے وہ چھوٹے چھوٹے اجزاء مراد ہوتے ہیں، جو کسی خاص صحابی یا تابعی وغیرہ سے تحریری صورت میں مروی ہوئے تفسیر منظری میں اس تقسیم کے لحاظ سے بھی ساتویں اقسام کتب حدیث کے بکثرت ہوا سلتے ہیں۔ گویا تفسیر منظری اس اعتبار سے تمام کتب حدیث سے استفادے کا شرف رکھتی ہے۔

۱۱ دیکھیے صحیح صالح: علوم الحدیث، ص ۱۲۲۔

فاضل مفسر کا محدثانہ پایہ

عام طور پر محدثین کے تین طبقات ہیں، پہلا درجہ مسند کا پھر محدث کا اور سب سے
 اونچا درجہ حافظ کا ہے۔ ہمارے خیال کے مطابق تفسیر منظہری کے والا قدر مصنف اپنے دور
 میں علم حدیث کے سب سے اونچے درجے یعنی حافظ الحدیث کے درجے پر فائز تھے۔ تفسیر
 منظہری میں موجود عظیم الشان محدثانہ علمی و تحقیقی کام سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے۔
 حافظ الحدیث سے وہ محدث مراد ہے ”جو احادیث کے ساتھ ساتھ اسانید اور اسماء الرجال
 کا علم بھی رکھتا ہو، جو سنن نبوی کا عالم، طرق حدیث پر بصیرت رکھنے والا، اسانید میں فرق
 جاننے والا اور اجتہاد کی غرض سے مجمع علیہ اور مختلف فیہ روایات کا عالم ہو۔ حجت، درایت حدیث
 کے مختلف الفاظ مثلاً حجت، ثبوت، مقبول یا وسط، لا باس بہ صدوق، صرح، شیخ، یعنی
 ضعیف، متروک الحدیث اور ذاہب الحدیث میں فرق کر سکتا ہو۔“ سنن زہدیت معنیٰ اور
 ”ان“ سے جو روایات نقل کی جاتی ہیں، ان دونوں میں تمیز کر سکتا ہو، عرض روایت اور درایت
 دونوں پر حاوی ہو،

ابتداءً حافظ الحدیث کے متعلق بے شمار احادیث مع اسناد کے ازبر یاد ہونا ضروری
 سمجھا جاتا تھا، چنانچہ بقول حاکم نیشاپوری حافظ الحدیث کو پانچ لاکھ حدیثیں یاد ہونی چاہئیں

۹۹ مسند سے مراد وہ محدث ہے جو کسی سند سے روایت ذکر کرے خواہ اس کے پاس مزید علم

ہو یا نہ ہو (السیوطی: تدریب الراوی، فی شرح تقریب النووی، ص ۴۲)

۱۰۰ محدث سے مراد ایسا عالم حدیث ہے، جو اسانید اور اسماء الرجال کا علم بھی رکھتا ہو اور

عالی (بلند مرتبہ) اور نازل (کم مرتبہ) حدیث سے بھی واقف ہو، اور کچھ متون بھی اسے

حفظ ہوں اور اسے صحاح ستہ کے علاوہ مسند احمد بن حنبل، سنن بیہقی اور معجم الطبرانی

کے باقاعدہ سماع کا شرف حاصل ہو (تدریب الراوی، ص ۴۲ و بعد، صبحی صالح:

علوم الحدیث، ص ۷۶)

۱۰۱ ایضاً علوم الحدیث، ص ۷۶ ۱۰۲ تدریب الراوی، ص ۷۷

تاہم آہستہ آہستہ یہ تعداد گھٹتی گئی تا آنکہ بیس ہزار مقرر ہو گئی اور اسی بنا پر سیوطی بعض محدثین کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ "جب تک کوئی بیس ہزار حدیثیں نہ لکھے ہوں، ہم اسے اہل الحدیث" شمار نہیں کرتے۔" ۱۳ تاہم مشہور محدث ابن سید الناس نے روایات کی تعداد مقرر کرنے کو غیر ضروری قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ تعداد کا تعین ہر زمانے میں مختلف رہا ہے۔ بہر حال جو اپنے زمانے میں علم حدیث (روایت و درایت) میں ممتاز ہو،

اسماء الرجال کے فن میں اسے اتنی مہارت ہو کہ وہ راوی اور اس کے شیخ کو جانتا ہو، علم حدیث میں اس کی معلومات مجہولات سے زیادہ ہوں۔ وہ حافظ الحدیث ہے ۱۴۔
قاضی صاحب محولاً بالاً "حافظ ہونے کے معیار پر مکمل طور پر پورا اترتے ہیں: آپ نے اپنے عہد کے تین نامور اور چھٹی کے، اساتذہ (شاہ ولی اللہ، شیخ محمد نافر محدث اور حضرت مرزا مظہر جان جاناں) سے باقاعدہ تعلیم کے ذریعے اکتساب حدیث کیا تھا؛ آپ کی اسناد علمی اپنے عہد میں سب سے جید اور عالی تھیں، کیونکہ آپ کی سندیں ہندوستان اور حجاز مقدس کے تینوں عظیم القدر سلاسل (سلسلہ شیخ سالم البصری، سلسلہ شیخ ابو طاہر المدنی اور سلسلہ شیخ محمد حیات السندی) ایک جا ہو گئے تھے۔

علم حدیث کے تمام متون قاضی صاحب کے زیر نظر تھے، بلکہ ان کو ان سب پر عبور حاصل تھا۔ اسی بنا پر تفسیر منظہری کے مصادر و مآخذ کی فہرست میں ہر طبقے اور درجے کی کتب حدیث شامل ہیں۔

غزوہ ازیں ان کا تفسیر منظہری کی صورت میں تحقیقی و علمی کام روایت و درایت کے دونوں پہلوؤں پر حاوی ہے۔ روایات کی کثرت و وسعت کا یہ عالم ہے کہ اپنی اور فریق مخالفت کی روایات پر انھیں عبور حاصل تھا۔ طرق روایات پر عبور کی یہ کیفیت ہے کہ بیک وقت متعدد طرق ذکر کرتے چلے جاتے ہیں، متن و سند پر نگاہ اس طرح حاوی رہتی ہے کہ زیر بحث روایت کا کوئی کمزور سے کمزور پہلو بھی ایسا نہیں ہے جس پر نگاہ

۱۳ ایضاً، بحمل مذکور

۱۴ محمد جمال الدین القاسمی، قواعد الحدیث، ص ۶، ۷، ۸۔

نہ پڑی ہو، وسعت اور تبحر کی شان یہ ہے کہ کوئی عام سے عام موضوع ہو یا مشکل سے مشکل مسئلہ، ہر موضوع پر روایات اور احادیث کا قابل قدر ذخیرہ تفسیر میں روایت کیا گیا ہے۔ انہی گونا گوں خصوصیات کی بنا پر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی "ان گونہ بہتی وقت" کے لقب سے یاد کیا کرتے تھے۔ امام بیہقی کے متعلق مشہور تھا، کہ انھوں نے شافعی فقہ کو علم حدیث سے تائید و تقویت پہنچانی تھی، ہلہ مختصر یہ کہ اپنے امام بیہقی کی طرح حدیث کی روشنی میں حنفی فقہ پر نظر ثانی کا کٹھن اور مشکل کام کیا۔ اور فقہ حنفی کو بہت سے نئے دلائل اور نئے اجتہادات سے مالا مال کیا، ظاہر ہے یہ کام تبحر علمی کے بغیر ممکن نہ تھا۔ غرض تفسیر منظری حدیث اور آثار صحابہ و تابعین کے ایک بہت بڑے اور قابل قدر ذخیرے پر مشتمل ہے۔

قاضی صاحب کا اسلوب حوالہ نویسی

قاضی صاحب کے تبحر علمی کا اندازہ روایات کی کثرت سے نہیں بلکہ حدیث نویسی کے سے بھی کیا جاسکتا ہے۔ حدیث لکھنے، اس پر نقد و تبصرہ کرنے، اس سے استشہاد اور استخراج احکام کرنے کے انداز و اسلوب سے ان کے پختہ کار محدث اور حافظ حدیث ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ ان کے اندازِ تحریر کی خصوصیات مختصر حسب ذیل ہیں:

۱۔ متفقہانہ اسلوبِ تحریر: عام طور پر احادیث لکھنے کے دو طریقے ہیں، ایک وہ طریقہ ہے جو محدثین (مثلاً امام مالک اور امام بخاری وغیرہ) کے ہاں ملتا ہے۔ یہ حضرات پہلے احادیث بیان کرتے ہیں اور ضمناً احکام و مسائل کا ان سے استنباط اور استخراج کرتے ہیں۔ دوسرا طریقہ فقہا کا ہے جو احکام و مسائل کا ذکر پہلے کرتے ہیں اور احادیث و دیگر شواہد کا ذکر بعد میں۔ مشہور فقہا مثلاً مرغینانی (صاحب ہدایہ) سرخسی (صاحب شرح السیر الکبیر)، ابوالقاسم کی المدونہ اور امام شافعی (کتاب الام) وغیرہ کے ہاں حدیث نقل کرنے کا یہی طریقہ اپنایا گیا ہے۔

تفسیر منظری میں بھی اسی مؤخر الذکر طریقے کی پیروی کی گئی ہے، مثال کے طور پر سورۃ البقرہ کی

۱۵۔ بستان المحدثین، ۱۳۳-۱۳۵ (مطبوعہ کراچی، اردو ترجمہ)۔

آیت ۱۹۶ کے تحت لکھا ہے :

”وَأَتَمَّوْا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ ... هَذِهِ الْآيَةُ حُجَّةٌ عَلَىٰ وَجُوبِ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ وَ
 وَجُوبِ إِتْمَامِهَا وَعَدَمِ جَوَازِ فُسْخِ الْحَجِّ بِالْعُمْرَةِ وَأَمَّا وَجُوبُ الْحَجِّ فَقَدْ انْقَدَ
 الْإِجْمَاعُ عَلَىٰ أَنَّهُ فَرَضٌ مُحْكَمٌ عَلَىٰ الْأَعْيَانِ وَهُوَ أَحَدُ أَرْكَانِ الْإِسْلَامِ قَالَ اللَّهُ
 تَعَالَىٰ ... قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَنَى الْإِسْلَامَ عَلَىٰ خَمْسٍ ...
 مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي الْبَابِ أَحَادِيثٌ كَثِيرَةٌ“ ۱۶

مگر محدثانہ انداز کے تحت اس میں قدرے مجتہدانہ جدت پیدا کرنے کی کوشش کی
 گئی ہے، مثلاً یہ کہ ماخذ فقہ میں سب سے زیادہ زور قرآن اور حدیث پر دیا گیا ہے۔ نیز
 تواتر اور کثرت کے ساتھ احادیث نقل کی گئی ہیں جس سے یہ مباحث فقہ کے بجائے حدیث و
 تفسیر کے مباحث زیادہ دکھائی دیتے ہیں۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ قاضی صاحب کا تفسیر میں
 مباحث فقہ پر لکھنے کا مقصد لوگوں کو محض مسائل و احکام فقہیہ سے آگاہ کرنا نہ تھا (گو
 ضمناً یہ مقصد بھی پورا ہوتا ہے) بلکہ اصل مقصد اہل علم میں اچھلنے سنت اور رجوع الی القرآن
 کی اس آواز کو زور دار بنانا تھا جو اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی تحریک کا مرکزی ہدف رہا ہے۔

ب۔ حافظ ابن حجرؒ اور ابو عیسیٰ ترمذیؒ سے اظہار تاثر : کتب حدیث میں
 احادیث لکھتے اور بیان کرنے کا انداز یکساں نہیں ہے۔ امام بخاری کا متفقہانہ انداز
 (جس میں فہم حدیث بصورت البواب ہے)، امام مسلم بن الحجاج القشیری کے اسلوب سے
 (جس میں البواب کی پابندی ملحوظ نہیں رکھی گئی) کا کافی مختلف ہے۔ اسی طرح شارحین کتب
 حدیث نے بھی الگ الگ اسالیب تحریر اختیار کیے ہیں، تفسیر منظری میں محدثین کے
 اسالیب میں سے دو حضرات سے تاثر بہت نمایاں ہے :

اولاً : تفسیر منظری میں احادیث نقل کرنے یا مزید احادیث کا حوالہ دینے یا ان پر مختصر
 نقد و تبصرہ کرنے میں امام حدیث ابو عیسیٰ ترمذی (م ۲۷۵ھ / ۸۸۸ - ۶۸۸۹) سے تاثر نمایاں

۱۶ تفسیر منظری، ۱: ۲۱۶

۱۷ مسلم شریف میں البواب کا اضافہ بعد کے زمانے میں ہوا، اصل کتاب میں باب نہ تھے۔

ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سنن ترمذی کی اسناد کے متعلق تنقیدی ملاحظات اور مذاہب کے مواقع خلاف کی نشاندہی کرنے کا طریقہ سب سے منفرد ہے۔^{۱۸} علاوہ اس کے "وفی الباب" (اس بارے میں) جامع اور مفید اضافات ہیں، جس کی کسی اور کتاب میں مثال نہیں ملتی۔

امام ابو عیسیٰ ترمذی سے تاثر کا پتا بڑی آسانی سے چل جاتا ہے۔ کیونکہ تفسیر مظہری میں ترمذی کے خاص الفاظ اور خاص تراکیب، مثلاً "وفی الباب" ^{۱۹}، "ہذا حدیث حسن صحیح" ^{۲۰} اور "حدیث غریب لالعرفہ الامن حدیث" ^{۲۱} (فلاں) وغیرہ کا ذکر بکثرت ملتا ہے۔

علاوہ ازیں تفسیر مظہری کے اسلوب تنقید بالخصوص مختصر تنقیدات میں بھی ترمذی سے مشابہت بہت واضح ہے، مثال کے طور پر حسب ذیل اقتباسات پر غور فرمائیے:

ہم کہتے ہیں کہ عبداللہ بن حکیم کی سند اور اس کا متن مضطرب فیہ ہے، لہذا وہ ہماری نقل کردہ صحاح کی روایت کے مقابلے میں پیش نہیں کی جاسکتی۔ اس میں عبداللہ بن عزیز بھی ہے۔ ابو حاتم رازی کہتے ہیں کہ اس کی حدیثیں منکر ہیں اور میرے نزدیک ان میں سچائی نہیں ہے؛ علی بن حسین الجید کہتے ہیں کہ وہ کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتا۔ اور یہ کہ وہ جھوٹی حدیثیں نقل کرتا ہے ^{۲۲}

"اور اس حدیث کو ائمہ کی ایک جماعت نے صحیح تسلیم کیا ہے، لیکن سند کے اعتبار سے نہیں بلکہ شہرت کے لحاظ سے" ^{۲۳} اور ابن سلیمان کمزور ہے جس کی موصول حدیث کے ساتھ حجت قائم نہیں ہو سکتی۔ چہ جائیکہ موقوف حدیث کے ساتھ ^{۲۴} اور اس کی سند میں معنی بن حلال ہے۔ یحییٰ کہتے ہیں کہ وہ حدیثیں گھڑتا تھا۔ ^{۲۵}

^{۱۸} دیکھیے A. J. Wendinck کا مقالہ ترمذی، درار و دائرہ معارف اسلامیہ، ۶: ۳۸۰۔

^{۱۹} دیکھیے مثلاً تفسیر مظہری، ۱: ۲۱۴۔ ^{۲۰} تفسیر مظہری، ۱: ۲۱۴۔ ^{۲۱} ایضاً، ۱: ۲۸۲۔

^{۲۲} ایضاً، ۱: ۱۴۹۔ ^{۲۳} ایضاً، ۱: ۱۸۰۔

^{۲۴} ایضاً، ۱: ۱۸۱۔ ^{۲۵} ایضاً، ۱: ۱۸۳۔

اس نوع کی مختصر، مگر جامع تنقیدات کا اگر سنن ترمذی کے سامنے رکھ کر مطالعہ کیا جائے، تو یہ مشابہت از خود نمایاں ہو جاتی ہے۔

ثانیاً، متون و اسناد حدیث پر مختصر تنقیدی تبصروں میں جس طرح حضرت قاضی نے امام ترمذیؒ کا تتبع کیا ہے، اسی طرح تفصیلی تنقیدی تبصروں میں ان کو ابن حجرؒ کا اسلوب پسند ہے۔ ابن حجرؒ ویسے بھی ان کے محبوب ترین اور بکثرت استفادہ والے مصنف ہیں، چنانچہ انھوں نے تفسیر میں ابن حجرؒ کا ذکر ہمیشہ معتقدانہ انداز میں کیا ہے۔ مثلاً قال الحافظ "یا الشیخ ابن حجر" یا "حافظ ابن حجر" ۲۸ وغیرہ۔۔۔۔۔ اس سے بھی ابن حجرؒ سے ان کے گہرے تاثر کا پتا چلتا ہے۔ مزید برآں ابن حجر مختلف احادیث سے جو نتائج اخذ کرتے ہیں قاضی صاحب اکثر ان سے اتفاق کا اظہار کرتے ہیں ۲۹ تفصیلی تنقیدی تبصرے جن میں ابن حجر کا خصوصی تنقیدی انداز نمایاں ہے، حسب ذیل طریقے پر ملتے ہیں:

"میں کہتا ہوں کہ ان احادیث کو قرآن اور تمتع سے کوئی واسطہ نہیں اس لیے کہ ان میں سے کوئی آیت بھی حج الوداع سے متعلق نہیں بلکہ ان کا تعلق تو "صلح حدیبیہ" کے ساتھ ہے اور بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد حجۃ الوداع سے پہلے کوئی بھی حج نہیں کیا۔ لہذا یہ "هدی تمتع" کیسے ہو سکتی ہے، بلکہ یہ تو فعلی ہدی (قربانی) تھی۔" ۳۰

اس میں روایات پر تاریخی اعتبار سے تبصرہ کیا گیا ہے جو ابن حجرؒ کا خاص انداز ہے، ایک اور مقام پر رقم فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ ان دونوں احادیث کا "مدعی" سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس لیے کہ وہ ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ کا مسلک تھا۔ اس لیے کہ جو کوئی "مکہ مکرمہ" کی طرف "هدی" قربانی کا جانور بھیجے اور اس کا حج کرنے کا ارادہ نہ ہو، تو یہ حکم اس کے متعلق ہے کہ اس پر وہ تمام باتیں

۲۶ ایضاً، ۱: ۱۸۹، ۲۷ ایضاً، ۱: ۲۸۱، ۲۲۳

۲۸ ایضاً، ۱: ۱۸۰، ۱۸۱، ۲۸۱، ۲۲۳ وغیرہ

۲۹ ایضاً، ۱: ۲۲۷

۳۰ ایضاً، ۱: ۲۲۷

حرام ہو جائیں گی جو کسی احرام والے پر ہوتی ہیں تا آنکہ اس کی قربانی کا جانور مکہ مکرمہ میں ذبح ہو جائے۔^{۳۱}
اس اقتباس میں وسعتِ معلومات اور راویوں کے ذاتی رجحانات کی بنیاد پر زیر بحث روایات پر تبصرہ کیا گیا ہے، اس میں بھی ابن حجر کا خاص انداز نمایاں ہے۔ ایک موقع پر لکھتے ہیں:

یہ آثار اگرچہ ظاہری طور پر باہم معارض ہیں، لیکن پہلی حدیث نماز کی جہاد پر فضیلت کو واضح کرتی ہے اور دوسری اس کے برعکس ہے، لیکن ان کو باہم جمع کیا جائے گا تاکہ اسے سائل کی حالت کے مطابق جواب پر محمول کیا جاسکے۔^{۳۲}

تطبیق اور جمع بین الروایات کا مذکورہ انداز بھی اسی تاثر کی غمازی کرتا ہے۔

اس سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ تفسیر منظہری کا علم حدیث و روایت میں پایہ نہایت بلند ہے اور نیز یہ کہ اس میں علم حدیث کے سرسری اور عامیانہ انداز کے بجائے "ارباب فن" کے خاص منہج اور اسلوب سے نہایت اعلیٰ و ارفع معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں۔

احادیث و روایات نقل کرنے کے مقاصدِ اساسیہ

فن کوئی بھی ہو، جب تک اس کا استعمال موقع و محل اور ضرورت کے مطابق نہ ہو، اس کی افادیت مشکوک رہتی ہے، علم حدیث فی نفسہ بڑا پاکیزہ اور مقدس ترین علم ہے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ قاضی صاحب نے اس کو کن مقاصد سے مربوط کر کے بیان کیا ہے۔ ہمارے خیال میں یہ مقاصد حسب ذیل ہیں:

(۱) جیسا کہ ہم مقدمہ میں بالتفصیل ذکر کر آئے ہیں، تفسیر منظہری، تفسیر بالروایت اور تفسیر بالدرایت کا ایک ایسا معتدل مجموعہ ہے، جس میں دونوں کا حسن التزاج نظر آتا ہے اس میں آثار صحابہؓ و تابعینؒ سے جس کثرت و وسعت کے ساتھ استفادہ کیا گیا ہے وہ متاخرین کے دور میں اپنی مثال آپ ہے؛ علاوہ ازیں درایت (فکر و قیاس) پر حکمت تشریحی اور احادیث سے استفادے کا رنگ نمایاں ہے۔ بنا بریں تفسیر بالمنقول کے

لیے احادیث کا بکثرت استعمال ہوا ہے، جو یقیناً بر محل ہے۔

(ب) تفسیر مظہری میں آیات کے موارد استعمال (اسباب و شان نزول) اور فقہی نظائر و امثال کے لیے بھی احادیث سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اس طرح تفسیر مظہری میں احادیث کی اہمیت دو گونہ بلکہ سہ گونہ ہے، اولاً: شان نزول کے مطالعہ کے لیے۔ ثانیاً: فہم قرآن اور ثالثاً: نظائر و امثال و دلائل فقہیہ کے لیے۔ یقیناً یہ استعمال بھی موقع محل اور ضرورت کے عین مطابق ہے۔

(ج) تفسیر مظہری میں مختلف علوم مثلاً علم فقہ، علم الکلام، علم الاخلاق و المواعظ، علم التاريخ و السیر اور علم تصوف وغیرہ کے مباحث میں علم حدیث و روایت سے مدد لی گئی ہے، اس طرح ان سب علوم کو خالص محدثانہ اور محققانہ انداز سے مرتب کیا گیا ہے؛ مزید برآں علم لغت و اشتقاق بھی روایات کے ذکر سے خالی نہیں ہے۔

فہم حدیث

امام بخاریؒ نے کتاب العلم کے باب فہم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے:

”فلیبلغ الشاهد الغائب رب مبلغ اوعی من سامع.“
پس چاہیے کہ سننے والا نہ سننے والے کو یہ پیغام پہنچا دے۔ اس لیے کہ ممکن ہے غائب سامع سے زیادہ حفاظت کر سکتا ہو۔

گویا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک اصل مسئلہ فہم کا تھا، جس کے لیے حاضر ہونے کی شرط غیر ضروری ہے۔ تاریخ اسلام میں متعدد ایسے نامور افراد گزرے ہیں جنہوں نے فہم حدیث میں بڑا نام پیدا کیا۔ قدرت نے قاضی صاحب کو ایسا ہی خلاق ذہن عطا فرمایا تھا کہ تفسیر مظہری میں فہم قرآن کے ساتھ ساتھ فہم حدیث کا بھی انہوں نے بھرپور مظاہرہ کیا ہے۔ ان کے اس وصف یعنی فہم حدیث کا مکمل طور پر ابواب فقہ میں اظہار ہوتا ہے جہاں وہ احادیث سے صحیح نتائج اخذ کرتے اور

انہیں حالات و مسائل پر منطبق کرتے ہیں ۳۳

علم درایت حدیث اور تفسیر منظہری

حدیث اور اس کے ذیلی مضامین سے تعلق رکھنے والے اس علم کو علم "اصول حدیث" مصطلح الحدیث "بھی کہا جاتا ہے۔ علم اصول حدیث کا نشوونما بھی علم روایت کی طرح قرآن و سنت کے زیر سایہ عمل میں آیا۔ قرآن و حدیث میں جس طرح سچی بات کہنے اور قبول کرنے پر اور جھوٹی بات سے اجتناب کرنے پر زور دیا گیا ہے، انہی خطوط پر علم اصول و درایت حدیث کی بنیاد رکھی گئی، جس کی بنا پر صحیح اور غیر صحیح حدیث و روایات میں فرق کیا جاتا ہے۔

فاضل مفسر کو علم درایت و اصول حدیث میں تبحر حاصل ہونے کی وجہ سے جو امتیاز حاصل تھا اس کا اندازہ تفسیر منظہری اور اس موضوع پر اس کے مآخذ سے (جو تقریباً بیس کتابیں ہیں) بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ تفسیر منظہری میں اس علم اور اس کے متعلقات سے بکثرت استفادہ علم روایت حدیث کی تشریح و توضیح اور اس کی تنقید و تعقیب کے لیے کیا گیا ہے۔ تفسیر منظہری میں علم درایت کے حسب ذیل پہلو خاص طور پر قابل ذکر ہیں :

۱۔ معرفت حدیث

ایک محدث کی حیثیت سے تفسیر منظہری میں قاضی صاحب اپنا یہ فرض سمجھتے ہیں کہ حدیث کی شناخت کریں کہ آیا وہ صحیح الاسناد ہے یا ضعیف الاسناد، نیز یہ کہ ابواب فقہ میں اس پر کس حد تک اعتماد کیا جاسکتا ہے۔
متن و سند کی صحت و ثقاہت کی بنا پر روایات کی جو تقسیم کی جاتی ہے اس کے

تحت صحیح، حسن اور ضعیف میں اقسام پیدا ہوتی ہیں، تفسیر میں ان تینوں کا ذکر کیا گیا ہے،^{۳۵}
 امام ترمذی کی خاص اصطلاح حسن صحیح اور حسن غریب^{۳۶} کا ذکر بھی اسی زمرے میں شامل ہے۔^{۳۷}
 سند کی تکمیل و عدم کے لحاظ سے احادیث کو مرفوع، موقوف، مرسل، مقطوع (منقطع)
 اور مفصل^{۳۸} وغیرہ اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے، ان اقسام روایت کا تذکرہ بھی تفسیر میں جا بجا ملتا ہے۔^{۳۹}

^{۳۷} صحیح اس روایت (حدیث) کو کہا جاتا ہے، جس کے اسناد متصل ہوں اور اسے از اول تا آخر
 عادل و ضابطہ راوی نقل کریں۔ نیز اس میں کوئی علت نہ ہو اور وہ روایت جمہور محدثین کے خلاف
 بھی نہ ہو (اختصار علوم الحدیث، ص ۲۱)؛ حسن ایسی روایت کو کہا جاتا ہے جس کے راوی صحیح کے
 کے مقابلے میں حافظے اور ثقاہت میں قدرے کم درجے کے ہوں (ابن حجر: شرح نخبۃ الفکر،
 ص ۱۱)؛ مگر جو روایت نہ صحیح ہو اور نہ حسن وہ ضعیف ہے۔

^{۳۵} مثلاً دیکھیے صحیح کا ذکر تفسیر مظہری، ۱: ۱۶۸، حسن، ۱: ۱۶۸، ۱۹۰، ۲۸۷، ضعیف، ۱: ۱۰۹۔

^{۳۶} امام ترمذی کے ہاں حسن صحیح کی اصطلاح سے مراد وہ روایت ہے جو ایک جیسے متعدد طرق سے
 مروی ہو۔ روایت کی اس نوع کا درجہ صحیح اور حسن کے درمیان ہے۔ جب کہ حسن غریب وہ
 روایت ہے، جس کی کسی اور ذریعے سے تصدیق نہ ہوتی ہو۔ (دیکھیے صحیح صالح: علوم الحدیث، ص ۱۵۸)۔
^{۳۷} مثلاً حسن صحیح، ۱: ۲۱۷۔

^{۳۸} مرفوع وہ روایت ہے جس کی سند آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتی ہو۔ موقوف
 وہ روایت ہے جس میں سند کسی صحابی سے آگے نہ بڑھے (صحابی کا قول یا عمل) مرسل وہ
 روایت ہے جس میں ایک راوی کا نام متروک ہو، اور تابعی براہ راست آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرے۔ منقطع (مقطوع) وہ روایت ہے جس میں صحابی کا
 نام متروک ہو، مفصل ایسی روایت کو کہتے ہیں، جس میں دو راویوں کے نام متروک
 ہوں (دیکھیے القاسمی: قواعد التحدیث، ص ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۳۱، ۱۳۲ وغیرہ؛ صحیح صالح:
 علوم الحدیث، ص ۱۲۵ و بعد)

^{۳۹} مثلاً مرفوع، تفسیر مظہری، ۱: ۱۲۳، موقوف، ۱: ۲۳۲، مرسل، ۱: ۱۸، ۱۷۸، ۱۹۰؛
 منقطع، ۱: ۱۰۲، ۲۶۹۔

طرق (لفظی معنی راستے، اصطلاحاً روایت کے مختلف سلاسل) کے لحاظ سے کی جانے والی تقسیم کے ارکان اربعہ، یعنی متواتر، مشہور، عزیز اور خبر واحد کا بھی تفسیر میں تذکرہ کیا گیا ہے۔
اسی طرح متن و سند کی دیگر کمزوریوں کی بھی تفسیر منظری میں اکثر نشاندہی کر دی جاتی ہے۔ عام طور پر اہل اصول نے وجوہ ضعف کی بنا پر کمزور احادیث کی اقسام کو ۳۸ تک بڑھا دیا ہے، مگر بقول علامہ ابن الصلاح ان میں سے اکثر اقسام کبھی واقع ہی نہیں ہوئیں، آگے چل کر پھر یہ اقسام دو حصوں میں منقسم ہو جاتی ہیں، اولاً وہ جو کسی متن کی کمزوری کے باعث اور ثانیاً وہ جو کسی سند کی خامی کی بنا پر ضعیف ہیں۔ ایسی احادیث و روایات میں سے شاذ، مضطرب المتن و سند، متروک، منکر، موضوع، مختلط، مقلوب، معتل اور مجہول وغیرہ کا

تذکرہ وہ حدیث جو روایت کے ہر دور میں کئی اسناد سے مروی ہو اور ہر مرحلے پر راویوں کی تعداد اتنی زیادہ ہو کہ ان کا جھوٹ پر جمع ہونا محال ہو۔ اعداد ہر دور میں مشہور رہی ہو، نیز اس کی صحت کے متعلق کبھی کوئی اعتراض نہ کیا گیا ہو، خبر متواتر کہلاتی ہے۔ خبر مشہور کے لیے ضروری ہے کہ روایت کے ہر مرحلے پر اسے کم از کم تین افراد روایت کرنے والے ثقہ اور عادل ہوں۔ یا جس کا ابتدائی راوی تو ایک ہو مگر بعد میں اسے راویوں کی تعداد کثیر نقل کرنے والی موجود رہی ہو۔ جو حدیث روایت کے ہر مرحلے پر دو، دو افراد سے مروی ہو، خبر عزیز ہے۔ خبر واحدہ حدیث ہے جسے ہر دور میں روایت کرنے والے ایک سے زیادہ نہ ہوں، خبر غریب وہ روایت ہے جس میں متن یا سند کے لحاظ سے کوئی انوکھی بات (عام توقع کے برخلاف) پائی جائے۔ دیکھیے صبحی صالح، علوم الحدیث، ص ۲۲۶ و بعد؛ القاسمی؛ قواعد الحدیث، ص ۱۲۳ و بعد۔

۴۱ مثلاً دیکھیے خبر متواتر، تفسیر منظری، ۵۰: ۳؛ مشہور، ایضاً، ۲۴۹: ۱؛ خبر واحد، ایضاً، ۱: ۹-۱۰؛ غریب، ۲۸۴: ۱۔
۴۲ شاذ: جس کا راوی گو ثقہ ہو مگر اس کا نقل کردہ متن یا سند۔ ثقہ لوگوں کے بیان کردہ متن و سند سے مختلف ہو؛ متروک، جسے راوی یا متن کے حد درجہ کمزور ہونے کے باعث ترک کر دیا گیا ہو؛ منکر: جسے کوئی کمزور راوی ثقہ لوگوں کے بالمقابل نقل کرتا ہو۔ موضوع، خود وضع کردہ حدیث؛ مختلط: جس کا متن یا سند کسی روایت کے متن و سند سے مخلوط ہو جائے؛ مقلوب: جس کے متن یا سند کے الفاظ آگے کے پیچھے اور پیچھے سے آگے ہو گئے ہوں؛ معتل: وہ روایت جس میں کوئی (باقی اگلے صفحے پر)

ذکر اور اوراق تفسیر میں بکثرت کیا گیا ہے۔^{۲۲۳}
 روایات کی ان مختلف اور متنوع اقسام کے ذکر سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ تفسیر
 منظری کے فاضل مفسر علوم حدیث پر کس درجہ عبور رکھتے تھے۔

تنقید و اواق

احادیث کی صحیح شناخت اور صاحبِ فن کی حیثیت سے احادیث کی اسناد پر جو
 تنقیدی نظر ڈالی جاتی ہے اور اس کے تحت راویوں کے حال پر جو گفتگو کی جاتی ہے،
 اصطلاح میں اس کو "علم اسماء الرجال"، کہا جاتا ہے۔ مسلمانوں کا یہ وہ عظیم الشان کارنامہ
 ہے جس کی کسی مذہب میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ مشہور جرمن مستشرق ڈاکٹر شبرنگر
 (Sprenger) نے بحاطور پر لکھا ہے کہ مسلمانوں نے اسماء الرجال کا جو فن ایجاد
 کیا اور جس کے تحت پانچ لاکھ انسانوں کے اسماء و احوال محفوظ ہیں وہ دنیا کی تاریخ میں
 بے نظیر فن ہے۔^{۲۲۴}

قاضی محمد ثناء اللہ صاحب کو علم اسماء الرجال سے معروضی حیثیت سے سابقہ پڑا۔
 براہِ راست واسطہ تو علم حدیث (و تفسیر) سے تھا، لیکن روایات حدیث کو جانچنے
 کے لیے چونکہ علم اسماء الرجال پر عبور حاصل ہونا ضروری ہے، اس لیے قاضی صاحب
 نے تفسیر میں اس علم سے بھی استفادہ کیا۔

(گزشتہ سے پیوستہ) ایسی خفیہ علت پائی جاتی ہو جو اس کی صحت کے منافی ہو۔ مجہول: جس کا
 راوی غیر معروف ہو، علوم الحدیث و قواعد الحدیث وغیرہ)۔

۲۲۳ مثلاً شاذ تفسیر منظری، ۱: ۱۰۹، مضطرب المتن والسند، ۱: ۱۶۹، متروک،
 ایضاً، ۱: ۱۸۰، ۱۹۰، منکر ایضاً، ۲۰۲، ۲۸۴، موضوع، ایضاً، ۱: ۱۸۳،
 ۲۶۹ (بعنوان کان یضع الحدیث)، مختلط، ایضاً، ۱: ۲۳۰، معلل، ۱/۲:
 ۳۳۰، مجہول، ایضاً، ۱: ۱۷۰، ۲۶۹۔

۲۲۴ الاصابہ فی اسماء الصحابہ، انگریزی دیباچہ۔

روایت کی تنقید آگے چل کر پھر دو حصوں میں بٹ جاتی ہے، مثبت یعنی متن و سند کی صحت و ثقاہت ثابت کرنے والی تنقید، یعنی وہ تنقید جو متن و سند کے ضعف و اضطراب کو واضح کرنے کے لیے کی جائے۔ ان دونوں مقاصد کے لیے محدثین کے ہاں تقریباً بارہ قسم کے الفاظ یا جملوں کا رواج تھا، یہ الفاظ یا جملے درحقیقت ان افراد کی عالمانہ و محدثانہ حیثیت و مرتبے کے مطابق ^۱ وضع کیے گئے ہیں۔ تفسیر منظری میں ان میں سے تقریباً تمام الفاظ اور جملوں کا اپنے اپنے مقام پر ذکر ملتا ہے، مثلاً

۲۵۔ یہ کل بارہ اصطلاحات ہیں، تفصیل حسب ذیل ہے:

- ۱۔ صحابی: ان کے لیے صحابی کہہ دینا کافی خیال کیا جاتا تھا۔
- ۲۔ بہت زیادہ ثقہ کے لیے اوثق الناس، "ثقة" "ثقة" "ثقة حانظی اصطلاحات راجح تھیں۔
- ۳۔ محض ثقہ کے لیے "ثقة" متفق، مثبت وغیرہ کے الفاظ مقرر تھے۔
- ۴۔ جو اس سے کم تر درجے پر ہو اس کے لیے "صدوق" "لابأس بہ" "لیس بہ بأس وغیرہ کے الفاظ تھے۔

۵۔ اس سے کم تر لوگوں کے لیے "صدوق سی الخلق" "صدوق یتیم بہ" یا "صدوق لہ اوہام" او بخیلی اور تغیراً آخرہ کی اصطلاحات مقرر تھیں۔ یہاں تک کے راویوں کی روایات قبول کی جاسکتی ہیں۔

۶۔ اگر راوی کم روایت کرتا ہو اور معمولی درجے میں اس کی روایت قبول کی جاسکتی ہو تو اسے مقبول ورنہ لیمن الحدیث کہتے ہیں۔

۷۔ جس راوی سے ایک سے زیادہ روایات مروی ہوں مگر وہ ثقہ نہ ہوں تو انھیں مستور الحال یا مجول کہتے ہیں۔

۸۔ جو کم تر محض ہو اسے ضعیف کہہ دیا جاتا ہے۔

۹۔ جو راوی ایک سے زیادہ روایت کرے مگر پھر بھی قابل قبول نہ ہو تو اسے متروک یا متروک الحدیث کہا جاتا ہے۔

۱۰۔ اس سے کم تر درجے کے لیے "واہی الحدیث" یا ساقط کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

- ۱۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں محدثین کے ہاں محض صحابی کہہ دینا کافی خیال کیا جاتا تھا۔
تفسیر منظری میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اعلیٰ ادینی و علمی رتبے کا دفاع کیا گیا ہے۔ ۲۶
- ب۔ تنقید روایۃ کے درجہ دوم و سوم کا ذکر کرتے ہوئے صاحب تفسیر لکھتے ہیں: ۲۷
وقال یحییٰ بن معین ثقہ وقال الذہبی ثقہ مشہور من رجال مسلم۔
ج۔ درجہ چہارم کے لیے تفسیر میں "لیس بہ باس" کے الفاظ مستعمل ہوئے ہیں۔ ۲۸
د۔ درجہ پنجم کے لیے ایک مقام پر لکھتے ہیں:
"والضایفہ ابن ابی سیبہ طعن الطحاوی فیہ بفساد الحفظ۔"
ہ۔ درجہ ششم اضعف سے ادنیٰ درجے کے لیے حسب ذیل انداز اختیار کرتے ہیں:
... رواہ الدارقطنی عن ابی حاتم لا یحتج بہ اور کسی جگہ "لا یقوم
بہ حجة" نہ

- و۔ درجہ ہفتم کے لیے تفسیر میں "مجهول" اور ۲۹
ز۔ درجہ ہشتم کے لیے "ضعیف" ضعف (فلاں) وغیرہ ۳۰
ح۔ درجہ نہم کے لیے متروک ۳۱ یا متروک الحدیث کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔

(گزشتہ سے پوستہ)

- ۱۱۔ جو شخص جھوٹ بولتا ہو، اس کے لیے متم بالکذب وغیرہ کے الفاظ مستعمل ہوتے ہیں۔
۱۲۔ سب سے کم تر درجہ کے لیے کذاب، وضاع او یضع وغیرہ الفاظ استعمال کیے جاتے
ہیں (تفصیل کے لیے ابن حجر: تقریب التذیب؛ خطبہ کتاب؛ احمد محمد شاہر:
الباعث الحثیث، بارشانی قاہرہ ۱۳۷۰ھ/۲۱۹۵۱، ص ۱۱۸ تا ۱۱۹؛ محمد بن اسماعیل
الصنعانی: توضیح الافکار، ۲: ۲۶۱ تا ۲۷۱؛ القاسمی: قواعد الحدیث، ص ۱۳۷)۔
۳۶ مثلاً دیکھیے تفسیر منظری، ۳: ۹۵ تا ۹۶ - ۳۷ ایضاً، ۱: ۱۰۶

- ۳۸ ایضاً، ۱: ۱۰۶ ۳۹ ایضاً، بحمل مذکور، و ص ۲۴۹، ۲۸۲ وغیرہ
۴۰ ایضاً، ۱: ۱۸۱ ۴۱ تفسیر منظری، ۱: ۲۶۹
۴۲ ایضاً، ۱: ۱۹۰، ۱۷۰ ۴۳ ایضاً، ۱: ۱۰۶
۴۴ ایضاً، ۱: ۱۷۰ ۴۵ ایضاً، ۱: ۱۹۰

ط - درجہ دوم کے لیے، **وَإِيجِدًا** یا **وَإِوَاهِي** الحدیث، وغیرہ

ی - درجہ یا زدہم کے لیے: **كَانَ يَكْذِبُ**، وغیرہ۔

ک - درجہ دوازدهم کے لیے: **كَذَابٌ**، **شَيْخٌ دَجَالٌ**، وغیرہ کی اصطلاحوں سے کام لیا گیا ہے، علاوہ ازیں ضعف کے درجات کے لیے "اشدّ ضعفاً" **لَيْسَ بِشَيْءٍ** اور "وضوح الكذب" **لَيْسَ مَحَلَّةُ الصِّدْقِ عِنْدِي** **لَا يَسَاوِي فِلْسًا** اور "وضوح الكذب"

وغیرہ الفاظ مستعمل ہونے ہیں۔

اسی طرح قاضی صاحب نے تفسیر مظہری میں خالص محدثانہ انداز اور اسلوب سے احادیث و روایات پر تنقید کر کے مکمل طور پر حدیث نویسی کا اعلیٰ معیار قائم کیا ہے جو تفسیری دنیا میں خال خال ہی نظر آتا ہے۔ یہ تنقیدات فقہ کی احادیث پر تو بھر پور اور مکمل ہیں، اور ماقبہ موضوعات پر جزوی ہیں۔ اس سلسلے میں فاضل مفسر کے بے لاگ اور غیر متصنّفانہ رویے کا یہ عالم ہے کہ ان تنقیدات سے خود مسلک حنفی کی موید روایات بھی محفوظ نہ رہ سکی ہیں۔

۳۔ علم درایت حدیث کے بعض اصولوں کی تشریح

تفسیر مظہری میں جس گہرائی اور گیرائی سے علم حدیث اور علم درایت حدیث کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے، اس کا مزید اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ مفسر علام نے تفسیر مظہری میں علم درایت و روایت حدیث کے بعض اہم اصولوں کی توضیح بھی کی ہے، جن میں سے چند ایک بطور مثال حسب ذیل ہیں:

۱۔ ایک ہی روایت متعدد کمزور طرق سے مروی ہونے کا مسئلہ: اگر ایک روایت متعدد غیر ثقہ طرق سے مروی ہو تو انہیں ایک دوسرے کی مدد حاصل ہو جاتی ہے، یوں کمزور

۵۶ تفسیر مظہری، ۵۱: ۱

۵۷ ایضاً، ۱۹۱: ۱

۵۸ ایضاً، ۲۶۹: ۱

۵۹ ایضاً، ۱۹۰، ۱۷۰: ۱

۶۰ ایضاً، ۱۶۹: ۱

روایت بھی حجت بن جاتی ہے :

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو دوسرے طریق سے طبرانی نے بھی روایت کیا ہے، جسے اگر پہلے طریقے کے ساتھ ملا دیا جائے تو وہ طریقہ قوی ہو جائے گا۔^{۶۶}
اسی طرح ایک اور مقام پر اسے اعتضاد (مضبوط ہونا) قرار دیا گیا ہے :
اور اس کی اسناد شعبی تک صحیح میں اور بعض طرق دوسرے طرق کے ساتھ مل کر معتضد (مضبوط) ہو جاتے ہیں۔^{۶۷}

ب مرفوع اور موقوف روایات کے قبول و عدم قبول کا مسئلہ : عام طور پر یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ تمام صحابہ کرام رضعدول تھے، لہذا ان کی موقوف روایات^{۶۸} بھی قبول کی جاتی ہیں، لیکن بہر حال یہ ضابطہ مکمل نہیں ہے۔ بعض اوقات اس میں بہت احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے، بالخصوص اس وقت صحابہ کرام رضعدول کی روایات باہم دیگر مختلف ہوں، ظاہر ہے کہ ایسے موقعوں پر یہ ضابطہ نافذ نہیں ہو سکتا۔ ایسے مقامات پر عام طور پر سب روایات ذکر کر دی جاتی ہیں، اور ان میں کسی اور پہلو سے ترجیح دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔^{۶۹} یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ بعض مقامات پر موقوف روایت کے متعلق یہ قیاس ہو سکتا ہے کہ صحابہ کرام رضعدول نے اپنے اجتہاد کی بنا پر کوئی رائے قائم کر لی ہو۔ چنانچہ قاضی صاحب ایک مقام پر لکھتے ہیں :
ہم کہتے ہیں کہ ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے۔ کہ وہ روایت مرفوع کے حکم میں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، اور حضرت عائشہؓ نے آیت قرآنیہ سے استدلال کر کے ایام تشریح میں روزے رکھنے کے جواز کا فتویٰ دیا ہو۔^{۷۰}

ج۔ راوی کے قول و عمل میں اختلاف کا مسئلہ : علیٰ ہذا القیاس اگر راوی کا اپنا قول یا عمل اپنی بیان کردہ روایت کے خلاف ہو تو ایسی صورت میں اس کی بیان کردہ روایت خواہ مرفوع ہو یا موقوف، قابل استناد نہیں رہتی۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور

^{۶۶} تفسیر مظہری، ۱: ۱۵۶ ^{۶۷} ایضاً، ۱: ۱۰۲

^{۶۸} اصول حدیث کی بحث کے دیکھیے صبحی صالح، علوم الحدیث، ص ۲۰۸، نیز دیکھیے سابقہ اوراق (حاشیہ ۵)

^{۶۹} تفسیر مظہری، ۱: ۴۷ ^{۷۰} ایضاً، ۱: ۲۲۸

حضرت عائشہؓ کے متعلق محمولہ بالا اقتباس میں فاضل مفسر نے صراحت کی ہے۔^{۱۷۵} ایک اور مقام پر اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ راوی کے قول و عمل میں اختلاف اس بات کی علامت ہے کہ وہ روایت قابل عمل نہیں (منسوخ) ہے، ورنہ خود اس کا اپنا عمل اس کے خلاف نہ ہوتا۔^{۱۷۶}

د۔ راوی کے متعلق تضعیفی اقوال کی کثرت؛ اگر کسی راوی کے متعلق موافق و موافق دونوں قسم کی تنقیدات مروی ہوں، بقول صبحی صالح تیسری صدی اور مابعد کے راویوں کے متعلق اسی قسم کی صورت حال اکثر درپیش ہے۔ ایسے موقعوں پر محدثین نے قبول روایت کے لیے کچھ موٹی موٹی شرائط مثلاً عقل، بلوغ، اسلام، قوت حافظہ، فسق کا عدم ظہور وغیرہ ملحوظ رکھتی ہیں۔ قاضی صاحب بھی قبول روایت کی ان شرائط سے پوری طرح متفق بلکہ اس سے ایک قدم آگے ہیں۔ اس نوع کے معاملات میں قاضی صاحب کا طریق کار یہ ہے کہ جس راوی کی اس کے بیشتر ناقدین نے تضعیف کی ہو، تو کثرت رائے کی بنا پر وہ اس کی روایت کو قبول کرنے کے خلاف ہیں۔^{۱۷۷} لیکن اگر کچھ ارباب فن اس کو سچا سمجھتے ہوں یا اسے کسی اور معتبر راوی کی تائید حاصل ہو جائے تو اسے قبول کر لینا چاہیے۔ چنانچہ ایک مقام پر ابن حجر^{۱۷۸} اور دوسرے مقام پر علامہ ابن ہمام الحنفی^{۱۷۹} کے حوالے سے یہی اصول کار بیان کیا گیا ہے۔

ه۔ ثقہ راوی کا اضافہ: اسی طرح کا ایک مسئلہ ثقہ راوی کے اضافے سے متعلق ہے، اگر کوئی معتبر اور ثقہ راوی کسی روایت کے الفاظ میں کچھ اضافہ کر دے جس کی دوسرے راویوں سے تائید و توثیق نہ ہوتی ہو تو بعض اہل مسالک اس اضافے کو قبول نہیں کرتے، مگر قاضی صاحب فقہ حنفی کی ترجمانی کرتے ہوئے مذکورہ اضافے کو مستند گمان کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

اس حدیث کے راویوں سے صحیحین میں بھی روایا لی گئی ہیں ماسوا اس کے کہ مقیم کی روایت

^{۱۷۵} ایضاً، محل مذکور، ص ۲۳۱، ۲۰۲۔^{۱۷۶} ایضاً، ۱: ۳۰۹۔

^{۱۷۷} دیکھیے علوم الحدیث، ص ۱۳۸ تا ۱۳۷۔^{۱۷۸} تفسیر منطری، ۱: ۲۶۹۔

^{۱۷۹} ایضاً، ۱: ۲۸۱۔^{۱۸۰} ایضاً، ۱: ۳۰۱۔

بخاری نے نقل کی ہے، ان کی صحت کی شہادت ابن القطان، حاکم، ابن دقیق العید نے دی ہے، اس لیے جن راویوں نے ان کی روایت کو موقوف نقل کیا ہے، اس سے اس کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کیوں کہ حدیث کا مرفوع ہونا ایسا اضافہ جو ثقہ راویوں سے قبول کیا جاسکتا ہے۔ ۱۷۵

و۔ خبر واحد کی حیثیت: خبر واحد کی حیثیت محدثین اور فقہاء کے ہاں مختلف فیہ ہے۔ اگر خبر واحد ثقہ راویوں سے منقول ہو تو وہ روایت ثقہ ورنہ غیر ثقہ سمجھی جاتی ہے ۱۷۶ تاہم خبر واحد طنی الاحتمال رہتی ہے، چنانچہ قاضی صاحب بیان کرتے ہیں کہ اس پر کسی قیاس کی بنیاد تو رکھی جاسکتی ہے، مگر ایسے قیاس کو یقینی حیثیت حاصل نہیں ہوتی۔ بایں ہمہ خبر واحد قیاس سے بہر حال اعلیٰ ہوتی ہے۔ اس بنیاد پر قاضی صاحب نے کئی مسائل مستنبط کئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ اگر کوئی شخص خبر واحد کی بنیاد پر قسم کھالے اور بعد ازاں ثابت ہو جائے کہ وہ خبر غلط تھی تو مذکورہ شخص حانت نہیں ہوگا۔ ۱۷۷

ن۔ مرفوع روایت کے مقابلے میں آثار صحابہ کی حیثیت: اگر ایک طرف مرفوع روایت ہو اور دوسری طرف آثار صحابہ ہوں تو مرفوع روایت کو ترجیح دی جاتی ہے۔ لکھتے ہیں: اور حضرت عبدالرحمن بن عوف و حسن کی روایات (آثار) حدیث مرفوع کے مقابلے میں حجت نہیں۔ ۱۷۸

علیٰ ہذا القیاس اگر قرآن اور حدیث میں یا قرآن و آثار صحابہ میں تعارض پیش آجائے تو وہاں بہر حال اول الذکر کو ترجیح ہوگی۔ ۱۷۹

ح۔ مردوں کے مقابلے میں عورت کی روایت: تعارض روایات کی بعض صورتوں میں مردوں اور عورتوں کی روایات میں بھی اختلاف واقع ہو جاتا ہے، اس صورت میں مردوں کی روایت کو (خاص طور پر جب کہ وہ ایک سے زیادہ ہوں) ترجیح دی جاتی ہے ۱۸۰ لیکن بایں ہمہ

۱۷۵ تفسیر منطوری، ۱: ۲۷۸ ۱۷۶ علوم الحدیث، بحث خبر واحد (ص ۲۲۶ و بعد)

۱۷۷ تفسیر منطوری، ۱: ۲۹۰ ۱۷۸ ایضاً، ۱: ۳۰۳

۱۷۹ ایضاً، ۱: ۲۸۸، ۲۲۸ ۱۸۰ ایضاً، ۱: ۳۰۳

اگر دونوں طرف ایک ایک راوی ہو، اور عورت کی روایت مرد کے مقابلے میں قوی سند و متن کی حامل ہو تو وہاں حکم مختلف ہے۔ چنانچہ ایک مشہور قضیے میں دو روایات مروی ہیں، جن میں سے ایک روایت بسره (عورت) اور دوسری حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی ہے، ان میں سے چونکہ اول الذکر ثقہ اور معتبر ہے، اسی لیے قاضی صاحب نے مسلک حنفی کے برخلاف اول الذکر یعنی حضرت بسره رضی اللہ عنہ کی روایت کو ترجیح دی ہے۔^{۸۳}

ط۔ تعارض بین الروایات کو رفع کرنا: بعض اوقات کسی راوی کی کم فہمی، ماحول اور پس منظر سے لاعلمی، الفاظ حدیث میں معمولی رد و بدل یا اسی طرح کے بعض دیگر عوارض کی بنا پر روایات میں بظاہر اختلاف پیدا ہو جاتا ہے، محدثین کے ہاں اس اختلاف کو ہمیشہ جمع و تطبیق کے اصولوں کی بنیاد پر رفع کرنے کا اہتمام کیا جاتا رہا ہے۔ تفسیر مظہری میں بھی اصول پر زور دیا گیا ہے۔ جمع و تطبیق کی اصولی بحث کے طور پر ایک مقام پر قاضی صاحب لکھتے ہیں:

احناف کہتے ہیں کہ جب نصوص میں تعارض ہو جائے تو ان میں سے کسی ایک کو ترجیح دینا یا ان کو باہم جمع کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔^{۸۴}

عموماً ترجیح دینے کے لیے سند کے لحاظ سے قوی اور محکم تر روایت کو منتخب کیا جاتا ہے۔^{۸۵} بعض مقامات پر احوط (زیادہ احتیاطی) روایت کو بھی ترجیح دی گئی ہے۔ اگر روایات کے درمیان جمع و تطبیق پیدا کرنا ہو تو اس کے لیے قاضی صاحب اعلیٰ اصلاحتوں کا مظاہرہ کرتے ہیں اور ایک ہی مسلک میں ان سب کا قدر مشترک جمع کر کے دکھاتے ہیں۔^{۸۶} جس سے قاری متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ بعض مقامات (مثلاً تحویل قبلہ کی روایات) میں معمولی سی تاویل کا بھی مظاہرہ کیا گیا ہے۔^{۸۷}

احادیث کو جمع کرنے اور ان میں توافق پیدا کرنے کے لیے بعض مقامات پر قاضی صاحب

^{۸۳} تفسیر مظہری، ۱/۲: ۱۲۲، ^{۸۴} ایضاً، ۳۱۹: ۱

^{۸۵} ایضاً، مجل مذکور، نیز، ص ۳۸۵، ^{۸۶} ایضاً، ۳۱۹: ۱

^{۸۷} ایضاً، ۱: ۱۲۲ تا ۱۲۳ (بذیل البقرہ — ۱۲۳)

کی عمدہ مجتہدانہ کاوشوں کا اظہار ہوا ہے، خاص طور پر ایسے مقامات پر جہاں اختلاف روایات کی بنا پر مختلف فقہی مسلک پیدا ہو گئے تھے۔

مثال کے طور پر حج کے سلسلے میں احناف اور جمہور کے درمیان ایک مشہور مختلف فیہ مسئلہ یہ ہے کہ قرآن افضل ہے یا تمتع؟ اول الذکر جمہور کا اور مؤخر الذکر احناف کا مسلک ہے۔ اسی طرح ایک اور مختلف فیہ مسئلہ یہ ہے کہ آیا قرآن میں دو سعی ہیں یا ایک؟ جمہور کے ہاں اول الذکر اور احناف کے نزدیک مؤخر الذکر مختار ہے۔ ان دونوں مسائل میں اختلاف و نزاع کا باعث بعض روایات ہیں، اسی بنا پر قاضی صاحب ان روایات میں اور ان کے ذیلی مسائل میں یوں تطبیق پیدا فرماتے ہیں کہ ”احادیث جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ہدی (قربانی کا جانور) روانہ کر دیا جائے تو قرآن ورنہ تمتع افضل ہے۔“ بعد ازاں مؤخر الذکر مسئلے کی نسبت یہ بیان کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن میں دو طواف اور دو سعی مختلف اوقات اور مختلف حالتوں میں ادا فرمائی ہیں۔ پہلا طواف اور پہلی سعی تو آپ نے پیدل ادا فرمائی۔ یہ طواف اور سعی عمرے کی بنا پر ادا کی گئی تھی۔ بعد ازاں دوسری سعی آپ نے طواف زیارت سے فارغ ہونے کے بعد سوار ہو کر ادا فرمائی۔ جس کا منشا یہ تھا کہ دور دراز سے آئے ہوئے لوگوں کو پتہ چل جائے کہ طواف اور سعی کیسے کی جاتی ہے، نیز جس کسی نے کوئی مسئلہ دریافت کرنا ہو وہ کر لے۔ گویا اصلی طواف اور سعی تو ایک ایک ہی تھے، دوسری سعی اور طواف کا مقصد عبادت سے زیادہ تعلیم تھا، تفسیر میں اس طرح اور بھی کئی مواقع ہیں۔

۸۸ قرآن اور تمتع دونوں حج کی اصطلاحات ہیں، اگر عمرہ اور حج ایام حج میں الگ الگ ادا کیے جائیں تو قرآن ہے، اور اگر دونوں ایک ہی احرام کے ساتھ ادا کیے جائیں تو تمتع کہتے ہیں (محمود الحسن عارف، مقالہ عمرہ، دار ودائرہ معارف اسلامیہ، ۱۴/۲، ۲۴، ۲۵ تا ۲۸۲)۔

۸۹ دیکھیے صحیح بخاری ۱: ۲۸، تفسیر مظہری، ۱: ۲۳۰ تا ۲۳۱۔

۹۰ دیکھیے تفسیر مظہری، ۱: ۲۴، ۲۸، ۱۰۳، ۱۱۷، ۱۲۶، ۱۳۶، ۱۴۳، ۱۸۱، ۲۲۱،

۲۵۸، ۲۹۳، ۳۰۷ وغیرہ۔

اس قسم کی توضیحات سے نہ صرف مختلف احادیث جمع ہو جاتی ہیں بلکہ فقہی اقوال اور آراء میں بھی ایک گونہ توافق پیدا ہو جاتا ہے۔ یوں بین المسکلی تعصب کو ختم کرنے اور فہم حدیث میں آسانی پیدا ہوتی ہے۔

الغرض علم روایت حدیث اور علم درایت حدیث کے موضوع پر تفسیر منظری میں نہایت سیر حاصل مباحث اور معلومات ملتی ہیں۔

اسرائیلیات اور تفسیر منظری

تفسیر منظری اور علم حدیث پر بحث ختم کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر منظری میں اسرائیلیات سے متعلق رویے کا جائزہ لے لیا جائے۔

۱۔ اہمیت و حیثیت

اسرائیلیات سے وہ تفسیری ادب مراد لیا جاتا ہے۔ جس میں یہودی یا نصرانی رنگ جھلکتا ہو، پھر اس میں بھی چونکہ یہودیت کا عنصر غالب ہے اسی لیے اس ذخیرہ روایات کو اسرائیل (یہود) کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔^{۱۹۱}

انیسویں اور بیسویں صدی کی تحقیقات کے نتیجے میں توریت اور اناجیل کے محرف ہونے کا معاملہ خود یورپ میں بھی عام طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے۔^{۱۹۲} یہودی روایات کی نسبت قرآن اور حدیث میں محتاط رویہ اختیار کرنے کی تاکید اسی بنا پر کی گئی ہے۔

قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر یہود و نصاریٰ کو اپنی مذہبی کتب میں تحریف و تبدیلی

^{۱۹۱} محمد حسین الذہبی، التفسیر والمفسرون، ۱: ۱۶۵ تا ۱۶۸۔

^{۱۹۲} دیکھیے مقالہ بائبل انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، و دیگر انسائیکلو پیڈیاز؛

نیز مقالہ توریت و انجیل در اردو وارثہ معارف اسلامیہ، بذیل مادہ؛ بوکاٹے؛

The Bible 'Quran and Science، باب اول، نیز علامہ رحمت اللہ

کیرانوی؛ اظہار الحق (عربی) و اردو ترجمہ؛ بائبل سے قرآن تک، مقدمہ از محمد تقی عثمانی؛

مطبوعہ کراچی وغیرہ۔

کرنے کا ملزم ٹھہرایا گیا ہے اور ان کتب کے غیر مستند ہونے کا یقین دلایا گیا ہے (سورہ بقرہ: ۷۶ تا ۷۹) رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی بنا پر جب توریت کا ایک ورق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں دیکھا تو سخت ناپسندیدگی اور خفگی کا اظہار فرمایا؛ لیکن چونکہ ان کی مذہبی کتب میں صحیح اور سقیم دونوں طرح کی روایات جمع ہیں، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل اسلام کو ان کی نسبت بین بین رائے کی تعلیم دی مثلاً ایک موقع پر فرمایا:

”تم لوگ یہود و نصاریٰ کی نہ تردید کرو اور نہ تائید، فقط یہ کہو کہ جو کچھ خدا تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں پر نازل کیا ہے ہم وہ سب مانتے ہیں۔“ ۹۲ مگر مردِ ایام سے جب اسرائیلیات میں توسع پیدا ہوا تو مذکورہ بالا روایت کو اس کے جواز کے لیے پیش کیا جانے لگا۔ اس کے علاوہ ایک اور روایت حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے مروی ہے جس میں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا:

”اور بنی اسرائیل سے روایت کرو، اس میں کوئی حرج نہیں۔“ ۹۵

اس میں شبہ نہیں کہ اس روایت سے جواز کا پہلو نکلتا ہے، لیکن اگر اس اجازت کو روایت کرنے کی دیگر شرائط کے ساتھ ملا کر سمجھا جاتا تو شاید کتب تفسیر اسرائیلیات کی یلغار سے بچ سکتیں، اور یہ بہتر ہوتا۔

عہد صحابہؓ کی حد تک تو یقیناً یہ ثابت کیا جاسکتا ہے کہ اس ضمن میں بہت ہی احتیاط ملحوظ رکھی جاتی تھی، اسی بنا پر جمہور محققین بعض لوگوں کی اس رائے سے متفق نہیں کہ اس توسع کا آغاز حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ ۹۳ کیونکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اس حد سے آگے نہیں بڑھے جو شریعت اسلامیہ نے اس سلسلے میں مقرر کر دی ہے۔

۹۳ مسند احمد بن حنبل، ۳: ۳۸۷۔

۹۴ البخاری، ۳: ۱۹۸ (کتاب ۶۵، باب ۱)؛ ابن حجر: فتح الباری، ۸: ۱۲۰۔

۹۵ فتح الباری، ۶: ۳۸۸؛ مسند احمد بن حنبل، ۹: ۲۵۰؛ جامع ترمذی، ۴: ۳۱۲۔

۹۶ التفسیر والمفسرون، ۱: ۱ تا ۱۷۲۔

یہودی روایات کو بکثرت تفسیر میں درآمد کرنے کا رجحان عمدتاً تابعین و تبع تابعین میں انتہا کو پہنچا، جس کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانے تک بکثرت یہودی علماء مشرف باسلام ہو گئے تھے۔ یہ نو مسلم یہودی اس وقت اپنی تاریخ اور معتقدات کا بھی بہت بڑا ذخیرہ اپنے ساتھ لائے تھے، جسے انھوں نے بزعم خویش اسلام کی تائید و حمایت کے لیے دوسروں کے سامنے پیش کیا۔ مشہور محقق اور ماہر عمرانیات ابن جلدون اسرائیلیات کے اس واضح عمل دخل کا اصل سبب عربوں کی فطری بدویت و جہالت اور اسلام کی تعلیمات کے باعث پیدا ہونے والے شوق تعلیم کو قرار دیتے ہیں۔ انھوں نے حصول علم کے لیے سب سے پہلے اہل کتاب کا رخ کیا، بہر حال وجوہ کچھ بھی ہوں، بہت جلد بہت سی یہودی روایات اسلامی ادب بالخصوص تاریخ اور تفسیر میں منتقل ہو گئی تھیں، محدثین نے سخت جدوجہد اور محنت شاقہ سے علم حدیث کو تو ان کی زد سے بڑی حد تک بچا لیا، مگر تاریخ و قصص اور تفسیر میں بدستور ان کا عمل دخل جاری رہا۔

۲۔ اقطاب اسرائیلیات

اسرائیلی لٹریچر کو اسلامی ادب میں منتقل کرنے کا سہرا زیادہ تر چار بزرگوں کے سر ہیں، اس سلسلے میں بیشتر اسرائیلیات کا مدار تحقیق انہی کی ذوات ہیں، ان میں حضرت عبدالعزیز بن سلام، کعب الاحبار، وہب بن منبہ اور عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج شامل ہیں۔ یہ بزرگ بذات خود تو ثقہ تھے اور جو کچھ انھوں نے دوسروں کے سامنے پیش کیا وہ بھی ضرور کسی نہ کسی جگہ تحریری صورت میں موجود ہو گا۔ لیکن جس ذخیرہ روایات کو انھوں نے مستند سمجھ کر قابل اعتنا سمجھا تھا وہ صدیوں سے بگاڑ اور تحریف کا شکار تھا۔ بہر حال ان حضرات نے خلوص نیت سے جو ذخیرہ علم آگے منتقل کیا تھا۔ مرور ایام سے اس میں اور بھی بہت کچھ اضافہ ہوا اور اس طرح اسرائیلیات فی نفسہ تفسیر قرآن کے لیے سخت مضر ثابت ہوئیں، کیونکہ ان کی وجہ سے اکثر تحقیق و تفتیش کا رخ غلط سمت اختیار کر جاتا ہے۔ اسی بنا پر اسرائیلیات

۹۴ ابن جلدون، مقدمہ، ص ۹۹ تا ۹۸ (مطبوعہ بیروت، بار اول ۱۳۷۹ھ / ۲۱۹۶۰)

۹۵ ذہبی: التفسیر والمفسرون، ۱: ۱۸۷ تا ۲۰۰۔

کو فہم قرآن کی راہ کا سنگ گراں قرار دیا گیا ہے۔^{۱۹۹}
۳۔ اسرائیلیات اور ان کی درجہ بندی

اسرائیلیات کو مضمون کے لحاظ سے تین اقسام و درجات میں تقسیم کیا گیا ہے۔
 (ا) ایسی روایات جنہیں توثیق نبوی کا شرف حاصل ہوا ہو۔ مثلاً صاحب موسیٰ (سورہ کہف: ۶۰ تا ۸۳) کے ضمن میں خضر کا قصہ۔^{۲۰۰} اس نوع کی روایات قابل قبول ہیں۔
 (ب) وہ روایات جو واضح طور پر کسی دینی و شرعی عقیدے یا حکم سے معارض ہوں، اس نوع کی روایات قطعاً قابل قبول نہیں۔

(ج) ایسی روایات جن کی قرآن و حدیث سے تائید مروی ہو اور نہ تردید، بلکہ سکوت اختیار کیا گیا ہو، علاوہ ازیں احکام و عقائد اسلامیہ سے ان کا تصادم بھی واضح نہ ہو۔ اسی نوع کی روایات سب سے زیادہ نزاع و اختلاف کا موجب رہی ہیں۔^{۲۰۱} اسی قسم کی روایات کی نسبت کہا گیا ہے: لَا تَصَدَّقُوا أَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تَتَّبِعُوا مَنَاجِرَهُمْ (تم اہل کتاب کی نہ تو تصدیق کرو اور نہ تمکذیب) اسی قسم کی تفسیری ادب میں ہمیشہ بہتات ہی ہے۔ اور بعض اہل تفسیر یہود و نصاریٰ کی رطب و یابس روایات جمع کرتے رہے ہیں۔
 اس نوع کی روایات کو سب سے پہلے باقاعدہ شامل تفسیر کرنے کا سہرا علامہ ابن جریر طبری کے سر ہے، جنہوں نے مختلف عیسائی و یہودی علما کے حوالوں سے تفسیر میں اس نوع کی روایات کا بہت بڑا طومار جمع کر دیا جو بعد میں آنے والے مفسرین کے لیے ہمیشہ طبری کے مقتدر حوالے سے باعث کشش رہا۔ لیکن بہر حال طبری اور بعد کے مفسرین کی تفسیروں

^{۱۹۹} امین الخوسی۔ التفسیر معانی حیات، مطبوعہ قاہرہ ۱۹۴۲ء، گولڈن سیسر، المذاہب

الاسلامیہ فی تفسیر القرآن، مطبوعہ ۱۹۴۲ء (عربی ترجمہ)

^{۲۰۰} البخاری، ۳: ۲۷۷ تا ۲۸۲

^{۲۰۱} ابن تیمیہ: مقدمہ فی اصول التفسیر، ص ۱۰۰۔ مثلاً اسمانے کھف، عصائے موسیٰ کس درخت سے تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کے سامنے زندہ ہونے والے چار پرندوں کے کیا نام تھے وغیرہ۔

^{۲۰۲} البخاری، ۳: ۲۸۲ تا ۲۸۳، فتح الباری، ۸: ۳۹۷۔

میں اس لحاظ سے بڑا فرق ہے کہ اول الذکر میں ان تمام روایات کی مکمل سند نقل کر دی گئی ہے، جس کی مدد سے باسانی روایات کے حسن و قبح اور ضعف و ثقاہت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، جب کہ دیگر تفسیروں میں ان روایات کو حذف اسناد یا سند مختصر کے ساتھ پیش کیا گیا ہے جس سے محولہ بالا مقصد پورا نہیں ہو سکتا۔

ابن جریر طبری کا اسرائیلیات سے تعلق تو پھر بھی محتاط رہا، مگر نیشاپوری (م ۴۲۷ھ) نے اس میں بڑے توسع سے کام لیا اور اس نوع کی بہت سی روایات جو تفسیر کر دیں پھر فن حدیث اور اسما الرجال میں بے بضاعتی کے باعث وہ صحیح اور سقیم میں فرق نہ کر سکے۔^{۱۰۳} تفسیر معالم التنزیل اگرچہ امام ابن تیمیہ کے نزدیک ایک عمدہ اور معتدل تفسیر ہے اور قاضی صاحب کے سب سے زیادہ پیش نظر رہنے والے مآخذ کا شرف بھی اسے حاصل ہے، مگر بغوی بھی اسرائیلیات سے دامن نہ بچا سکے۔^{۱۰۴}

تفسیر بالمنقول کی دنیا میں اسرائیلیات کی نسبت محتاط رویے کی آواز تو بے شک امام ابن تیمیہ نے بلند کی تھی مگر اس کو کسی قدر عملی شکل میں پیش کرنے کا سہرا ان کے نامور شاگرد علامہ ابن کثیر (م ۷۴۷ھ) کے سر ہے۔ تفسیر ابن کثیر کی نسبت یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ وہ مکمل طور پر اسرائیلیات سے پاک ہے، البتہ اس میں اس نوع کی روایات پر تنقیدات ملتی ہیں،^{۱۰۵} جس سے یقیناً اسرائیلیات کے خلاف ردّ عمل میں ایک مثبت انداز فکر پیدا ہوا۔ اسی عہد کی ایک اور تفسیر جامع لاحکام القرآن (قرطبی) میں اسرائیلیات کے خلاف ابن کثیر سے بھی زیادہ سخت ردّ عمل ظاہر کیا گیا، مگر علامہ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) پر اس تحریک کا مطلق

^{۱۰۳} التفسیر والمفسرون، ۱: ۲۱۴ تا ۲۱۶

^{۱۰۴} مثال کے طور پر دیکھیے تفسیر النیشاپوری، ۱: ۱۲۱ تا ۱۲۵، ۱۲۰ تا ۱۲۳، ۱۲۷ تا ۱۲۹ وغیرہ؛

نیز التفسیر والمفسرون، ۱: ۲۳۱ تا ۲۳۴۔

^{۱۰۵} مقدمہ تفسیر لابن تیمیہ، ص ۱۹؛ فتاویٰ ابن تیمیہ، ۲: ۱۹۳۔

^{۱۰۶} مثلاً دیکھیے تفسیر معالم، ۱: ۲۹۴ (البقرہ - ۱۱۷)، ۶۰۷ تا ۶۰۹ (- ۲۵۱) وغیرہ۔

^{۱۰۷} مثلاً تفسیر ابن کثیر، ۱: ۱۰۸ تا ۱۱۰ (البقرہ - ۶۷)، ۲۱۶ (- ۱۸۵)، ۳۰۳ (- ۲۵۱)۔

اثر نہ ہوا۔ کیونکہ انھوں نے اپنی تفسیر الدر المنثور میں بلا جھجک اسرائیلیات نقل کی ہیں۔ صاحب تفسیر مظہری کو محولہ باللائمنوں بزرگوں (یعنی، ابن کثیر اور سیوطی) سے علمی سلسلہ رکھتے ہیں، اسی بنا پر ان کی تفاسیر سے بھی استفادہ کیا گیا ہے، مگر تفسیر مظہری کا اسرائیلیات کی نسبت رویہ ان تینوں سے زیادہ محتاط ہے، بلکہ کہنا چاہیے کہ تفسیر مظہری تفسیر بالمنقول کی دنیا میں اسرائیلیات کے خلاف ردِ عمل میں تفسیر ابن کثیر سے اگلا قدم ہے، اسی طرح قاضی صاحب اس تحریک کو آگے بڑھانے میں کامیاب ہوئے، جس کا مطمح نظر بقول امین الخولی تفسیری ادب کو اسرائیلیات سے پاک کرنا ہے۔^{۱۸}

اسرائیلیات کے سلسلے میں تفسیر مظہری کے محتاط رویے کی خصوصیات حسب ذیل ہیں:

۱۔ تند و تیز تنقیدات: قرآن حکیم کے بہت سے مقامات پر سابقہ مفسرین نے اسرائیلی روایات نقل کرنے میں کوئی باک نہیں سمجھا، مگر قاضی صاحب نے اسرائیلی روایات کو تند و تیز تنقید کا نشانہ بنا کر ناقابل اعتماد قرار دے دیا ہے۔ مثال کے طور پر سورۃ البقرہ میں ایک مقام پر ہاروت و ماروت کا اجمالی طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ ابن جریر الطبری، البغوی اور السیوطی نے اس مقام پر بہت سی بے سرو پا روایتیں جمع کر دی ہیں۔ محدث ابن کثیر نے گوان روایات پر جزوی تنقید کی ہے۔ مگر ان کا مجموعی رویہ ان روایات کے لیے نرم رہا ہے، جب کہ قاضی صاحب نے عقل و نقل دونوں ذریعوں سے اس قصے کو ناقابل اعتبار قرار دیا۔ آپ لکھتے ہیں:

”یہ قصہ اخبار آحاد بلکہ ضعیف اور شاذ روایات میں سے ہے اور خود متن قرآن سے بھی اس کی کوئی تائید نہیں ہوتی۔ اسی قصے کی بعض روایتیں تو ایسی ہیں کہ جنھیں نہ عقل تسلیم کر سکتی ہے اور نہ نقل۔ نقل یعنی روایات کے ائمہ فرماتے ہیں کہ نہ تو یہ قصہ صحیح ہے اور نہ حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی جانب سے اس روایت کا انتساب درست ہے۔ یہ

^{۱۸} دیکھیے امین الخولی: مقالہ تفسیر درارو دائرہ معارف اسلامیہ، بذیل مادہ۔

^{۱۹} مثلاً دیکھیے تفسیر الدر المنثور، مطبوعہ بیروت، ۱۰۲: ۱۔

^{۲۰} تفسیر ابن کثیر، ۱، ۲۵۲ تا ۲۶۰۔

گنگار (قاضی صاحب) اکتاہے کہ ان روایات میں سے کوئی روایت کسی بھی صحیح یا کمزور طریقے سے بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی نہیں۔۔۔ یہ واقعہ تو کعب اجناس کے کذب و افتراء میں سے ہے۔^{۱۱۱}

اسی طرح عوج بن عنق (ایک فرضی قد آور شخصیت) کے منقول کتب تفسیر میں بڑی رطب و یابس روایات ملتی ہیں، قاضی صاحب مفسر بغوی کی نقل کردہ روایت کی حسب ذیل الفاظ میں تردید فرماتے ہیں:

"میں کتابوں کے عوج بن عنق میں بغوی نے اسی طرح کی روایات نقل کی ہیں جن میں ایسے مطالبے ہیں جنہیں عقل قبول نہیں کرتی۔"^{۱۱۲}

علیٰ ہذا القیاس حضرت داؤد علیہ السلام کے اوریاہ کو دھوکے سے قتل کرانے اور اس کی بیوی سے نکاح کرنے پر حسب ذیل تنقید فرمائی ہے:

"میں کتابوں کے بظاہر حضرت داؤد علیہ السلام نے اوریاہ کو جہاد کے لیے بار بار بھیجا۔ یہ صریح جھوٹ اور بہتان ہے اور وہ اس سے بلند تھے۔"^{۱۱۳}

یہودیوں نے حضرت سلیمان پر طرح طرح کے بہتان باندھے جو بعض مفسرین نے تفسیری ادب میں منتقل کر دیے، اس کو بھی قاضی صاحب نے غلط قرار دیا ہے۔^{۱۱۴}

ایک اور مقام پر جہاں قاضی صاحب نے "تلک الغرائق العلیٰ" کی روایت پر تبصرہ کیا کیا ہے، اس میں اسرائیلی روایت پسندی کے رجحان پر حسب ذیل تنقید فرمائی ہے۔

"اس روایت کو کسی بھی صحیح اور ثقہ عالم نے، متصل طور پر روایت نہیں کیا۔ اسے اور اس جیسی روایات کو فقط ایسے مفسرین اور مورخین نے نقل کیا ہے جو ہر صحیح اور کمزور روایت کو بلا تحقیق لکھنے اور مدقن کرنے کا شوق رکھتے ہیں۔"^{۱۱۵}

الغرض عقلی اور نقلی دونوں پہلوؤں سے اس نوع کی روایات کو سخت تنقید کا نشانہ بنا کر

^{۱۱۱} تفسیر مظہری، ۱۰۹: ۱

^{۱۱۲} ایضاً، ۳: ۳

^{۱۱۳} ایضاً، ۸: ۸

^{۱۱۴} تفسیر مظہری، ۸۴: ۱۸۱

^{۱۱۵} ایضاً، ۶: ۳۸۹ (حاشیہ)

قاضی صاحب نے اسرائیلیات سے بیزاری ظاہر کی اور تفسیری معاملات کو ان کی یلغار سے بچانے کی تحریک کو آگے کی طرف بڑھایا ہے۔

ب۔ ایجاز و اختصار: قدیم مفسرین کے ہاں اسرائیلیات کا ذکر عام طور پر بڑی طوالت اور اطناب سے کیا جاتا تھا۔ مثال کے طور پر قصہ ۶ ہاروت و ماروت پر الطبریؒ نے نو، النیساپوریؒ نے سات، ابو حیان اللندسیؒ نے دو، علامہ ابن کثیرؒ، البغویؒ اور السیوطیؒ نے آٹھ آٹھ صفحات لکھے ہیں، جب کہ تفسیر منظریؒ میں اس قصے کو محض پون صفحے میں بیان کیا گیا ہے۔ اور تقریباً اتنی ہی جگہ اس قصے کی تردید کے لیے مختص کی گئی ہے۔

اس طرح قاضی صاحب نے ان قصوں کو ابن کثیرؒ وغیرہ کی طرح تردید و ابطال کے لیے بھی تفصیل و اطناب سے نقل کرنے کی جوصلہ شکنی فرمائی۔ یہی اجمالی انداز تحریر دیگر اساطیری قصوں (مثلاً عوج بن عنق اور یاہ اور صخر جنی وغیرہ) کی نسبت اختیار کیا گیا ہے۔

ج۔ جمع و تطبیق بین الروایات کا اہتمام: علامہ ابن تیمیہ مقدمہ تفسیر میں ایک مقام پر واقعات تفسیر میں موجود اختلافات کو اسرائیلیات کے اختلاف پر مبنی قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ایسے مواقع پر مفسر کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ مختلف اقوال ذکر کر کے ان میں سے کسی ایک کو ترجیح دے یا پھر ان میں تطبیق پیدا کرے۔ چنانچہ بے ضرر ایسی روایات

۱۱۶ دیکھیے تفسیر الطبری، ۱: ۳۲۰ تا ۳۲۸۔

۱۱۷ النیساپوری: غرائب القرآن، مطبوعہ برہامش الطبری، قاہرہ، ۱: ۳۲۲ تا ۳۲۸۔

۱۱۸ تفسیر بحر المحیط، ۱: ۳۲۹ تا ۳۳۰۔

۱۱۹ تفسیر ابن کثیر، ۱: ۲۵۴ تا ۲۶۱۔

۱۲۰ تفسیر معالم التنزیل، ۱: ۲۵۴ تا ۲۶۴، مطبوعہ برہامش ابن کثیر۔

۱۲۱ تفسیر الدر المنثور، ۱: ۹۵ تا ۱۰۲۔

۱۲۲ دیکھیے تفسیر منظری، ۱: ۱۰۸ و تردید پر صفحہ ۱۰۹۔

۱۲۳ مقدمہ، ص ۱۰۰ تا ۱۰۱ و بعد۔

کے ضمن میں قاضی صاحب اس طریقہ کار کی پابندی فرماتے ہیں، جیسا کہ حضرت ابراہیم ؑ حضرت داؤد ؑ و سلیمان ؑ اور حضرت عزیر ؑ وغیرہ کے واقعات کے ضمن میں اسرائیلیات کے ذکر اور ان کے مابین جمع و تطبیق وغیرہ سے ظاہر ہے۔ اس طریقہ کار سے معلومات میں وسعت کے ساتھ ساتھ تحقیقی و تنقیدی ذہن پیدا کرنے میں بھی مدد ملتی ہے۔

علاوہ ازیں اس نوع کے واقعات اور روایات سے کسی کی جگہ مواعظ و عبرت کا کام بھی لیا

گیا ہے۔

د۔ تفسیر منظری کا قدامت پسند پہلو: بایں ہمہ اسرائیلیات کے سلسلے میں تفسیر منظری کے رویے کو ہم مکمل طور پر جدید بھی قرار نہیں دے سکتے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ابھی خیالات میں پختگی اور استحکام پیدا ہونے میں مزید وقت درکار تھا۔ فی الواقع چودھویں (بیسویں صدی) سے پہلے اسرائیلیات کا یکسر نئے طریقے سے جائزہ لینا ممکن نہ تھا، کیونکہ اساطیر یہود پر مکمل تحقیقی کام زیادہ تر پچھلی دو صدیوں میں ہوا ہے اور یہ سلسلہ ابھی تک جارحانہ ہے ؑ۔

تفسیر منظری میں جہاں اسرائیلیات کے بے جا عمل دخل کے خلاف آواز اٹھائی گئی ہے اور بہت سے واقعات کو بے سرو پا قصے کہانیاں قرار دیا گیا ہے، وہاں کچھ واقعات کو بے ضرر سمجھتے ہوئے شامل تفسیر بھی کر لیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے اس تفسیر کو مکمل طور پر اسرائیلیات سے پاک بھی قرار نہیں دیا جاسکتا۔

البتہ تفسیر منظری کی اہمیت اس لحاظ سے ہے کہ اس میں واقعات و روایات کو اکثر تنقیدی نظروں سے پیش کیا گیا ہے، اس لیے خود قاری بھی ان واقعات و قصص کے رمزیہ انداز بیان میں مخفی مطالب کو محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

ؑ مثلاً تفسیر منظری، ۶: ۲۰۲ تا ۲۱۰ وغیرہ۔

ؑ ایضاً، ۷: ۱۶۰ تا ۱۶۳، ۱۶۵ تا ۱۶۷، ۱۷۱ تا ۱۷۲، ۱۷۴ تا ۱۸۱ و بعد۔

ؑ ایضاً، ۱: ۳۶۶ تا ۳۶۸ وغیرہ۔

ؑ دیکھیے محمد تقی عثمانی: مقدمہ بائبل سے قرآن تک اور اس میں مندرج ماخذ، نیز مقالہ

انجیل و تورات در اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ بذیل مادہ۔

تفسیر منظری میں قدامت پرستی کا البتہ ایک اور پہلو نمایاں ہے، وہ یہ کہ اس میں اساطیر یہود کو عام روایتوں کی طرح اقطاب اسرائیلیات کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے جو درست طریقہ نہیں سمجھا جاسکتا، کیونکہ ان میں سے بیشتر قصے نقل در نقل منتقل ہوتے ہوتے کچھ سے کچھ ہو گئے ہیں۔ اسی بنا پر جدید مفسرین (مثلاً مفتی محمد عبدہ اور ان کے نامور تلامذہ مفتی رشید رضا، المراعی نیز امین احسن اصلاحی، اور کسی حد تک حفظ الرحمن سیوہاروی، ابوالاعلیٰ مودودی، مفتی محمد شفیع اور سید قطب شہید وغیرہ) اول تو ان واقعات سے دامن کشاں گذر جاتے ہیں، مگر جہاں ان کا نقل کرنا ضروری ہو وہاں موجودہ دور کے نسبتاً بہتر مآخذ (مثلاً عہد نامہ قدیم و جدید اور ان کی شروح و دیگر صحف) سے استناد کرتے ہیں۔ اس سے واقعات کی ترتیب اور تفہیم میں سہولت رہتی ہے اور خواہ مخواہ کی موشگافیاں نہیں کرنا پڑتیں۔ البتہ جہاں کوئی واقعہ منطبق نہیں ہوتا وہاں کسی نوع کے تکلف کے ساتھ اسے آیات قرآنیہ پر منطبق نہیں کیا جاتا ۱۲۸

غرض تفسیر منظری میں اسرائیلیات کی نسبت اختیار کیے گئے رویے اور اسلوب کو ہم قدامت مفسرین کی نسبت تو بہتر ترقی یافتہ قرار دے سکتے ہیں، مگر موجودہ دور کے خیالات کے مقابلے میں تفسیر منظری کا اسلوب بھی قدامت پسندانہ ہے۔ بنا بریں تفسیر منظری کو درمیان کی ایک کڑی کہا جاسکتا ہے، جس نے اپنے سے پیشتر ارباب علم سے استفادہ کیا اور نسبتاً بہتر معلومات بہم پہنچائیں، جب کہ بعد کی بعض تفاسیر کے لیے خود تفسیر منظری چشمہ فیض ثابت ہوئی اور اس کی اثر پذیری کے تحت اس سے بھی ترقی یافتہ معلومات بہم پہنچانی گئیں۔

تفسیر منظہری اور علم تصوف

تفسیر اشاری

تفسیر منظہری کی ایک اور نمایاں خصوصیت اس کے متصوفانہ مباحث ہیں، اس خصوصیت کی بنا پر یہ تفسیر نہ صرف ہندوستان میں بلکہ عالم اسلام میں ممتاز ہے، اس سلسلے میں تفسیر منظہری بہت سی خصوصیات کی حامل ہے۔ تفصیل حسب ذیل ہے۔

مآخذ و مصادر

فاضل مفسرؒ نے تصوف کا علم تعلیم و تربیت کے باقاعدہ دونوں ذریعوں (کسب و مطالعہ) سے حاصل کیا تھا، ان کے زمانے میں کتب تصوف باقاعدہ نصاب تعلیم کا حصہ تھیں، پھر ان کے اساتذہ کے علاوہ والدؒ، اور بڑے بھائیؒ مختلف سلاسل تصوف کے تربیت یافتہ تھے، اس طرح انھیں ابتدائی عمر سے ہی جو ماحول میسر آیا اس میں فقر و تصوف کے عناصر کا غلبہ تھا۔ تحصیل علم کے بعد پہلے شیخ محمد عابد سنائیؒ اور پھر حضرت منظر جاناناؒ سے بیعت کی۔ مؤخر الذکر سے یہ تعلق ان کی شہادت (۱۱۹۵ھ) تک جاری رہا۔ یہ دونوں حضرات اپنے عہد کے ممتاز مشائخ طریقت تھے۔ اس بنا پر ان کے فیض تربیت اور آپ کے ذوق سلیم دونوں نے مل کر آپ کی شخصیت کو تصوف میں بھی بلند مرتبے کا حامل بنا دیا۔ ان کے تصوف میں علمی پائے کا اندازہ ان کے استاد و مرئی حضرت منظرؒ کے اس قول سے کیا

سے دیکھیے شاہ ولی اللہ: الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف؛ نیز ہندوستان کی

جاسکتا ہے، جو انھوں نے ان کے متعلق فرمایا تھا۔

”اگر خدائے تعالیٰ بروز قیامت از بندہ پرسد کہ در درگاہ ماچہ تحفہ آوردی

عرض کنم ثنا اللہ پانی پتی را“ ۱۲

پھر جیسا کہ ازیں قبل بیان کیا گیا ہے، انھوں نے نہ صرف سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں فیض حاصل کیا تھا، بلکہ اپنے پیروم رشد کی طرح سلاسل اربعہ میں تربیت پائی تھی، اسی بنا پر تفسیر منظری کے متصوفانہ مباحث کے مآخذ کا دائرہ کافی وسیع ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس فہرست میں ان کے دونوں شیوخ شیخ محمد عابد سنائی ۱۳ اور حضرت مظہر جان جاناں ۱۴ شہید، سلسلہ طریقت میں سے سید نور محمد بدایونی، ۱۵ مولانا یعقوب الکرخی ۱۶ حضرت سید شیخ عبدالقادر الجیلانی ۱۷ الحنبلی ۱۸ شیخ شہاب الدین سہروردی ۱۹، شیخ ابن العربی صاحب فصوص الحکم ۲۰، ابوبکر الشبلی ۲۱، شیخ ابوبکر الوراق، ۲۲، شیخ الشعراوی صاحب الیواقیت والخواہر، ۲۳ عارف روم مولانا جلال الدین رومی ۲۴، شیخ الاسلام عبداللہ انصاری ۲۵، القشیری صاحب الرسالہ ۲۶ اور سب سے بڑھ کر شیخ مجدد الف ثانی ۲۷ وغیرہم شامل ہیں۔ اس سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ قاضی صاحب نے تفسیر میں اس موضوع پر جو کچھ لکھا وہ خوب غور و تحقیق کے بعد لکھا ہے، اور وہ ہر لحاظ سے اعتماد و استناد کے لائق ہے۔

متصوفانہ تفسیر۔ علمائے ظاہر کی نظر میں

چونکہ تفسیر نگاری کے لیے جن پندرہ یا سولہ علوم میں تبحر حاصل ہونے کی شرط رکھی گئی

۱۲ شاہ غلام علی، مقامات، ص ۷۶، عبدالحی لکھنوی، نزہتہ الخواطر، ۷: ۱۱۳

۱۳ تفسیر منظری، ۵: ۳۶۹ وغیرہ ۱۴ ایضاً، ۲۷: ۲۲۲۷ - ۱۵ ایضاً، محل مذکور

۱۶ تفسیر منظری، ۱۰: ۱۳۷ ایضاً، ۵: ۸۱، ۷: ۲۳۹، ۱: ۲۹۸، ۳: ۳۶۹ وغیرہ ۱۷ ایضاً، ۱: ۵۲

۱۸ ایضاً، ۱: ۱۵۰، ۵: ۸ ایضاً، ۵: ۳۸۶، ۱۲ ایضاً، ۶: ۱۳۸

۱۹ ایضاً، ۴: ۱۵۱، ۵: ۳۶۸ وغیرہ ۲۰ ایضاً، ۵: ۸ ایضاً، ۲: ۱۴۲

۲۱ ایضاً، ۱: ۱۴، ۱۵، ۱۱، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱/۲: ۲۱، و بمواضع کثیرہ -

ہے ان میں علم تصوف شامل نہیں ہے، اسی بنا پر یہ مسئلہ ہمیشہ بحث و تمحیص کا موضوع بنا رہا ہے کہ تصوف کے نقطہ نگاہ سے جو کچھ بھی بطور تفسیر پیش کیا جاتا ہے اس کا اصل مقام اور مرتبہ کیا ہے؟ مفسر قرآن ابوالحسن الواحدی الشلمی کی "حقائق کی نسبت جس میں تفسیر نظری کی طرز پر بہت سی تاویلات ملتی ہیں، فرماتے ہیں:

"فان كان قد اعتقد ان خالك تفسير فقد كفر"^{۱۸}

(جس شخص نے اس کے تفسیر ہونے کا عقیدہ رکھا، اس نے بلاشبہ کفر کیا) مشہور عالم و فقیہ امام ابن تیمیہ صوفیانہ تفاسیر کو تفسیر ماننے کے شدید مخالف تھے۔^{۱۹} علاوہ ازیں قدیم نامور مفسرین کا تفسیر نویسی میں تصوف سے اعراض و اغماض بھی انہی خیالات کو تقویت پہنچاتا ہے۔

دوسری طرف متعدد صوفیاء و مشائخ (مثلاً سہل بن عبداللہ تسری، الشلمی، ابو محمد الشیرازی، نجم الدین دایہ و علاؤ الدین سمنانی اور ابن عربی وغیرہم) نے نہ صرف یہ کہ متصوفانہ نقطہ نظر سے مستقل تفاسیر قرآن مرتب کیں، بلکہ تفسیر نویسی کو علمائے ظاہر سے زیادہ اپنا حق ثابت کیا۔ شیخ ابن العربی اپنے نام سے منسوب تفسیر میں فرماتے ہیں:

اور جب صوفی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی فکر سے بولتا ہے۔ انسانی فکر اور انسانی نظر سے نہیں۔ اور علمائے ظاہر اس بات کو جانتے ہیں، لہذا مناسب ہے کہ اہل اللہ ہی، جو اس کا علم رکھتے ہیں، قرآن مجید کی شرح اور آیات قرآنیہ کی توضیح کا علمائے ظاہر سے زیادہ حق رکھتے ہیں۔^{۲۰}

لیکن جیسا کہ الشاطبی، ابن الصلاح، التفتازانی نے اور ابن عطاء اللہ السکندری نے محاکمہ کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ اصل حقیقت اس کے مختلف ہے۔ حقیقت یہ ہے

^{۱۷} دیکھیے ایجدالعلوم، ص ۳۰۳، مطبوعہ مجو پال۔

^{۱۸} الذہبی: التفسیر والمفسرون، ۳: ۲۲

^{۱۹} ابن تیمیہ: مقدمہ فی اصول التفسیر، مطبوعہ بیروت، بارثانی ۲، ۶۱۹، ص ۹۲۔

^{۲۰} التفسیر والمفسرون، ۳: ۳۸۔

کہ "اہل قلوب" کی کتب تفسیر دو اقسام پر مشتمل ہیں :

قسم اول میں ایسی تفسیری تاویلات آتی ہیں جن کا بنیادی مصدر آیات قرآنیہ ہیں اور باقی تفسیر و توضیح اس کے ماتحت اور ضمنی حیثیت رکھتی ہے۔ اس قسم کے اعتبارات کو بلا تامل قبول کیا جاسکتا ہے۔ اصطلاح علم التفسیر میں اس تفسیر نگاری کو "التفسیر الفیضی یا تفسیر الاشاری" کہا جاتا ہے۔

قسم ثانی ایسی تاویلات اور احتمالات پر مبنی ہے۔ جن میں کسی نظریے کو اس فکر ٹھہرایا گیا ہے اور آیات قرآنیہ کو توڑ مروڑ کر ان پر منطبق کرنے کی کوشش کی گئی ہے، تفسیر نگاری کی اس قسم کو "التفسیر النظری الصوفی" کہا جاتا ہے۔ اس نوع کے اعتبارات سے توقف کرنا ضروری ہے۔^{۵۲۱}

الغرض اگر باہر سے نظریات درآمد کر کے انھیں تفسیری دنیا میں درشناس کرانے کی کوشش کی گئی ہو تو ایسی کوشش ہمیشہ مذموم سمجھی جاتی رہی ہے، لیکن اگر آیات قرآنیہ پر غور و فکر اور سیاق و سباق سے کسی مفہوم تک پہنچنے کی سعی کی گئی ہو تو یہ کوشش قابل ستائش سمجھی جاتی ہے۔^{۵۲۲} اس نوع کی تاویلات نہ صرف علمائے تابعین سے مروی ہیں، بلکہ وہ خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (مثلاً جبر الامۃ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ) سے بھی منقول ہیں۔ پھر چونکہ تفسیر اشاری میں ظاہری حقائق کے برحق تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ اہل قلوب پر منکشف ہونے والے نکات کا بھی ذکر کیا جاتا ہے اور دونوں میں تطبیق دینے کی کوشش کی جاتی ہے، اس لیے بقول تفتازانی تفسیر اشاری کمال ایمان اور عرفان محض کی مظہر ہوتی ہے۔^{۵۲۳}

^{۵۲۱} دیکھیے الشاطبی: کتاب الموافقات، ۳: ۴۰۳ تا ۴۰۵؛ فتاویٰ ابن الصلاح، ص ۲۹؛

السیوطی: الاتقان، ۲: ۱۸۵۔

^{۵۲۲} التفسیر والمفسرون، ۳: ۱۶-۱۸۔ ^{۵۲۳} ایضاً، ۳: ۲۰، ۲۱، ۲۶۔ وغیرہ

^{۵۲۴} التفسیر والمفسرون، ۳: ۳۵؛ شرح عقائد السنفی، ص ۱۲۳۔

تفسیر اشاری کی چار شرائط اور تفسیر منظہری

تفسیر اشاری کی قبولیت کے لیے علما نے حسب ذیل چار شرائط عائد کی ہیں:

(ا) تفسیر اشاری ظاہری نظم قرآن کے منافی نہ ہو۔

(ب) کوئی شرعی شہادت اس تاویل کی تائید میں پائی جاتی ہو۔

(ج) شرعی یا عقلی طور پر اس تاویل کا کسی سے تعارض نہ ہوتا ہو۔

(د) مفسر کا یہ ادعا بھی نہ ہو کہ زیر بحث آیت میں اس کی پیش کردہ تاویل ہی واحد تفسیر

ہے۔^{۲۵} تفسیر منظہری میں علما نے تفسیر کی پیش کردہ ان چاروں شرائط کی پابندی کی گئی ہے،

تفصیل اس طرح ہے:

۱۔ ظاہری نظم قرآن سے ہم آہنگی؛ فاضل مفسر نے تفسیر منظہری میں جو تاویلات صوفیاء درج کی ہیں، وہ پوری طرح نظم قرآن سے ہم آہنگ ہیں، مثال کے طور پر جلد ششم میں سورہ کف کی آیت ۲۴ کے تحت لکھتے ہیں:

”صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ آیت **وَإِذْ كَرَدْنَا إِذَا نَسِيتَ** کے معنی یہ ہیں کہ ”تو خدا کو اس وقت یاد کر جب تو اس کے علاوہ دوسروں کو بھول جلتے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے دائمی ذکر کا تصور اس وقت تک ممکن نہیں، جب تک وہ ماسوائے خداوند سب کو بھول نہ جائے۔۔۔ لہذا وہ ہمیشگی کا ذکر جس میں فتور واقع نہ ہو سکے ماسوا اللہ کو بھولے بغیر ممکن نہیں۔ اور اس حالت کو فنائے قلب کہا جاتا ہے۔“^{۲۶}

آگے جا کر اسی تاویل کی نسبت لکھتے ہیں:

”یہ تاویل نص قرآن اور عربیت کے زیادہ قریب اور تکلف سے دور ہے، اس لیے کہ فرمان باری تعالیٰ **”إِذَا نَسِيتَ“** اذکر کا ظرف ہے۔ اور یہ ظرف بھی ظرف حقیقی ہے کہ ذکر ”نسیان“ کے وقت کیا جلتے۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ذکر کا وقت نسیان کے

^{۲۵} السیوطی، الاتقان، ۲: ۱۸۷-۱۸۵، التفسیر والمفسرون، ۳: ۲۳

^{۲۶} تفسیر منظہری، ۶: ۲۷۔

وقت سے معارضہ ہے، تمام سابقہ تاویلات کے مطابق، لہذا ان تاویلات کے مطابق اس کا
ظرف ہونا محض مجاز ہی ہو سکتا ہے لہذا حقیقت پر محمول کرنا بہتر ہے۔
اس سے قاضی صاحب محولہ بالا شرط کے مطابق یہ واضح کرنا چاہیے ہیں کہ ان کی اختیار
کردہ زیر نظر تاویل نظم قرآن کے نہ صرف یہ کہ منافی نہیں ہے بلکہ دیگر تاویلات کی نسبت
منطوق قرآن زیادہ اہم آہنگ ہے۔

(ب) شرعی شہادت سے تائید و توثیق: تفسیر مظہری میں تفسیر اشاری کے اس اصول
کی بھی پابندی کی گئی ہے۔ چنانچہ تفسیر مظہری میں تفسیر اشاری کی تائید و توثیق کے لیے بکثرت
قرآن و سنت اور آثار صحابہ و تابعین سے استشہاد کیا گیا ہے، مثال طور پر آپ سورۃ البقرہ
کی آیت ۱۰۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

میرے نزدیک مختار قول یہ ہے کہ علم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ علم جس کا تعلق ظاہر قلب
کے ساتھ ہوتا ہے، جس کا ضروری نہیں کہ عمل پر اثر پڑے۔ اور یہودیوں کا علم بھی اسی قسم
کا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ ابْنًا لَهُمْ** (البقرہ ۱۷۶)
(وہ آنحضرتؐ کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں) اور انھیں اس علم سے
کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ ان کی مثال ارشاد باری تعالیٰ **مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَادًا**
(الجمعة - ۵) جیسی ہے، دوسری قسم علم کی۔ "وہی" ہے جس کا دل کی گہرائی سے اس کے
روشن ہوجانے کے بعد تعلق قائم ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کا نفس کے ساتھ بھی، اس کو اطمینان و
سکون دینے کے بعد رشتہ قائم ہوتا ہے، قرآن مجید کی آیت **انما يخشى الله من عباده**
العلماء (فاطر - ۲۸) نیز فرمان نبوی "علماء انبياء کے وارث ہیں" اسی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

(ج) شرعی و عقلی عدم تعارض: تفسیر مظہری میں جو صوفیانہ تاویلات پیش کی گئی ہیں،
وہ اس معیار پر بھی پورا اترتی ہیں۔ فاضل مفسر نے ہر جگہ اپنی تاویلات کا عقل و نقل دونوں
سے اہم آہنگ ہونا ثابت کیا ہے، مثال کے طور پر سورۃ البقرہ کی آیت ۳ کی تفسیر میں لکھا ہے:
میں کہتا ہوں کہ ارشاد الہی: **و علم آدم الاسماء کلہا** "سے مراد اجمالی علم ہے، اس

لیے کہ جب حضرت آدمؑ کو اللہ تعالیٰ کی ذاتِ قدسی کے ساتھ مکمل طور پر معیت حاصل ہوگئی تو ان کو اللہ تعالیٰ کے اسما اور صفات میں سے ہر اسم اور ہر صفت کے ساتھ مناسبت تامہ اور معیت حاصل ہوگئی۔۔۔ جس طرح کہ اگر کسی شخص کو کسی علم میں کوئی کئی ملکہ حاصل ہو جائے تو جب بھی اس کے مسائل میں سے کوئی مسئلہ پیش کیا جائے تو وہ اس مسئلے کو حل کر سکتا ہے۔^{۲۹} اس اقتباس میں عقلی طور پر تو اس تاویل کا مناسب ہونا بیان کر دیا گیا ہے لیکن چونکہ شرعی مطابقت کا ذکر نہیں آیا تھا، اس لیے اس پر خود ہی مذکورہ اعتراض وارد کر کے اس تاویل کا شرع کے مطابق ہونا بھی ذکر کر دیا گیا ہے۔^{۳۰}

پھر جیسا کہ ہم سابقہ ابواب میں یہ ذکر کرتے آ رہے ہیں کہ قاضی صاحب کا اسلوب، عقل و نقل دونوں کا جامع ہے اور وہ تفسیر کے ہر موضوع پر عقل و نقل دونوں سے یکساں طور پر مناسبت اور تباط پیدا کرتے ہیں۔ زیر بحث مسئلے میں بھی یہ خصوصیت پوری طرح نمایاں ہے۔^{۳۱}

د۔ واحد تفسیر ہونے کا عدم ادعا: فاضل مفسر نے تفسیر منظہری میں "تفسیر اشاری" کو کسی مقام پر بھی اس کے واحد تفسیر ہونے کے ادعا کے ساتھ پیش نہیں کیا، بلکہ عملاً ہر جگہ متصوفانہ نکات سے پہلے علمائے ظاہر کے بیان کردہ مسائل و مباحث پیش کیے ہیں۔ مثال کے طور پر سورہ ق کی آیت ۱۶ کے تحت رقم طراز ہیں:

"اور علما کا اس اقرابت کی تفصیل میں اختلاف ہے۔ علمائے ظاہر فرماتے ہیں کہ اس قرب سے مراد "علمی قرب" ہے، بیضاوی کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نبیؐ کا حال جانتے ہیں، کیونکہ ہم شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ مگر اس میں قرب ذات کے لیے تکلف سے کام لینا پڑتا ہے۔۔۔ بغوی کا کہنا ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہم اس کو خود اس سے زیادہ جانتے ہیں۔۔۔ صوفیائے کرام کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوقات کے، ان کی ذوات سے بھی زیادہ قریب ہے۔ یہ قرب ذاتی ہے نہ کہ محض زمانی اور نہ مکانی۔^{۳۲}

۲۹ ایضاً، ۱: ۵۱ تا ۵۲

۳۰ تفسیر منظہری، ۱: ۵۱

۳۱ ایضاً، ۹: ۶۸ تا ۶۸

۳۲ ایضاً، ۹: ۶۸

اسی طرح بعض مقامات پر "قلت ويحتمل ان يراود" بعض جگہ "ولعل المراد" اور بعض موقعوں پر "ومن ههنا قالت الصوفية" وغیرہ کے الفاظ سے ان صوفیانہ نکات کا ذکر کیا گیا ہے؛ بلکہ فاضل مفسر تو متصوفانہ نکات کو حصہ تفسیر بھی نہیں سمجھتے تھے؛ کیونکہ وہ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

اہل تصوف کے ان خیالات کا تفسیر قرآن سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ (ان کو تو مضمون سمجھنے کے لیے بیان کیا جاتا ہے)

القصة تفسیر منظری تفسیر اشاری کے غولہ بالا معیار پر نہ صرف پورا اترتی ہے بلکہ اس سے بھی کچھ آگے ہے، اسی بنا پر تفسیر منظری کے ان متصوفانہ مباحث کو ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے؛ علاوہ ازیں تفسیر منظری تفسیر روح المعانی کی طرح ایک مبسوط علمی و اشاری تفسیر کی ضرورت کو پورا کرتی ہے۔

تفسیر اشاری کے مقاصد اساسیہ

یہاں ایک مرتبہ پھر یہ یاد دلایا جاتا ہے کہ زیر نظر تفسیر ایک خاص مقصد یعنی "تحریک نشاۃ ثانیۃ اسلام" کے زیر اثر تصنیف کی جا رہی تھی، جس کے عظیم مقاصد میں جاہل صوفیا کے پھیلائے ہوئے اوہام و خیالات فاسدہ کی تردید بھی شامل تھی، چنانچہ فاضل مفسر نے حضرت مجدد الف ثانیؒ، شیخ محمد معصوم سرہندیؒ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی طرح یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام میں شریعت اور طریقت دونوں ایک چیز کے دو نام یا ایک حقیقت کے دو رخ ہیں، ان میں نہ کبھی فرق تھا اور نہ فرق ہو سکتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے ایک مکتوب میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"شریعت کے تین جزو ہیں، علم، عمل اور اخلاص۔ جب تک یہ تینوں جزو نہ پائے جائیں شریعت متحقق نہیں ہوتی۔۔۔۔۔ اس لیے شریعت تمام دنیوی اور اخروی سعادتوں کی ضامن اور کفیل ہے اور کوئی ایسا مطلوب و مقصود نہیں جو شریعت سے الگ ہو، طریقت و حقیقت

جس کے ساتھ صوفیا کرام ممتاز ہیں دونوں شریعت کی خادم ہیں۔^{۳۴}

فاضل مفسر نے اپنی تصانیف میں اس موضوع پر خاص نظر التفات رکھی ہے، چنانچہ تصوف کے سلسلے میں پائی جانے والی بے ضابطگیوں کے ازالے کے لیے ان کی اس موضوع پر بعض مستقل تصانیف بھی ہیں۔^{۳۵} اس کے علاوہ تفسیر مظہری میں بھی اس عنوان پر نہایت اہم معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ شریعت اور طریقت کے ایک ہونے کے موضوع پر قاضی صاحب سورۃ البقرہ کی آیت ۲۰۸ کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ انھوں نے ظاہر اور باطناً اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر لی، میں کتابوں کو کہ یہ بات تصوف کو حاصل کیے بغیر تصور نہیں کی جاسکتی۔^{۳۶}

ان کے نزدیک شریعت تعلیم کا اور طریقت تربیت یا توفیق عمل کا نام ہے اور علم بغیر عمل کے آفت اور قرب قیامت کی نشانیوں میں ہے:

میں کتابوں کو کہ ان دونوں باتوں کو جمع کیا جاسکتا ہے کہ اولاً علم اٹھے گا جیسے کہ ہمارے اس زمانے میں دیکھا جاسکتا ہے کہ علم مطلقاً علما کے اٹھنے سے اٹھ رہا ہے۔ ہمارے اس زمانے میں غایت درجے میں علما اور علم کی قلت دیکھی جاسکتی ہے، حالانکہ علما بکثرت موجود ہیں کیونکہ تعلیم و تعلم کی توفیق کم مل رہی ہے۔^{۳۷}

قاضی صاحب بیان فرماتے ہیں کہ علم کی شان یہ ہے کہ وہ دل میں خوفِ خداوندی اور جذبہٴ عمل پیدا کرے نہ کہ غرور اور جذباتِ نفس۔

شیخ و عارف کبیر شہاب الدین سہروردی فرماتے ہیں کہ اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ جو شخص خدا تعالیٰ سے نہ ڈرے وہ عالم نہیں ہے۔ میں کتابوں کو۔۔۔ اللہ تعالیٰ کی صفات و کمالات

^{۳۴} مکتوبات مجددی، مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۰ء (اردو ترجمہ از سعید احمد مجددی)، ۱: ۱۲۶، م ۳۶؛

نیز ۱: ۶۹، م ۱۳ - وغیرہ -

^{۳۵} مثلاً ارشاد الطالبین، مطبوعہ لاہور - وغیرہ (دیکھیے کتاب ہذا - حصہ سوم)

^{۳۶} تفسیر مظہری، ۱: ۲۲۸ - ^{۳۷} تفسیر مظہری، ۵: ۲۸۹

کے علم سے انسان کے دل میں لازماً خشیت پیدا ہو جاتی ہے، اور خشیت خداوندی کا نہ ہونا سبب (علم) کے نہ ہونے کو مستلزم ہے۔ اسی لیے کمال درجے کی حیثیتِ الہی ابنیائے کرام اور پھر اولیا کا خاصہ ہے۔ یہی اولیائے کرام حقیقی علمائے ہیں۔ پھر درجہ بدرجہ دوسرے لوگ^{۳۸}۔

ان کے زمانے میں تصوف اور طریقت کے نام سے طرح طرح کی یہودہ رسمیں اور بدعات اختیار کی جا رہی تھیں، جن کی حضرت مجدد اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی تصانیف میں شکایت ملتی ہے۔ قاضی صاحب نے ان تمام خرافات کی تردید و مذمت کی ہے اور فرمایا ہے کہ صوفی کا بہ درجہ کمال متبع سنت ہونا ضروری ہے۔ لکھتے ہیں:

اس سے ثابت ہوا کہ محبت رسولوں کی اتباع کا باعث ہے اور ان کی اتباع محبت کے موجود ہونے کی اور عدم اتباع عدم محبت کی منظر ہے۔ لہذا جو شخص سنتِ رسول کی مخالفت کے باوجود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا دعویٰ دے رہا ہے، وہ جھوٹا ہے جسے کتاب الہی جھوٹا قرار دے رہی ہے۔^{۳۹}

آپ تصوف کے مباحث میں بار بار اس حدیث نبوی کا ذکر کرتے ہیں کہ ولی کی علامت

یہ ہے:

سورۃ المزمل کی تفسیر میں امور اربعہ کو حصول ولایت کے لیے مستلزم قرار دیتے ہیں :-
 اور یہ دونوں احکام اربابِ طریقت کے لیے حصول کمال کا ذریعہ ہیں، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان امور اربعہ یعنی نماز۔ قرآن مجید کی تلاوت۔ اسم ذات (اللہ) کا ذکر اور نغمہ و اثبات۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں قرب اور ترقی درجات کا باعث ہیں، لہذا یہ کہ دونوں اول الذکر منتہی لوگوں کے لیے اور موخر الذکر دونوں مبتدیوں کے لیے ہیں۔^{۴۰}

الفصل تفسیر کے بہت سے مواقع پر شریعت اور طریقت کا باہمی ربط و اتحاد اور ان کا باہمی تلازم ثابت کر کے جاہل صوفیاء کی گمراہ کاریوں کا سدباب کیا گیا ہے۔

^{۳۸} تفسیر مظہری، ۵ : ۲۸۹

^{۳۹} ایضاً، ۲ / ۱ : ۳۷ (آل عمران - ۳۱)

^{۴۰} ایضاً، ۱۰ : ۱۱۱

کسب طریقہ کا وہوب

قاضی صاحب کے زمانے میں، جہاں ایک طرف جاہل پیر لوگوں کو تصوف کے نام پر گمراہ کرنے میں مصروف تھے، وہاں علما کے حلقوں میں تصوف اور کسب طریقہ سے بُعد کا آغاز ہو چکا تھا۔ ان کے زمانے میں تصوف باقاعدہ نصاب درس میں شامل تھا۔^{۱۱۶} لیکن ان کے قریب تر زمانے میں مُلا نظام الدین سخالوی (م ۱۱۶۱ھ / ۱۷۸۶ء) نے جو نصاب درس ترتیب دیا اور جو بعض جزوی ترامیم کے ساتھ آج تک جاری چلا آتا ہے،^{۱۱۷} اس میں پہلی مرتبہ تصوف کو بحیثیت مضمون کے درس نظامی سے خارج کرنے کا اقدام کیا گیا۔ مُلا نظام الدین کے اس اقدام سے علما کے حلقوں میں تصوف کے سلسلہ تعلیم و تعلم کو سخت نقصان پہنچا اور آج تک تصوف علما کے حلقوں میں اپنا سابقہ مقام حاصل نہ کر سکا ہے۔

مُلا نظام الدین کا یہ اقدام ان کے زمانے میں وقوع پذیر ہوا تھا، لہذا اس کے اثرات کا کچھ اندازہ کیا جاسکتا تھا، چنانچہ انھوں نے اس امر کو محسوس کر لیا کہ اس کے نتیجے میں دونوں طبقوں (علما - صوفیا) میں بعد و بیگانگی بڑھے گی، جس کے مستقبل میں مضر اثرات برآمد ہوں گے۔ علاوہ ازیں "تحریک نشاۃ ثانیۃ اسلام" کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ علما کو تصوف کے حلقوں کے قریب تر لایا جائے، تفسیر مظہری میں یہ خدمت بھی انجام دی گئی ہے، یعنی علما میں تصوف کی ضرورت و اہمیت کا احساس پیدا کیا گیا ہے، چنانچہ سورۃ البقرہ کے اختتامی کلمات میں فرماتے ہیں:

اور جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ "رذائل نفس" پر مواخذہ "اعمال جوارح" (ہاتھ پاؤں کے اعمال) کی نسبت زیادہ سخت ہے، اور یہ کہ شریعت میں کسی کو اس کی طاقت و استطاعت سے زیادہ تکلیف دینا ثابت نہیں ہے تو مجھے اُمید ہے کہ مومن جب اپنی کوشش و ہمت سے کرے کہ اس کے "رذائل نفس" کا مجاہدہ و ریاضت کے ذریعے خاتمہ ہو جائے۔ اسے

^{۱۱۶} دیکھیے ہندوستان کی قدیم اسلامی درس گاہیں، ص ۹۶۔

^{۱۱۷} ایضاً، ص ۹۷ تا ۱۰۰۔

خواہ یہ مقصد خود حاصل ہو جائے یا وہ فقرا کے دامن سے وابستہ ہو کر ان کا ارادت مند (مرید) بن کر یہ مقصد حاصل کرے، اس سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمادیں گے اور اس کا مواخذہ نہ فرمائیں گے۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جیسے قرآن مجید اور اس کے احکام کا سیکھنا فرض ہے، اسی طرح صوفیائے کرام سے طریقت کا علم حاصل کرنا اور فقرا کے دامن سے وابستہ رہنا بھی نہایت ضروری ہے۔ لہذا آل رسول کے دامن سے اس مقصد کے لیے وابستہ ہونا جیسے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور منشا ہے، اس کے مطابق تہذیب و تزکیہ قلب و نفس حاصل ہو جائے، نہایت ضروری ہے۔^{۲۳۳}

غلط فہمیوں کا ازالہ

حقیقت سے کم علمی کے باعث بعض لوگوں میں تصوف اور مسائل تصوف کی نسبت طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا ہو رہی تھیں، جس کا باعث ایک تو جیسا کہ سطور بالا میں ذکر ہوا، ناقص نصابِ تعلیم تھا، اس کے علاوہ یہ بھی امر واقعہ ہے کہ اس دور میں مسلمانوں کی ایک تصوف ہی سے نہیں بلکہ تمام امور شریعت سے غفلت و لاعلمی قابلِ تعجب تھی۔ اور نگ زیب عالم گیر کی وفات کے بعد شروع ہونے والی خوف ناک اور مسلسل جنگوں نے بھی اس لاعلمی کو بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ قاضی صاحب نے تفسیر نویسی کے دوران دیگر امور شریعت کے ساتھ ساتھ تصوف و طریقت کے دفاع کا بھی التزام کیا اور مسائل تصوف سے متعلقہ غلط فہمیوں کا خوش اسلوبی سے ازالہ فرمادیا۔ اس ضمن میں مثال کے طور پر ^{۲۳۳} سماع، وجد و رقص، ^{۲۳۴} حال طاری ہونے، ^{۲۳۵} ترتیب ذکر یعنی ذکر نفی و اثبات اور کشف و کرامات ^{۲۳۶}

^{۲۳۳} تفسیر مظہری، ۱: ۲۲۳ ^{۲۳۴} تفسیر مظہری، ۱: ۲۲۹

^{۲۳۵} ایضاً، ۸: ۲۰۸ ^{۲۳۶} ایضاً، ۱۰: ۲۱۰

^{۲۳۷} ایضاً، ۶: ۱۳۷ تا ۱۳۸

^{۲۳۸} ایضاً، ۵: ۱۶۳، ۱۸۹ تا ۱۹۲ و بمواقعِ عیدہ۔

وغیرہ کا ذکر کیا جاسکتا ہے، جن پر اوراق تفسیر میں معنی خیز بحث کی گئی ہے۔

ذاتی توجیہات اور نئی معلومات کا اضافہ

تفسیر قرآن لکھتے وقت کچھ مقامات پر مفسرین کو تفسیر و تشریح بیان کرنے میں اپنے قصور علمی کی بنا پر (مشکل کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اصطلاح علم التفسیر میں ایسے مقامات کو "مشکلات القرآن" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ چنانچہ خاص اس موضوع پر متعدد ارباب علم و فضل داد تحقیق دے چکے ہیں، جن میں بالخصوص ابن قتیبہ کی تاویل مشکل القرآن^{۴۷۸} ابو محمد علی بن ابی طالب (م ۲۳۴ھ) کی مشکلات القرآن، علامہ قطب الدین محمود الشیرازی (م ۱۰۱۰ھ) کی مشکلات التفسیر^{۴۷۹} اور متأخر زمانے میں سید انور شاہ کشمیری کی مشکلات القرآن وغیرہ نمایاں ہیں۔ ان کتب میں حل مشکلات کے لیے ادب، تاریخ، شاعری، نحو و اشتقاق اور اسی طرح کے مروجہ علوم آلیہ کی جانب رجوع کیا گیا ہے، اور "مشکلات قرآن" کے حل کے لیے دیدہ ریزی کی گئی ہے۔ مگر ان میں سے کسی ایک کتاب میں بھی اس مقصد کے لیے علم تصوف کی جانب رجوع نہیں کیا گیا، تفسیر مظہری میں یہ کمی پوری کی گئی ہے۔

مشکلات قرآن کے حل کے سلسلے میں فاضل مفسر نے یہ بالکل نیا اور منفرد اسلوب اختیار کیا ہے جو اس تفسیر کے علاوہ کسی اور تفسیر میں نظر نہیں آتا، وہ یہ کہ اس ضمن میں پہلے تو علمائے ظاہر کے بیان کردہ حل پیش کیے جاتے ہیں، بعد ازاں اگر پھر بھی وہ مسئلہ حل نہ ہو تو آپ علم تصوف کی جانب رجوع کرتے ہیں، اس سلسلے کی چندا مثلاً حسب ذیل ہیں:

حروف مقطعات کا مسئلہ

حروف مقطعات قرآن حکیم کی آیات متشابہات میں شامل سمجھے جاتے ہیں، اسی لیے شروع سے ان کی حیثیت کا مسئلہ زیر بحث رہا، اہل ان کے متعلق ہر مفسر نے اپنی اپنی

^{۴۷۸} شرح و تحقیق احمد صقر، مطبوعہ بیروت، ۱۳۷۳ھ

^{۴۷۹} تفسیر مظہری، ۲۲۹۱۰۷

بساط کے مطابق بڑی تحقیق سے کام لیا ہے، چنانچہ تفسیر منظری میں بھی اس مقصد کے لیے پانچ صفحات مختص کیے گئے ہیں، جن میں حروف مقطعات کے سلسلے میں متقدمین اور متاخرین کی تصریحات کا ملخص پیش کیا گیا ہے، جس کے بعد اہل کشف و بصیرت کے بیانات بھی اضافہ کیے گئے ہیں، جن میں حضرت مجدد کے حوالے سے یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ **راسخون فی العلم** شہ بھی حروف مقطعات کا مفہوم سمجھتے ہیں، لکھتے ہیں:

اور حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر حروف مقطعات کی تاویلیں اور ان کے امر اور ظاہر کر دیے ہیں، جن کو عوام الناس کے سامنے بیان کرنا ممکن نہیں۔ اس لیے کہ یہ بات ان کے "خدائی مجید" ہونے کے منافی ہے۔ میرے شیخ و امام (حضرت مظہر) فرماتے ہیں کہ کشفی نظریں قرآن مجید ایک ایسے سمندر کی طرح نظر آتا ہے جو برکات الہیہ سے ٹھاٹھیں مار رہا ہو اور اس سمندر میں یہ حروف پوری قوت کے ساتھ ابلتے ہوئے چشمے نظر آتے ہیں جو اسی سمندر سے نکلتے ہیں۔ اس کشف کے مطابق اگر ان حروف کو قرآن مجید کے اسما قرار دے دیا جائے تو یہ بات بعید از قیاس نہیں۔ گویا پورا قرآن مجید اس اجمال کی تفصیل ہے۔ واللہ اعلم۔

خداوند تعالیٰ کے تمکُّن علی العرش کا مسئلہ

قرآن حکیم کے متعدد مقامات پر خداوند تعالیٰ کے عرش پر متمکُن ہونے کا ذکر آیا ہے، اس قسم کی آیات بھی متشابہات قرآنیہ میں شامل ہیں۔ خود قلمی صاحب بھی اس قسم کی آیات کی تاویل و تفسیر کے مخالف ہیں، مگر ایسے مقامات پر بحث کو دلچسپ اور مفید بنانے کی غرض سے ارباب تصوف کے خیالات پیش کرنے کو وہ معیوب نہیں سمجھتے، چنانچہ جلد اول میں لکھتے ہیں:

۱۵۵ دیکھیے کشف الظنون، ۲: ۱۶۹۵۔

۱۵۶ یاد رہے کہ شوافع بھی اس کے قائل ہیں (دیکھیے تفسیر بیضاوی، بذیل آل عمران)۔

۱۵۷ تفسیر منظری، ۱: ۱۵۔

”اور صوفیائے کرام نے جس طرح اللہ تعالیٰ کے لیے قلبِ مؤمن کے ساتھ بے کیف و بے مثال معیت ثابت کی ہے، جو عالمِ صغیر (انسان) میں عرشِ الٰہی ہے اور اسی طرح انھوں نے کعبہ معلیٰ ربیت اللہ کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کی خصوصی تجلیات ثابت کی ہیں، جس طرح انھوں نے عالمِ کبیر (کائنات) کے عرشِ معلیٰ پر اللہ تعالیٰ کی تجلیات و کیفیات کا اثبات کیا ہے، جس کی طرف آئیہ قرآنیہ الرحمن علی العرشِ استولی (رحمان عرش پر متمکن ہوا) میں اشارہ کیا گیا ہے“ ۵۳

مذکورہ توجیہ سے معانی قرآن میں جو وسعت ہوتی ہے وہ ظاہر ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بادلوں میں اترنے کا مسئلہ

علیٰ ہذا القیاس خداوند تعالیٰ کے قیامت سے دن بادلوں میں نزول کرنے کا ذکر آتا ہے، اس موقع پر بھی قاضی صاحب علمائے ظاہر کا نقطہ نگاہ مفصلاً بیان فرمانے کے بعد تصوف کے نقطہ نظر کا بڑے موثر طریقے سے ذکر فرماتے ہیں۔ ۵۴

اس طریقہ تفسیر سے معلومات تفسیر میں اضافے کے ساتھ ساتھ آیات قرآنیہ کی توضیح و تفسیر میں کئی نئے پہلو سامنے آتے ہیں۔

اہم متصوفاً نہ مباحث

تفسیر منظری کے ایسے مقامات بے شمار ہیں، جہاں فاضل مفسر نے تصوف و احسان کے کسی چھوٹے بڑے مسئلے پر اظہارِ خیال کیا ہے۔ ان تمام مقامات کا احصاء نہ تو مطلوب ہے اور نہ ممکن۔ البتہ ان میں سے چند اہم ترین مباحث مثلاً روح کی حقیقت، عالمِ صغیر و کبیر، افضلیت، ملک و بشر، بحث توحید و جود و شہودی، مبحث ولایت و نبوت، تصویح ذاتیہ، تربیت باطن کے نظام، اکتساب فیض طریقت، عوارض طریقہ مقام اولاد

۵۴ تفسیر منظری ، ۸۱۵

۵۳ تفسیر منظری ، ۱۶:۱

۵۵ ایضاً ، ۱ : ۲۵۰-۲۵۱

اور مقام مجددی پر ہم نے اپنے تحقیقی مقالے میں روشنی ڈالی ہے۔^{۵۶}

اختتام

تفسیر منطہری کے متصوفانہ مباحث سے واضح ہوتا ہے کہ قاضی صاحب شریعت اور طریقت کو باہم جمع کرنا چاہتے تھے، چنانچہ اسی بنا پر انھوں نے سیر میں قرآنی تصوف و احسان کا تصور تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے۔ جس سے ایک طرف جاہل صوفیہ کے پھیلائے ہوئے غلط عقائد و تصورات کی نفی ہوتی ہے تو دوسری طرف اسلام کا صحیح نظام تربیت سامنے آتا ہے۔ علاوہ ازیں انہوں نے حضرت مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ کے صوفیانہ افکار و نظریات کو پہلی مرتبہ تفسیر قرآن حکیم کے ذریعے اہل علم کے سامنے پیش کیا۔

^{۵۶} دیکھئے مقالہ قاضی محمد شاہ اللہ پانی پتی، در پیتھاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور۔

تفسیر مظہری سے استفادہ اور اس کے متعلق محقق علماء کی آرا

کسی کتاب کی علمی دنیا میں اہمیت کا اس امر سے بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس کی طرف اہل علم نے کس حد تک رجوع کیا اور اس کی تحقیقات پر کس حد تک اعتماد کا اظہار کیا گیا، اس پہلو سے جب ہم تفسیر مظہری کا جائزہ لیتے ہیں تو اس کی مقبولیت کے بعض منفرد پہلو سامنے آتے ہیں:

تفسیر مظہری کی تکمیل گو ۱۲۰۸ھ/۱۹۳۷ء میں ہو گئی تھی، مگر سرمایے کی قلت، سیاسی خلفشار اور تفسیر مظہری کے نسخے کی ضخامت کے باعث یہ تفسیر ایک طویل عرصے تک منظر عام پر نہ آسکی، بایں ہمہ اس تفسیر کی جانب علمی دنیا کا رجحان ابتدا سے ہی گرم جوشی پر مبنی رہا۔ تفسیر مظہری سے استفادے کو، ہم واضح طور پر حسب ذیل ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

ابتدائی دور (۱۲۰۸ھ تا ۱۲۷۲ھ)

قاضی صاحب نے جب ۱۱۹۶ھ - ۱۲۰۸ھ تیرہ برس میں تفسیر مظہری کی تکمیل کر لی تو اس کے اولین تعارف کے لیے اپنے دوستوں، بالخصوص سید نعیم اللہ بھڑاچی کو خطوط لکھے، انہی خطوط کی بنا پر تفسیر مظہری کا علمی دنیا میں چرچا ہوا اور کچھ لوگوں نے پانی پت سے اس کے قلمی نسخے حاصل کیے، بعض لوگوں نے پانی پت میں آکر اس کے نسخے کا مطالعہ کیا اور ناضل لے دیکھے مولوی فاروق بھڑاچی، مقالہ ہندوستان میں علم حدیث، درمعارف (اعظم گڑھ)،

مفسر کے تبحر علمی کا اعتراف کیا۔ معلوم ہوتا ہے، شاہ غلام علی دہلویؒ بھی انہی لوگوں میں شامل تھے، چنانچہ شاہ صاحب اس تفسیر کی نسبت لکھتے ہیں:

”انھوں نے ایک ضخیم تفسیر جو قدیم و جدید مفسرین کی آرا کی جامع ہے، نیز ان خیالات کی جو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل پر وارد کیے ہیں، تصنیف فرمائی،“

چونکہ تفسیر ابھی تک طبع نہیں ہوئی تھی اسی لیے اس دور کے سوانح نگاروں نے شاہ صاحبؒ کی مذکورہ بالا رائے نقل کر دینے پر اکتفا کیا، چنانچہ نواب صدیق حسن خاںؒ مفتی غلام سرور قادریؒ، فقیر محمد جہلمیؒ، مولوی رحمان علیؒ اور حکیم عبدالحمیدؒ وغیرہ نے تفسیر مظہری کے متعلق یہی عبارت نقل کر دی۔ مجموعی طور پر اس دور

میں تفسیر مظہری کے متعلق سطحیت اور سرسری پن نمایاں رہا، جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ بیشتر تذکرہ نویسوں کو تفسیر دیکھنے کا موقع ہی نہ مل سکا تھا، البتہ مشہور سیاح اور فاضل شخص عبدالقادر قانی نے اس زمانے میں پانی پت کا دورہ کیا اور اس تفسیر کا قلمی نسخہ دیکھا تو لکھا،

”انھوں نے تفسیر مظہری مبسوط لکھی ہے جو ان کے تبحر ہونے کی دلیل ہے، اس میں بعض نادر چیزیں بھی مل سکتی ہیں، مثلاً تفسیر سورہ فاتحہ میں لکھا ہے کہ العالمین کا مفرد عربی زبان میں فصحا کے کلام میں مستعمل نہیں، اور اس مشہور شعر کا کوئی جواب نہیں دیا:

لیس علی اللہ۔ مستنکر ان یجمع العالم فی الواحد

۲ مقامات مظہری، ص ۷۵ ۳ اتحاف النبلاء، ص ۲۴۰

۴ خزینۃ الاصفیاء، ص ۲۴۰ ۵ حدائق الحنفیہ، ص ۴۶۶

۶ تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۴۲ ۷ نزہتہ الخواطر، ص ۱۴۲ و بعد

۸ یہ اعتراض صاحب وقائع کی کم فہمی پر مبنی ہے، تفسیر مظہری کے اصل الفاظ یہ ہیں:

والعالمین جمع عالم لا واحد لہ فی الاستعمال من لفظہ“ (تفسیر مظہری، ۱: ۴۷-۵)

(یعنی عالمین عالم کی جمع ہے، جس کا (عالم کا) اس کے لفظ سے استعمال میں کوئی واحد نہیں ہے)

اس کا اصل مفہوم تو یہ ہے کہ لفظ عالم (جہاں، اسم جمع)، جو بصورت جمع مستعمل ہے،

اس کا اسی جنس سے واحد مستعمل نہیں۔ بعینہ یہی بات دیگر تفاسیر (باقی اگلے صفحے پر)

نیز طوفان نوح روایت میں ان کا میلان اس طرف ہے کہ وہ تمام عالم کو شامل نہ تھا، اور نص قرآنی میں ہر جانور کا جوڑا کشتی میں رکھنے کا حکم عام پر دلالت کرتا ہے۔

متاخر دور

۱۲۷۳ھ/۱۸۵۵ء میں مولوی رکن الدین حصاری کی کوششوں سے تفسیر مظہری کی پہلی جلد (الفاتحہ - النساء)، بدو اجزا چھپ کر پہلی بار منظر عام پر آئی تو تفسیر مظہری کی شہرت و مقبولیت میں اضافہ ہوا۔۔۔ چنانچہ اسی زمانے میں پہلی بار اس کا ذکر بین الاقوامی کتب معارف میں شامل ہوا، فاضل بروکلمان (C.A. Brochmann) اس کے متعلق لکھتا ہے:

”قاضی ثناء اللہ پانی پتی بن جلال الدین پانی پتی تلمیذ شاہ ولی اللہ و مرزا شہید رحمن کی وفات ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء میں ہوئی، نے تفسیر مظہری لکھی مرزا مظہر (کذا مظہر) کی طرف (گذشتہ سے پیوستہ) (بالخصوص تفسیر البیضاوی، بمع حاشیہ الشہاب الخفاجی، بذیل آیت مذکورہ وغیرہ) میں کسی گٹی ہے، مگر عبدالقادر قانی نے اس کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ العالمین کا واحد مستعمل نہیں، جو بدایت غلط ہے۔“

۹ دیکھیے تفسیر مظہری، ۱۰: ۸۷، یہ اعتراض بھی سابقہ مسئلے کی طرح صاحب وقائع کی کم علمی کا نتیجہ ہے، کیونکہ مفسرین میں سے جو اہل تحقیق گذرے ہیں، ان کا رجحان اسی طرف ہے، مثلاً صاحب روح المعانی لکھتے ہیں:

”اور میرا میلان خاطر اسی طرف ہے کہ طوفان نوح عام نہ تھا جیسا کہ بعض مفسرین نے لکھا ہے“
(روح المعانی ۲۰: ۵۴)

دور حاضر کے ایک اور مفسر عالم گیر طوفان کے نظریے کو اسرائیلی قرار دیتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ قرآن سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی (تفسیر القرآن، ۲: ۳۴، حاشیہ ۳۴)۔

۱۰ وقائع عبدالقادر قانی، ترجمہ مولوی معین الدین افضل گڑھی، مطبوعہ کراچی، ص ۱۶۹۔
۱۱ یہ بروکلمان کا تسامح ہے۔ شیخ جلال ان کے اجداد میں سے ہیں، والد نہیں ہیں۔

نسوب ہے، صفحات ۶۵۴، مطبوعہ حصار فیروزہ ۱۲۷۳ھ

اسی طرح شام کے مشہور محقق یوسف البان سرکیس لکھتے ہیں:

”محمد ہندی (تیرھویں صدی کے علما میں سے) ان کی تفسیر ہے۔ جس کی ابتدا الحمد للہ

ذی العظمتہ والکبریاء سے ہوتی ہے،^{۱۳} اس کی کل سات جلدیں ہیں، ان میں سے ایک

جلد ہندوستان سے چھپی ہے“^{۱۴}

علیٰ ہذا القیاس ترکی کے نامور تحقیق نگار اسماعیل پاشا البغدادی رقم طراز ہیں:

مولوی محمد ثناء اللہ پانی پتی، ہندی نقشبندی (م ۱۲۱۶ھ) کی تفسیر منظری ہے۔

ابتدا ”الحمد للہ ذی العظمتہ... سے ہوئی ہے“^{۱۵}

ترکی ہی کے ایک اور فاضل عمر رضا کمالہ نے معجم المؤلفین لکھی، جس میں وہ لکھتے ہیں:

محمد ہندی یعنی محمد ثناء اللہ۔ ہندی پانی پتی، ایک فاضل عالم تھے۔ ان کی تصانیف میں

ایک تفسیر منظری ہے^{۱۶}

اس سلسلے میں سب سے وقیع رائے ڈاکٹر زبیر احمد کی ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں:

^{۱۳} دیکھیے C.A. Brockelmann، بروکلمان، تکلمہ، ۲: ۸۴۹

^{۱۴} یہ سرکیس کا تسامح ہے، یہ خطبہ تفسیر منظری کا جزو نہیں، بلکہ ناشر کی جانب سے اضافہ

ہے (دیکھیے تفسیر منظری، ۱: ۲، حاشیہ ۱)

^{۱۵} دیکھیے معجم المطبوعات العربیہ، ۱۹۲۸-۱۹۳۱، ۲: ۱۶۴۵، مطبوعہ قاہرہ۔

^{۱۶} سن وفات مسوخ ہے، اصل یہ ہے کہ انھوں نے ۱۲۲۵ھ/۶۱۸۰ میں

انتقال کیا۔

^{۱۷} دیکھیے ایضاح المکتون، مطبوعہ استانبول، ۱۳۶۴/۱۹۴۵، ۱: ۳۱

^{۱۸} عمر رضا کمالہ: معجم المؤلفین، مطبوعہ دمشق، ۱۳۷۹ھ/۱۹۶۰، ۶: ۱۴۴۰۹

اس میں بھی سن وفات درست نہیں ہے۔

”تفسیر مظہری از قاضی ثناء اللہ پانی پتی۔۔۔۔۔ یہ تفسیر سات مجلدات میں ہے اور ایک زندہ رہنے والی تصنیف ہے، بالخصوص حنفی فقہ کا پُرانا دبستان اس میں نمایاں ہے۔“

مقبولیت کا دور سوم

بعد ازاں سید محمد یامین نے تفسیر کی اگلی جلد (موجودہ ترتیب سے، جلد سوم و رابع) شائع کر دی تو تفسیر مظہری کی جانب اہل علم کے رجوع و استفادہ کرنے کی رفتار میں اضافہ ہوا، چنانچہ اس عہد کے ایک ممتاز عالم، شیخ طریقت اور نامور مصنف مولانا اشرف علی تھانوی (م ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء)، اس کے متعلق لکھتے ہیں:

”میں نے جتنی تفاسیر دیکھی ہیں اور الحمد للہ کہ بیان القرآن لکھنے کی ضرورت سے بکثرت دیکھی ہیں، تفسیر مظہری کے رنگ میں ایک بھی نظر سے نہیں گزری، خصوصاً احادیث اور مذاہب اور ان کے دلائل کی تحقیق میں تو واقعی بے عدیل ہے، میری تھوڑی سی عمر تھی، جب یہ میرے مطالعے میں آئی۔“

اسی عہد کے ایک اور ممتاز عالم دین اور مصنف ”بدل المجدونی شرح ابی داؤد حضرت مولانا خلیل احمد سہان پوری فرماتے ہیں:

”تفسیر مظہری حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ مسلک حنفیہ میں بے نظیر ہے۔۔۔ اہل علم کے لیے تو ضروری ہے، متوسط الاستعداد لوگ بھی اس کو اپنے پاس رکھیں اور عوام بھی اس کے ترجمے سے فائدہ اٹھائیں۔“

اسی طرح ”فیض الباری شرح صحیح البخاری“ کے فاضل مؤلف سید انور شاہ کشمیری

، ص ۱۹۔

۱۸ زبیر احمد - The contribution of India

۱۹ دیکھئے تفسیر مظہری، ج ۴ م ۵، طبع سید جمیل الدین بن سید محمد یامین، اوکاڑہ،

مطبوعہ حمایت اسلام پریس، لاہور، ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۲ء، اندرونی سرورق کا عقبی صفحہ۔

۲۰ ایضاً، ج ۴ م ۵، طبع جمیل الدین، اوکاڑہ، اندرونی سرورق کا عقبی صفحہ۔

م ۱۳۵۲/۷۱۹۳۳؛ سابق صدر مدرس دارالعلوم دیوبند) تفسیر مظہری کی نسبت اپنے خیالات کا یوں اظہار فرماتے ہیں :

”حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے حق میں شاہ عبدالعزیز دہلوی نے فرمایا ہے کہ قاضی صاحب ”بیہقی وقت ہیں، قاضی صاحب کی یہ تفسیر ان کی اعلیٰ تصانیف میں سے ہے، اس کی قدر وہی کر سکتا ہے، جس کو عامہ تفسیر مطالعہ کرنے کا اتفاق ہوا ہو، ورنہ سرسری نظر میں تو ایک کتاب سمجھی جلتے گی۔“ شاید ایسی تفسیر سلیط ارض (روئے زمین) میں نہ ہو،^{۲۱}

”فتح المکرم فی شرح مسلم“ کے مصنف علامہ شبیر احمد عثمانی (م ۱۳۸۹/۶۱۹۴۹) اس تفسیر کے بارے میں فرمایا کرتے تھے :

”تفسیر مظہری کے مؤلف علامہ قاضی ثناء اللہ صاحب کی جلالتِ شان، شہرت و عظمت، علم و تقویٰ اور سب سے بڑھ کر شاہ عبدالعزیز^{۲۲} قدس سرہ کی ان کے حق میں شہادت یہ سب ایسی چیزیں ہیں جن کے بعد ایسی عظیم و جلیل تفسیر کا رتبہ بیان کرنے کی حاجت نہیں رہتی۔ معارفِ قرآن کے عشق میں بندہ بہت سی تفسیر کے مطالعے سے مشرف ہوا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ بہت کم تفسیریں ہیں جو شانِ درایت اور روایت کی جامعیت اور آثار و مضامین تصوف و اخلاق اور ابواب فقہ وغیرہ کی تفصیل کے اعتبار سے تفسیر مظہری کی ہمسری کر سکیں۔“^{۲۳}

مولانا سید حسین احمد مدنی (م ۱۳۷۷/۶۱۹۵۸) تفسیر مظہری کی اہمیت حسب ذیل الفاظ میں بیان کرتے ہیں :

”تفسیر مظہری اہل مدح کی تعریف کی محتاج نہیں ہے، آفتاب آمد دلیل آفتاب،^{۲۴} اسی طرح مولوی ناروق بہر پانچھی اس تفسیر کے متعلق معارف (اعظم گڑھ) کے ایک

^{۲۱} دیکھیے تفسیر مظہری، طبع سید محمد جمیل الدین، اندرونی سرورق کا عقبی صفحہ۔

^{۲۲} ایضاً

^{۲۳} ایضاً، طبع مذکور

مضمون میں لکھتے ہیں:

”تفسیر منظری عربی دُنیا میں ایک بہترین تصنیف ہے جس کی خوبی کا اندازہ تمام متقدمین اور متاخرین کی مطول و متاخر تفسیر کے مطالعے کے بعد آپ کی خاص تاویل دیکھنے سے کیا جاسکتا ہے۔“^{۲۴}

دورِ جدید: افادہ و استفادہ کے نئے افق

بعد ازاں جب قاری ابو محمد محی الاسلام^{۲۵} اور ندوۃ المصنفین (دہلی) کی مشترکہ کوششوں سے تفسیر منظری مکمل طور پر زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر آئی تو اس سے استفادے کے وسیع مواقع پیدا ہو گئے، چنانچہ اس عہد میں اس تفسیر کے متعلق معلومات میں مزید گہرائی پیدا ہوئی، اس عہد کے چند اہل علم کی آرا حسب ذیل ہیں:

”تفسیر منظری از قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی عربی میں ہے، نہایت معتبر تفسیر ہے، مصنف نے چھ جلدوں میں جمع کی ہے، قاضی صاحب نے اس کا نام اپنے پیر و مرشد کے نام پر رکھا ہے۔“^{۲۵}

مولانا محمد مالک کاندھلوی تفسیر کے متعلق یوں اظہارِ خیال فرماتے ہیں:

”حضرت شاہ ولی اللہ کے شاگردوں میں محقق علام قاضی ثناء اللہ پانی پتی^{۲۶} ہیں، جن کی تفسیر عربی زبان میں تفسیر منظری کے نام سے معروف ہے، مضامین قرآن... مذاہب فقہیہ کی تحقیق و تفصیل اور ان کے دلائل کے لیے بے نظیر تفسیر ہے... اہل علم اس تفسیر کے علوم فیوض سے تشنه تھے، الحمد للہ اب کامل تفسیر طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔“^{۲۶}

^{۲۴} معارف اعظم گڑھ (۱۹۴۹ء)، ۶/۲۳، ۲۲۵

^{۲۵} عبد الصمد صادم: تاریخ التفسیر، ص ۹

^{۲۶} اصول تفسیر، مطبوعہ قرآن محل کراچی، ص ۱۳۳

پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر اس تفسیر سے متعلق تفصیل سے لکھتے ہیں:

"بزرگ صغیر پاک و ہند کے علما کی تصانیف میں سے سب سے اہم تفسیر منظہری ہے، اس سے پہلے شیخ علی بن احمد المہامی نے تبصیر الرحمن و تیسر المنان لکھی جو جلالین کی طرح لیکن قدر سے وسیع ممزوج تفسیر ہے۔ شیخ محمد بن احمد میاخی گجراتی نے "التفسیر الاحمدیہ ربط آیات" پر لکھی۔ فیضی نے بے لفظ "سواطع الالہام" لکھی، لیکن یہ (تفسیر) کئی لحاظ سے ممتاز ہے، ان کا اسلوب نگارش بہت سادہ اور بے تکلفانہ ہے، اس لحاظ سے وہ الزمخشری اور البیضاوی کے اسلوب کی یاد تازہ کرتے ہیں، اسی طرح مفردات لغویہ اور اشتقاق کے ابجاث میں بھی وہ ان کا تتبع کرتے ہیں، جہاں علم العقائد اور علم الکلام کی بات نکلتی ہے تو وہ سستی نقطہ نظر کی خوب وضاحت کرتے ہیں جہاں آیات کے شان نزول، ناسخ منسوخ اور آیات کے ضمن میں وارد شدہ احادیث نبوی اور اقوال ائمہ کا بھی استقصاء کرتے ہیں۔ وہ بنیادی طور پر شرعی احکام کا خوب استنباط کرتے ہیں، ان کی تفسیر میں فقہ کے مسائل بکھرے پڑے ہیں، اگر جمع کیا جائے تو ایک اچھی خاصی کتاب فقہ بن سکتی ہے۔" ۲۷

دیکھیے: عہد مغلیہ کا دور زوال، در تاریخ ادبیات جلد ۲، حصہ اول، عربی، ص ۳۷۲۔ اسی عہد کے دیگر مصادر میں سے حسب ذیل قابل توجہ ہیں: اردو دائرہ معارف اسلامیہ، مقالہ ثنا اللہ پانی پتی (۱۰۳۲-۱۰۳۲) از ن م احسان الہی رانا۔ پروفیسر منظور الحق عثمانی مقالہ قاضی ثنا اللہ پانی پتی اور تفسیر منظہری، در رسالہ کوہ و دمن، شمارہ ۸۰ - ۱۹۷۹، مری، ص ۱۷ تا ۱۹ (موصوف اس زمانے میں گورنمنٹ کالج مری کے پرنسپل تھے)، اس مقالے کی حسب ذیل تحقیق کی تصحیح ضروری ہے، لکھا ہے: آخری جلد ۱۲۱۰ھ / ۶۱۷۹۵ میں مکمل ہوئی۔ یہ درست نہیں؛ تفسیر منظہری کی آخری جلد آٹھویں ہے جو مصنف کی اپنی صراحت کے مطابق ۱۲۰۸ھ / ۶۱۷۹۳ میں پایہ اختتام کو پہنچی۔ فضل اللہ بلخی، مقالہ تفسیر کا ارتقا، در سیارہ ڈائجسٹ (باقی اگلے صفحے پر)

لیکن اس تفسیر کی مکمل دریافت کا دورِ جدید میں جو سب سے خوش گو اور خوش آئند پہلو نکلا وہ یہ ہے کہ اس کو اہم ترین کتبِ معارف کے علاوہ خاص کتبِ تفاسیر میں بطور بنیادی مآخذ شامل کیا جانے لگا ہے۔

رگزشتہ سے پیوستہ، قرآن نمبر، ۱: ۵۹۵، (۴) اقبال مجددی، حواشی مقامات منظر
اردو ترجمہ، ص ۴۳۴، حاشیہ ۱۳، ۴۳۶، حاشیہ ۲۱ وغیرہ، محمد اسحاق مہشی،
فقہائے پاک و ہند، ج ۱، ص ۱۶۶ تا ۱۶۸۔

حواشی و تراجم

تفسیر منظری پر حسب ذیل حواشی لکھے گئے:

- ۱۔ حاشیہ مصنف
- ۲۔ حاشیہ مولوی مبارک الدین (طبع اول)۔
- ۳۔ حاشیہ قاری ابو محمد محی الاسلام
- ۴۔ حاشیہ فقیر الدین دہلوی۔

تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ حاشیہ مصنف

تفسیر منظری پر اولین حاشیہ خود فاضل مؤلف نے لکھا۔ یہ حاشیہ حسبہ حسبہ مقامات پر ہے اور نہایت اہم علمی معلومات پر مشتمل ہے، اس حاشیے کی نسبت قاری ابو محمد محی الاسلام لکھتے ہیں:

”مؤلف رحمہ اللہ نے حاشیے پر دو قسم کے مضامین درج کیے ہیں، اول وہ احادیث جو بعد میں نظر سے گزریں جن کا ماخذ معلوم نہ ہو سکا۔ اور بعض آثار و اقوال صحابہ کرام؛ دوم ان ایرادات کے جوابات جو شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے تفسیر کے بعض مضامین پر کیے تھے، مصنف نے ایراد نقل کر کے جواب لکھا ہے، لیکن ازراہ ادب شاہ صاحب رحمۃ اللہ کا نام نہیں لکھا۔“

قاری صاحب نے تفسیر منظری پر جن دو اقسام کے حواشی کا ذکر کیا ہے۔ ان

لہ تعارف تفسیر منظری، ق، ص ۱۸۔

میں سے قسم ثانی تو سرے سے محل نظر ہے، جب کہ قسم اول مزید وضاحت طلب ہے: قرآن سے پتا چلتا ہے کہ جب قاضی صاحب نے (۱۲۰۸ھ/۱۹۳۷ء میں) تفسیر کی تالیف مکمل کر لی تو اس پر نظر ثانی شروع کر دی۔ نظر ثانی کے دوران میں انھیں فقہی استدلالات وغیرہ میں جو سقم نظر آئے، انھیں اپنے حواشی کے ذریعے دور کر دیا، علاوہ ازیں اسی دوران انھیں بعض نئی باتیں (احادیث و نکات) بھی معلوم ہوئی تھیں تو انہوں نے حواشی میں ان کا اضافہ کر دیا۔ اسی بنا پر یہ حواشی جستہ جستہ مقامات پر تحریر کیے گئے ہیں، اور آخری دو جلدوں (جلد نہم و دہم) میں کسی جگہ نظر نہیں آتے، آٹھ جلدوں میں انھوں نے پہلا حاشیہ بسم اللہ پر اور آخری آٹھویں جلد کے اختتامی صفحے (سورۃ محمد کی آیت ۱۳۸ پر لکھے گئے

۲ محل نظر ہونے کی وجوہ حسب ذیل ہیں: (ا) قاری صاحب کا زمانہ فاضل مفسر سے تقریباً ایک صدی بعد کا ہے، لہذا یہ واقعہ ان کا چشم دید تو ہو نہیں سکتا۔ لازماً، انھوں نے کسی سے سنا ہوگا۔ اس بارے میں انھوں نے اپنا ماخذ بھی بیان نہیں کیا، لہذا اصولِ درایت کے تحت یہ روایت ناقابلِ قبول ٹھہرتی ہے۔

(ب) قاری صاحب سے پہلے متعدد سوانح نگاروں نے قاضی صاحب کے حالات لکھے ہیں، جن میں سید نعیم اللہ بھڑاچی، شاہ غلام علی دہلوی، بھی تھے، ان میں سے کسی نے بھی اس قصے کا ذکر نہیں کیا، اگر کوئی ایسا واقعہ پیش آیا ہوتا تو کسی نہ کسی جگہ اس کا ذکر ضرور ملتا۔

(ج) قاضی صاحب اور حضرت شاہ صاحب کے مابین تعلقات نہایت خوش گوار تھے۔ یہ تعلقات دو طرفہ اعتماد اور ادب و احترام پر مبنی تھے۔ شاہ صاحب، قاضی صاحب کو "بیہقی وقت" کہا کرتے تھے، ان حالات میں اس "غلط فہمی" کی کوئی وجہ نہیں۔ (د) شاہ صاحب کے ملفوظات بتام و کمال مرتب شدہ موجود ہیں۔ ان میں کسی جگہ ان اعتراضات کا کوئی اشارہ نہیں ملتا، ان حالات میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ قاری صاحب نے یہ سنی سنائی بات بلا تحقیق نقل کر دی۔ سکہ یا تو اس کا موقع نہ مل سکا ہوگا، یا پھر یہ حواشی مرورِ ایام سے ضائع ہو گئے۔ سکہ تفسیر مظہری، ۱۰۸، ۲۲۷ -

ان حواشی کا اگر مزید تجزیہ کیا جائے تو مقاصد کے لحاظ سے انھیں حسب ذیل اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(۱) زیادہ بہتر الفاظ و تراکیب: بعض مقامات پر وہ متن تفسیر میں مستعمل الفاظ و تراکیب پر مطمئن تھے۔ لہذا ان کی حاشیے میں تصحیح فرمادی، مثال کے طور پر لفظ اللہ کی تفسیر میں "والحق انہ مشتق من اللہ" لکھا گیا ہے، اس کے متعلق حاشیے میں لکھتے ہیں:

اور زیادہ بہتر ہے کہ یہ کہا جاتا کہ یہ اللہ بمعنی معبود سے ماخوذ ہے۔ اس لیے حذف اور عوض کو اشتقاق نہیں کہا جاتا یہ

(ب) حکمت الفاظ: متن تفسیر میں بعض مقامات پر انھوں نے موقع و محل کے مطابق خاص الفاظ یا ترکیبیں استعمال کی ہیں، چنانچہ حواشی میں بعض مقامات پر اپنے انتخاب الفاظ کی مصلحتیں بھی بیان کی ہیں؛ مثال کے طور پر لفظ اللہ ہی کی تفسیر میں ایک جملہ "ومن اجل التعویض اللہم قیل یا اللہ" اس میں تعویض اللہ کی نسبت لکھا ہے:

"محض کسی کے عوض میں آنا اس کی وجہ نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ اصول الناس وغیرہ سے باطل ٹھہرتا ہے۔ لہذا کلام کو مکمل کرنے کے لیے دوسری قید کی ضرورت ہے۔"

(ج) جواب سوال مقدر: قاضی صاحب نے خود متن تفسیر میں بھی یہ التزام کیا ہے کہ جہاں کوئی اعتراض پیدا ہوتا دکھائی دیا وہاں خود ہی اس اعتراض کا جواب

دئے دیا، بعض مقامات پر یہی کام حواشی سے لیا گیا ہے، مثال کے طور پر بسم اللہ کی تفسیر میں وہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ "بسم اللہ... الفاتحہ کی ساتویں آیت ہے۔ فاضل مفسر^۱ اس قول کی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نسبت کو کمزور قرار دیتے ہیں اور اس پر حواشی میں یہ اعتراض نقل کرتے ہیں:

۱ تفسیر مظہری، ۱: ۲، حاشیہ ۱

۲ ایضاً، ۱: ۳، حاشیہ ۱

آیات کا توفیقہ (من جانب اللہ) ہونا ایسا معاملہ ہے کہ اس میں عقل و فکر ڈرانے کی گنجائش نہیں، یہ تو مفسرین کے نزدیک ایک طے شدہ امر ہے۔ لہذا حضرت ابن عباس کے متعلق بھلا کیسے یہ گمان کیا جاسکتا ہے؛ جب کہ اس قسم کے معاملات میں موقوف روایت بھی مرفوع روایت کے حکم میں ہوتی ہے۔

یہاں چونکہ اصول فقہ اور اصول حدیث کے اعتبار سے ایک اہم نکتہ اٹھایا گیا ہے، اسی لیے فاضل مفسر اس کا خود ہی حسب ذیل جواب دیتے ہیں:

”میں کہتا ہوں کہ جب صحابہ کرام کی روایات میں اختلاف ہو تو وہاں یہ کہنا کہ موقوف روایت مرفوع روایت کے حکم میں ہے، درست نہیں ہوتا۔ فقہاء کے ہاں اصول فقہ میں بھی یہ اصول بیان کیا جاتا ہے۔ اس قسم کے مواقع پر صحیح طریقہ یہی ہوتا ہے کہ تمام روایات ذکر کر دی جائے۔“

(د) مزید کوئی علمی نکتہ؛ بعض مقامات پر فاضل مفسر نے اپنے حواشی میں مزید علمی نکات بھی بیان کیے ہیں، مثال کے طور پر سورۃ الفاتحہ کی تفسیر میں ایک ترکیب ”ملۃ الاسلام“ استعمال ہوئی ہے، حاشیے میں اس کے متعلق حسب ذیل علمی نکتہ اضافہ فرماتے ہیں:

ابوالعالیہ اور حسن ”اهدنا الصراط المستقیم“ میں کہتے ہیں کہ اس سے مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں صحابہ (البکر و عمر) کا طریقہ ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: تم پر میری اور میرے خلفائے راشدین یعنی البکر و عمر کی سنت کی اتباع لازم ہے۔“

(ه) توضیح مزید؛ یوں تو متن تفسیر میں بھی تشریح و تشریح کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔۔۔۔۔ مگر بعض مقامات پر کچھ مشکل الفاظ کی تشریح کی ضرورت محسوس کی گئی ہے۔ اپنے حواشی میں پورا کیا گیا، مثال کے طور پر حروف مقطعات کی بحث میں لفظ مشابہ اور صفات

کے ایضاً، ۱: ۲، حاشیہ ۱، ۳۲، ۱: ۲۶، ح ۱ وغیرہ۔

۹ ایضاً، ۱: ۱۲، ح ۱

۱۰ ایضاً، ۱: ۹، ح ۱

غیر متناہیہ" کی حواشی میں تشریح کی گئی ہے۔

علیٰ ہذا القیاس متن تفسیر میں ایک مقام پر انسان کے دس اجزائے ترکیبہ (پانچ عالم خلق اور پانچ عالم امر سے) کا ذکر آیا ہے، حواشی میں اس موقف کو عقلی و نقلی دلائل سے مدلل کر کے بیان کیا گیا ہے، اللہ

(۹) متن تفسیر کی تصحیح: قاضی صاحب نے نظر ثانی کے دوران بعض مقامات پر تفسیر میں اپنے موقف کی کمزوری کو محسوس کیا تو خود ہی حواشی میں اس کی تصحیح فرمادی۔ مثال کے طور پر سورۃ الحج (آیت ۵۲) کی تفسیر میں اپنے علم مفسرین کے طریقے کے مطابق ایک روایت (المعروف بہ حدیث الغزالی) درج فرمائی ہے، جس میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ شیطان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر کچھ الفاظ جاری کر دیے تھے، بعد میں بذریعہ وحی آپ کو اس پر متنبہ کیا گیا۔ یہ روایت ابن جریر الطبری^۲، السیوطی^۳ اور البغوی^۴ کے علاوہ متعدد مفسرین نے نقل کی ہے؛ بظاہر روایت کی صحت و ثقاہت کی بنا پر ابن حجر العسقلانی^۵ نے بھی اس کی توثیق کی ہے، مگر اسخون کے ہاں اس کو محض ایک افسانہ سمجھا جاتا ہے، چنانچہ قاضی صاحب نے حواشی میں اس روایت پر سخت الفاظ میں تنقید کی اور اسے ہر لحاظ سے ناقابل اعتماد قرار دیا ہے لکھتے ہیں:-

"قاضی عیاض الشافعی فرماتے ہیں کہ اس روایت کو کسی بھی ثقہ عالم نے متصل طور پر روایت نہیں کیا، اس کے بجائے اسے اور اس جیسی دیگر روایات کو ایسے مفسرین اور ایسے مؤرخین نے روایت کیا ہے جو ہر غریب اور صحیح و سقیم روایت کو جمع کرنے کا شوق رکھتے ہیں"۔

اس تمام بحث کا نتیجہ آپ نے یہ نکالا ہے کہ اس روایت کا اصل ماخذ الطبری

۱۔ ایضاً، ۱۵۱، ۱۵۱، ۱۵۱۔ ۲۔ تفسیر منطری، ۱: ۴۵، ۱۵۱۔

۳۔ الزرقانی: شرح المواہب اللدنیہ، ۳۳۔

۴۔ اس بحث کے لیے دیکھیے شبلی نعمانی: سیرۃ النبی، مطبوعہ اعظم گڑھ، ۱: ۲۷۱-۲۷۲؛

۵۔ تفسیر منطری، ۶: ۳۳۹ تا ۳۴۰، ۱۵۱۔

ہے، جس کا فن روایت میں پایہ انتہائی کمزور ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

"الکلبی کی روایات کمزور ہیں۔ ان سے روایت کرنا اور ان کا ذکر کرنا بھی۔ اس کی کمزوری

اور غلط بیانی کے باعث درست نہیں ہے۔^{۱۵}

(ن) مفردات متن تفسیر کی تشریح: اگرچہ تفسیر منظہری کے متن تفسیر کو ہر طرح سہل

اور رواں دواں بنانے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ دینیات کا ادنیٰ طالب علم بھی اس کو بخوبی سمجھ

سکے۔ تاہم بعض مقامات پر عبارت میں از خود بعض مشکل اور قدر سے نامانوس قسم

کے الفاظ آجاتے ہیں، قاضی صاحب نے حاشیے میں ان کے لغوی معانی اور ان

کی اشتقاقی حیثیت بیان کرنے پر بھی خاص توجہ مبذول رکھی ہے۔^{۱۶}

(ح) مشکل ترکیبوں اور الفاظ کی فارسی میں وضاحت: چند ایک مقامات

پر متن تفسیر کے بعض لفظوں یا ترکیبوں کا آسان فارسی زبان میں بھی مفہوم بیان کیا گیا ہے،

مثال کے طور پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں حضرت حسان بن ثابت کے شعر،

حسان دزان مائون بریۃ و تصبیح غرثی من لحوم الغواقل

کا حاشیے میں حسب ذیل فارسی ترجمہ کیا گیا ہے:

"یعنی وہ عقیقہ۔ بادقار اور صاحب سکون عورت ہے کہ جن پر تہمت نہیں لگائی جاسکتی،

بلکہ کوئی شک و شبہ والی بات بھی ان کی طرف منسوب نہیں کی جاسکتی۔ وہ جب صبح کرتی

ہے تو اس کا پیٹ خالی ہوتا ہے، عورتوں کے گوشت سے، یعنی وہ کسی شخص کی وہ غنیمت

نہیں کرتی۔"^{۱۷}

(ط) اضافات و تعلیقات: اگرچہ قاضی صاحب نے تفسیر کو ہر لحاظ سے جامع و

مانع بنانے کی کوشش کی ہے، پھر بھی نظر ثانی کے دوران بعض مقامات پر مزید اضافات و

تعلیقات کی ضرورت محسوس کی گئی، چنانچہ حواشی کے ذریعے اس ضرورت کو پورا کر دیا گیا۔

اس قسم کے حواشی زیادہ تر تو متن تفسیر سے متعلقہ مواد کے اضافے پر مشتمل ہیں، مثال کے

۱۵ ایضاً، ۶: ۳۴۰

۱۶ تفسیر منظہری، ۱: ۲۴۷، ح ۱ (بدا کی تشریح) ۱۷ ایضاً، ۶: ۳۷۵

طور پر قصہ آدم علیہ السلام میں ایک مقام پر "افضلیت ملک و بشر" کا مسئلہ زیر بحث آیا تھا، جس میں قاضی صاحب متصوفانہ نقطہ نگاہ بیان نہ کر سکے تھے، چنانچہ حواشی میں حضرت مجدد الف ثانی ^{رحمہ اللہ} اور شیخ شہاب الدین السہروردی ^{رحمہ اللہ} کے حوالے سے اس موضوع پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ^{۱۹} اسی طرح سورہ لقمان (آیت ۶) میں مذکورہ قرآنی الفاظ "لہوالمحدث" کی تفسیر میں منافی و مزامیر کے حرام ہونے پر روشنی ڈالی گئی ہے؛ جب کہ اس کے حاشیے میں جو متعدد صفحات پر پھیلا ہوا ہے، غنا (گانے بجانے) کی حقیقت اور اس کے متعلق اسلامی نقطہ نگاہ کی تحقیق پیش کی گئی، یہ تمام بحث قاضی صاحب کی محققانہ اور مجتہدانہ بصیرتوں کی آئینہ دار ہے۔ اس بحث میں تقریباً ۱۳ کتب کے حوالے آئے ہیں، جن میں فقہ کے مسلمہ متون بھی شامل ہیں، اس تمام بحث سے قاضی صاحب نے محدود بیانیے اور محدود مواقع پر جواز غنا کا قول کیا ہے۔

(ی) تائیدی و توثیقی مواد کا اضافہ: قاضی صاحب نے نظر ثانی کے دوران خاص طور پر اپنے استاد و مرتبی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ^{رحمہ اللہ} کی کتاب "ازالة الخلقاء عن خلافة الخلفاء" ^{۲۰} پیش نظر رکھی ہے، اور اسی بنا پر حواشی کی ترتیب و تدوین میں اس وقیع علمی تصنیف سے بڑی مدد لی گئی ہے۔ اور حواشی میں تائیدی و توثیقی روایات کا بیشتر حصہ اسی کتاب سے ماخوذ ہے ^{۲۱}۔

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ قاضی صاحب ہمارے خیال میں پہلے مصنف ہیں؛ جنہوں نے تفسیر جیسی وقیع تصنیف میں شاہ صاحب ^{رحمہ اللہ} کی کتاب کو بطور سند اور حوالے کے استعمال کیا، علمی دنیا میں شاہ صاحب ^{رحمہ اللہ} کی تصانیف کو متعارف کرانے، ان کے تحقیقی و استنادی پایے پر اطمینان ظاہر کرنے اور ان سے اپنی وابستگی ظاہر کرنے کا اس سے بہتر کوئی اور ذریعہ نہیں ہو سکتا۔

^{۱۸} ایضاً، ۱: ۵۱، ح ۱ ^{۱۹} ایضاً، ۱: ۵۲، ح ۱

^{۲۰} ایضاً، اس کے علاوہ ۵: ۳۸ (یونس - ۶۲)، ح ۳۹۶، ۳ (۶۳ - ۶۴)، ح ۲ -

^{۲۱} ایضاً، ۵: ۱۹۲ و بمواقع عدیدہ۔

رک، اشاراتی حوالے (Cross References) حواشی تفسیر میں عبوری یا اشاراتی حوالے بھی دیے گئے ہیں، جن میں کسی آیت پر آئندہ آنے والی یا سابقاً گذری ہوئی بحث کا اشارہ دیا گیا ہے۔^{۲۲}

(ب) تائیدی فارسی اشعار: قاضی صاحب نہایت عمدہ شعری ذوق کے مالک تھے؛ ان کے اس حسن ذوق کا بھی تفسیر منظرہ کے حواشی سے بھی بخوبی اظہار ہوتا ہے۔ یہاں متعدد فارسی اشعار، بالخصوص مولانا رومؒ کے اشعار بکثرت نقل کیے گئے ہیں، جن سے متن تفسیر کے مضامین کی تائید و توثیق کا کام لیا گیا ہے۔

حاشیہ مولوی مبارک الدین (طبع اول)

مولوی رکن الدین حصاریؒ نے جب تفسیر منظرہ کی طباعت کا بیڑہ اٹھایا تو یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ انھیں مولوی مبارک الدین جیسا مخلص رفیق مل گیا، جنھوں نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے مسودہ اور پروف کی تصحیح کا نازک اور اہم کام بھی انجام دیا، اور ان مجلدات کو مفید حواشی سے بھی زینت بخشی۔

مولوی مبارک الدین کے مرتب کردہ حواشی کو مروجہ معنوں میں حواشی نہیں کہا جاسکتا بلکہ انہیں "اضافات و تعلیقات" کہنا چاہیے، جس کی وجہ یہ ہے کہ ان حواشی کا متن تفسیر کے ساتھ بس اتنا ہی تعلق ہے کہ یہ اس کے حاشیے (کنارے) کی زینت ہیں، ورنہ معنوی طور پر دونوں میں کوئی خاص ربط و تعلق نہیں ہے؛ یہ حواشی دراصل ان معلومات پر مشتمل ہیں جو مولوی مبارک الدین کو دوران مطالعہ فقہ، تفسیر اور حدیث کے متعلق حاصل ہوئیں، اس لیے محشی نے ان حواشی کو "تتمہ" کا عنوان دیا ہے جو صورتِ حال کی بہتر ترجمانی کرتا ہے۔

عبدالرحمان (غالباً مالک مطبع نظامی کا پنور) نے اپنی تقریظ میں ان حواشی کی اہم ترین خصوصیات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے :

اور اس پر انہوں نے معالم التنزیل، کشف البیان، تفسیر کبیر، زاہدی، جلالین، درمنثور، بیضاوی، مدارک التنزیل، تفسیر احمدی، اور کتب حدیث میں سے صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، تیسیر الوصول، موطا امام مالک، مرقاة شرح مشکوٰۃ، اور کتب فقہ میں سے فتاویٰ عالمگیری، ہدایہ، شرح وقایہ۔ برجندی، مستخلص شرح کنز الدقائق، فتاویٰ تاتارخانیہ، طحاوی، معدن شرح کنز وغیرہ معتبر سو کتابوں اور نادر روایات سے انتخاب کر کے مفید حواشی لکھے ہیں۔^{۲۵}

تقریظ نگار کا یہ سرسری سا اندازہ ہے، ورنہ ان حواشی میں ان کتب کے علاوہ بھی دوسری کتابوں نیز فتاویٰ النظیریہ، محیط سرخسی،^{۲۶} عینی شرح کنز،^{۲۷} لمعات،^{۲۸} شرح المہذب للنووی،^{۲۹} طیبی، محلی،^{۳۰} خواہر زادہ اور سراج الوہاج^{۳۱} وغیرہ کے حوالے دیئے گئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فاضل محشی نے اپنے حواشی کو کافی وسعت دینے کی کوشش کی ہے، لیکن بہتر ہوتا کہ ان کو متن تفسیر کے ساتھ مربوط کر کے لکھا جاتا، یعنی ان حواشی کے ذریعے متن تفسیر کی خوبوں کو نمایاں کرنے اور کمزوریوں کو دور کرنے کا طریقہ اپنایا جاتا۔

حواشی قاری ابو محمد محی الاسلام

جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ قاری ابو محمد محی الاسلام نے تفسیر منظرہ کی طباعت

۲۳	تفسیر منظرہ کی ایک طباعت کے مرتب بھی ہیں۔
۲۵	تفسیر منظرہ، طبع مولوی رکن الدین حصار فیروزہ، ۱۳۷۳ھ، ص ۷۲۲۔
۲۶	ایضاً، ص ۵۶۸
۲۷	۲۷ ایضاً، ص ۵۶۹
۲۸	۲۸ ایضاً، ص ۵۶۹
۲۹	۲۹ ایضاً، ص ۵۷۰
۳۰	۳۰ ایضاً، ص ۵۷۳
۳۱	۳۱ ایضاً، ۵۷۵، ۵۷۷

کے ضمن میں اہم خدمات انجام دیں۔

طباعت کے علاوہ ان کا ایک اہم کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے تفسیر پر مختصر مگر جامع حواشی بھی تحریر فرمائے جو عموماً دو طرح کے ہیں۔

۱۔ قرادات عشرہ کی تکمیل

ان حواشی میں قاری صاحب نے تفسیر مظہری کو قرادات عشرہ میں جامع بنانے کے لئے قرأتے عشرہ اور ان کی قرادتوں کے ذکر و بیان کو مکمل کیا ہے^{۳۲}

ب۔ متن کی تصحیحات

علاوہ ازیں انہوں نے ان حواشی میں متن کی تصحیحات کے متعلق بھی بتایا ہے کہ اصل عبارت کیا تھی اور انہوں نے کیا تبدیلی کی تاہم ایسے حواشی تعداد میں بہت کم ہیں^{۳۳}

حواشی مولانا فقیر الدین الدہلوی

تفسیر مظہری کی دو جلدوں (۷، ۶) پر مولانا فقیر الدین الدہلوی نے بھی حاشیہ نگاری کی ہے۔ مولانا دہلوی۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے مرید اور ان کے خصوصی معتقد تھے۔ انہوں نے اپنے حواشی میں تصحیحات کے علاوہ چند مقامات پر متن تفسیر پر بیجا اعتراضات بھی کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا اسم با مستحق تھے^{۳۴}

۳۲ دیکھیے ت م، ۱: ۵ ج ۲، ۶ (ج ۱) ۷، ۱۰ (ج ۱) ۱۲ (ج ۱) وغیرہ

۳۳ ت م، ۱: ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹،

ان حضرات کے علاوہ جنوری طور پر عبید الرحمن دہلوی اور سید حسن کے
اسماء بھی حواشی میں ملتے ہیں۔ جن کے حواشی زیادہ تر تصحیح متن کی نوعیت کے ہیں۔

ترجمہ تفسیر

تفسیر منظر ہی کی مقبولیت کی ایک سند یہ بھی ہے کہ اس کے عربی متن کی طرح اس کا
اردو ترجمہ بھی قبول عام کی سعادت حاصل کر چکا ہے۔

تفسیر کے اردو ترجمے کا پہلے پہل خیال سید محمد یامین میر کھٹی کے ذہن میں آیا مگر
افسوس کہ وہ ایک جلد سے آگے نہ بڑھ سکے۔

قدرت نے یہ سعادت بھی ارباب ندوۃ المصنفین دہلی کی قسمت میں لکھ رکھی تھی۔
چنانچہ ان کی کوشش سے مولانا عبدالدامن الجلائی، فاضل دارالعلوم دیوبند کا ترجمہ طبع
ہو کر منظر عام پر آچکا ہے۔

ترجمہ سے قدامت کا رنگ جھلکتا ہے مگر اس میں ہر جگہ عالمانہ شان نظر آتی ہے۔
مترجم نے آیات قرآنیہ کا ترجمہ بیان القرآن (از مولانا اشرف علی تھانوی) سے لیا ہے۔
ترجمہ میں زبان و بیان کی خامیوں کو دور کرنے کے ساتھ پیرا گرافنگ اور رموز وادقائے
کو درست کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے ۳۸

۳۶ ت م - ۵۶۴ (۱ ج)

۳۷ ایضاً

۳۸ یہ ترجمہ ندوۃ المصنفین دہلی کے علاوہ پاکستان (سعید اینڈ کمپنی - کراچی) وغیرہ

سے بھی طبع ہو چکا ہے۔

حرفِ آخر

عربی زبان کی کہاوت ہے - الانسان مركب الخطاء والنسيان -
 انسان بھول چوک کا پیلا ہے، اس بناء پر انسان کی ہر کاوش بھول چوک کا احتمال
 رکھتی ہے۔ اس پس منظر میں جب ہم تفسیر مظہری پر نظر ڈالتے ہیں تو اس کی تمام تر خوبیوں
 اور اچھائیوں کے باوجود اس میں چند تسامحات بھی ہیں۔ مثال کے طور پر تفسیر مظہری کا ایک
 خوبصورت پہلو یہ ہے کہ اس میں اس کے گرامی قدر مؤلف نے علم حدیث کا بہت بڑا
 ذخیرہ فراہم کر دیا ہے۔ مگر اس کے پہلو پہ پہلو اسرائیلیات کا بھی ایک معتدبہ حصہ
 اس میں شامل ہو گیا ہے۔

پھر اس میں شک نہیں کہ قاضی صاحب نے اسرائیلی روایات کو کافی محتاط ہو کر
 قبول کیا ہے مگر روایت پرستی کے جذبہ غلو سے اس میں بعض ضعیف اور بے سرو پا
 روایتیں بھی در آئی ہیں۔ مثلاً تفسیر میں شیطان اور اس کے بیٹوں اور ان کے مقامات
 سکونت - حضرت یعقوب علیہ السلام سے بھیر لیسے کی گفتگو کا ذکر وغیرہ محل نظر ہے۔
 علم تصوف میں بھی ہمارے یہ محترم اپنی تمام تر علمی اور فکری ثقاہت کے باوجود
 بالخصوص حضرت مجدد الف ثانیؒ کے متعلق ایسی ایسی باتیں بیان کرتے ہیں۔ جن کی بظاہر
 توجیہ و تاویل مشکل ہے۔ مثلاً حضرت مجدد کے متعلق یہ دعویٰ ہے: تقدیر مبرم بھی بدل
 سکتے تھے لہذا اور نیز یہ کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے مقامِ خلت (مقامِ ابراہیم علیہ السلام) سے
 ترقی دے کر مقامِ محمدیؐ پر فائز کر دیا تھا جس پر پوری امت میں سے کوئی دوسرا شخص

۲۳ : ۶۱ : ۲۳ : ۵ : ۱۴۹

۲۴۶ : ۵ : ۲۴۶ - ۲۴۶

فائز نہیں ہو سکا سکا

اس طرح تفسیر مظہری کے چار مقامات پر۔ یزید پر جواز لعنت کا ان کا فتویٰ بھی علماء کے نزدیک محل نظر ہے۔

ان جزوی تسامحات کے باوجود تفسیر مظہری برصغیر پاک و ہند کا عظیم ترین تفسیری شاہکار ہے۔

اگر کوئی صاحب نظر اس کی روایات کی تخریج کر کے اسے ٹائپ یا عمدہ کتابت کے ساتھ شائع کر دیں تو یہ عالم اسلام پر بہت بڑا احسان ہوگا۔

۴۲ ایضاً - ۲/۲ ، ۵۱۱۲۲۹ : ۱۹۲ تا ۱۹۳

قاضی صاحب کی دوسری تصانیف

علم حدیث

حلیہ شریفہ (یا ترجمہ شمائل ترمذی):

قاضی صاحبؒ کی زیر نظر کتاب کا نام معروف "حلیہ شریفہ" ہے، جو غالباً اس کے ابتدائی اور طویل ترین باب سے ماخوذ ہے۔ اگرچہ کتاب ہذا میں یہ نام مذکور نہیں ہے۔ تاہم ابواب و مضامین کی وسعت کی بنا پر اس کو "شمائل و اخلاق نبوی" کے وسیع تر نام سے موسوم کرنا مناسب ہوگا۔ چنانچہ بعض سوانح نگاروں نے اس کا یہی نام درج کیا ہے؛ حضرت مظہر جانجاناؒ کے مکتوبات سے پتا چلتا ہے کہ انھوں نے قاضی صاحب سے اس سے ملتے جلتے عنوان پر کتاب لکھنے کی فرمائش کی تھی اور لکھا تھا کہ:

"سیرت نبوی کی جو چار جلدیں آپ نے مجھ سے طلب کی تھیں، بوقت ملاقات اس شرط پر آپ کے حوالے کر دی جائیں گی، بشرطیکہ اس کے بعض امور کا انتخاب فارسی میں ترجمہ کر کے مجھے دو گے کیونکہ اس سے بہتر اتباع سنت کا اور کوئی وسیلہ نہیں ہے۔"

۱۵ دیکھیے عبدالرزاق قریشی: تشریحات، درمکاتیب، ص ۲۳۲، عدد ۲۴؛ تاہم قریشی مرحوم کا لکھا ہوا نام "ترجمہ شمائل ترمذی" بھی محل نظر ہے، اس لیے کہ یہ کتاب شمائل ترمذی کی محض شرح یا ترجمہ نہیں بلکہ شمائل ترمذی کی طرز پر ایک مستقل تصنیف ہے۔

۱۶ کلمات طیبات، ص ۶۶-۱۰۱ اس خاص موضوع پر قاضی صاحب نے سیرت شانی کی جلد سوم کی تلخیص تیار کی تھی جس کا ذکر آئندہ سطور میں کیا جائے گا۔

راقم الحروف کو اس کا ایک نسخہ مولانا ایف اللہ عثمانی کی مہربانی سے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔

اس نسخے کے سرورق پر مولانا عثمانی کے جدامجد غلام یس کی مہر ثبت ہے :

”زر خرید بندہ یزدان غلام یسن عرف ظہور شیخ محمد زور اللہ“ ۱۲۳۱ھ

یہ قلمی نسخہ تقریباً ۲۳ اوراق (۲۴ صفحات) پر مشتمل ہے۔ صفحے کا سائز چھوٹا یعنی ۹x۶

ہے۔ ہر صفحے پر تیرہ سطریں ہیں؛ نسخہ کافی پوسیدہ ہے۔ بعض مقامات بالخصوص حواشی

کرم خوردہ ہیں۔

ابواب و مضامین پر ایک نظر

اس میں کل ایسے ابواب یا فصول ہیں جن میں حلیہ مبارک، عقل نبوی، اخلاق نبوی، حسن معاشرت، عدم انتقام، حلم و عفو، جفا، صبر بر اذاع، رحمت و شفقت، تواضع، شجاعت و بسالت، جود و سخا، خوفِ الہی، دراستغفار، نعر امل گریہ بکا، زہد فی الدنیا، ہیبت و وجاہت، کلام و سکوت، در عبادت اور در اعتکاف، جیسے عنوانات شامل ہیں۔

قاضی صاحب کے انتخاب کردہ محولاً بالا عنوانات شامل ترمذی کے ۵۳ ابواب سے زیادہ جامع ہیں۔ کیونکہ شامل ترمذی میں شکل و صورت نبوی، مہر نبوت۔ سر کے بالوں میں کنگھی کرنے، بالوں کی سفیدی اور خضاب لگانے نیز آنکھوں میں سرمہ ڈالنے وغیرہ پر تقریباً سات ابواب میں بحث کی گئی ہے۔ جب کہ قاضی صاحب نے ان تمام عنوانات کو ایک ہی عنوان ”حلیہ مبارک“ میں جمع کر دیا ہے، اسی طرح شامل ترمذی میں پانچ مختلف عنوانات آنحضور کی عبادات پر قائم کیے گئے ہیں۔ مگر قاضی صاحب نے ان پر ایک ہی فصل

۳ ۱۹۴۴ء میں بحیثیت استاد عربی حکومت ہند کے ملازم ہوئے۔

آج کل ریٹائرمنٹ کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ۱۹۵۳ء سے اپنے ہی قائم کردہ مدرسہ

عربیہ انوار العلوم کے سربراہ چلے آتے ہیں۔

۴ مولانا عثمانی کی مرتب کردہ فہرست، مملوکہ راقم مقالہ۔

۵ دیکھیے شامل ترمذی، بمع شرح انوار محمدی، مطبوعہ اللہ باد۔

میں مدلل بحث فرمائی ہے، البتہ شمائل ترمذی کے بعض عنوانات مثلاً لباس، مزاج، اطعمہ اسمائے مبارکہ اور آنحضور کو خواب میں دیکھتے وغیرہ کے عنوانات کا قاضی صاحب نے قلم زد کر دیے ہیں۔ اس کے بجائے بعض دیگر عنوانات، مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ حسنہ، آنحضور کے عقل و فہم، حسن معاشرت، صبر بڑا، ایذا، حلم و عفو، اور اعتکاف وغیرہ اضافہ کیے ہیں۔ کیونکہ ان عنوانات سے سیرتِ طیبہ کے عملی پہلو زیادہ بہتر طریقے سے اجاگر ہوتے ہیں۔

ان عنوانات پر سہری سی نظر ڈالنے سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ زیر نظر کتاب بھی تحریک تجدید دین ہی کا ایک حصہ ہے کیونکہ اس تحریک کا بنیادی مقصد لوگوں میں اتباع سنت کا جذبہ پیدا کرنا تھا، جس کے لیے اس سے بہتر عنوان اور اس سے بہتر اسلوب اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

یہ کتاب قاضی صاحب کی ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پیمان محبت و عقیدت کی بھی غماز ہے۔ اس کے قلمی نسخے دہلی اور ممبئی زنی شریف میں بھی موجود ہے۔

رسالہ چہل حدیث مع شرح و بیان

حدیث اور علوم حدیث پر قاضی صاحب کی یہ دوسری تصنیف ہے، جسے انھوں نے اربعین نووی کی طرز پر قلم بند کیا تھا اور اس میں احادیث کی شرح بھی کی ہے۔ اس کا واحد قلمی نسخہ دہلی میں مولانا ابوالحسن زید دہلوی کی ملکیت ہے۔^۹

۷ ایضاً، باب ۳۵ - ۳۹

۸ حلیہ شریف، قلمی، ورق ۱ تا ۲۳ -

۹ عبدالرزاق قریشی، ص ۲۳۲، عدد ۳۲ -

حدیث منظری

یہ کتاب بھی قلمی صورت میں ہے جس کا قلمی نسخہ حافظ اعزاز الحسن کے پاس بہرائچ میں ہے، جسے خود قاضی صاحب نے اپنے ہاتھوں سے کتابت کیا ہوا ہے۔ اسی لیے بوسیدہ حالت میں ہے۔

یہ بھی سیرت طیبہ کے موضوع پر ایک بہترین کتاب ہے، اس کی تحریک بھی حضرت منظرؒ کے ایما پر ہوئی۔ نیا مرزا منظرؒ نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے سیرت طیبہ پر ایک مقالہ لکھنے کی فرمائش کی تھی۔ شاہ صاحب نے تعمیل تو کی، لیکن وہ حضرت منظرؒ کے خاطر خواہ نہ تھی۔ کیونکہ حضرت منظرؒ چاہتے تھے کہ وہ تصنیف مکمل طور پر احادیث نبویہ پر مشتمل ہو، اس لیے حضرت منظرؒ نے قاضی صاحبؒ سے یہی فرمائش کی، قاضی صاحبؒ نے بسند خوشی اس حکم کی تعمیل کی اور اس رسالے کو حدیث منظری کا نام دیا۔

یہ کتاب اپنے عنوانات کے لحاظ سے 'صدیہ شریفہ' ہی کا تمہ یا مکمل حصہ نظر آتی ہے، اس میں بھی علیہ شریفہ کی طرح تمام روایات اور حدیث کو حذف سند کے ساتھ لکھا گیا ہے اور روایات کے مابین تطبیق اور ارجح مذہب کی ترجیح کے دلائل بھی بیان کیے ہیں۔ اس کتاب میں حسب ذیل عنوانات ہیں:

البواب صفاتہ المعنویہ، باب فی وفور عقلہ، باب حسن خلقہ، باب علمہ و عفوہ مع القدرۃ، باب فی صیامہ و عدم مواجہۃ یشیٰ عیکرہ، مدارتہ و صبرہ، فی برہ و شفقتہ و رحمۃ و حسن عہدہ، فی تواضعہ، باب سیرۃ فی نومہ، و انتہاسہ باب الرویا۔ باب اللباس، آلات بیتمہ، فی ردائہ، الطمارة آداب الخلاء، فی ازالۃ النجاستہ، فی سوائلہ فی الوضوء و مقدار الماء، موجبات الوضوء، فی التیمم، فی غسلہ، فی الصلوٰۃ، باب الاذان، یوم الجمع و یلتصافی آدابہ، باب قیام رمضان،

فی عیادۃ المریض، فی الجنازۃ - فی زیارۃ القبور، فی الصدقات، فی الصوم، فی الاعتکاف،
 فی آداب تلاوتہ القرآن، فی اذکارہ و دعواتہ، فی المعاملات، فی المداویا و العطایا -
 فی النکاح، فی الصيد و الذبائح، فی العقیقہ، الایمان، النذور، الجہاد، المصالحہ،
 الجزیہ، فی العلم، فی تفسیر القرآن، فاتحہ، بقرہ، آل عمران، مائدہ، الانعام، الاعراف
 انفال - اس کے بعد کے اوراق ایسے چپکے ہوئے ہیں کہ ان سے استفادہ ممکن نہیں ہے
 عنوانات کی اس فہرست پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی صاحب نے
 اسے فقہی البواب کی ترتیب کے مطابق مرتب کیا تھا۔

۱۱ ان معلومات کے لیے راقم الحروف ڈاکٹر ساجدہ علوی اسسٹنٹ پروفیسر

کنیڈا) کا ممنون احسان ہے۔ McGill University

علم الفقہ

مالا بدمنہ

ہندوستان میں فقہ کا ورود مسلم حملہ آوروں کے ساتھ ہی شروع ہو چکا تھا، مگر یہ اپنی پورن شان، شوکت کے ساتھ غزنوی اور غوری افواج کے ساتھ وارد ہند ہوئی تاہم حکمرانوں کے ایک ہی دبستان فقہ سے تعلق رکھنے اور پیشتر آبادی کے اس کے پیروکار ہونے کے باعث یہاں حنفی فقہ کے سوا کسی اور فقہ کے قدم نہ جم سکے۔

حنفی فقہ نے بلاشبہ یہاں صدیوں تک بلاخرکت غیرے حکمرانی کی ہے مگر حیرت انگیز بات یہ ہے کہ یہاں کے علما و فقہانے درآمد کردہ متون فقہ (ہدایہ، کنز الدقائق، شرح وقایہ، درمختار اور شامی وغیرہ) سے بہت کم آگے بڑھنے اور طبع زاد کام کرنے کی کوشش کی ہے۔

عربی زبان میں اس موضوع پر یہاں اصول فقہ پر ایک (مسلم الثبوت از محب اللہ بہاری)، خاص فقہ پر پانچ فتاویٰ (الفتاویٰ الحمادیہ، از ابوالفتح رکن بن حسام الدین مفتی ناگور، ابراہیم شاہیہ فی الفتاویٰ المحتفیہ، از شہاب الدین احمد بن محمد، فتاویٰ جامع البرکات از ابوالبرکات، خزائن الروایات اور فتاویٰ عالمگیری) اور پانچ ہی جزوی موضوعات پر کتب (ابو حفص سراج الدین کی زبدۃ الاحکام، رحمت اللہین عبداللہ السندی (م ۹۹۰ھ / ۱۵۸۲ء) کی المنک الصغیر، شیخ جلال تھانیسری (م ۹۸۲ھ / ۱۵۷۴ء) کی

تحقیق اراضی السند، محمد ہاشم بن عبدالفقور سندھی کی فرائض الاسلام اور قاضی کلکتہ سراج الدین کی جامع التعزیرات) مرتب ہوئیں، اس سے فقہ اور اصول فقہ کے موضوع سے متعلق مقامی ذوق و شوق کا پتا چلتا ہے، مگر اس میں باستثنائے چند طبع زاد نوعیت کا کام کچھ زیادہ نہیں۔ جب کہ زیر نظر تصنیف (مالا بدمنہ) سے فقہی میلانات کے علاوہ اس کے گرامی قدر مؤلف کی طبع زاد صلاحیتوں کی بھرپور عکاسی ہوتی ہے۔

نام اور وجہ تسمیہ

مفتی محمد سعد اللہ مرحومؒ اس تصنیف کے نام اور وجہ تسمیہ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

بڈ (پیش کے ساتھ)، بمعنی جدائی اور فراق ہے۔ لہذا "مالا بدمنہ" کے معنی ہیں۔ ایسی چیز جس سے جدائی اور فراق کا ہونا ممکن نہ ہو۔ مطلب یہ ہوا کہ یہ کتاب نماز وغیرہ کے ایسے مضامین اور عنوانات پر مشتمل ہے۔ جن سے گریز کرنا ممکن نہیں۔^۱ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قاضی صاحبؒ نے اس مختصر مگر جامع تصنیف میں اپنی بحث کو فقط انہی مسائل و ابواب تک محدود رکھا ہے، جن کی ہر مسلمان کو عملی زندگی میں بار بار ضرورت اور احتیاج پیش آتی ہے۔ یہ کتاب گو بنیادی طور پر مبتدی طلباء کے لیے لکھی گئی ہے اور عربی مدارس میں نصاب تعلیم کے اسی حصے میں شامل ہے۔^۲ مگر اس میں فاضل مؤلف نے تحقیق و تفتیش کا جو انداز و اسلوب اختیار کیا ہے اور جس طرح حنفی فقہ کے ساتھ دوسرے مسالک فقہ کا نقطہ نظر پیش کرنے، نیز ان کے "ماہ الاشرک" کو دریافت کرنے کی جو کوشش کی ہے، وہ بڑی حد تک شاہ ولی اللہ کی "الانصاف فی بیان سبب الاختلاف" کے مشابہ ہے، اس کی بنا پر اس کتاب کی اہمیت منتہی فضلاء فقہاء کے لیے بھی کم نہیں۔ لہذا "مالا بدمنہ" کے یہی معنی سمجھنے چاہئیں۔

^۱ مالا بدمنہ، طبع و تحشیہ مفتی محمد سعد اللہ، ص ۱، ح ۱۔

^۲ دیکھیے قاری محمد طیب، تاریخ دارالعلوم دیوبند، ص ۴۴ (نصاب دارالعلوم دیوبند، نصاب فارسی)

فاضل مؤلف کی یہ واحد کتاب ہے جو تقریباً ڈیڑھ صدی سے مدارس عربیہ میں باقاعدہ پڑھی پڑھائی جا رہی ہے۔ اس کا قلمی نسخہ مولانا ابوالحسن زید دہلی کے علاوہ مولانا ایف اللہ عثمانی (سرگودھا) کے پاس بھی ہے بلکہ

مطبوعہ نسخے

قاضی صاحب کی یہ کتاب بہت جلد مقبول ہو گئی تھی، اسی بنا پر غالباً یہی کتاب ان کی تصانیف میں سب سے پہلے زیور طباعت سے آراستہ ہوئی۔ یہ کتاب اب تک متعدد بار شائع ہو چکی ہے، لیکن ہمارے خیال میں اس کے حسب ذیل تین ایڈیشن نہایت علمی اور معیاری اہمیت کے حامل ہیں:

۱۔ ابتدائی طباعت لکھنؤ (۱۲۵۴ھ/۱۸۴۱ء) قاضی صاحب کی وفات کے ٹھیک ۳۲ سال کے بعد اس کتاب کا پہلا ایڈیشن محمد مصطفیٰ خاں ولد حاجی محمد روشن نے بتصحیح سعد الدین ولد مفتی عبدالحکیم العلوی، ۱۲۵۴ھ/۱۸۴۱ء میں مطبع مصطفائی (محلہ محمود نگر زیر اکبری دروازہ) لکھنؤ سے شائع کیا۔

راقم کو یہ نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں دیکھنے کا اتفاق ہوا، یہ تقریباً متوسط تقطیع پر خوب صورت خط نستعلیق میں شائع کیا گیا ہے، اس کے کل ۹۰ صفحات ہیں، اس میں قاضی صاحب کا اسم گرامی ت کے بجائے "س" سے (سنا اللہ) لکھا گیا ہے، اس کے حواشی بھی سعد الدین مذکور نے مرتب کیے، اس کے اختتام پر وہ لکھتے ہیں:

۳۳ تشریحات، مکاتیب مرزا مظہر، مرتبہ قریشی، ص ۲۳۱-۲۳۲

۳۴ جہاں اسے "کتاب الایمان" کا نام دیا گیا ہے، جو درست نہیں۔

۳۵ بذیل کال نمبر ۳۳۳ pp - یہ نسخہ کسی بزرگ خواجہ ہدایت اللہ کی ملکیت میں رہا

ہے، جس کے آخری صفحے پر انھوں نے اپنے دو صاحب زادوں خواجہ عنایت اللہ

اور خواجہ کرامت اللہ کی ولادت کی تاریخیں ثبت کی ہوئی ہیں۔

مسکین سعد الدین - اللہ تعالیٰ اس کا خاتمہ صدق و یقین پر کرے۔ کتاب ہے کہ میں نے بشری طاقت کے مطابق اس نسخے کی صحت کی کوشش کی ہے، اور اس کی عبارتوں کی توضیح اور اس کے اشاروں کی تشریح میں میں نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ نیز ائمہ دین کی کتابوں سے استفادہ کر کے مسلمانوں کے لیے اس کا حاشیہ بھی لکھا ہے۔ تاریخ، ۱۲۵ھ
اس طباعت کی خاص بات اس کے اختتام پر نو صفحات پر مشتمل "کلمات کفر و بدعت" کا بطور تتمہ اضافہ ہے۔

(ب) بار دوم بتصحیح مفتی محمد سعد اللہ (م ۱۲۹۴ھ / ۱۸۷۷ء) مالا بدمنہ کے اب تک یوں تو متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں، لیکن ان سب میں خوب صورتی، دیدہ زیبی اور اہمیت کے اعتبار سے زیر نظر طباعت بہت بلند پایہ ہے، مفتی محمد سعد اللہ نے نہ صرف اس کی طباعت کا اہتمام فرمایا بلکہ اس پر ایک نہایت بلند پایہ تحقیقی حاشیہ بھی سپرد قلم فرمایا، اسے لکھنؤ ہی سے مطبع محمدی سے حاجی مولوی محمد حسین نے طبع کیا۔ مالا بدمنہ کا یہ نادر اور وقیع علمی نسخہ بھی پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے۔ اس کی تقطیع بڑی، کاغذ سفید اور قدرے موٹا اور کتابت انتہائی خوب صورت و دیدہ زیب خط نستعلیق میں ہے؛ اس طباعت کے نمایاں اوصاف میں اس کی تصحیح و تصویب کا کمال درجے اہتمام کے علاوہ وہ حاشیہ بھی ہے، جسے مفتی صاحب نے سپرد قلم کیا ہے، نیز اختتام پر ان مقامات کی تفصیل ہے، جہاں فاضل محشی نے فاضل مؤلف سے اختلاف کیا ہے۔

(ج) طباعت شیخ ظفر علی (۱۲۶۹ھ / ۱۸۵۲ء) : شیخ ظفر علی نے مفتی محمد سعد اللہ کے شائع کردہ سابقہ ایڈیشن کو ہی عکسی طباعت کے ذریعے ۱۲۶۹ھ / ۱۸۵۲ء میں مطبع احمدی (لکھنؤ) سے شائع کر دیا۔ اس میں شیخ صاحب نے مفتی صاحب کے حواشی تو برقرار رہنے دیے ہیں مگر اختتام پر جو اہم علمی و تحقیقی مباحث تھے وہ حذف

۱۷ دیکھیے مالا بدمنہ، طبع سعد الدین، لکھنؤ، ۱۸۲۱ء، ص ۹۰۔

۱۸ دیکھیے بذیل کال نمبر Pd II 5 ۱۷ دیکھیے ز ص ۸۹ تا ۹۲

کردیئے ہیں۔

(۱۵) بعد کی طباعتیں:

چونکہ جلد ہی قاضی صاحب کی اس کتاب کو درس نظامی میں شامل کر لیا گیا تھا، اس لیے اسے بار بار چھاپنے کی ضرورت پیش آتی رہی، چنانچہ اسے کانپور سے بتکرار ۱۸۶۳ء، ۱۸۸۰ء اور ۱۸۸۴ء میں شائع کیا گیا، اسی طرح دہلی سے بھی اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں، تاہم بعد کی طباعتوں میں، جو آج کل منظر عام پر آ رہی ہیں، کتابت کی تصحیح و تصویب کا چنداں خیال نہیں رکھا جاتا، جس کے نتیجے میں متن کتاب میں بے حد تحریف و تبدیلی و وقوع میں آچکی ہے، چنانچہ جب راقم نے ملتان (ملکتیہ علمیہ بیرون بوہڑ گیٹ) کے شائع کردہ ایک نسخے کے چند صفحات کا مفتی محمد سعد اللہ کے شائع کردہ نسخے سے تقابلی کیا تو حسب ذیل صورت سامنے آئی۔

مالا بدمنہ مطبوعہ ملتان		مالا بدمنہ طبع مفتی محمد سعد اللہ	
صفحہ سطر	عبارت	صفحہ سطر	عبارت
۷۲۲	و بعد گزشتن وقت ظہر	۹۱۷	و بعد القضاى وقت ظہر
۱۰۲۳	لیکن بعد انبوه ستارگان	۱۳۱۷	و بعد اشتباک ستارگان
۱۰۲۳	نماز مغرب مکروہ باشد بکراہت	۱۳۱۷	نماز مغرب مکروہ است بکراہت
۱۰۲۴	و بعد گذشتن وقت مغرب بربرہر دو قول	۱۰۰	و بعد القضاى وقت مغرب بر قولین
۳۰۰	تا طلوع صبح و تاخیر ظہر در گرما	۱۵۰۰	تا طلوع صبح صادق و ابراد ظہر در گرما
۴۰۰	در روشنی روز خواندن صبح بخدیکہ	۱۰۱۸	و ۱ سفر فجر بخدیکہ
۱۰۲۷	و میان روز وقت غروب	۳۰۱۸	و زوال و غروب مطلق
۲۰۰	سوائے عصر آن روز دیگر هیچ	۴۰۰	سوائے عصر آن روز و سجدہ
			تلاوت و نماز جنازہ۔۔۔۔۔

الغرض دونوں طباعتوں میں اس قسم کے بے شمار فرق نظر آتے ہیں، جس سے الفاظ میں رد و بدل کے علاوہ معانی اور مفہوم میں بھی تغیر واقع ہو جاتا ہے، علاوہ ازیں

کتاب الصلوة: اس عنوان کے تحت فرضیت نماز، شرائط و ارکان صلوة، اس کے واجبات، نماز پڑھنے کا طریقہ، نماز میں وضو ٹوٹ جانے، قضا، مفسدات و مکروہات نماز، مریض و مسافر کی نماز اور صلوة الجمعہ و نوافل پر مستقل فصول میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ ۱۲

کتاب الجنائز: اس کتاب میں وصیت کرنے، نماز جنازہ اور احکام شہید نیز زیارت قبور وغیرہ پر گفتگو کی گئی ہے۔ ۱۳

کتاب الصوم: اس باب میں فرض (ونفل) روزوں، موجبات کفارہ و قضا اور اعتکاف وغیرہ پر بحث کی گئی ہے۔ ۱۴

کتاب الزکوٰۃ: اس عنوان کے تحت زکوٰۃ صدقہ فطر اور صدقہ نافلہ وغیرہ کے احکام زیر بحث لائے گئے ہیں۔ ۱۵

کتاب الصوم: قاضی صاحب نے کتاب الحج کو اس لیے خالی چھوڑ دیا ہے کہ بقول نائل مؤلف آج کل (آپ کے زمانے میں) راستے غیر محفوظ ہونے کے باعث اس کی نوبت کم ہی آتی ہے، علاوہ ازیں یہ فرض بھی زندگی میں صرف ایک بار ہوتا ہے، اسی لیے عند الحاجة اس کے مسائل دریافت کیے جاسکتے ہیں۔ ۱۶

کتاب التقوی: عام طور پر کتب فقہ میں تقوی کے بجائے معاملات پر البواب قائم کیے جاتے ہیں، مگر فاضل مؤلف نے معاملات کا الگ شعبوں کے تحت ذکر کرنے کے بجائے ان سب کا تذکرہ "تقوی" کے تحت کر دیا ہے، کیونکہ بقول آپ کے کثرتِ نوافل کا نام تقوی نہیں، بلکہ اصل تقوی واجبات و فرائض کی ٹھیک طرح سے بجا آوری ہے، ۱۷ مجموعی طور پر اس باب کو کتاب الاخلاق "بھی کہا جاسکتا ہے، بہر حال

۱۲ مالا بدمنہ، طبع مفتی محمد سعد اللہ، ص ۱ تا ۲۲

۱۳ ایضاً، ص ۲۲ تا ۵۳ ۱۴ ایضاً، ص ۵۳ تا ۵۵

۱۵ ایضاً، ص ۵۵ تا ۶۵ ۱۶ ایضاً، ص ۶۵

۱۷ وصیت نامہ، درمالا بدمنہ، مطبوعہ ملتان، ص ۱۲۳

اس عنوان کے اطمینان (ماکولات)، لباس و پوشاک، وطنی و وداعی وطنی، بیع فاسد و بیع حلال، اور متفرقات، تیر اندازی میں مسابقت، ولیمہ نکاح، حرمت سود، شعر گوئی، غیبت، نیمہ، گالی گلوچ، دروغ گوئی، رشورت خوری، مصالحت بین المسلمین، حرمت تفاخر انساب "الحب فی اللہ والبغض فی اللہ" اور حقوق العباد کی اہمیت وغیرہ پر پر مغز بحث کی گئی ہے۔^{۱۸}

کتاب الاحسان: قاضی صاحب نے عام کتب فقہ کے برعکس اپنی اس مختصر کتاب میں کتاب الاحسان کے نام سے جو قرآن و حدیث پر بنی تصوف کے لیے ایک وسیع اصطلاح ہے، ایک مستقل باب قائم کیا ہے، جس میں اخلاق حسنہ یا مقاصد تصوف پر نہایت عمدگی سے روشنی ڈالی گئی ہے۔^{۱۹}

مالا بدمنہ کی خصوصیات

گو مالا بدمنہ میں ماخذ کا حوالہ بہت کم آیا ہے۔^{۱۸} (جس کی وجہ غالباً یہ ہے۔ کہ قاضی صاحب نے یہ کتاب عوام الناس کے لیے لکھی ہے، تاہم اس کے مضامین و ابواب پر ایک نظر ڈالنے سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ قاضی صاحب نے اس مختصر سی کتاب کی تصنیف کے دوران فقہ کے عمومی متون کے علاوہ چاروں مسالک فقہ کی بنیادی کتابوں اور حدیث و درایت حدیث کے وسیع مواد کو بھی پیش نظر رکھا ہے، جس کی بنا پر کتاب کی افادیت میں بہت وسعت پیدا ہوئی ہے۔ قاضی صاحب کی فارسی زبان میں لکھی جانے والی تمام کتب کی نسبت اسلوب بیان کے اعتبار سے "مالا بدمنہ" ایک منفرد کتاب ہے، یہی وجہ ہے کہ کتاب کی تصنیف کو دو صدیاں بیت جانے کے باوجود آج بھی اس کا اندازہ بیان تازہ اور جدید محسوس ہوتا ہے۔ اس میں جملوں کی بندش اور ترکیبوں کی ساخت اتنی عمدہ اور

^{۱۸} مالا بدمنہ، ص ۶۵ تا ۸۷، ^{۱۹} ایضاً، ص ۸۷ تا ۸۸

^{۲۰} مثال کے طور پر کتب حدیث کا ذکر، ص ۲۰، ۱۹ اور ۸۲ پر۔ بعض کتب فقہ کا ص ۲۰ پر آیا ہے۔

خوب صورت ہے کہ قاری اس کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ بایں ہمہ الفاظ عام فہم اور سہل ہیں، جس کی بنا پر۔ کتاب کے مضامین کو سمجھنے میں کسی قسم کی دشواری اور دقت محسوس نہیں ہوتی۔ کتاب میں عبارت ہر جگہ رواں دواں اور سلیس انداز میں آگے چلتی ہوئی محسوس ہوتی ہے، مثلاً:

و نماز تہجد از چہار رکعت کمتر نیامده و از دو از وہ رکعت زیادہ ہم ثبوت نہ پیوستہ^{۲۱}
(نماز تہجد کی چار سے کم اور بارہ سے زیادہ رکعات ثابت نہیں)۔

فصاحت و بلاغت کے ساتھ ساتھ قاضی صاحب نے ایجاز و اختصار کا بہت خیال رکھا ہے۔ کیونکہ وہ اس کتاب کو ایسی شکل میں پیش کرنا چاہتے تھے۔ جو مختصر، مگر مدلل ہو، چنانچہ وہ بڑی حد تک اس مقصد میں کامیاب رہے ہیں۔ اسی لیے اگر "مالا بدمنہ" کی شرح لکھنے کی کوشش کی جائے تو ایک بسیط کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

فاضل مؤلف نے زیر نظر کتاب میں فقہ کے چاروں مکاتب فکر کو پیش نظر رکھا ہے۔ کیونکہ وہ وسیع المشرب اور "عمیم النظر" شخصیت کے مالک تھے۔ اسی لیے انھوں نے دیگر مسالک فقہ سے بھی پورا پورا انصاف کیا ہے؛

کتاب میں عموماً ان کا رجحان "جمع بین المسالک" کی طرف رہا ہے۔ جس کا مقصد احتیاط پسندی اور "تقویٰ" ہے۔ مثال کے طور پر وضو کی بحث میں انھوں نے اولاً حنفیہ کے چار شوافع کے چہرے اور حنا بلدا اور مالکیہ کے سات سات فرائض کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے: "احتیاط اس میں ہے کہ یہ تمام افعال بجالاتے جائیں۔ کیونکہ یہ تمام امور امام اعظم کے نزدیک بھی مسنون ہیں۔" لہذا اسی طرح نواقض وضو کی بحث میں تحریر کیا ہے: "اپنی شرم گاہ اور عورت کو ہاتھ لگانا امام اعظم کے نزدیک ناقض وضو نہیں، مگر دیگر ائمہ کے نزدیک ناقض وضو ہیں، اسی طرح اونٹ کا گوشت کھانا امام احمد بن حنبل کے نزدیک ناقض

۲۱ ایضاً، ص ۳۸ (دیگر مسئلہ کے لیے دیکھیے، ص ۲، ۳۱، ۳۲، ۳۳ وغیرہ)۔

۲۲ مالا بدمنہ، ص ۱۳۔

وضو ہے۔ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ ان سب سے احتراز کیا جائے۔ ۲۳

اس طرح قاضی صاحب نے الجزیری (یعنی الفقه علی المذہب الاربعہ کے مصنف) سے بھی دو قدم آگے جا کر تمام مسالک فقہ کو ملحوظ خاطر رکھنے کا اسلوب اختیار کیا ہے، جو ان کا عظیم الشان اجتہادی کارنامہ ہے۔

اور اگر کسی جگہ ان سب آرا کو جمع کرنا ممکن نہ ہو تو فاضل مصنف ان میں سے ایسی رائے کو ترجیح دیتے ہیں جو قرآن و سنت کے زیادہ نزدیک ہو، مثال کے طور پر رفع یدین کی بحث میں لکھتے ہیں:

”رفع یدین کرنا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک سنت نہیں، مگر اکثر فقہاء اس کا اثبات کرتے ہیں۔“ ۲۴

اسی طرح قلتین (دو بڑے مشکوں) کے پانی کی بحث میں لکھتے ہیں:

”اور دو قتلے (بڑے مشکے)، جن میں پانچ مشک پانی ہو، ہر مشک سو رطل پر مشتمل ہو، اکثر ائمہ کے نزدیک آب کثیر ہیں۔“ ۲۵

علیٰ ہذا القیاس دیہات میں قیام جمعہ کی بابت رقم طراز ہیں:

”پس امام اعظمؒ کے نزدیک دیہات میں جمعہ جائز نہیں، مگر امام شافعیؒ اور اکثر ائمہ کے نزدیک جائز ہے۔“ ۲۶

ان سب میں نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا مسئلہ عجیب ہے۔ لکھتے ہیں:

”امام اعظمؒ کے نزدیک نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا جائز نہیں ہے۔ مگر اکثر علما کا قول ہے کہ وہاں بھی سورہ فاتحہ پڑھی جائے۔“ ۲۷

ان تمام مقامات پر چونکہ جمہور کا مسلک قرآن و سنت سے نزدیک تر ہے۔ اسی لیے قاضی صاحب نے ان کو ترجیح دینے کا اسلوب اختیار فرمایا ہے۔

۲۳ ایضاً، ص ۲۴

۲۴ مالابدمنہ، ص ۳۴

۲۳ ایضاً، ص ۱۱

۲۴ ایضاً، ص ۴۸

۲۵ ایضاً، ص ۴۵

عام طور پر کتب فقہ میں مسائل فقہ کو "ائمہ فقہ" ہی کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے، مگر "مالا بدمنہ" کے فاضل مولف نے اکثر مقامات پر قرآن و سنت سے بھی براہ راست مسائل اخذ کر کے بیان کیے ہیں۔ مثال کے طور پر چہری نمازوں میں قراتِ امام کی بحث میں لکھتے ہیں:

"نماز فجر میں لمبی قرات کرے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے نماز فجر کی ایک رکعت میں سورۃ البقرہ پڑھی تھی؛ اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز مغرب میں سورۃ اعراف اور حضرت عثمانؓ نے نماز فجر میں سورۃ یوسف کا بیشتر حصہ تلاوت فرمایا تھا لیکن مقتدیوں کے حال کی رعایت رکھنا ضروری ہے۔" ۲۸

حالانکہ فقہ کی عام کتب میں نماز فجر و ظہر میں طوال مفصل، نماز عصر و عشا میں اوساط مفصل اور نماز مغرب میں قصار مفصل پڑھنے کی ہدایت کی جاتی ہے ۲۹ اسی طرح عموماً احناف کے ہاں دونوں سجدوں کے مابین جلسے میں کوئی دعا پڑھنا ثابت نہیں۔ مگر قاضی صاحبؒ نے بعض روایات کی اساس پر "اللهم اغفر لی" پڑھنے کی ہدایت کی ہے ۳۰ ان سب پر مستزاد فاضل مولفؒ کی ذاتی توجیہات ہیں۔ جن سے کتاب کی "قدر و قیمت" میں بیش بہا اضافہ ہو گیا ہے۔ مثال کے طور پر نمازوں کی تاخیر و تعجیل کی بحث میں لکھتے ہیں:

"گرمیوں میں نماز ظہر کو ٹھنڈا کر کے (تاخیر سے) نماز عشا کو نصف رات تک اور نماز فجر کو روشنی ہونے تک مؤخر کر کے پڑھنا مسنون ہے، اور فقیر کے نزدیک دوسری نمازوں میں بھی تعجیل ہی اولیٰ ہے۔" ۳۱

قاضی صاحب کی یہ رائے حنفی مسلک سے معارض ہے۔ اسی طرح ایک اور مقام پر جہاں معذور افراد کے لیے نماز پڑھنے کے لیے احکام بیان کیے گئے ہیں، لکھتے ہیں:

"فقیر کے نزدیک اگر اسے قیام پر قدرت ہو تو وہ قیام کو ترک نہ کرے، اور اگر اسے قیام، رکوع اور سجدے پر قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر اشاروں کی مدد سے نماز پڑھے۔" ۳۲

۲۸ ایضاً، ص ۲۳-۲۴ ۲۹ دیکھیے ہدایہ، ۲ مطبوعہ دہلی، ۱: ۹۱، تا ۸۰

۳۰ ایضاً، ص ۲۵ ۳۱ ایضاً، ص ۱، ۳۲ مالا بدمنہ، ص ۳۲۔

حالانکہ حنفی مسلک یہ ہے کہ اگر معذور رکوع اور سجدے کی طاقت نہ رکھتا ہو، مگر قیام پر اسے قدرت ہو تو وہ بیٹھ کر ہی نماز ادا کرے، کھڑے ہو کر نہیں بیٹھے۔

قاضی صاحب نے، جیسا کہ ہم نے سطورِ بالا میں بیان کیا۔ "مالا بدمنہ" میں تاریخی اہمیت کے تین عنوانات کا اضافہ کیا ہے، یعنی کتاب الایمان (علم الکلام) کتاب التقوی (علم الاخلاق والیسیر) اور کتاب الاحسان (تصوف)۔ اس طرح انھوں نے چار علوم (فقہ، کلام، اخلاق و تصوف) کو جمع کر کے دین و دنیا اور شریعت و طریقت کی یک جانی کا نظریہ پیش کیا ہے، جس پر اسلام کی "عالمگیر تعلیم و معاشرت" کی عمارت استوار ہے۔

علاوہ ازیں انھوں نے اہل علم کو اس بات کی ہدایت فرمائی کہ جب تک ظاہری علم کے ساتھ ساتھ ان کا دامن روحانی علم سے مالا مال نہ ہو، اس وقت تک نہ ان کے ایمان کی تکمیل ہو سکتی ہے اور نہ علم و عرفان کی۔ غور کیا جائے تو متاخر دور کے لیے یہ بہت بڑی پیش رفت ہے۔

مالا بدمنہ کے حواشی

مالا بدمنہ کی علمی و تحقیقی افادیت کے پیش نظر اس پر متعدد حواشی قلم بند کیے گئے، جن میں سے مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں:

۱۔ حاشیہ مولانا سعد الدین لکھنؤ (مطبوعہ ۱۲۵۷ھ)؛ یہ حاشیہ مالا بدمنہ کی اولین طباعت کے ساتھ مطبع مصطفائی لکھنؤ سے شائع ہوا، حاشیہ مختصر مگر اہم تشریحی اشارات پر مشتمل ہے، بعض مقامات پر متن کے اشارات کی وضاحت بھی کی گئی ہے، نیز بعض موقعوں پر قرآن و حدیث کے حوالوں سے متن کو زیادہ مربوط و مدلل بنایا گیا ہے؛ انہی نے اختتام پر کلمات کفریہ کا اضافہ کیا۔

(ب) حاشیہ مفتی محمد سعد اللہ مراد آبادی؛ مفتی محمد سعد اللہ (۱۲۱۹ھ/۱۸۰۴ء)۔

۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء) اپنے عہد کے نامور فضلاء میں سے تھے، وہ اپنے زمانے کے جید علما

۳۳ دیکھے ہدایہ، البدائع الصنائع وغیرہ میں حنفی مسلک۔

سے کسب فیض کے بعد لکھنؤ کے مدرسہ شاہی میں مدرس ہو گئے تھے، پھر کچہری کوتوالی میں ۲۹ برس تک عمدہ افتا پڑھائے رہے۔^{۳۴} لگے ان کی اکتیس کے قریب تصانیف ہیں، جن میں زیر نظر حاشیہ بھی ہے۔^{۳۵}

کنے کو تو یہ حاشیہ ہے مگر اپنی علمی افادیت، دقیقہ سنجی اور نکتہ رسی، نیز انداز تحقیق نگاری کی بدولت کسی طرح یہ شرح سے کم نہیں۔ فاضل محشی نے مالا بدمنہ کے بظاہر مبہم حصوں کی تشریح، محل اشارات کی توضیح، مسالک اور ان کے دلائل کی تبیین و ترتیب اور بعض مفید اضافات کرنے میں بڑی محنت کی ہے؛ فاضل محشی نے اپنے مصادر و ماخذ بیان کرنے کا بھی التزام کیا ہے، جس سے اکثر عبارت بڑی دلچسپ اور مفید ہو جاتی ہے۔

حواشی کے ماخذ کی فہرست میں فقہ کے قریب قریب تمام متون، مثلاً شرح المواقف، المستوعب، فتاویٰ عالمگیریہ، محیط للسرخسی، درالمختار، فتاویٰ قاضی خان اور ہدایہ وغیرہ شامل ہیں۔

مفتی صاحب نے اپنے بلند علمی و تحقیقی معیار کو پوری طرح ان حواشی میں قائم رکھا ہے؛ انھوں نے پانچ مقامات پر صاحب تن (قاضی صاحب) سے اختلاف رائے کا اظہار کیا ہے، ان مقامات کو بعد ازاں مفتی صاحب کے ایک شاگرد مولوی محمد ہادی علی نے "خاتمہ الطبع" کے عنوان سے اختتام کتاب پر یک جا کر دیا ہے۔^{۳۶} الغرض مفتی صاحب کا مرتب کردہ حاشیہ نہایت مفید اور علمی اہمیت کا حامل ہے۔

(ج) حاشیہ قاضی سجاد حسین (مطبوعہ مکتبہ شرکتہ علمیہ، ملتان ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء)؛

^{۳۴} حالات کے لیے: تذکرہ کاملان رام پور، ص ۱۵۱ تا ۱۵۲؛ اسلامی مجلس مذاکرہ کلکتہ،

سال ہشتم، مطبوعہ نول کشور لکھنؤ، ۱۸۷۰ء، ص ۱۳، ۳۳، ۴۰، نواب صدیق حسن

خان: ایجدالعلوم، ص ۹۲۵ تا ۹۲۶۔

^{۳۵} مولوی رحمان علی: تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۱۵

^{۳۶} مالا بدمنہ، ص ۸۹ تا ۹۳

قاضی سجاد حسین صاحب پاکستان کے ایک نامور عالم دین اور فاضل لیگانہ ہیں، انھوں نے مالابدمنہ پر اردو زبان میں حواشی لکھے ہیں، جن میں خاص طور پر لغوی اور فقہی مسائل کی تشریح و توضیح کی گئی ہے۔ یہ حاشیہ مبتدی طلباء کی کتاب فہمی میں بڑی معاونت کرتا ہے، اساتذہ بھی اس سے استفادہ کرتے ہیں۔

ترجمہ اُردو: مالابدمنہ کی علمی افادیت کے پیش نظر بہت جلد اس کا اردو زبان میں ترجمہ کیا گیا، اس کے اولین مترجم کا نام محمد نور الدین ولد شرف الدین چانگامی (بنگالی) ہے، انھیں ترجمے کا خیال کیسے پیدا ہوا، اس کی بابت وہ خود پیش لفظ میں لکھتے ہیں: پھر ایک مدت کے بعد۔۔۔۔۔ وطن آبائی کی طرف رجوع کرتے وقت ۱۲۶۲ھ میں جب میں دارالامارت کلکتہ کے اندر پہنچا تب بعض اجبابِ وطنی نے فرمائش کی کہ رسالہ معتبرہ مالابدمنہ تصنیف عالم حقانی۔۔۔۔۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی۔۔۔۔۔ کا اردو زبان میں ترجمہ کرے تاکہ عوام کو فائدہ پہنچے۔^{۳۷}

فاضل مترجم نے اس کا نام "کشف الحاجتہ" رکھا، یہ ترجمہ کئی بار چھپ چکے ہیں، غالباً پہلی بار لکھنؤ یا میرٹھ سے چھپا، دوسری مرتبہ پھر لکھنؤ سے ۱۹۲۴ء میں طبع ہوا،^{۳۸} ہمارے سامنے اس کا "ملک دین محمد اینڈ سنز لاہور کا شائع کردہ نسخہ ہے جو عکسی طباعت کا منظر ہے (کل صفحات ۹۶)۔

یہ ترجمہ لفظی ہے، اسی لیے ترکیبوں کی ساخت اور جملوں کی بندش کمزور ہے، اندازِ بیان میں بھی کسی کسی جگہ اغلاق و ابہام پیدا ہو گیا ہے،^{۳۹} مجموعی طور پر یہ ترجمہ قدیم اردو زبان میں کیا گیا ہے، جس کی بنا پر موجودہ زمانے سے اس کا بُعد بہت زیادہ ہو گیا ہے، ضرورت اس امر کی ہے کہ کوئی صاحبِ نظر اس کا جدید اردو زبان میں ترجمہ

^{۳۷} کشف الحاجتہ، مطبوعہ ملک دین محمد، لاہور، ص ۳، دیباچہ۔

^{۳۸} عبدالحق، قاموس الکتب اردو، ص ۳۲۵، عدد ۱۶-۳، مطبوعہ کراچی۔

^{۳۹} یہ اغلاق و ابہام مفہوم تک پہنچنے میں رکاوٹ بنتا ہے، مثلاً دیکھیے کتاب الایمان،

کر کے تشنگانِ علم کی سیرابی کا سامان فراہم کرے۔
انگریزی ترجمہ: مالا بدمنہ کی اہمیت کے پیش نظر اس کا انگریزی زبان میں بھی ترجمہ
ہو چکا ہے۔

فتاویٰ منظہری

یہ قاضی صاحب کے ان فتاویٰ کا مجموعہ ہے جو انھوں نے مختلف اوقات میں
استفسار کرنے والوں کو لکھ کر ارسال کیے تھے، یہ فتاویٰ ان کے نمبر ۱ مولوی قاضی عبدالستلام
ابن مولوی دلیل اللہ کی کوششوں سے ایک مجموعے میں ترتیب دے گئے ہیں۔ اس کا
واحد قلمی نسخہ دہلی میں مولانا ابوالحسن زید (چٹلی قبر دہلی) کے کتاب خانے کی زینت ہے۔

الماخذ الاقوای

قاضی صاحب کی زیر نظر کتاب بھی ان کی مجتہدانہ بصیرتوں کی امین ہے، اس کی
نسبت شاہ غلام علی دہلوی فرماتے ہیں:
اور جو موقف آپ کے نزدیک زیادہ قوی ثابت ہوتا، اسے آپ نے ایک علمدہ
رسالے میں، جس کا نام "ماخذ الاقوای" تھا جمع کر دیا۔

اس کا قلمی نسخہ بھی دہلی میں مولانا ابوالحسن زید کی ملکیت ہے۔

رسالہ فقہ در مذاہب اربعہ، یوں تو قاضی صاحب نے تفسیر منظہری اور مالا بدمنہ
وغیرہ سبھی کتابوں میں مسالک اربعہ کے ذکر کا التزام فرمایا ہے، مگر زیر نظر کتاب
خاص طور پر اس موضوع پر تحریر کی گئی تھی، اس کا بھی واحد قلمی نسخہ دہلی میں مولانا
عبدالرزاق قریشی، تشریحات مکاتیب مرزا مظہر، ص ۲۳۱ عدد ۲، مولانا ایف اللہ
عثمانی نے اپنے دہلی کے سفر میں اس کا مطالعہ کیا تھا، انھوں نے بتلایا کہ یہ مجموعہ
نہایت مفید علمی مباحث پر مشتمل ہے۔

۱۴۴ مقامات منظہری، ص ۵، ۱۴۴ تشریحات، ص ۲۳۳، عدد ۳۲

ابوالحسن زید کی تولیت میں ہے؛^{۴۳} عبدالرزاق قریشی نے لکھا ہے کہ یہ رسالہ حضرت مظهر جاجاناں کے حسب ارشاد لکھا گیا۔

ان باقاعدہ کتب کے علاوہ قاضی صاحب نے فقہ کے مختلف مسائل پر علمدہ علمدہ بھی فتوے جاری کیے، جن میں سے بعض حسب ذیل ہیں:

فتاویٰ دربارہ ایام عاشورہ: اس فتوے میں قاضی صاحب نے یہ ثابت کیا ہے کہ ایام عاشورامی میں نوحہ و ماتم کرنا ناجائز ہے اور یہ کہ اس سے اہل بیعت کی محبت میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ محبت میں اضافہ تو ان کی اتباع سے ہوتا ہے۔

فتویٰ درجواز تقلید: اس رسالے میں قاضی صاحب نے عام لوگوں کے لیے تقلید کا اثبات کیا ہے۔

فتاویٰ دربارہ اراضی ہند: اس عنوان سے قاضی صاحب کے دو خطوط یا فتاویٰ موجود ہیں۔ جن میں قاضی صاحب نے ہندوستان کی اراضی کے متعلق یہ فتویٰ دیا ہے کہ وہ "خرابی" یعنی سرکاری اراضی ہیں اور انھیں کسی کو دینے کا حکم ان وقت کو بھی حق حاصل نہیں ہے۔

کتب اصول فقہ: اصول فقہ کے عنوان پر قاضی صاحب نے حسب ذیل رسائل تصنیف فرمائے۔

منار الاحکام: اس رسالے میں قاضی صاحب نے اصول فقہ کے موضوعات کو شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمایا ہے، تفسیر مظہری میں اس کا دو مقام پر حوالہ آیا ہے، ایک جگہ لکھتے ہیں:

یہ طویل مباحث ہیں، جنہیں ہم نے منار الاحکام میں مفصل لکھا ہے۔^{۴۴}

^{۴۳} ایضاً، ص ۲۳۲، عدد ۱۳

^{۴۴} دیکھیے معارف اعظم گڑھ، اپریل ۱۹۷۵ء، ۶۱۹۔ مقالہ اراضی ہند کی شرعی حیثیت "از مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی۔

^{۴۵} تفسیر مظہری، ۱۰: ۲۳۰۔

ایک اور مقام پر لکھا ہے:

اور حدیث براہِ جہ سے اصحابِ سنن نے روایت کیا ہے اور حدیث الربیع بن
سبرہ وغیرہ کا مفصل ذکر ہم نے منار الاحکام میں کیا ہے۔^{۲۶}
تاہم اس کے قلمی نسخے کا کسی ذریعے سے پتا نہیں چل سکا۔ جس سے قیاس ہوتا
ہے کہ یہ کتاب دستبردِ زمانہ کا شکار ہو گئی ہے۔

رسالہ پنج روزی: زیر نظر کتاب بھی اصولِ فقہ کے موضوع پر ہے، بقول عبدالرزاق
قریشیؒ اس کی تالیف حضرت مظہرؒ کے ایما پر عمل میں آئی، اس کا قلمی نسخہ مولانا ابوالحسن زید
کی ملکیت ہے۔^{۲۷}

مختارات: اس عنوان سے بھی فاضل مدوحؒ نے اصولِ فقہ پر ایک کتاب
تصنیف فرمائی تھی جس کا ذکر شاہ غلام علی دہلوی یوں فرماتے ہیں،
”اصولِ فقہ میں آپ نے اپنے ”مختارات“ بھی قلم بند کیے تھے۔“^{۲۸}
اس سے پتا چلتا ہے کہ اس کتاب میں قاضی صاحب نے اصولِ فقہ میں اپنے مختار و
راجع اصولوں کا تذکرہ کیا تھا، یہ کتاب بھی کسی ذریعے سے معلوم نہیں کی جاسکی، جس سے
قیاس ہوتا ہے کہ یہ کتاب بھی ضائع ہو گئی۔

^{۲۶} ایضاً، ۱: ۲۱۹

^{۲۷} تشریحات، ص، ۲۳۲، عدد ۱۲

^{۲۸} مقامات مظہری، ص ۵۰۔

علم کلام و عقائد

السيف المسلول (شمشير برہنہ)

زیر نظر کتاب اہل سنت اور اہل تشیع کے مابین متنازعہ فیہ مسائل میں اول الذکر فرقے کی حمایت و نصرت کے لیے تصنیف کی گئی ہے۔

ان دونوں فرقوں کے درمیان نزاعات کی تاریخ بہت پرانی ہے، ان اختلافات کا آغاز تو پہلی صدی ہجری میں ہو چکا تھا مگر مردِ ایام سے اس میں سختی اور شدت آتی رہی۔ چنانچہ دونوں طرف سے حمایت اور مخالفت میں اتنا کچھ لکھا گیا ہے کہ اگر صرف ان کے ناموں کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔ خود ہندوستان میں اس موضوع پر متعدد اربابِ علم نے دادِ تحقیق دی ہے۔ جن میں حضرت مجدد الف ثانی (م ۱۰۳۴ھ) کی "المقدمة السنیة فی انتصار الفرقة السنیة"، علامہ محمد محسن (م ۱۱۱۹ھ) / (۶۱۰۰) کی "ردّ الشیعہ"، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۲۴۰ھ / ۲۱۸۲۵) کی تحفہ اثنا عشریہ وغیرہ شامل ہیں۔ قاضی صاحب کی یہ تصنیف بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

قاضی صاحب نے یہ کتاب مرزا مظہر جان جاناں (متوفی ۱۱۹۵ھ / ۱۷۸۰) کی زندگی ہی میں تصنیف کر لی تھی اور ان کے مطالعے میں آئی تھی۔

۱۔ زبیر احمد: The contribution of India to Arabic lit. ص ۱۱۵، باب ۴۔

۲۔ ایضاً، ص ۱۱۶ تا ۱۱۸۔

اس کتاب کے دو قلمی نسخوں کا پتہ چل سکا ہے، ایک نسخہ مولانا ابوالحسن زید-چتلی
 قردہلیؒ کی ملکیت میں ہے اور دوسرا مولانا ایف اللہ عثمانی - سرگودھا کی ملکیت میں ہے۔ دوسرا
 نسخہ راقم الحروف کو دیکھنے کا شرف حاصل ہوا ہے، یہ مخطوطہ درمیانی تقطیع پر سیاہ
 روشنائی سے مولانا عثمانی کے جد امجد غلام یس نے تحریر کیا تھا۔ بشارات منظر یہ (مخطوطہ
 برٹش میوزیم) کے آخر میں بھی السیف السلول کے چند صفحات بھی شامل ہیں۔
 زیر نظر کتاب فارسی زبان میں صرف ایک بار دہلی سے ۱۲۶۲ھ / ۱۸۵۲ء میں طبع ہوئی،
 مگر تلاش بسیار کے باوجود اس کا یہ نسخہ دست یاب نہ ہو سکا۔ بیوراً معلومات کے
 لیے اردو ترجمے پر اکتفا کرنا پڑا۔
 زیر نظر کتاب ایک پیش لفظ، ایک مقدمے، سات مقالات (ابواب) اور ایک
 خاتمے پر مشتمل ہے۔

رسالہ در رد متعہ

زیر نظر رسالہ بھی اہل سنت اور شیعہ حضرات کے مابین ایک نزاعی مسئلے "رد متعہ"
 اہل سنت کو اس کی مشروعیت سے انکار ہے، جب کہ اہل تشیع اس کا اثبات کرتے ہیں؛
 یہ رسالہ ابھی تک غیر مطبوعہ ہے اور اس کے بھی دو ہی نسخے دریافت ہوئے ہیں۔ ایک غہ
 مملوکہ مولانا ابوالحسن زید-چتلی قردہلیؒ اور دوسرا مملوکہ مولانا ایف اللہ عثمانی صاحب
 سرگودھا ہے۔ یہ رسالہ - جس کی نقل راقم الحروف کو مولانا ایف اللہ عثمانی کے توسط سے
 حاصل ہوئی، تقریباً چار اوراق (سات صفحات) پر مشتمل ہے، اسے مولانا کے ایک جد امجد
 شیخ غلام یس عرف شیخ محمد ولد شیخ فضلونے ۱۲۴۵ھ / ۱۸۳۰ء میں اپنے ہاتھ سے کتابت
 کیا۔ صفحے کا سائز درمیانہ یعنی ۶x۱۰ انچ ہے اور ہر صفحے پر کل تیرہ سطریں ہیں، یہ رسالہ
 خوب صورت خط نستعلیق میں ہے، رسالے کے آخر میں قاضی صاحب کا نام حسب ذیل

۳ مکاتیب، مرتبہ قریشی، ص ۲۳۱ - ۲۳۳ (تشریحات)

۴ عبدالرزاق قریشی - تشریحات، ص ۲۳۱ - ۲۳۲

طریقے سے تحریر ہے،

”رسالہ ہذا تصنیف فضیلت پناہ مولوی صاحب قبلہ محمد ثناء اللہ پانی پتی است۔“
رسالہ وسیلۃ النجاة (قلمی)؛ زیر نظر رسالہ بھی، گذشتہ دونوں رسالوں (السیف و
رد متعہ) کی طرح ردّ شیعہ اور اہل سنت والجماعت کے عقائد کے دفاع میں تحریر کیا گیا ہے
تاہم انداز بیان قدرے مختلف ہے۔

مذکورہ بالا دونوں کتب میں عام طور پر ”جزئی اور فردعی“ بحث کی گئی ہے۔ جب کہ
زیر نظر رسالے میں اسی موضوع پر ”اصولی“ انداز میں قلم اٹھایا گیا ہے، اور عقل و شریعت
دونوں کی روشنی میں نجات کا راستہ واضح کیا گیا ہے، ابتدائی سطور میں آپ لکھتے ہیں:
”اس کتاب کی تصنیف کا سبب یہ ہے کہ ایک شخص نے جو مذہب تشیع سے محبت
رکھتا تھا استدعا کی کہ ایک کتاب ”فرقہ ناجیہ“ کے حق میں حقیقی دلائل بیان کرنے کے لئے
لکھی جائے اور دین تو سرا سر خیر خواہی کا نام ہے (الدین النصیحة) اس لیے اس کی بات
کو قبول کرنا پڑا اور اس کا نام ”وسیلۃ النجاة“ تجویز ہوا۔“

اس کتاب کا قاضی صاحب کی طرف اتساب مشکوک ہے۔ کیونکہ مولانا الیف اللہ
عثمانی کی مرتب کردہ فہرست کے علاوہ کسی اور ذریعے سے اس کی تصدیق نہیں ہو سکی۔
خود عبدالرزاق قریشی نے اس کا نام درج نہیں کیا، البتہ انھوں نے ”رسالہ در عقائد حقہ“
کے نام سے جو کتاب مندرج فرمائی ہے، قرائن و شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قاضی
صاحب کی یہی کتاب ہے۔

اس کا قلمی نسخہ جسے راقم الحروف کو نقل حاصل کرنے کا موقع ملا، مولانا الیف اللہ
عثمانی سرگودھا کی ملکیت ہے، ترقیمہ سے پتا چلتا ہے کہ اس کی کتابت یا تصنیف
۱۲۱۴ھ / ۱۸۹۹ء میں مکمل ہوئی، جب قاضی صاحب رسالہ الیف المسلول وغیرہ تصنیف
فرما چکے تھے۔ یہ نسخہ کل تیرہ اوراق (= ۲۶ صفحات) پر مشتمل ہے، صفحے کا سائز چھوٹا
یعنی ۸ x ۶ ہے، ہر صفحے پر سترہ سطور ہیں۔ بعض صفحات (مثلاً صفحہ ۱۲) پر سطروں

۵ رسالہ وسیلۃ النجاة - ق. ورق ۱-۱ ۵ مکاتیب تشریحات ص ۲۳۱-۲۳۳ -

کی تعداد ۱۸ ہے، اسے سیاہ اور سُرخ روشنائی سے تحریر کیا گیا ہے،

ابواب و مضامین

اس پورے رسالے میں نہ تو کوئی باب ہے اور نہ کوئی عنوان، پورا رسالہ ایک ہی تسلسل میں تحریر کیا گیا ہے۔ ایسے لگتا ہے مصنف کتاب یا رسالے کے بجائے محض کوئی خط لکھ رہے ہیں۔ اسی مکتوب کو بعد ازاں رسالے یا کتاب کی شکل دے دی گئی۔ اس پوری کتاب میں درحقیقت اس سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ ”ناجی فرقہ“ کون ہے؟

رسالہ طریق النجاة عن طریق الفجوة

اس عنوان سے بھی قاضی صاحب نے ایک مبسوط رسالہ تحریر فرمایا تھا، جس کا حوالہ مولوی نعیم اللہ بھڑا پٹی مرحوم نے اپنی کتاب معمولاتِ منظر یہ میں۔ ایک مقام پر حسب ذیل الفاظ میں دیا ہے:

”حضرت مولانا ثناء اللہ پانی پتی ملخص ”کتاب النجاة عن طریق الفجوة“ میں فرماتے ہیں: ”بعد ازاں انھوں نے اس کتاب کے حوالے سے ایک طویل اقتباس نقل کیا ہے۔ جس میں قاضی صاحب نے طالبان سلوک کو ”ذکر نفی و اثبات“ کا طریقہ تعلیم دیا ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ اس کتاب میں دوسرے مسائل کے علاوہ مہمات مسائل تصوف پر بھی بحث کی گئی ہے۔“

مگر افسوس کہ کسی بھی کتاب خانے سے اس کے کسی نسخے کا پتا نہیں چل سکا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی صاحب کی یہ کتاب دست بردِ زمانہ کا شکار ہو گئی ہے۔

رسالہ در عقائد حقہ (قلمی۔ فارسی)

اس نام سے قاضی صاحب کی ایک کتاب قلمی صورت میں مولانا ابوالحسن زید دہلوی

شہ معمولات منظر یہ مطبوعہ لاہور، ص ۶۳ شہ ایضاً ص ۶۳ - ۶۴

کے کتاب خانے کی زینت ہے۔ اس رسالے میں قرب خداوندی پر بحث کرتے ہوئے کفار کے نصیب اور ان کی بد قسمتی کا ذکر بھی کیا گیا ہے کہ ان کو خدا کا قرب نصیب نہ ہوگا۔

رسالہ در ردّ روافض

یہ رسالہ بھی قاضی صاحب کے اہم ترین رسائل میں سے ہے، جس کا واحد قلمی نسخہ مولانا ابوالحسن زید دہلوی کی ملکیت ہے۔

۹ تشریحات - مکاتیب، ص ۲۳۲ - عدد ۱۶

ص ۲۳۷ - عدد ۲۹

۱۰ تشریحات

کتب علم تصوف

ارشاد الطالبین (عربی و فارسی)

موضوعی پس منظر

اسلام میں تصوف (احسان) پر تصنیف و تالیف کا سلسلہ گو بہت قدیم ہے، تاہم اس موضوع پر جو اہم تصانیف مرتب ہوئیں ان کی تعداد زیادہ نہیں ہے، ان میں سے بعض کتاب ہذا کے مصادر میں شامل ہیں۔

ہندوستان میں بھی اس عنوان پر عربی و فارسی میں قابل قدر کام ہو چکا ہے، بقول زبید احمد، اس موضوع پر عربی زبان میں بائیس کے قریب کتابیں لکھی گئی ہیں، جن میں سے اکتساب طریقہ (The Theological Support of the Path) پر تین تصانیف مرتب ہوئیں، جن میں زیر نظر کتاب بھی شامل ہے۔ اس کے علاوہ سراج الدین عمر بن اسحاق کی "لوائح الانوار فی الورد علی من انکر علی العارفين من لطائف الاسرار" اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی "القول الجمیل فی بیان سوائع السبیل" ہے۔ تاہم ہماری زیر نظر کتاب ان کتب میں خصوصی امتیاز کی حامل ہے۔

ارشاد الطالبین، جسے قاضی صاحب نے عربی و فارسی دونوں زبانوں میں مرتب کیا

لے دیکھے، The contribution of India to Arabic Lit.

دراصل اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی اسی تحریک کی صدائے بازگشت ہے، جس کی ابتدا حضرت مجدد الف ثانیؒ نے کی اور جسے ان کے دونوں اساتذہ (شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور حضرت مظہر جاناناؒ) نے تیا جوش و ولولہ فراہم کیا تھا۔ موضوعی اعتبار سے اس میں ایک طرف طالبان شوق کو کسبِ طریقہ کی صحیح معلومات فراہم کرنا ہے اور دوسری جانب جاہل و بد عقیدہ صوفیا کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کا ازالہ کرنا، اس کے علاوہ لوگوں کو طریق سلوک کی طرف بھی رہنمائی کرنا تھی۔ اسی بنا پر اس کتاب کی سہ گونہ اہمیت ہے۔

نام اور وجہ تصنیف

زیر نظر کتاب کا نام "ارشاد الطالبین" (طالبان سلوک کی رہنمائی) ہے۔ چونکہ قاضی صاحبؒ نے اس کتاب میں طالبانِ خدا (مرید ہوں یا مرشد) کی مہماتِ تصوف میں رہبری کی ہے، اسی بنا پر اسے یہ نام بخشا ہے، اپنی کتاب کے ابتدائیہ میں لکھتے ہیں:

حمد و صلوات کے بعد فقیر۔۔۔۔۔ کتاب سے کہ چونکہ میں نے لوگوں کی آرا مختلف دیکھیں، بعض لوگوں کو منکر ولایت پایا، بعض کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اولیاء تھے، لیکن ہمارے اس دورِ فاسد میں ایسا کوئی شخص نہیں۔ بعض لوگ اولیاء کے معصوم اور عالم الغیب ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ اولیائے کرام جو چاہتے ہیں، وہی ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتے نہیں ہوتا۔۔۔۔۔ بعض لوگ ایسے احمقوں اور جاہلوں کے ہاتھوں پر بیعت کرتے ہیں جو اسلام اور کفر میں کوئی فرق نہیں جانتے۔۔۔۔۔ اس بارے میں میں نے ایک کتاب ارشاد الطالبین کے نام سے عربی زبان میں لکھی تھی، مگر میرے بعض دوستوں کا خیال ہوا کہ اس عنوان پر کچھ باتیں فارسی زبان میں بھی تحریر کر دی جائیں تاکہ فارسی خواں لوگ بھی استفادہ کر سکیں لہذا میں نے فارسی زبان میں یہ رسالہ تحریر کر دیا۔^۱

۱ دیکھیے مقدمہ، حصہ اول ۲ ارشاد الطالبین، مطبوعہ لاہور، ص ۷۶، ۷۷

زمانہ تصنیف

اگرچہ زیر نظر کتاب "ارشاد الطالبین" کے مضامین سے زمانہ تصنیف کا پتا نہیں چلتا تاہم متن کتاب کے بعض اشارات سے اس کے زمانہ تصنیف کو سمجھنے میں مدد لی جاسکتی ہے۔ اس کتاب میں ایک مقام پر حضرت مظہر جان جاناں کا ذکر "حضرت ایساں شہید" کی ترکیب سے کیا گیا ہے، اور چونکہ حضرت مظہر کی شہادت ۱۰ محرم الحرام ۱۱۹۵ھ / ۸۰، ۶۱ کا واقعہ ہے، اس لیے اس کتاب کا زمانہ تصنیف اس کے بعد ہی متعین ہوتا ہے۔

پھر سطور بالا میں یہ صراحت بھی کی جا چکی ہے کہ "ارشاد الطالبین" پہلے عربی زبان میں لکھی گئی تھی، بعد ازاں قاضی صاحب نے اپنے بعض اجباب کے کہنے پر اس کا فارسی ترجمہ کیا۔

چونکہ یہ امر بھی طے شدہ ہے کہ حضرت مظہر کی شہادت کے فوراً بعد قاضی صاحب نے تفسیر مظہری پر کام شروع کر دیا تھا جو ۱۲۰۸ھ / ۹۳، ۶۱ تک جاری رہا، اسی بنا پر قیاس ہوتا ہے کہ اس کتاب کی تصنیف کا زمانہ ۱۲۰۸ھ اور ۱۲۲۰ھ کے مابین ہوگا۔

مخطوطات

زیر نظر کتاب کے حسب ذیل دو قلمی نسخوں کا پتا چلا ہے۔

- ۱۔ مخطوطہ مملوکہ مولانا ابوالحسن زید۔ دہلی ۱۵
 - ۲۔ مخطوطہ محزونہ خانقاہ سراجیہ (کنڈیاں - ضلع میانوالی)
- مؤخر الذکر نسخہ راقم الحروف کے مطالعے میں آچکھا ہے، اس نسخے کو معروف قلمی کتب

۳۶ ایضاً، ص ۳۶

۵۵ مکاتیب مظہر (قریشی، تشریحات)، ص ۲۳۱-۲۳۲، عدد

کے کاتب مفتی عطا محمد^۶ نے مولانا ابوالسعود کے ایما پر لکھا تھا۔ یہ نسخہ درمیانے درجے کے تقریباً ۱۵۹ صفحات پر مشتمل ہے، کتابت خوب صورت خط نستعلیق میں ہے؛ آخری صفحے پر قاضی صاحب کا مختصر تعارف مرقوم ہے۔

مطبوعہ نسخے

زیر نظر کتاب فارسی متن کے ساتھ دوسرے شائع ہوئی۔ پہلی بار لکھنؤ (تولکشور) سے طبع ہوئی۔ کئی تاریخ طباعت مرقوم نہیں۔ جب کہ دوسری بار اسے حکیم عبدالمجید سیفی نے لاہور سے شائع کیا۔ مؤخر الذکر نسخے کے ساتھ قاضی صاحب کے حالات بھی شائع کیے گئے ہیں جو حکیم صاحب نے مقامات مظہریہ سے اقتباساً لیے ہیں یہی نسخہ ہماری معلومات کا ماخذ ہے۔

ماخذ و مصادر

زیر نظر کتاب میں علم تصوف پر قاضی صاحب نے اپنے متصوفانہ رجحانات اور افکار و نظریات کو نہایت اعلیٰ درجے کی مہارت اور فراست کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ کتاب کے ماخذ کا دائرہ بہت وسیع ہے، فاضل مؤلف نے اپنی تربیتی اور عملی زندگی میں علم تصوف کے متعلق جو کچھ پڑھا اور مطالعہ کیا وہ تمام سرمایہ اس کتاب میں جمع کر دیا ہے، ذاتی واردات و مشاہدات بھی زیر نظر کتاب کے ماخذ میں شامل ہیں۔

۶ مفتی عطا محمد چودھوان (ضلع ڈیرہ اسماعیل خاں) میں مقیم ہیں۔ موصوف کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابیں خانقاہ سراجمہ کے علاوہ خانقاہ موسیٰ زئی میں بھی ملتی ہیں۔

۷ اس طباعت کا ایک نسخہ دیال سنگھ لاٹیری (لاہور) میں (بذیل ف۔ ق۔ ۰۸ و ۲۹۷ تا ۳۵) بوسیدہ حالت میں موجود ہے۔

۸ از ادارہ سعیدیہ مجددیہ، ۷۔ بیڈن روڈ، لاہور۔ کل صفحات ۶۸

(ا) قرآن مجید، بمواقع عدیدہ؛ تفاسیر میں تفسیر ابن جریر الطبریؒ اور تفسیر معالم التنزیل للبقویؒ وغیرہ

(ب) احادیث مبارکہ؛ استشہاد اور دیگر مقاصد کے لیے اس میں بکثرت احادیث مذکور ہوئی ہیں، جن کے ماخذ میں صحیح بخاریؒ، صحیح مسلمؒ، سنن ترمذیؒ، سنن ابی داؤدؒ، سنن نسائیؒ، سنن طبرانیؒ، سنن بیہقیؒ، شرح مسلم للنوویؒ، مسند فردوس للدمینیؒ، حلیہ لابن نعیمؒ، مشکوٰۃ للخطیب اور ابن عدی کی الکامل وغیرہ شامل ہیں۔ تاہم اس کتاب میں احادیث کا معیار ملحوظ نہیں رکھا گیا، بہت سی ضعیف احادیث بھی شامل کتاب کردی گئی ہیں۔

(ج) کتب تصوف؛ کتب تصوف میں سب سے زیادہ استفادہ تو حضرت مجددؒ کے مکتوبات سے کیا گیا ہے، اس کے علاوہ ابن العربیؒ، میرزا محمد بدخشان (بدخشی)، اشعار خواجہ باقیؒ باللہ، خواجہ عروۃ الوثقیؒ، شیخ معصوم احمدؒ ہندی (غالباً مکتوبات)، شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاریؒ، کلیات سعدیؒ، محی الدین شیخ عبدالقادر الجیلانیؒ اور شنوی مولانا روم وغیرہ شامل ہیں، اس کے علاوہ مضامین سے سہروردی کی عواف المعارف سے تاثر کا بھی پتا چلتا ہے۔

(د) ابواب و فصول؛ زیر نظر کتاب کو قاضی صاحبؒ نے پانچ مقامات میں تقسیم

۹ ارشاد الطالبین، ص ۸، ۱۱، ۱۲، ۲۱ وغیرہ

۱۰ ایضاً، ص ۳۲ ایضاً، ص ۲۰، ۲۹

۱۱ ایضاً، ص ۱۳، ۵۰ وغیرہ ۱۲ ایضاً، ص ۱۳ ایضاً، ص ۳۳

۱۳ ایضاً، ص ۱۲، ۲۳ ۱۴ ایضاً، ص ۱۲ ایضاً، ص ۱، ۳۲

۱۵ ایضاً، ص ۱، ۳۲ ۱۶ ایضاً، ص ۲۹، ۳۲ ایضاً، ص ۳۲

۱۷ ایضاً، ص ۲۹

۱۸ ایضاً، ص ۱۸، ۱۹، ۲۵، ۳۲، ۳۲، ۵۱، ۵۶، ۵۷ وغیرہ۔

۱۹ ایضاً، ص ۱۹، ۳۲، صاحب فتوحات مکیہ و فصول الحکم۔

کیا ہے، ہر مقام متعدد فصول پر مشتمل ہے:

- ۱۔ مقام اول۔ در اثبات ولایت و آنچه بدان متعلق است۔
فصل اول۔ اثبات ولایت (پانچ دلائل)؛ فصل دوم۔ تحقیق ولایت، فصل سوم۔ خوارق عادات (کشف و کرامات اولیا)
- ۲۔ مقام دوم۔ در آداب مریداں؛ ۱۔ وجوب کسب طریقہ، ب۔ حقیقت تقویٰ؛ ج۔ مرشد کامل کی پہچان؛ د۔ مرشد کامل کا فیضانِ صحبت؛ ہ۔ آداب شیخ و۔ بدعات کی مذمت۔

- ۳۔ مقام سوم۔ در آداب کاملان و مرشداں؛ ۱۔ فصل اول: کاملوں کے آداب (جو انہیں اپنی ذات کے حق میں ملحوظ رکھنے چاہئیں)۔ ب۔ فصل دوم: آداب مریداں۔

- ۴۔ مقام چہارم: در اسباب قرب الہی و ترقی در راں؛ ۱۔ اکتساب طریقت بذریعہ۔ ب۔ عبادت و سلوک و ج۔ صحبت و تاثیر مشائخ (جذب طریقہ)
- ۵۔ مقام خامس۔ در مقامات قرب الہی؛ ۱۔ حقیقت مبادی تعینات (در فلسفہ مجددی)؛ ب۔ سیر الی اللہ؛ ج۔ سیر فی اللہ؛ د۔ ولایت صغریٰ و کبریٰ۔ ۶۔ خاتمہ در سلوک نقشبندیہ مجددیہ۔

اس بحث کا اختتام مولانا روم کے حسب ذیل شعر پر ہوا ہے:

دور شوازا اختلاط یار بد یار بد بدتر بود از مار بد
مار بد تنها ہمیں بر جاں زند یار بد بر جان و بر ایماں زند

ارشاد الطالبین کی خصوصیات

زیر نظر کتاب کو ایک مختصر کتاب ہے، لیکن تصوف و سلوک بالخصوص سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے سلسلے میں ایک نہایت اہم کتاب ہے، اسی بنا پر ڈاکٹر زبید احمد اس کتاب کے متعلق لکھتے ہیں:

The author being a great theologian of his age, this work is also regarded as authentic, and reliable۔۔۔۔

بہر حال ہمارے خیال میں یہ کتاب حسب ذیل خصوصیتوں کی حامل ہے :

۱۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے متصوفانہ عقائد و نظریات کی تشریح :
یوں تو حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خیالات و افکار کی توضیح و تشریح مختلف ارباب علم کرتے آئے ہیں اور ابھی تک یہ سلسلہ جاری ہے، مگر واقعہ یہ ہے کہ حضرت مجددؒ کے فلسفے کو اپنی اصلی و حقیقی شکل و صورت میں بہت کم لوگوں نے سمجھا۔ قاضی صاحبؒ اس فلسفے کے سمجھنے والوں اور اس کی صحیح توضیح و تشریح کرنے والوں میں سرفہرست ہیں۔ قاضی صاحبؒ کی یہ خوش قسمتی ہے، کہ ان کو جن اساتذہ سے پڑھنے کا شرف حاصل ہوا وہ سب (یعنی حضرت منظرؒ، شیخ محمد عابد سنائیؒ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ) اس فلسفے پر مستند حیثیت کے مالک تھے، اس کے علاوہ قاضی صاحبؒ نے حضرت مجددؒ کی کتابوں اور اس سلسلے کے باقی نفوس قدسیہ کی تصانیف سے بھی اپنے علم میں اضافے کا سلسلہ جاری رکھا، یہ اسی کا اثر ہے کہ قاضی صاحبؒ اس فلسفے کی توضیح و تشریح میں دیگر علما میں سب سے آگے ہیں۔

یوں تو قاضی صاحبؒ نے قریب قریب اپنی تمام تصانیف میں حضرت مجددؒ کے افکار کی توضیح کا طریقہ اپنایا ہے، مگر تفسیر منظری، رسالہ احقاق اور زیر نظر کتاب کا درجہ سب سے مقدم ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے شریعت اور طریقت کو باہم ملا کر پیش کیا اور ان میں جاہل صوفیانے جو تفاوت پیدا کر دیا تھا، اسے باطل اور لغو قرار دیا۔ زیر نظر کتاب میں اسی انداز و اسلوب سے تصوف کی عملی اور حقیقی تعبیر پیش کی گئی ہے۔ قاضی مؤلفؒ کا

۲۳۔ The contribution of India to Arabic

حدیث جبرئیلؑ میں مستعمل "احسان" کی اصطلاح کو تصوف کا مصداق قرار دینا اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ ۲۵

حضرت مجددؑ نے اپنے کشف و وجدان سے ولایت صفری و کبریٰ کی جو مبادی تعینات کے حوالے سے، مکتوبات کے مختلف مقامات پر تشریح کی تھی، فاضل مؤلفؒ نے اسے "مقام خامس" میں مربوط علمی طریقے سے بیان کیا ہے۔ ۲۶

تفسیر منظری کی طرح زیر نظر کتاب میں بھی بعض مقامات پر حضرت مجددؑ کی محبت و عقیدت کا پیمانہ چھلکتا ہوا محسوس ہوتا ہے، خاص طور پر مقام خامس میں جہاں حضرت مجددؑ کے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ "مقام خلقت" (مقام ابراہیمی) پر فائز تھے، پھر اس سے ترقی کر کے اصالت کبریٰ یا مقام محبت خالصہ پر فائز کر دیے ہیں۔ ۲۷

ب۔ ذاتی توجیہات۔ مجتہدانہ نقطہ نظر، زیر نظر کتاب میں بھی قاضی صاحبؒ کے "مجتہدانہ اوصاف" نمایاں ہیں۔ چنانچہ اسی بنا پر ہم اس میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کی توجیہات کے پہلو بہ پہلو قاضی صاحبؒ کی ذاتی توجیہات بھی دیکھتے ہیں، جس سے قاضی صاحبؒ کی وسعت علمی اور دقت نظری کا پتا چلتا ہے، چند امثلہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ اپنے شیخ کو دوسرے شیوخ پر تزییح دینا؛ صوفیا کے ہاں اس مسئلے میں خاصا اختلاف رائے پایا جاتا ہے؛ بعض صوفیا مطلقاً اپنے شیخ کی فضیلت کلی کے قائل ہیں، جب کہ بعض اس کے مخالف ہیں؛ قاضی صاحبؒ اس مسئلے میں ذاتی نقطہ نظر یوں بیان فرماتے ہیں:

فقیر کہتا ہے کہ فضیلت دنیاد و قسم کا ہوتا ہے، اولاً اپنے اختیار سے فضیلت دینا، اس صورت میں فضیلت کا مفہوم یہ ہوگا کہ اپنے پیر کو دوسرے پیروں کے مقابلے میں اپنے لیے زیادہ فائدہ مند سمجھنا، اور یہ بات درست ہے؛ دوم بے اختیار جو عام

۲۵ ارشاد الطالبین، ص ۸ - ۲۶ ایضاً، ص ۵۱ تا ۶۳

۲۷ ایضاً، بحمل مذکور۔

طور پر سکر اور فرط جذبات کی بنا پر ہوتا ہے، جس میں سالک معذور ہوتا ہے۔ ان دو صورتوں کے سوا۔ اس قول کے اور کوئی معنی نہیں۔ ۲۸

ب۔ آداب و اخلاق: علیٰ ہذا القیاس مریدین اور مشائخ کے آداب میں متعدد جزئیات ایسی ہیں، جنہیں فاضل مؤلف نے براہ راست قرآن و حدیث سے مستنبط کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان مقامات پر قرآن و حدیث کے علاوہ نیچے کے کسی ماخذ کا ذکر نہیں ملتا۔ ۲۹ اس اخذ و استنباط کے ذریعے قاضی صاحب نے تصوف کو قرآن و حدیث کے قریب تر لانے کی کامیاب اور فکر انگیز علمی کاوش کی ہے۔

ج۔ مختلف سوالوں کے جوابات: قاضی صاحب نے زیر نظر کتاب کی ترتیب و تالیف میں اس امر کا التزام بھی فرمایا ہے کہ دوران بحث جو اشکالات پیدا ہوں انہیں قبل از وقت رفع کر دیا جائے۔ چنانچہ اسی بنا پر ”ارشاد الطالبین“ میں ”سوال و جواب“ کی کثرت نظر آتی ہے، بعض مقامات پر ان کے جواب میں جو علمی و تحقیقی بحث کی گئی ہے، وہ اس کتاب کے شاہکار مقامات میں سے ہے۔

زیر نظر کتاب پر کوئی حاشیہ تو نہیں لکھا گیا، البتہ ابے شیخ الہٰی بخش گنائی نے اردو کے قالب میں ضرور منتقل کر دیا ہے، جسے لاہور سے شائع کیا گیا ہے۔

ازالة العنود في مسألة السماع ووحدة الوجود

یہ رسالہ جو دو چھوٹے چھوٹے رسالوں (بصورت مکتوبات) پر مشتمل ہے تصوف کے دو اہم موضوعات یعنی سماع اور وحدة الوجود سے متعلق ہے۔ یہ دونوں موضوعات اہل تصوف کے ہاں معرکہ الآرا سمجھے جاتے ہیں۔

مسئلہ سماع میں بعض سلاسل تصوف اور علمائے ظواہر کے مابین اختلاف ہے، جب کہ مسئلہ وحدة الوجود ابن عربی اور حضرت مجدد الف ثانی اور ان کے متبعین کے

۲۸ ارشاد الطالبین، ص ۲۶ ۲۹ ایضاً، ص ۲۷-۳۵

۳۰ ایضاً، ص ۱۱-۱۲

کے مابین مختلف فیہ رہا ہے۔ اس اہم اور نازک موضوع پر قلم اٹھانے سے فاضل مولف کی عبقریت علمی کا پوری طرح اظہار ہوتا ہے:

رسالہ بصورت مکتوب بہ مولوی محمد سالار گنگوہی در سماع

یہ رسالہ درحقیقت ایک مکتوب ہے، جو قاضی صاحب نے مولوی محمد سالار گنگوہی کو لکھا تھا لہٰذا اس میں خاص طور پر شاہ عبدالقدوس گنگوہی کے ذکر سے پتا چلتا ہے کہ شاید مکتوب علیہ گنگوہ کے اسی نامور خاندان سے تعلق رکھتا تھا، جس میں حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی گذرے ہیں۔

ابتدائی سطور سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی محمد سالار گنگوہی کا علمائے اس حلقے کے ساتھ تعلق تھا جو از روئے شرع سماع (خصوصاً جو مزامیر کے ساتھ ہو) کو ناجائز اور حرام سمجھتے ہیں۔ چنانچہ قاضی صاحب نے ابتدائی سطور میں ان کے استفتا کا ذکر کیا ہے جو کچھ اس طرح ہے۔

”فضیلت پناہ و کمالات دست گاہ بر خوردار گرامی محمد سالار جعلہ اللہ من الایثار والابرار۔ فقیر محمد ثنا اللہ کی طرف سے سلام سنت الاسلام اور دعائے بر خورداری اور اشتیاق ملاقات کے بعد مطالعہ کریں کہ تمہارا خط بھت نمط جو فصیح عربی عبارت میں لکھا گیا تھا پہنچا۔۔۔ تم نے راگ کے متعلق لکھا تھا کہ اس زمانے میں بہت سے لوگ مزامیر (ساز) کے ساتھ راگ سن کر وجد کرتے ہیں اور وجد کرنے والے حق حق کے نعرے لگاتے ہیں، اس میں شک نہیں کہ راگ مطلقاً حرام ہے، خصوصاً یہ راگ جو مزامیر کے ساتھ ہو قطعی حرام ہے، اس کو حلال ماننے والا اور اس بات سے انکار کرنے والا کافر ہو جاتا ہے اور جب ایسے مقام پر اللہ کا نام لیا جائے تو یہ لازمی امر ہے کہ اس کا نتیجہ کفر ہو۔ چنانچہ حاوی قدسی نے بیان کیا ہے“ ۳۲

۳۱ رسالہ ازالۃ العنود، مطبوعہ لاہور ۱۳۲۸ھ، ص ۳۔

۳۲ ایضاً، ص ۱۔

اس تمہید (استفتاء) کے بعد فاضل مؤلف نے تفصیل کے ساتھ زیر بحث مسئلے (مزامیر کے ساتھ سماع) کے موافق و مخالف دونوں پہلوؤں کا تجزیہ کیا ہے۔ قاضی صاحبؒ مولوی محمد سالار کے استفتا کے آخری حصے یعنی "حلت سماع" کے قائلین کو کافر قرار دینے سے اپنی بحث کا آغاز کرتے ہیں اور واضح کرتے ہیں کہ اہل اسلام کی تکفیر میں جلد بازی کا مظاہرہ نہ کرنا چاہیے، خاص طور پر ایسی صورت میں جب کہ اس کی براہ راست زد اسلاف پر بھی پڑتی ہیں۔ مثلاً زیر بحث مسئلے میں شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ بھی حلت سماع کے قائل تھے، کیا ان کے متعلق اس قسم کا خیال دل میں آسکتا ہے؟۔ بعد ازاں متعدد احادیث کے ذریعے کسی مسلمان کو کافر قرار دینے کی حرمت بیان کی گئی ہے۔^{۳۳}

ان ابتدائی سطور کے بعد اب اصل مسئلے پر اپنی مدلل بحث کا آغاز کرتے ہوئے یہ واضح کرتے ہیں کہ زیر بحث مسئلے میں موافق و مخالف دونوں کے دلائل پائے جلتے ہیں قائلین حرمت کے پاس حرمت و ممانعت کی دلیل ایک قرآنی آیت اور تقریباً چھ احادیث پر مشتمل ہے، فاضل مؤلف ان حرمت کی دلیلوں کے متعلق عبدالرحیم عراقی صاحب تخریج احادیث احياء العلوم (غزالی) کے حوالے سے یہ تنقید نقل کرتے ہیں کہ اس نوع کی اکثر روایتیں ضعیف ہیں۔ دوسری طرف راگ اور سماع کی حلت و اباحت کی حمایت میں بھی متعدد احادیث پائی جاتی ہیں، چنانچہ قاضی صاحب نے اس عنوان پر تقریباً دو روایات نقل کی ہیں، جو اول الذکر روایات کی نسبت زیادہ ثقہ ہیں، ان میں کچھ روایات بخاری و مسلم کی روایت کردہ بھی ہیں۔^{۳۴}

فقہی نقطہ نظر

یہاں تک تو بحث قرآن و حدیث کے حوالے سے تھی، آئندہ حصے میں اسی عنوان پر فقہی آرا بیان کی گئی ہیں۔ فاضل مؤلف رقم طراز ہیں کہ چونکہ مذکورہ بالا روایات میں حرمت و اباحت کے آثار متعارض ہیں، اور چونکہ حنفی اصول فقہ میں ایسے مواقع پر حرمت کو ترجیح دی جاتی ہے، اسی بنا پر امام ابوحنیفہؒ نے تو اس کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے، جب کہ امام

شافعی رحمہ نے محولہ بالا محرم روایات کو ایسے گانے بجانے پر محمول کیا ہے جو محض کھیل اور دل لگی کے طور پر ہو، البتہ جو گانا بجانا کسی غرض پر مبنی ہو، مثلاً نکاح کے اعلان وغیرہ پر، تو وہ اسے مباح سمجھتے ہیں، اباحت کی ایک روایت ہدایہ میں بھی مذکور ہے، آگے چل کر شوافع نے اس مسئلے میں مزید توسع پیدا کی، چنانچہ امام غزالی نے بیاہ شادی کے علاوہ، عید، کسی بچھڑے ہوئے کی آمد، ولیمہ، بچے کی ولادت، عقیقہ اور ختنہ وغیرہ کے موقع پر اس کی اباحت بیان کی ہے، — اس کے تتبع میں خزانہ اور کاف، اور امتناع وغیرہ میں یہ صراحت کی گئی ہے کہ جو گانا بجانا شہوانی جذبات کے تحت ہو وہ تو حرام ہے، البتہ جس سے دل میں نرمی اور رقت پیدا ہو، اور اسی طرح شاہ بیاہ، ولیمہ اور غازیوں اور قافلے کی روانگی کے وقت کا گانا بجانا احناف کے نزدیک بھی حرام نہیں ہے۔^{۳۵}

متصوفانہ نقطہ نظر

آخر میں متصوفانہ نقطہ نگاہ کی وضاحت یا تیان سلاسل تصوف کے حوالے سے کی گئی ہے؛ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی فرماتے ہیں کہ "سمع اللہ تعالیٰ کی رحمت کو کھینچنے کا ذریعہ ہے" جب کہ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند کا قول ہے کہ میں نہ انکار کرتا ہوں اور نہ اقرار۔ ان کا یہ قول ان کی وسعت علمی اور کمال اتباع نبوی کی دلیل ہے۔^{۳۶} اس تمام بحث سے فاضل مؤلف نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ "قرآن، حدیث، فقہ اور تصوف" کی روشنی میں گانے بجانے کی مکمل طور پر حرمت ثابت ہی نہیں ہوتی، چہ جائیکہ اس پر قطعیت حرمت کا اطلاق کیا جائے، اس بنا پر اس کے جواز کے قائلین کی تکفیر میں احتیاط کرنی چاہیے۔ اس بحث میں چونکہ ضمنی طور پر سماع کی حلت بھی زیر بحث آئی ہے، اس لیے اس کے جواز پر خود ہی ایک اشکال پیش کر کے اس کا جواب دیا گیا ہے، سوال یہ ہے کہ علماء نے سماع کی صرف اس کے اہل افراد کو اجازت دی ہے، جب کہ اس زمانے میں اس کا کوئی اہل نہیں؟ فاضل مؤلف بتاتے ہیں، فی الحقیقت سماع کرنے والوں کی تین اقسام ہیں:

ایک وہ جن کے دل میں درد الہی پیدا ہو کر انھیں بے خود کر دیتا ہے۔ یہ لوگ سماع پر مجبور ہوتے ہیں، دوسری قسم ان افراد کی ہے جو اعلیٰ حالات حاصل کرنے کے لیے سماع کرتے ہیں۔ ان کو بھی اجازت ہے، تیسری قسم ریاکاروں کی ہے، ان کے لیے سماع بلاشبہ ناجائز ہے، لیکن مسلمان کو دوسروں کے متعلق محسن نظر سے کام لینا چاہیے۔^{۳۷}

خصوصیات

کئے کو تو یہ ایک چھوٹا رسالہ ہے، لیکن درحقیقت یہ رسالہ زیر بحث مسئلے پر نہایت تحقیقی مقالہ ہے جس میں قرآن، حدیث، فقہ اور تصوف تینوں پر نظر ڈالنے کے بعد رائے قائم کی گئی ہے، یہ رائے، جو فاضل مؤلف کے مجتہدانہ فکر و نظر کی ایک نہایت عمدہ دلیل ہے، احادیث، مقالات فقہاء اور اقوال صوفیاء کو باہم جمع کرنے پر مبنی ہے، اس رائے کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

اول اس مقالے میں فاضل مؤلف نے سب سے پہلے اس بے احتیاطی کی اصلاح کی ہے جو کسی مسلمان کو کافر قرار دینے کے سلسلے میں طبقہ علمائے پائی جاتی ہے۔ انھوں نے واضح کیا ہے کہ اگر کسی تاویل سے کسی مسلمان کا مسلمان رہنا ثابت کیا جاسکتا ہو تو اس تاویل کو اختیار کرنا چاہیے۔ مسلمان کو کافر کہنے کے بارے میں بہر حال سخت حزم و احتیاط کی ضرورت ہے۔

فاضل مؤلف کا یہ مسلک پوری طرح قدامت کے مسلک سے ہم آہنگ ہے، جب کہ متاخرین اکثر بے احتیاطی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ کے متعلق مشہور ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ اگر کسی شخص میں سو میں سے ایک وجہ اسلام کی پائی جائے تو اسے مسلمان سمجھنا چاہیے۔ سرخیل اشاعرہ امام ابو الحسن علی اشعری نے اپنی کتاب مقالات الاسلامیین میں تمام گمراہ فرقوں پر اسلام کا اطلاق کیا ہے۔^{۳۸}

^{۳۷} ازالۃ العنود، ص ۱۴-۱۶

^{۳۸} دیکھیے مقالات الاسلامیین، طبع Ritter، استانبول، ص ۱۹۲۹، ص ۲-

چنانچہ قاضی صاحب بھی اسی احتیاط پسندی کی تاکید کرتے ہیں۔

دوسرا زیر بحث مسئلہ سماع کا ہے۔ اگرچہ قاضی صاحب خود سماع کے حق میں نہ تھے، اور نہ ان کے پیرو مرشد سماع کے قائل تھے۔ سماع زیادہ تر سلسلہ چشتیہ میں مقبول رہا ہے لہذا یہ مسئلہ گو قاضی صاحب کی خانقاہ مجددیہ کا نہیں تھا، بلکہ دوسرے حلقہ تصوف اور اور صوفیاء سے متعلق تھا، لیکن قاضی صاحب نے اس مسئلے پر عام علما سے ہٹ کر نظر ڈالی۔ بے شک وہ خود بھی حنفی تھے اور حنفی مسلک کو دوسرے مسالک پر ترجیح دیتے تھے۔ مگر انھوں نے زیر بحث مسئلے میں جواز سماع کی بعض صورتوں کے حق میں علمائے شوافع کے مطابق فتویٰ دیا۔ یعنی سماع محدود صورتوں میں جائز ہے اور نیز یہ کہ اس کی اجازت ہر دور کے صوفیاء کے حق میں نکلتی ہے۔ قاضی صاحب کا یہ مسلک وسعت مشربی اور مجتہدانہ انداز کا مظہر ہے۔

قاضی صاحب نے زیر نظر مختصر سے رسالے میں قرآن حکیم، احادیث مبارکہ، کتب فقہ اور کتب تصوف سے استفادہ کیا ہے۔ کتب حدیث میں سے صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، سنن نسائی، البیہقی کی شعب الایمان و دلائل النبوة، الطبرانی کی معجم الاوسط، ابن جبان کی مستند اور عبدالرحیم عراقی کی تخریج احادیث احوال العلوم اور خود احوال العلوم الغزالی وغیرہ شامل ہیں۔

کتب فقہ میں المرغنیانی کی ہدایہ کے علاوہ (طاہر بن احمد البخاری، السخری کی خزائن الفتاویٰ) اور (انہی کی) کافی، امتناع، القدسی کی حاوی اور امام شافعی (کی غالباً ام) کا حوالہ دیا گیا ہے۔

کتب تصوف میں سے صرف ایک کتاب یعنی عوارف المعارف کا حوالہ دیا گیا ہے، جب کہ اشعار کے لیے رومی و سعدی سے استفادہ کیا گیا ہے۔

سماع کی یہ بحث تفسیر منظہری میں بھی کی گئی ہے، وہاں یہ بحث غالباً زیر نظر رسالے سے متاخر ہے، اسی بنا پر اس بحث میں بالخصوص کتب فقہ کے زیادہ حوالے آئے ہیں۔

زیر نظر رسالے کے ایک ہی مخطوطے کا پتہ چل سکا ہے جو مولانا ابوالحسن زید -
دہلی کی ملکیت ہے۔

رسالہ وحدۃ الوجود: اس مجموعے (ازالۃ العنود) میں دوسرا رسالہ "وحدت الوجود"
کے عنوان سے شامل ہے۔ سابقہ رسالے کی طرح یہ رسالہ بھی درحقیقت (غالباً مولوی محمد
سالار - مذکور کے) مکتوب ہی کے جواب میں ہے کیونکہ اس کی ابتدا میں حسب ذیل طریقے
سے سوال نقل کیا گیا ہے:

"تم نے لکھا تھا کہ وہ لوگ یعنی صوفیہ کہتے ہیں کہ اللہ کی ذات وجود مطلق ہے جو
لا بشرطی^۱ ماخوذ ہے، وہ اس کے ہر شی^۲ پر محیط ہونے کے قائل ہیں... تم نے کہا تھا
کہ یہ قول اہل حق کے عقیدے کے مخالف ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی شی میں حلول نہیں کرتا
نہ وہ کسی سے متحد ہوتا ہے۔"

فاضل مؤلف نے زیر بحث رسالے میں وحدۃ الوجود کے سلسلے میں تین اہم پہلوؤں
پر بحث فرمائی ہے؛ پہلا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو صوفیا کا وجود "لابشرطی" کتنا کیسا ہے
دوسرے حصے میں ابن العربی کے فلسفہ وحدت الوجود کے بعض مضمرات کو زیر بحث لایا گیا
ہے اور سب سے آخر میں اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق سے عینیت یا غیریت پر گفتگو کی گئی
ہے۔

ان تینوں حصوں میں قاضی صاحب کا انداز گفتگو مدافعانہ ہے، وہ خود تو اگرچہ
حضرت مجدد الف ثانی کی اتباع میں فلسفہ وحدت الوجود کے قائل نہ تھے، بلکہ اس
کے بجائے "شہودی" فلسفے پر یقین رکھتے تھے، بنا بریں اپنے مسلک کے مطابق اس سوال
کا جواب دینا کوئی ضروری نہیں۔ مگر ایسی صورت میں تصوف کے دوسرے مسلک کے
مستقل شکوک و شبہات پیدا ہو سکتے تھے۔ اس کے بجائے قاضی صاحب نے ابن
عربی سے اختلاف کے باوجود اس کے مسلک کا دفاع کیا، جو فاضل مؤلف کے وسعت

۱۴۰ تشریحات، مکاتیب مظہر (قریشی) ص ۲۳۲

۱۴۱ دیکھیے ازالۃ العنود، ص ۱۶۔ ۱۴۲ ایضاً، ص ۱۶ تا ۱۹۔

مشرقی کا بہت بڑا ثبوت ہے۔ فاضل مؤلف کا ابن العربی کے متعلق یہ رویہ حضرت مجدد کے کشف و الہام کے عین مطابق ہے، کیونکہ حضرت مجددؒ بھی ان کے فلسفے کے شدید مخالف ہونے کے باوجود ابن عربی کے بلند روحانی مرتبے کے معترف تھے۔

فاضل مؤلفؒ اس رسالے (مکتوب) میں سائل کی اس غلط فہمی کا ازالہ فرماتے ہیں جو اسے مسئلہ "وحدۃ الوجود" کے سمجھنے میں پیش آئی ہے۔ قاضی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے لیے لفظ وجود سے مراد اس کے مصدری معنی (موجود ہونا) نہیں، بلکہ مابہ الوجودیت ہے اور چونکہ مابہ الوجودیت کے اعتبار سے ممکن اور واجب الوجود میں فرق پایا جاتا ہے، لہذا سائل نے جو اشکال پیش کیے وہ باطل ہیں۔

اس رسالے میں اللہ تعالیٰ کے "اپنی مخلوق کے ساتھ عین ہوتے" کے سوال پر بھی بحث کی گئی ہے، قاضی صاحب سائل کی غلط فہمی کا ازالہ کرتے ہوئے ابن العربیؒ کے اس قول سے استشہاد کرتے ہیں:

"العالم ما شئت رائحة الوجود"

(کائنات نے ابھی وجود کی بو تک نہیں سونگھی)

اس بحث کے دوران فاضل مؤلفؒ مختلف تمثیلات کے ذریعے اس مضمون کو ثابت کرتے ہیں، بعد ازاں یہ واضح فرماتے ہیں کہ جس کو اس فلسفے کی سمجھ نہ آئے اسے اس قسم کے تشابہات میں سکوت اختیار کرنا چاہیے۔

مجموعی طور پر فلسفہ وحدت الوجود کے متعلق ایجابی پہلو سے یہ ایک مفید تحریر ہے اور یقیناً اس فلسفے کی حمایت میں اس کی کافی اہمیت ہے۔ فاضل مؤلفؒ کے مسئلہ "وحدت الوجود" کے متعلق یہ خیالات، ان تصریحات کے برعکس ہیں جو انہوں نے اپنی دیگر کتب مثلاً تفسیر منظری، رسالہ احقاق اور اپنے مکتوبات وغیرہ میں فرمائی ہیں، جہاں مسئلہ وحدت الوجود میں ابن عربی کی مخالفت اور حضرت مجدد الف ثانی کی حمایت و تائید کی گئی ہے۔

کیفیت مراقبہ و اذکار شریفہ

یہ ایک چھوٹا سا رسالہ ہے جس میں سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں دیے گئے مراقبے اور اذکار شریفہ کے طریقوں اور کیفیات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کا واحد قلمی نسخہ مولانا ابوالحسن زید کے پاس دہلی میں موجود ہے۔^{۲۳} اس رسالے میں قاضی صاحب نے سالک کی مختلف کیفیات، مثلاً سیر مریدی، سیر مرادی، در۲ الورا۲، حجابات نوری، ظلمات، صفاتی، شیونی، مراتب خیر، اندراج النہایہ فی البدایہ وغیرہ پر بحث کی ہے۔ یہ رسالہ بھی اوراد و وظائف سے متعلق ہے۔

تفسیر پنج آیت از اول سورۃ بقرہ بطریقہ صوفیہ صافیہ در کمالات قرہائے مرصیہ:
یہ سورۃ البقرہ کی ابتدائی پانچ آیات (تا المفلحون) کی متصوفانہ توضیح و تفسیر پر مشتمل ایک رسالہ ہے، اس کا قلمی نسخہ بھی دہلی میں ہے۔^{۲۴}

الفوائد السبعہ

اسی موضوع پر قاضی صاحب کی یہ پانچویں کتاب (یا رسالہ) ہے جس میں تصوف کے نقطہ نظر سے بعض مباحث رقم کیے گئے ہیں، اس کا قلمی نسخہ بھی دہلی میں مولانا زید کی تحویل میں ہے۔^{۲۵} اس رسالے میں قاضی صاحب نے کلمہ طیبہ کی صوفیانہ انداز میں تشریح کی ہے جو قاضی صاحب کے علو مرتبت کی دلیل ہے۔

حکم سرود و مزامیر

یہ رسالہ بھی قاضی صاحب کی تصوف کے موضوع پر اہم تصانیف میں سے ہے،

^{۲۳} عبدالرزاق قریشی، تشریحات، ص ۲۳۲، عدد ۱۸، ۱۹ اور ۱۔ ^{۲۴} ایضاً

^{۲۵} تشریحات مکاتیب مرزا مظہر، ص ۲۳۲، عدد ۱۲

اس میں بھی سرود اور مزامیر کے موضوع پر مدلل اور مفصل بحث کی گئی ہے۔ اس رسالے میں قاضی صاحب نے بیان فرمایا ہے کہ جو چیز انسان کو فرائض اور واجبات سے باز رکھتی ہے وہ مکروہ اور حرام ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ کہا ہے کہ اگر کوئی شخص درویشوں کو حالتِ سماع میں دیکھے تو ان کے بارے میں حسن ظن سے کام لے، کیونکہ ہمارا مذہب ہمیں دوسرے افراد کے متعلق حسن ظن سے کام لینے کی ہدایت کرتا ہے۔ رسالے کے آخر میں نقشبندیوں کا مسلک بیان کیا گیا ہے جو سرود و سماع کو جائز نہیں قرار دیتے۔ یہ رسالہ ابھی تک قلمی صورت میں ہے۔

کتاب علم الاخلاق

حقیقت الاسلام (مطبوعہ و قلمی)

زیر نظر کتاب "اخلاق و معاشرت" کی ایک شاخ "حقوق العباد" و "حقوق اللہ" سے متعلق ہے، اسلام میں علم اخلاق اور تدبیر منزل^۱ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام ایک مکمل دینی، سماجی اور معاشرتی اقدار کا حامل مذہب ہے، اسی بنا پر اس میں جہاں ایک طرف "عبادت و عبودیت" کے احکام ملتے ہیں، وہاں انسانوں کی باہمی معاشرت اور اخلاق کے اعلیٰ اصولوں کی تعلیم بھی دی گئی ہے۔

اسلام میں "اخلاق" و تدبیر منزل کی، اہمیت کا اس سے مزید اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ قرآن حکیم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا جو وصف بیان کیا گیا ہے، وہ آپ کا "خلق عظیم" ہے۔ (القلم، ۴) علاوہ ازیں قرآن حکیم میں اسلام کی مہتم بالشان کامیابی اور نشر و اشاعت کو شمشیر و سناں کے بجائے "آپ کے مزاج کی نرمی اور مہر و شفقت" پر مبنی قرار دیا گیا ہے۔ (آل عمران: ۱۸۹) سب سے بڑھ کر یہ کہ آنحضرت تکمیل اخلاق کو اپنا مقصد بعثت بیان فرمایا کرتے تھے:

بُعِثْتُ لِأَتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ ۝ ۱۷

(مجھے اس لیے بھیجا گیا ہے کہ میں اخلاقِ حسنہ کی تکمیل کروں)

۱۔ حکمائے یونان نے حکمت عملی کی تین اقسام بیان کی ہیں (۱) تہذیب الاخلاق؛ (۲) تدبیر منزل، سیاست مدن یا علم الیاسات (دیکھیے التعماری، کشاف اصطلاحات الفنون، ج ۱، بحث علوم)۔ ہمارے خیال میں زیر نظر کتاب حکمت عملی کی دونوں اولین اقسام کو محیط ہے۔

بتابریں یہ سمجھنا کچھ مشکل نہیں کہ اسلامی اخلاق و معاشرت پر سب سے پہلی کتاب قرآن مجید اور اس کے بعد کتب حدیث ہیں، تاہم ان میں چونکہ اخلاق و معاشرت کا موضوع دیگر موضوعات کے ساتھ "ملا جلا" ہے، اس لیے یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ اسلامی اخلاق پر پہلی باقاعدہ کون سی کتاب تصنیف ہوئی۔ بعض مستشرقین، بالخصوص ڈانلڈ سن وغیرہ نے ایک عیسائی عالم بھئی بن عدی (م ۳۶۴ھ / ۹۷۴ء) کی کتاب "تمذیب الاخلاق" کو اولین کتاب قرار دیا ہے، جو درست نہیں، اس لیے کہ اس سے پہلے بھی متعدد کتب موجود تھیں۔

اسلامی تاریخ میں اس عنوان پر جو لازوال علمی شہرت کی حامل تصانیف لکھی گئی ہیں۔ ان میں ابن مسکویہ (م ۴۲۱ھ / ۱۰۳۰ء) کی "تمذیب الاخلاق" امام الغزالی (م ۵۰۵ھ / ۱۱۱۱ء) کی ایجاب علوم الدین اور کیمیائے سعادت، محقق نصیر الدین الطوسی (م ۶۷۲ھ / ۱۲۷۴ء) کی اخلاق ناصری اور محقق الدوانی (م ۹۰۸ھ / ۱۵۰۲ء) کی اخلاق جلالی کو نمایاں اہمیت حاصل ہے، متاخر زمانے میں شاہ ولی اللہ نے بھی اپنی کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" وغیرہ میں اس موضوع پر قلم اٹھایا۔

حقیقت الاسلام کی موضوعی اہمیت

اخلاق کی جس شاخ پر حقیقت الاسلام میں قلم اٹھایا گیا ہے، اسے اخلاق و تدبیر منزل میں بنیادی اہمیت حاصل رہی ہے، چنانچہ ہر دور میں ائمہ کرام نے (مثلاً امام ابوالحسن الاشعری نے الابانۃ عن اصول الدیانۃ میں، امام غزالی نے ایجاب العلوم میں اور ابن قیم نے احکام اہل الذمہ میں) اس عنوان پر روشنی ڈالی۔ اس کے علاوہ حدیث و فقہ کی بہت سی کتابوں میں اس موضوع پر جزوی مباحث ملتے ہیں۔ یائیں ہمہ اس موضوع پر مستقل تصانیف کی تعداد کچھ زیادہ نہیں ہے؛ حاجی خلیفہ کی تصریح کے مطابق اس عنوان پر

۳۵ ڈانلڈ سن کی کتاب Studies in Muslim Ethics لندن ۱۹۵۳ء

۳۶ سید عبداللہ: مقالہ علم الاخلاق، بذیل مادہ علم۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ،

د قاضی صاحب کے علاوہ) امام عبدالوہاب شمرانی (م ۱۹۶۰ء/ ۱۳۸۰ھ) نے "حقوق اخوة الاسلام" کے عنوان سے کتاب لکھی تھی یہ

نام اور وجہ تسمیہ

زیر نظر کتاب "اسلام کے عطا کردہ حقوق و فرائض" کے بار میں ہیں، مگر قاضی صاحب نے اس کا نام "حقیقت الاسلام" اس لیے تجویز فرمایا کہ بقول ان کے اسلام "حقوق و فرائض" سے عبارت ہے، فرماتے ہیں:

اسلام کامل عبارت ہے، ہر صاحب حق کو اس کا حق ادا کر دینے سے۔
فاضل مؤلف کا اس تصنیف کو اس نام سے موسوم کرنا "دور جدید کے تقاضوں" کے عین مطابق ہے، کیونکہ عصر حاضر کے مطالعہ جدید میں اسلام کے نظام حقوق و فرائض کو بڑی اہمیت دی جا رہی ہے یہ

مخطوطات

اس کے مخطوطات حسب ذیل ہیں:

(۱) مخطوطہ کتاب خانہ دانش گاہ پنجاب، در مجموعہ شیرانی یکہ

۵۵ کشف الظنون، ۲: ۶۷۳ -

۵۶ عصر حاضر میں اس موضوع کے لیے دیکھیے محمد یوسف موسیٰ کی احکام الاحوال

الشخصیہ، قاہرہ؛ (۲) عبداللطیف کی "اسلام میں معاشرت کا تصور، ترجمہ

مصلح الدین صدیقی - حیدر آباد دکن، سید سلیمان ندوی کی سیرۃ النبی،

۲: ۲۸۰ تا ۴۰۰ نیز الغزالی، احیاء علوم الدین - ۲: ۳۱۲

بذیل حق آدمی و حق اللہ۔

۵۷ مخطوطات مجموعہ شیرانی، مرتبہ ڈاکٹر بشیر حسین، عدد ۶۳۵ (کال نمبر

۱/۱۳۰۴/۵۲۳۵۶)

(ب) مخطوطہ مملوکہ مولانا ابوالحسن زید - دہلی شہ

(ج) مخطوطہ مملوکہ مولانا ایف اللہ عثمانی سرگودھا -

راقم کو مؤخر الذکر مخطوطہ نہ صرف یہ دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی، بلکہ مولانا عثمانی کی وساطت سے اس کی ایک عدد فوٹو کاپی حاصل کرنے میں بھی کامیابی ہوئی، اس کاپی کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ حقیقت الاسلام کا یہ نسخہ مولانا عثمانی کے ایک جد امجد محمد لیس کے زیر مطالعہ اور زیر استعمال رہ چکا ہے۔ اس کے اختتامی ورق (۱۳۳) پر ان کے دستخطوں کے علاوہ کاتب نسخہ "مبارک علی کی حسب ذیل تحریر بھی نظر آتی ہے:

"نقل کتاب حضرت مولوی ثناء اللہ صاحب نقشبندی قاضی پانی پت تحریر یافت تمت تمام شد این از دست عاصی پر تقصیر مبارک علی۔ ۱۹۰۹"

یہ قلمی نسخہ ساڑھے ۳۵ اوراق (۱۱ صفحات) پر مشتمل ہے، ورق شماری مسلسل ہے، مگر دو اوراق یعنی ورق ۱۳ اور ورق ۱۴ کے بعد ایک ایک ورق نمبر شمار کے بغیر شامل ہیں۔ ہر صفحے کا سائز چھوٹا یعنی تقریباً ۹ x ۶ ہے، ہر صفحے پر باریک قلم کی ۱۵ سطریں ہیں، کتابت عامیانه سی ہے، کاتب خط نسخ سے نابلد ہے، اسی لیے اس نے عربی عبارتوں کو بھی خط نستعلیق میں تحریر کیا ہے۔

طباعتیں

یہ کتاب متعدد بار شائع ہو چکی ہے، چنانچہ پہلی بار اسے مطبع امید لاہور سے تاریخ طبع نامعلوم) شائع کیا گیا، بعد ازاں اسی نسخے کی عکسی نقل سے مکتبہ المنیر لاہور نے ۱۳۹۶ھ / ۱۹۷۶ء میں اسے طبع کیا، مگر دونوں طباعتوں میں پروف ریڈنگ ٹھیک طرح نہ ہونے کے باعث کتابت کی متعدد غلطیاں رہ گئیں، جس کی بنا پر اس کے تراجم کی صحت بھی مشکوک ہو گئی ہے۔ اسی بنا پر ہم اپنے اس مقالے میں حقیقت الاسلام

۵۷ عبدالرزاق قریشی، تشریحات مکاتیب، ص ۲۳۱

۵۸ حقیقت الاسلام، قلمی، ورق ۱۳۳۔

کے قلمی نسخے سے یہ معلومات حاصل کرنے پر مجبور ہوئے ہیں۔

مآخذ

اس کے مآخذ قرآن حکیم، مصادح حدیث، کتب فقہ، کتب علم الکلام، کتب تاریخ و سیر اور کتب ترغیب و ترہیب ہیں۔

قاضی صاحب نے اس کتاب میں زیادہ تر کتب احادیث کو پیش نظر رکھا ہے اور اس میں بخاری، مسلم، جامع ترمذی و سنن ابی داؤد، ابن ماجہ دارمی، معجم الطبرانی، مستدرک حاکم، مسند احمد بن حنبل، سنن بیہقی، شعب الایمان (للبیہقی) شرح السنۃ للبقوی، معجم ابن عدی، مسند بزار احمد سند ابی یعلیٰ وغیرہ کے بکثرت حوالے ملتے ہیں۔ کتب فقہ میں سے فقط ہدایہ للمرغینانی کا ذکر آتا ہے۔

کتب علم الکلام میں سے (تاویلات اہل السنۃ یا تاویلات القرآن) المنصور ماتریدی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

کتب تاریخ و سیر میں سے تاریخ دمشق لابن عساکر اور حلیہ لابن نعیم کے حوالے دیے گئے ہیں۔

ترغیب و ترہیب کی کتابوں سے الترغیب والترہیب للاصفہانی اور الترغیب والترہیب للمناد وغیرہ سے استفادہ کیا گیا ہے۔ یہ وہ مصادر ہیں، جن کا فاضل مؤلف نے متن کتاب میں تذکرہ کیا ہے، ان کے علاوہ دیگر کتابوں کا بھی یقیناً مطالعہ کیا ہوگا۔

مضامین و محتویات

پوری کتاب سات اقسام حقوق پر مشتمل ہے، ہر قسم میں متعدد فصول ہیں، قسم اول حقوق اللہ؛ اس قسم کی فصل اول میں فاضل مؤلف نے اللہ تعالیٰ کے انسانوں پر حقوق و فرائض کا تذکرہ کیا ہے، اس میں خاص طور سے حقوق الہی کے دو نکتوں "یعنی شکر و رضا برضائے الہی پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ اس کی فصل دوم میں انبیاء کے،

فصل سوم میں صحابہ اور اہل بیت النبیؐ کے اور فصل چہارم میں علما، محدثین، فقہا اور مجتہدین، اساتذہ علوم ظاہر اور پیرانِ طریقت کے حقوق پر بحث کی گئی ہے، فاضل مؤلف نے ان سب کے حقوق کی ادائیگی کو حقوق اللہ میں سے شمار کرتے ہیں۔

قسم دوم میں ان لوگوں کے حقوق کا ذکر ہے، جن کے حقوق سے من جملہ حقوق اللہ کا تعلق ہے۔ اس قسم کی فصل اول میں والدین، فصل دوم میں اقربا (برادران و خواہران و اولاد، اعمام اور عمات وغیرہ) اور فصل سوم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے قرابت داروں (صحابہ و اہل بیت)، نیز اساتذہ و مشائخ طریقت کے حقوق کا تذکرہ کیا گیا ہے، اس سے اگلی فصل حقوق رضاعت کے بیان کے لیے مخصوص ہے۔

قسم ثالث: ارباب سطوت و قدرت کے حقوق پر مشتمل ہے۔ اس قسم کی فصل اول میں سلطان، امیر لشکر، اور امیر شہر کی اطاعت پر زور دیا گیا ہے، فصل دوم میں قاضی عادل کے فیصلوں کو تسلیم کرنے اور فصل سوم میں شوہر کے اور فصل چہارم میں آقا کے حقوق کا ذکر ہے۔

قسم رابع ماتحتوں کے حقوق سے متعلق ہے۔ اس قسم کی فصل اول میں سلطان (حکومت) پر رعایا کے حقوق کا، فصل دوم میں عدلیہ پر عوام کے حقوق کا، فصل سوم میں خاوند پر بیوی کے، فصل چہارم میں والدین پر اولاد کے، فصل پنجم میں مملوکوں اور خدمت گاروں کے اور فصل ششم میں انسانوں پر جانوروں کے حقوق پر بحث کی گئی ہے۔

قسم خامس: حقوق ہمسائیگی و مصاحبت کے بارے میں ہے۔ اس میں اگرچہ کوئی فصل نہیں ہے، مگر قاضی صاحب نے اس بحث کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ حصہ اول میں حقوق الجوار (ہمسائیگی کے حقوق) کا اور حصہ دوم میں حقوق مصاحبت (اہم نشینوں) کے حقوق کا تذکرہ کیا گیا ہے؛ اس بحث کے اختتام پر فاضل مؤلف تیسری مرتبہ صحابہؓ کے حقوق کا ذکر فرماتے ہیں، وہ اس طرح کہ اسلام نے ہمسائیگی اور مصاحبت تک کے حقوق بیان کر دیے ہیں، تو حضورؐ کے ساتھیوں (صحابہ کرامؓ) کے کس قدر حقوق ہوں گے، اس کا خود اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

قسم سادس، عام مسلمانوں کے حقوق پر محیط ہے۔ اس قسم کی فصل اول میں محتاج اور ضرورت مند مسلمانوں (مثلاً کمزور، مسکین اور یتیم بچوں وغیرہ) کے حقوق پر اور اس کے دوسرے حصے میں عام مسلمانوں کے حقوق و مراعات پر گفتگو کی گئی ہے، اس بحث میں اجمالاً قرآن و حدیث میں بیان کردہ مسلمانوں کے باہمی حقوق کو یک جا کر دیا گیا ہے۔

قسم سابع، خود پر عاید کردہ حقوق سے متعلق ہے۔ اس عنوان کے تحت ایسے حقوق کا تذکرہ کیا گیا ہے، جو بندہ از خود اپنے اوپر مقرر کر لیتا ہے، مثلاً مانی ہونے نذر (فصل اول)، کسی امر مباح کی بنا پر کوئی واجب توڑا گیا ہو، مثلاً مہمان کی عزت افزائی کے لیے افطار سوم (فصل دوم)، اس کی ادائیگی بھی ضروری ہوتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس مواعید (فصل سوم)، معاملات بیع و شراہ (مثلاً قرض، اجارہ، استجارہ وغیرہ فصل چہارم)، بالمخصوص ادائیگی قرض (فصل پنجم) وغیرہ کے ضروری ہونے کی تاکید کی گئی ہے۔ اس طرح کسی غلط اقدام (مثلاً قتل، اتلاف عضو) کی بنا پر واجب ہونے والے حقوق قصاص بھی اسی زمرے میں آتے ہیں؛ بعد ازاں ذمیوں کے حقوق پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اختتامی کلمات میں قاضی صاحب نے اخلاق حسنہ کی اہمیت و فضیلت پر قرآن و حدیث کے نقطہ نگاہ سے بحث فرمائی ہے اور واضح کیا ہے کہ تکمیل اخلاق حضورؐ کی بعثت کا ہدف ہے۔ بعد ازاں درود و سلام سے پہلے اس شجر پر کتاب کا اختتام ہوا ہے۔
 دادیم ترا ز گنج مقصود نشان ما
 زمانہ رسیدم تو شاید برسی

حقیقت الاسلام کی خصوصیت

حقیقت الاسلام کا موضوع اگرچہ خاصا پُرانا ہے اور مختلف اہل علم اس پر داد و تحقیق دے چکے ہیں، لیکن اکثر ان کے ذکر کی حیثیت ضمنی اور تبعی ہوتی ہے۔ قدیم زمانے میں بقول حاجی خلیفہ اس موضوع پر مستقل کتاب ایک ہی (حقوق اخوة الاسلام) لکھی گئی پہلے جو مؤلف کے پاس نہیں ہوگی۔ زیر نظر کتاب کے مضامین کی ترتیب اور محتویات میں یہ

وسعت و تنوع یقیناً فاضل مؤلف کے تخلیقی ذہن کا غماز ہے، بنا بریں، عالم اسلام میں نہ سہی، ہندوستان کی سطح پر اپنے موضوع اور مضامین کے لحاظ سے اس کو اولین تصنیف قرار دیا جاسکتا ہے۔

قاضی صاحب نے اس کتاب میں حقوق کے عامیانه تصور کے بجائے، ان میں اتنی گہرائی و گیرائی پیدا کر دی ہے، کہ اس میں تمام دین ریشمول عقائد، فقہ، عبادات و معاملات، اخلاق و تزکیہ نفس وغیرہ) باسانی سماجیات ہے اور دین کا کوئی شعبہ بھی اس تصور سے خارج نہیں رہتا۔ فاضل مؤلف کی یہ منطقیانہ اور فلسفیانہ بحث یقیناً اسلام کے عالم گیر اور آفاقی تصور کے شایان شان ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام محض ایک عباداتی مذہب نہیں ہے بلکہ اس کا معاشرتی اور سماجی (social) تصور حیات اتنا زور دار ہے کہ باقی کے تمام پہلو اسی میں سماجیات ہیں، اس بارے میں فاضل مؤلف کو فکری طور پر ابن خلدون، امام غزالی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی وغیرہم کے خیالات نے لازماً متاثر کیا ہے۔

دنیا میں عام طور پر حقوق مانگنے کا سلسلہ جاری رہتا ہے، مگر کوئی شخص یہ دیکھنے کی کوشش نہیں کرتا کہ خود اس کی ذات سے دوسروں کے کتنے حقوق وابستہ ہیں، زیر نظر کتاب میں قارئین کی اسی انداز میں فکری و عملی رہنمائی کی گئی ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ اگر ہر شخص خود پر واجب شدہ حقوق کو ادا کرنے والا بن جائے تو دنیا کے بیشتر ہنگامے از خود ٹھنڈے سے پڑ سکتے ہیں۔

حقوق کے بیان اور ان کی ترتیب میں بھی فاضل مؤلف کی صلاحیتوں کا اندازہ ہوتا ہے، اس انداز میں حقوق و فرائض کی تقسیم کسی اور کتاب میں نہیں کی گئی۔ یہاں تک کہ شعرانی کی جس تصنیف کا سطور بالا میں ذکر ہوا، اور جس کے مضامین کا حاجی خلیفہ نے مختصراً ذکر کیا ہے، اس میں حقوق کی اس انداز میں ترتیب و تقسیم نہیں کی گئی۔

علاوہ ازیں ان کی تفصیل و تشریح کے لیے قرآن و حدیث کا جو ذخیرہ پیش کیا گیا ہے، اس کی ترتیب و تبیین بھی، بڑی حد تک قاضی صاحب کی صلاحیتوں کی منظر ہے، ان وجوہ کی بنا پر بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ فاضل مؤلف کی زیر نظر تصنیف علمی دنیا میں اپنے

منفرد تاریخی مقام کی حامل ہے۔

تراجم

اس کتاب کی اہمیت کے پیش نظر اس کے اردو زبان میں متعدد تراجم ہوئے۔ تفصیل

حسب ذیل ہے۔

اس کا اولین ترجمہ محمد مصطفیٰ بن حاجی احمد یار نے کیا جو مطبع صدیقی لاہور سے ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء میں شائع ہوا۔ یہ لفظی ترجمہ ہے؛ چنانچہ جو کتابت کے سہو فارسی ایڈیشن میں رہ گئے تھے، وہ اس میں بھی جوں کے توں باقی ہیں؛ علاوہ ازیں بیان و اسلوب کے اعتبار سے اس میں قدامت کا رنگ جھلکتا ہے۔^{۱۱}

دوسرا ترجمہ جو حالی پریس پانی پت سے ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں حقوق الاسلام کے نام سے شائع ہوا، یہ ترجمہ بقول شیخ محمد اسماعیل پانی پتی مولوی وحید الدین پانی پتی نے کیا تھا، مگر مصلحتاً انھوں نے اس پر اپنا نام ظاہر نہیں کیا؛ بلکہ یہی ترجمہ بعد ازاں پاک اکیڈمی کراچی سے ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء میں شائع ہوا، جس کا مقدمہ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی نے لکھا اور اس میں مختصر آقاسی صاحب کے حالات زندگی بھی تحریر کیے۔ یہ ترجمہ سابق ترجمے کی نسبت سے کافی حد تک جدید اور رواں دواں ہے؛ البتہ آسانی کی خاطر عربی عبارتیں حذف کر دی گئی ہیں۔

تیسرا ترجمہ عبدالغنی مجددی نے کیا جو برنالہ ضلع فیصل آباد سے "شفا الاسلام فی حقوق الاسلام" کے عنوان سے شائع ہوا۔ مترجم نے اس میں جا بجا اضافات کر دیے ہیں، اس طرح بعض غیر ضروری مباحث بھی شامل کتاب ہو گئے ہیں۔

چوتھا ترجمہ حکیم شریف احسن فیصل آبادی نے کیا اور اسے "اسلام کا نظام حقوق و فرائض" کے عنوان سے فیصل آباد (مکتبہ طیبہ پیپلز کالونی) سے شائع کیا (۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء)۔ یہ ترجمہ اپنی گونا گوں خصوصیات کے باعث ممتاز اور منفرد ہے۔ اس کا پیش لفظ مفتی سیاح الدین

^{۱۱} دیکھیے حکیم شریف احسن، مقدمہ اسلام کا نظام حقوق و فرائض، ص ۱۲

^{۱۲} محمد اسماعیل پانی پتی، مقدمہ حقوق الاسلام، ص ۹۔

کا کاخیل نے لکھا ہے؛ نیز فاضل مترجم نے اس پر ایک جامع مقدمہ لکھا ہے، جس میں کتاب کے موضوع اور مصنف کے حالات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

یہ ترجمہ آسان اور سلیس اردو زبان میں کیا گیا ہے؛ مترجم نے جابجا علمی افادیت کے حواشی بھی لکھے، جن میں احادیث اور روایات کو تخریج کے علاوہ لغوی اور تشریحی قسم کے نکات بیان کیے گئے ہیں؛ حواشی کے علاوہ اس پر مفید اضافات اور تعلیقات بھی ہیں، بالخصوص اختتام پر "حقوق النفس" کے عنوان سے اس کا جامع تکملہ لکھا ہے۔ جس میں نفس کے حقوق پر شرح و بسط کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔

فاضل مترجم نے متن کتاب کی تصحیح و تصویب میں بھی بڑی محنت کی ہے، چنانچہ ان کی تحقیق جہاں جہاں فاضل مؤلف سے مختلف ہے، وہاں حواشی میں اس کا اظہار کر دیا گیا ہے، مگر چونکہ انھوں نے ترجمے اور تصحیح کے لیے فارسی کے مطبوعہ نسخے کو "معیار" ٹھہرایا ہے جو بذات خود بہت سی اغلاط پر مشتمل تھا، اس لیے فاضل مترجم کی تصحیح متن کی یہ کاوشیں اس مطبوعہ نسخے کی حد تک تو درست ہیں، مگر "حقیقت الاسلام" کے اصل یعنی "قلمی نسخے" کے مطابق یہ سعی لا حاصل ہیں، کیونکہ اس میں پہلے ہی تصحیح شدہ صورت میں موجود ہے، چند امثلہ حسب ذیل ہیں:

فاضل مترجم نے ایک روایت کے راوی کے نام کی تصحیح کی ہے جو مطبوعہ نسخے میں معاذ بن جابر لکھا گیا تھا اور بتلایا ہے کہ یہ اصل میں معاویہ بن جہا، ہم ہونا چاہیے ^۳۔ قلمی نسخے میں پہلے ہی معاویہ بن جہا، ہم ثبت ہے ^۴۔

مترجم نے لکھا ہے کہ مشہور روایت "ان الجنة تحت اقدام الامہات" کے الفاظ کسی کتاب سے نہیں ملے، اصل روایت کے الفاظ "الجنة تحت اقدام الامہات" ^۵ ہیں۔ جب کہ اصل قلمی نسخے میں عربی عبارت سر سے ہی غیر موجود ہے،

^۳ اسلام کا نظام حقوق و فرائض، ص ۳۲

^۴ حقیقت الاسلام، ق، ورق ۷ ب

^۵ اسلام کا نظام حقوق ---، ص ۳۲، ح ۲

اس کے بجائے فارسی عبارت "بہشت نزد قدم او است" تحریر ہے۔
 علی ہذا القیاس مترجم نے ایک روایت میں لفظ "اُمّ" (ماں) کی موجودگی پر اعتراض کیا
 ہے اور لکھا ہے کہ یہاں اب (والد) کا لفظ آنا چاہیے تھا، جب کہ قلمی نسخے میں نہ
 اُمّ ہے اور نہ اب، بلکہ حضرت عبداللہ بن عمر کے والد ماجد یعنی حضرت عمر فاروق کا نام
 رقم ہے ۱۶ جس سے یہ تصحیح بے معنی ہو کے رہ جاتی ہے۔

اسی طرح مترجم نے ایک مقام پر لکھا ہے کہ اس جگہ روایت میں لفظ "بہ" "
 ہونا چاہیے تھا، حالانکہ قلمی نسخے میں پہلے ہی لفظ "بہ" موجود ہے۔ اسی طرح کی چند
 اور اشلہ بھی ملتی ہیں۔

تصحیحات کی ان مثالوں سے پتا چلتا ہے کہ حقیقت الاسلام کے مطبوعہ فارسی ایڈیشن
 میں کسی قدر کتابت کی غلطیاں رہ گئی تھیں، جو مورد آیام سے کتابت کا جزو بن گئیں۔ اگر
 حکیم صاحب جیسے لوگ اصل مسودے کی پڑتال کرتے تو یہ غلطیاں کبھی بھی موجود نہ
 رہ سکتی تھیں؛ مجموعی طور پر حکیم شریف احسن کی یہ کوششیں لائق تحسین ہیں؛ کیونکہ ان
 کی بعض تصحیحات اصلی قلمی نسخے کے مطابق بھی درست ہیں، گو ان کی تعداد زیادہ نہیں۔

۱۶ حقیقت الاسلام، ق، و ۱۷

۱۷ اسلام کا نظام حقوق۔۔۔۔۔، ص ۳۲، ح ۳

۱۸ حقیقت الاسلام، ق، و ۱۷ ب۔

۱۹ اسلام کا نظام۔۔۔، ص ۵۱

۲۰ حقیقت الاسلام، ق۔ و ۱۷ ا

۲۱ دیکھیے اسلام کا نظام۔۔۔۔۔، ص ۵۵، حقیقت الاسلام، ق، و ۱۵ ب۔

کتاب علم البحت والمناظرہ

رسالہ احقاق (در رد اعتراضات شیخ عبدالحق بر کلام مجدد الف ثانیؒ)

حضرت مجدد الف ثانی کو اپنے زمانے اور بعد کے دور میں جو قبولیت اور مرجعیت حاصل ہوئی اور اہل علم اور اہل حکومت پر جو حلقہٴ اثر قائم ہوا اور چند سال میں جس طرح نقیبندیہ مجددیہ جس طرح سواحل ہند سے نکل کر اطراف و اکنافِ عالم تک پھیل گیا، نیز انھوں نے جس طرح اپنے مکتوبات میں نئے علوم و تحقیقات کے افادہ و افاضہ کا بیڑہ اٹھایا، اسے دیکھتے ہوئے یہ امر حیران کن ہوتا کہ اگر حضرت مجددؒ اور ان کی تعلیمات کی مخالفت میں کوئی آواز نہ اٹھی ہوتی، بقول صاحب "تاریخ دعوت و عزیمت" ایسا نہ صرف تاریخ اصلاح و تجدید بلکہ تاریخ علم و تدوین کا بھی ایک منفرد واقعہ ہوتا۔

چنانچہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی زندگی ہی میں ان کے خلاف آواز اٹھی اور یہ آواز باہر کے کسی حلقے سے نہیں، حضرت خواجہ باقی باللہ (مرشد حضرت مجددؒ) کے حلقے سے ہی بلند

۱۔ مناظرہ کی تعریف یوں کی جاتی ہے: هو علم باحث عن احوال المتخاصمین لیکن ترتیب البحت بینہما علی وجہ الصواب حتی یظہر الحق بینہما

(ابجد العلوم، ۲: ۵۲۱)۔

۲۔ جیسا کہ معلوم ہے باقی تینوں سلسلے باہر سے ہندوستان میں آئے اور یہ واحد سلسلہ تصوف ہے جو ہندوستان سے باہر کی اسلامی دنیا میں منتقل ہوا (دیکھیے مقالہ شیخ احمد سرہندیؒ

در اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲، بذیل مادہ)

۳۔ ابوالحسن علی ندوی: تاریخ دعوت و عزیمت، کراچی، ۲۰۰۶ء: ۳۳۶

ہوئی، یہ صدائے مخالفت حضرت شیخ عبدالحق دہلویؒ نے بلند کی تھی جو حضرت خواجہ باقی باللہ
ہی سے فیض یافتہ تھے۔ انہوں نے حضرت مجدد الف ثانیؒ سے نہ صرف اختلاف کیا بلکہ
ان کی ذاتِ اقدس پر بعض بے بنیاد الزامات بھی عاید کیے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اس سلسلے میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کو
براہِ راست ایک خط لکھا تھا جو ایک مستقل تصنیف کی حیثیت رکھتا ہے۔ حضرت شیخ
کا یہ خط مولانا غلام معین الدین عبداللہ نے اپنی تالیف "معارج الولاہیت" میں، جو
۱۰۹۴ھ کی تصنیف ہے، درج کیا تھا، جس سے پروفیسر خلیق احمد نظامی نے "حیات عبدالحق"
میں بہ تمام و کمال نقل کر دیا کر دیا ہے۔ ۵

اس طویل خط میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے متعلق جو باتیں نقل کی گئی ہیں، وہ اکثر محققین
(بشمول قاضی صاحبؒ) کے نزدیک محرف شدہ اور غلط ہیں، اسی لیے عام خیال یہ ہے کہ
حقیقت حال کا علم ہونے کے بعد حضرت شیخ کی رائے بدل گئی تھی بلکہ اسی لیے حضرت
شیخ محدثؒ نے اس خط کو اپنے مجموعہ مکاتیب میں شامل نہیں فرمایا۔

تاہم چونکہ یہ خط ہندوستان کی ایک نامور ہستی کی جانب سے لکھا گیا تھا اور اس میں
حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تحریک اور تعلیمات کے متعلق غلط فہمیاں پیدا کرنے کے

۴ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ بن سیف الدین بن سعد اللہ، ابوالمجد حضرت مجدد الف
ثانیؒ کے عہد کی ایک نمایاں اور ممتاز شخصیت تھے۔ ہندوستان میں علوم حدیث کی
ترویج و اشاعت میں انہوں نے اہم کردار ادا کیا ہے، وہ متعدد علوم پر متبحر اور تصانیف
یادگار چھوڑ گئے ہیں (ولادت ۹۵۸ھ/۱۵۵۱ء - وفات ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء) دیکھیے

حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، دہلی ۱۹۵۳ء

۵ دیکھیے حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص ۳۱۲ تا ۳۲۴۔

۶ دیکھیے اخبار الاخیار میں شیخ محدث کا خط بنام خواجہ حسام الدین، حیات شیخ عبدالحق،
ص ۲۲۴، تاریخ دعوت، ۴، ۳۳۷۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مظہر جان جاناؒ

نے اس خط کو ضائع کرنے کا حکم دیا تھا (ایضاً، ص ۳۳۷)

بہت سے پہلو موجود ہیں، اسی بنا پر شیخ محدثؒ کی اس صاف صاف تصریح کے باوجود، مخالفین کی جانب سے اس خط کی اشاعت برابر جاری رہی ہے خود قاضی صاحبؒ کے زمانے میں جو حالت تھی، اس کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

”چونکہ بعض علمائے ظاہر ان بزرگوں کو اپنے جیسا سمجھتے ہیں۔۔۔۔۔ اس لیے ان کے اوپر بہت سے اعتراضات کیے ہیں، یوں مخلوق خدا کو عظیم ضرر پہنچایا ہے۔ کیونکہ جو شخص بھی ان اعتراضات کو پڑھتا ہے اس کے دل میں حضرت مجدد کے متعلق بغض پیدا ہو جاتا ہے اور یوں وہ ابدی ضلالت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔۔۔۔۔ العیاذ باللہ“

قاضی صاحبؒ کے زمانے میں اس خط کی وجہ سے شکوک و شبہات پھیلانے کا جو سلسلہ جاری تھا اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس رسالے کے خلاف بکثرت مجددی علماء و فضلا کو برد آزا ہونا پڑا،

ایک حالیہ جائزے میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے دفاع اور شیخ محدث مخالفت میں کئی جانے والی کتب و رسائل کی مجموعی تعداد ”سٹر“ بیان کی گئی ہے۔ اس فہرست میں شیخ بدرالدین سرہندیؒ (خلیفہ حضرت مجددؒ)، شاہ محمد یحییٰؒ (بن حضرت مجددؒ)، (م ۱۰۹۶ / ۲۱۹۸۴) حضرت مجدد کے نبیرگان: شیخ محمد فرخ و شیخ عبدالاحد، محدث عصر شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، حضرت مرزا مظہر جاناناں شہید دہلویؒ، قاضی صاحبؒ، شاہ عبدالعزیز محدثؒ، شاہ غلام علی دہلوی، وکیل احمد سکندر پوریؒ، مولانا ابوالحسن زید دہلویؒ اور مولانا ابوالحسن علی ندوی جیسی نابغہ روزگار شخصیات شامل ہیں۔

اس مکتوب (بصورت رسالہ) کی تحریر و اشاعت میں جو جذبہ کام کر رہا ہے وہ فی نفسہ برا نہیں ہے، لیکن اس کا کیا علاج کہ اس مکتوب کی بیشتر باتوں کی بنیاد غیر تحقیقی باتوں پر ہے، جنہیں غلط طور پر حضرت مجدد الف ثانیؒ کی طرف منسوب کر دیا گیا تھا۔ شاہ غلام علی دہلویؒ

کے کہا جاتا ہے کہ حضرت مجددؒ کے ناراض مریدوں میں سے ایک شخص ”حسن خان“ نے اس رسالے کو تحریف و اضافہ کر کے مسخ شدہ حالت میں پھیلایا (تاریخ دعوت و عزیمت، ۴: ۱۲۶)۔

شہ احقاق حق، قلمی (محزوزہ کتاب خانہ موسیٰ زئی شریف)، ص ۲۔

باوجود اپنی متمحل مزاجی کے، اس پر ان الفاظ میں حیرت کا اظہار فرماتے ہیں:

” خدا کی پناہ! یہ کیسی مخالفت اور بے تحقیق گفتگو ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی کے کسی بھی مکتوب میں ایسی عبارت نہیں ہے۔۔۔ شیخ! اللہ آپ کو معاف فرمائے۔“ ۱۹

احقاق کا تصنیفی پس منظر

اس پس منظر میں قاضی صاحب نے جو فلسفہ ”مجددی کے عظیم ترین شارحین میں سے تھے، اس کے خلاف قلم اٹھانے کی ضرورت کا احساس کیا اور شیخ کے رسالے کے جواب میں ایک مختصر، مگر جامع رسالہ مرتب فرمایا۔ یہ رسالہ قاضی صاحب کے متصوفاً فائدہ افکار و نظریات کے فہم میں ایک اہم شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے، اپنی اس کتاب کا پس منظر واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

پس ان بزرگوں سے محبت ضروری ہے۔۔۔۔۔ توجب بعض علمائے ظاہر (شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ) نے اکابر اولیاء (حضرت مجدد) پر بہت سے اعتراضات کیے ہیں تو چونکہ راستے سے تکلیف دہ اشیاء کا ہٹانا۔۔۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ ہے۔ لہذا اس نقصان کا دور کرنا ضروری تھا کیونکہ:

اگر بینی نابینا و چاہ است اگر خاموش بنشیننی گناہ است

اگر تم دیکھو کہ ایک طرف سے نابینا آرہا ہے اور اس کے سامنے کنواں ہے، تو اگر تم پھر بھی خاموش ہو کر بیٹھے رہے، تو یہ سر اسر گناہ ہے۔ لہذا بندۂ عاصی ثناء اللہ نے بے استطاعتی اور بیسج مدانی کے باوجود جہاد کا قصد کیا ہے تاکہ لوگوں سے اس تکلیف دہ شے کو ہٹایا جاسکے۔ ۲۰

اس مقام پر قاضی صاحب نے اس رسالے کے جواب دینے کو قصد جہاد سے تعبیر کیا ہے اور جہاد کسی ایسے مسئلے میں کیا جاتا ہے جہاں مسلمانوں کے کسی طبقے کو مخالفین سے

۱۹ تاریخ دعوت و عزیمت، ۲، ۳۳، بحوالہ شاہ صاحب

۲۰ احقاق (قلمی)، ص ۲ تا ۳۔

نقصان عظیم پہنچ رہا ہو۔ اس پس منظر میں بآسانی یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ قاضی صاحبؒ کے زمانے میں اس رسالے کی بنیاد پر حضرت مجددؒ اور ان کی تعلیمات کے متعلق کیسی شدید قسم کی غلط فہمیاں پیدا کی جا رہی تھیں جس سے عوام کے خیالات کو "ضرر" پہنچ رہا تھا۔

اس عبارت سے پتا چلتا ہے کہ قاضی صاحب کی یہ کتاب شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اور شاہ غلام علی دہلویؒ کی محولہ بالا کتب سے مقدم ہونے کا شرف رکھتی ہے۔ مؤخر الذکر سے تقدیم کا پتا تو شاہ صاحبؒ کی اس عنوان پر تحریر سے بھی ہوتا ہے، کیونکہ اس کے آغاز میں قاضی صاحبؒ کی زیر نظر کتاب کا تذکرہ کیا گیا ہے،^۱ زمانی اعتبار سے بھی زیر نظر کتاب کو شرف تقدیم حاصل ہے، کیونکہ قاضی صاحب نے یہ کتاب ۲ شوال المکرم ۱۱۶۰ھ/ ۱۷۷۷ء میں مکمل کی تھی،^۲

نام، وجہ تسمیہ

زیر نظر کتاب کا نام "احقاق در رد اعتراضات شیخ عبدالحق محدث دہلوی بر کلام حضرت مجددؒ" ہے، تاہم راقم کو خانقاہ موسیٰ زئی شریف سے اس کتاب کا جو قلمی نسخہ ملا ہے، اس پر اس کا نام یوں مرقوم ہے:

"رسالہ احقاق از حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ در رد اعتراضات حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ بر کلام امام ربانی حضرت امام زمانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ۔"

اگرچہ خود قاضی صاحبؒ نے اس تمام کتاب میں "شیخ محدث" کا نام ذکر نہیں فرمایا تاہم "احقاق" کے نام میں حسن تلمیح کے پہلو کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ حضرت شیخؒ کے نام کا آخری لفظ "حق" ہے جو حضرت شیخ کے اپنے نام کے علاوہ ان کی اولاد کے ناموں میں بھی بطور حصہ کے شامل رہا ہے،^۳ اور اسی سے ان کی نسبت "حقی" بنتی ہے، جس سے

^۱ دیکھیے مکاتیب شریفہ، م ۸۶، ص ۸۳۔

^۲ حضرت مجدد اور ان کے ناقدین، ص ۱۳۷

^۳ دیکھیے حیات عبدالحق، ص ۲۵۵

ان کے متعدد اخلاف منتسب ہوئے۔ قاضی صاحب نے اپنی اس کتاب کا نام اسی مادے سے اخذ کیا ہے تاکہ اس حسنِ تلمیح سے اصل مقصد ظاہر ہونے کے علاوہ معترضین کے نام پر روشنی پڑ سکے۔

زیر نظر کتاب کے دو مخطوطات کا پتا چلا ہے۔ ایک مخطوطہ مخزنہ در کتاب خانہ خالقاہ مظہریہ، دہلی؛ مولانا ابوالحسن زید کے مطابق یہ نسخہ حضرت مصنف کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ دوسرا مخطوطہ مخزنہ کتاب خانہ موسیٰ زئی، ضلع ڈیرہ اسماعیل خان (پاکستان)۔ مؤخر الذکر نسخے سے راقم نے ۳۰ اگست ۱۹۸۵ء کو بوقت شب ایک نقل تیار کی، یہی نقل ہماری معلومات کا مآخذ ہے۔ یہ قلمی نسخہ ۱۲۸۳ھ میں پانی پت کے اصل نسخے سے (جو فی الوقت دہلی میں ہے) نقل کیا گیا، اس کے ترقیے میں ہے:

”از عنایت این کار ساز بتاریخ بست و نهم ربیع الثانی در ۱۲۸۳ھ دو شنبہ مبارک تمام شد“
یہ نسخہ بڑی تقطیع (تقریباً ۶×۱) پر نہایت خوب صورت خط نستعلیق میں جلی قلم سے کتابت کیا گیا ہے۔ پوری کتاب کے کل ۳۱ صفحات ہیں۔ زبان بڑی عمدہ اور عالمانہ ہے۔ کاتب نے اس کی کتابت میں بعض جزوی غلطیاں کی ہیں۔

مضامین و محتویات

زیر نظر کتاب قاضی صاحب نے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے اس طویل خط کے جواب میں تحریر فرمائی تھی، جس میں انھوں نے حضرت مجدد اور ان کی تعلیمات پر متعدد اعتراضات کیے تھے۔ ان اعتراضات کو بنیادی طور پر تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ حضرت مجدد کے اپنی ذات کے متعلق دعاوی پر اعتراضات۔

۱۴ دیکھیے تشریحات، مکاتیب مظہر، ص ۲۳۲، عدد ۹، بحوالہ مکتوب مولانا ابوالحسن زید۔

۱۵ مولانا ابوالحسن زید: حضرت مجدد اور ان کے ناقدین، ص ۱۳۷

۱۶ احقاقِ قلمی، ص ۳۹۔

ب۔ حضرت مجددؒ کے دوسرے بزرگوں کے بارے میں خیالات پر تنقید۔

ج۔ حضرت مجددؒ کے فلسفہ شہودی اور ولایت صغیر و کبیر و تصورات لامکان کے متعلق شکوک و شبہات۔ چنانچہ قاضی صاحبؒ نے اپنی زیر نظر کتاب میں ان تینوں قسم کے مسائل میں حضرت مجددؒ اور ان کے فلسفے کی حمایت کی ہے، بنیادیں "احقاق" کے موضوعات کو بھی اتنی تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

اس ضمن میں فاضل مؤلفؒ نے بحث و تمیص کے لیے جو طریقہ اختیار کیا ہے اس کا مطالعہ بھی دلچسپی سے حالی نہیں۔ انہوں نے شیخ محدثؒ کی کتاب میں موجود شکوک و شبہات کو بہت سے چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کر دیا ہے اور عام طور پر ترتیب بحث یوں رکھی ہے۔
۱۔ قولہ: سب سے پہلے فاضل مؤلفؒ اس عنوان کے تحت حضرت شیخ محدثؒ کی کتاب سے اصل اعتراض کو نقل فرماتے ہیں، باری طور کہ صرف اس کی ابتدا اور انتہا کا پتا چلتا ہے کہ کہاں سے کہاں تک کی عبارت کا جواب دیا جا رہا ہے۔

ب۔ اقوال: اقوال سے فاضل مؤلفؒ اپنے الفاظ میں شیخ محدثؒ کی مذکورہ عبارت میں موجود سوال یا اعتراض کو مختصر، مگر جامع طریقے پر واضح فرماتے ہیں، جس سے نوعیت مسئلہ کا پتا چل جاتا ہے۔

ج۔ جواب: دوسرے مرحلے پر "جواب" کے عنوان سے قاضی صاحبؒ پھر اس اعتراض یا اشکال کا جواب تحریر فرماتے ہیں جو بعض مقامات پر "علمی مقدمات" قائم کر کے لکھا جاتا ہے۔

تاہم بعض مقامات پر مؤخر الذکر دونوں ذیلی عنوانات کا التزام نظر نہیں آتا، چنانچہ کئی مقامات پر اقوال کے عنوان سے سوال واضح کرنے کے بجائے اس کا جواب رقم کیا ہے، ایسے مقامات پر "احقاق" کے فہم کے لیے حضرت شیخ کی اصل کتاب سامنے رکھنا ضروری

ہے۔

۱۷ احقاق (قلمی)، ص ۳۳ تا ۳۵

۱۸ ایضاً، ص ۲۵ و ۲۶ وغیرہ

خصوصیات

یوں تو جیسا کہ سطور بالا میں ذکر ہوا، اس موضوع پر ستر کے قریب کتب اور رسائل دست یاب ہیں تاہم قاضی صاحب کی زیر نظر کتاب کو حسب ذیل پہلوؤں سے خصوصیت حاصل ہے۔

۱۔ ٹھیک طرح سے تو یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ قاضی صاحب نے سب سے پہلے کون سی کتاب لکھی تھی، تاہم زیر نظر کتاب کے ایک مخطوطے سے جو ان کے اپنے ہاتھ کا تحریر کردہ ہے، یہ باور کیا جاسکتا ہے کہ غالباً "احقاق" قاضی صاحب کی ابتدائی زمانے کی لکھی ہوئی کتاب ہے، کیونکہ اس پر تاریخ تکمیل کے طور پر سہ شنبہ ۲۵ شوال ۱۱۶۰ھ (۱۷۷۷ء) کی تاریخ مرقوم ہے۔ اس وقت قاضی صاحب کی عمر سترہ اور بیس سال کے درمیان تھی، اور ابھی وہ علوم باطنی کے علاوہ علوم ظاہری کی تحصیل میں بھی مصروف تھے۔ مگر احقاق کے مضامین سے وہ ایک پختہ کار عالم دکھائی دیتے ہیں، جسے اپنے موضوع کے ہر پہلو پر دسترس حاصل ہے۔ اس اعتبار سے یہ ایک منفرد کتاب ہے، جسے قاضی صاحب نے کم عمری میں مرتب فرمایا۔

۲۔ زیر نظر کتاب کی دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کتاب میں قاضی صاحب نے حضرت مجدد الف ثانی کی ذات اقدس سے قدم قدم پر اپنی بے پایاں وابستگی اور عقیدت کو نمایاں کیا ہے، اس بنا پر "احقاق" خالصتاً جانبدارانہ انداز میں مرتب کردہ تصنیف ہے، اسی پس منظر میں قاضی صاحب کی حضرت شیخ رحمہ کے سلسلے میں "فروگذاشتوں" کی علت معلوم کی جاسکتی ہے۔

حضرت مجدد سے اپنی عقیدت مندی کا اظہار انھوں نے کتاب کے صفحہ اول پر ہی کر دیا ہے، جہاں تقریباً کتاب کے نصف صفحے میں حضرت مجدد کی منقبت اور مدح پر مشتمل ابتدائیہ تحریر فرمایا ہے۔

۱۹ حضرت مجدد اور ان کے ناقدین، ص ۱۳۷ ۲۰ دیکھے احقاق، قلمی، ص ۲

اور پھر جیسے جیسے ہمارا مطالعہ آگے بڑھتا ہے، اس محبت و عقیدت کے اظہار میں اور بھی وسعت دکھائی دیتی ہے، مثال کے طور پر چند اقتباسات حسب مطالعہ ہیں :

” آپ کا نفس ہی کہاں تھا، جس سے یہ نفسانی اعمال سرزد ہوتے“ ۲۱

” یہ وہ علم ہے جو ہزار سال کے بعد آپ پر منکشف ہوا“ ۲۲

ایک ہزار سال کے بعد وہ مقامات عالیہ اور حقیقت سالک کا حقیقت محمدیہ پر انطباق حاصل ہوا، فی الحقیقت یہ سب کچھ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے جوہر پاک کا فیضان اثر ہے کہ حضرت مجدد میں یہ مراتب اتنے عروج و کمال پر نظر آتے ہیں۔ ذالک فضل اللہ (یہ محض اللہ کا فضل ہے) ۲۳

حضرت مجدد کو اتباع سنت کا جو التزام رہتا تھا، اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

” اور وہ جو حضرت مجدد نے ” اتباع سنت کا التزام کر رکھا تھا، اس کا اظہار آپ کی ہر مجلس اور ہر مکتوب میں موجود ہے، اور وہ آفتاب سے بھی زیادہ مشہور ہے کہ آپ جو کچھ بھی کرتے سنت نبوی ہی کے مطابق کرتے تھے اور ہمیشہ متفق علیہ بات پر عمل فرماتے چنانچہ آپ کبھی بھی بائیں کروٹ پر نہیں لیٹے اور علمائے سو۲ کے فتویٰ کے باوجود بادشاہ کو سجدہ تعظیمی نہ کیا، اس کے بجائے حضرت یوسف کی طرح قید خانے کو ترجیح دی۔ اور پھر قید خانے میں ایک دُینا کو تبلیغ فرمائی۔ اس کے علاوہ بے شمار مثالیں اور واقعات موجود ہیں“ ۲۴

چونکہ حضرت مجدد کی محبت و عقیدت کی بنا پر یہ کتاب لکھی گئی ہے، اس لیے کہیں کہیں محبت و عقیدت میں غلو اور افراط کی جھلک بھی پائی جاتی ہے۔

۳۔ احقاق کے مطالعے سے، جو فاضل مؤلف کے ابتدائی دور کی تصنیف ہے، ان کے ”معارف مجددیہ“ پر عبور و تبحر کا بھی اندازہ ہوتا ہے، تبحر کی یہ شان احقاق کے ہر صفحے سے ظاہر ہے۔ یہ بھی پتا چلتا ہے کہ مجدد صاحب کے مکتوبات کے تینوں

۲۱ احقاق، قلمی، ص ۴۔ ۲۲ ایضاً، ص ۲۰۔

۲۳ ایضاً، ص ۲۶۔ ۲۴ ایضاً، ص ۱۷۔

دفتروں پر ان کی نظر تھی اور وہ ان کی اصطلاحات اور مسائل کو خوب سمجھتے تھے۔

۴۔ اسی مہارت و مہارت کی بنا پر ان کی زیر نظر کتاب ایک اعتبار سے "تعلیمات مجددیہ" کا خلاصہ اور نچوڑ ہے، جس میں قاضی صاحب نے حضرت مجددؒ کی تحریرات اور دیگر مجددی حضرات کی توضیحات کو بڑی باغ نظری سے سمودیا ہے۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ حضرت شیخؒ نے حضرت مجددؒ کی جملہ تعلیمات کو سامنے رکھ کر اعتراضات مرتب فرمائے تھے، لہذا جواب دینے کے لیے بھی حضرت مجددؒ کی جملہ تعلیمات کو تمام و کمال سامنے رکھنا ضروری تھا، چنانچہ قاضی صاحب نے اس ذمہ داری کو خوب نبھا ہا ہے۔

۵۔ حضرت مجددؒ کے دفاع اور شیخ محدثؒ کی مخالفت میں جو کتب تحریر کی گئی ہیں، ان میں سے چند ایک کا سطور بالا میں ذکر بھی آیا ہے، مگر ان سب کتابوں میں شیخ محدثؒ کے اعتراضات کا علی وجہ الاجمال رد کیا گیا ہے؛ ^۱ بعض کتب میں چیدہ اعتراضات نقل کر کے ان کے جوابات فراہم کیے گئے ہیں ^۲ اس طرح صرف چند کتابیں ایسی ہیں، جن میں حضرت شیخؒ کے جملہ اعتراضات، یا ان کے تمام رسالے کا احصا کیا گیا ہے، ان میں سے موجود کتابوں میں اولین کتاب "احقاق" ہے۔

فاضل مؤلفؒ نے "قولہ" کے ساتھ حضرت شیخ کی کتاب سے تمام اعتراضات نقل کر کے قول "یا" جواب کے عنوان سے اس کا مدلل جواب لکھا ہے، اس لیے فاضل مؤلفؒ نے اپنے اس اقدام کو "قصد جہاد" سے تعبیر کیا ہے۔

۶۔ اس کتاب میں بعض اعلیٰ درجے کے علمی لطائف بھی ہیں کسی اور مشکل ہی سے مل سکتے ہیں، مثال کے طور پر ایک مقام پر حضرت شیخؒ کے "حالات سکرو صحو" سے متعلق بعض اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے؛ سکرو صحو میں فرق بیان کیا ہے، وہ ایک لطیفہ علمی ہے۔ فرماتے ہیں

۲۵ جیسا کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، بدرالدین سرہندی، شاہ عبدالعزیزؒ

وغیر ہم کی کتب اور تاریخ دعوت و عزیمت وغیرہ میں نظر آتا ہے۔

۲۶ مثلاً شاہ غلام علی دہلویؒ اور مولانا ابوالحسن زید وغیر ہم نے اپنی اپنی کتب میں اس

اصول پر عمل کیا۔

حضرت مجدد کے کلام میں جہاں صحو کا ذکر آیا ہے، اس سے مراد ”صحو خالص“ نہیں، کیونکہ ”صحو خالص“ تو عوام کا حصہ ہے، اس کے بجائے اس سے ایسا صحو مراد ہے جس میں بالکل اسی طرح سُکر کی آمیزش ہوتی ہے، جس طرح روٹی میں نمک کی ۲۷

۷۔ زیر نظر کتاب دو اہم بزرگوں کے درمیان مختلف فیہ مسائل کے متعلق تحریر کی گئی ہے، اس لیے موضوع اور بحث کا تقاضا تھا کہ انتہائی احتیاط اور مہارت کے ساتھ قلم چلایا جاتا، لیکن قاضی صاحبؒ کی حضرت مجدد الف ثانیؒ سے بے پایاں عقیدت و محبت نے بظاہر اس میں توازن نہیں رہنے دیا، چنانچہ قاری کو قدم قدم پر مخالف کے خلاف، جو حضرت شیخ محدثؒ کے علاوہ اور کوئی نہیں، سخت الفاظ و جملے پڑھنا پڑتے ہیں، مثلاً:

اگر آپ کو یقین نہیں آتا تو عم کرنے کی ضرورت نہیں، جلدی یقین آجائے گا، لیکن اس وقت فائدہ نہ ہوگا۔ ۲۸

”پس تمہارا حضرت مجدد کا انکار کرتا۔ جن کی تربیت آنحضرتؐ کے جوہر پاک سے ہوئی ہے، درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار ہے۔“ ۲۹

”اور اگر کوئی شخص اپنی حماقت سے نہ سمجھے تو بجا ہے۔“ ۳۰

”چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد۔“ ۳۱

احقاق کے یہ مقامات بلاشبہ فاضل مؤلف کے جوش علمی کا مظہر ہیں۔ لیکن چونکہ قاضی صاحبؒ حضرت مجددؒ سے بے پایاں محبت و عقیدت رکھتے تھے، اسی لیے ان کے قلم میں مخالفین کے خلاف شدت دیکھنے میں آتی ہے۔

قاضی صاحبؒ کا مناظراتی اسلوب

علاوہ ازیں اس حقیقت کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ ہر شخص کا بحث و مناظرے

۲۷ ایضاً، ص ۳۳ ۲۸ ایضاً، ص ۵ -

۲۹ ایضاً، ص ۹ ۳۰ ایضاً، ص ۱۳

۳۱ ایضاً، ص ۳

کے ضمن میں اپنا اپنا اسلوب ہوتا ہے، قاضی صاحب کا "مناظرے" کے ضمن میں جو اسلوب بیان تھا، اس کی نمایاں ترین خصوصیت فریق مخالف کے خلاف شدت ہے۔ وہ اپنے موقف پر جس طرح ایک سے ایک بڑھ کر دلیل و حجت پیش کرتے ہیں، اسی طرح مخالفین پر ذاتی و شخصی انداز میں سخت الفاظ استعمال کرنے بھی عادت رکھتے ہیں۔ قاضی صاحب کی یہ مناظرانہ خصوصیت گو "الشہاب الثاقب" میں نمایاں ہے، تاہم اس کی کچھ جھلک زیر نظر کتاب میں بھی موجود ہے۔

مخالفین کے خلاف بحث و تمحیص کے میدان میں سختی اور شدت کی یہ روایت نئی نہیں ہے، مسالک اربعہ میں تیسرے چوتھے اور پانچویں طبقے تک کی کتب اس قسم کی مثالوں سے مملو ہیں، اس ضمن میں حنفی علما، (مثلاً ابوبکر البصاوی رازی، الطحاوی، السرخسی اور الکرخنی وغیرہ) ہوں یا شافعی (مثلاً المزنی، ابن حجر اور الرادی وغیرہ) دونوں میں چنداں فرق نہیں ہے؛ اس پس منظر میں قاضی صاحب کی اپنے ممدوح کی حمایت میں ان کے مخالف کے متعلق لہجے کی سختی نظر انداز کی جاسکتی ہے۔

بائیں ہمہ یہ کتنا بھی غلط ہو گا کہ قاضی صاحب نے زیر نظر کتاب میں حضرت شیخ محدث کے ادب و احترام کے تقاضوں کو نظر انداز کر دیا تھا کیونکہ اسلوب بیان کی سختی کے باوجود احقاق میں ادب و احترام کے بعض پہلوؤں کو بھی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے، مثال کے طور پر جیسا کہ سطور بالا میں گذرا، پوری کتاب میں حضرت شیخ محدث کا نام مذکور نہیں ہے، اس کے برعکس فقط اشارات و کنایات پر کفایت کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر جہاں آغاز کتاب میں یہ ذکر ہونا چاہیے تھا کہ شیخ محدث نے حضرت مجدد کے خلاف کتاب لکھی ہے، وہاں حضرت شیخ کا ذکر بعضے از علمائے ظاہر کی ترکیب سے کیا گیا ہے، علاوہ از حضرت شیخ کے اعتراضات ضمیر غائب (قولہ) سے نقل کیے گئے ہیں جو ادب و احترام ہی کی ایک شکل ہے، صرف ایک مقام پر حضرت شیخ کی طرف قریبی اشارہ کیا گیا ہے جہاں یہ مذکور ہے کہ حضرت مجدد نے شیخ محدث کے بیٹے نور الحق کو ایک مکتوب لکھا تھا۔ اس مقام پر انھوں نے مولوی نور الحق کے

ساتھ "پسر معترض" کا لفظ اضافہ کیا ہے۔^{۳۳} اس ضمن میں ادب و احترام ملحوظ رکھنے کا سب سے روشن پہلو یہ ہے کہ زیر نظر کتاب میں شیخ محدثؒ کو متعدد مقام پر "عزیز" کے لفظ سے یاد کیا گیا ہے۔ لگے عزیز کا ایک مفہوم تو رواجی ہے جس میں عزیز سے لپنے سے چھوٹا مراد ہوتا ہے۔ یہ مفہوم موقع و محل کے بداہتہ نامناسب ہے، اسی بنا پر "عزیز" کے لفظ کو یہاں "معزز و محترم" شخص کے معنوں میں خیال کرنا چاہیے، بنا بریں اس لفظ کا استعمال خالصتاً حضرت شیخؒ کے ادب و احترام کا حصہ ہے۔

علاوہ ازیں جیسا کہ سطور بالا میں بیان کیا گیا، حضرت شیخؒ نے عمر کے آخری حصے میں ان اعتراضات کو واپس لے لیا تھا،^{۳۴} مگر مخالفین حضرت شیخؒ کی اس تصریح کے باوجود اس خط کے مندرجات کو پھیلانے سے باز نہ آتے تھے، اسی بنا پر زیر نظر کتاب میں محولہ بالا سخت اور تند و تیز جملوں کا مصداق حضرت شیخؒ کے بجائے قاضی صاحبؒ کے زمانے کے مخالفین و معاندین ہیں جو اس موضوع پر اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کے باعث یقیناً اس قسم کے الفاظ و جملوں کے مستحق تھے۔

القصد زیر نظر کتاب اس موضوع پر تصنیف کی جانے والی تصانیف میں عموماً ایک منفرد مقام کی حامل ہے، یہی وجہ ہے کہ اس موضوع پر لکھنے والوں نے اس کتاب کا نمایاں طور پر عمدہ تصانیف میں ذکر کیا ہے۔

رسالہ دیگر در رد اعتراضات بر کلام مجدد (مخطوطہ)

غالباً یہ وہی رسالہ ہے جس کا بعض تذکرہ نویسوں نے "جواب بٹہات بر کلام مجدد الف ثانی" کے عنوان سے تذکرہ کیا ہے۔ اس رسالے میں "اصالت و حیولت" حقیقت توسط و عدم توسط۔ سلوک۔ دعوت محبوب، تعیین اول، تعیین وجودی، تعیین جسی، حقیقت محمدی، حقیقت ابراہیمی، غینیت وجود باری تعالیٰ، ولایت محمدی، ولایت موسوی، نسبت

۳۳ ایضاً، ص ۲۹، ۳۰۔ ۳۴ ایضاً ص ۱۵

۳۵ ابوالحسن زید، حضرت مجدد اور ان کے ناقدین، ص ۱۵۵ تا ۱۵۸، بعنوان: اخلاص نامہ

محبوب و محبت، ظہور کی مدت نبوت، حقیقت کعبہ و حقیقت محمدی، حلاوت و وجدان -
 بے مزگی و فقدان اور استفادہ صحبت وغیرہ موضوعات پر اظہار خیال کیا گیا ہے؛ اس
 طرح اس کتاب میں انھوں نے ان تمام لوگوں کے اعتراضات کے جوابات تحریر فرمائے ہیں،
 جنھوں نے حضرت مجدد کی تعلیمات پر شبہات کیے تھے^{۳۶} اس کا واحد قلمی نسخہ دہلی میں مولانا
 زبید دہلوی کے پاس ہے۔

فصل الخطاب فی نصیحة اولی الالباب (قلمی)

زیر نظر کتاب (فصل الخطاب) بھی حضرت مجدد الف ثانی^۲ اور ان کی تعلیمات کی
 حمایت و تائید میں لکھی گئی ہے، جس کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی کے پیرو
 اور مشہور مجددی بزرگ حضرت محمد فرخ شاہ^{۳۷} نے "اثبات غیریت، نفی عینیت" کے
 موضوع پر ایک رسالہ "عدالفاصل بین سید الاعتقاد و بین الزندقة والالحاد"^{۳۸} تصنیف
 کیا، جس کے خلاف شاہ ولی اللہ کے شاگردوں اور قاضی صاحب^۳ کے معاصرین میں سے ایک
 بزرگ "سید شرف الدین محمد" نے ایک کتاب "قول فصل فی ارجاء الفرع الی الاصل" لکھی،
 جس میں محمد فرخ شاہ^۲ کی مذکورہ کتاب کے مضامین کی تردید و ابطال کیا گیا ہے، چنانچہ

۳۶ اس بحث کے لیے دیکھیے ابوالحسن علی ندوی، تاریخ دعوت و عزیمت، ۴: ۳۳۵ تا

۳۵۴، حضرت مجدد اور ان کے ناقدین، ص ۱۶۸ تا ۲۰۸

۳۷ شیخ محمد فرخ، حضرت مجدد الف ثانی کے دوسرے فرزند خواجہ محمد سعید کے بیٹے اور خلف
 رشید تھے، وہ معروف عالم دین اور کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ "بزرگ علامہ" اور
 "مولوی معنوی" ان کا لقب تھا، انھیں ستر ہزار کے قریب احادیث متن و سند کے ساتھ
 ازبر تھیں، انھوں نے حضرت مجدد الف ثانی کے معارف پر متعدد کتب لکھیں (دیکھیے
 مناقب احمدیہ و مقامات سعیدیہ، حاشیہ ۲۶، عربی، نیز حضرات القدس وغیرہ نیز
 نزہتہ الخواطر، ج ۶، بذیل محمد فرخ، بحوالہ قاضی صاحب، تذکرہ اولاد و امام ربانی)
 ۳۸ اس رسالے کے کسی مخطوطے کا پتا نہیں چل سکا۔ نیز دیکھیے نزہتہ الخواطر، جلد ۶۔

قاضی صاحب نے اول الذکر کی حمایت اور مؤخر الذکر کی تردید میں زیر نظر رسالہ سپرد قلم فرمایا، خود یہ پس منظر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

شیخ محمد فرخ شاہ رضی اللہ عنہ نے اثبات غیریت اور نفی عینیت میں جو دین متین کا تقاضا اور جمہور امت کا عقیدہ ہے۔ رسالہ "لینون" حد الفاصل بین سدید الاعتقاد و بین الزندقہ والاحاد تصنیف کیا اور سید شرف الدین محمد شاگرد حضرت شاہ ولی اللہ نے غلو صنیعت کے ساتھ بطور مناظرہ چند باتیں ان کے جواب میں لکھیں، چونکہ انھوں (سید شرف الدین) نے، مجھے یقین ہے جو کچھ لکھا ہے، طلب حق کی غرض سے لکھا ہے، کیونکہ لفظ مناظرہ خود اس پر دلالت کرتا ہے، لہذا اس بنا پر کہ دین تو ہے ہی دوسروں کی خیر خواہی کا نام (الدین النصیحتہ)، اس لیے میں نے چند باتیں ان بزرگوار کے جواب میں لکھی ہیں، امید ہے کہ اہل انصاف کے ہاں قبول ہوں گی۔ ۳۹

اس ابہام کی مزید تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا مسئلہ قدیم زمانے سے ہی "محل بحث و نزاع" رہا ہے۔ قدیم یونانی خدا تعالیٰ کی ذات کے تو قائل تھے مگر صفات کے منکر تھے۔ اسلام کی سادہ و پراثر تعلیمات نے ان تمام جھگڑوں کو ختم کر دیا اور دنیا کے سامنے ایک طاقت ور، فعال اور ہمہ گیر خدا کا نظریہ ایسے عمدہ انداز میں پیش کیا کہ اس کے سامنے تمام پُرانے نظریات باند پڑ گئے۔

پھر جب بنو عباس کے زمانے میں یونانی علوم و فنون کا اسلامی دنیا میں عمل دخل شروع ہوا تو اس کے نتیجے میں پُرانے سوئے ہوئے فتنے پھر جاگ اٹھے، چنانچہ ان تعلیمات کا سب سے پہلے معتزلہ نے اثر قبول کیا اور خدا تعالیٰ کی ذات و صفات میں بحث و مباحثے کا آغاز کیا اور کہا کہ خدا تعالیٰ "ذات قدسیہ" سے اس کی صفات الگ نہیں، یعنی صفات باری تعالیٰ اسی کے ذات کے ساتھ استوار ہیں، اس سے باہر نہیں، ان کا یہ نظریہ گویا صفات الیہ کے انکار کے مترادف تھا، اسی بنا پر ان کے خلاف جب اشاعرہ کی صورت میں قدیم مکتب فکر (اہل سنت و الجماعت) کا رد عمل سامنے آیا تو انھوں نے معتزلہ کے محولہ بالا نظریے

کے برعکس خدا تعالیٰ کی ذات و صفات میں الگ الگ تشخص کا عقیدہ پیش کیا۔

اہل سنت کے دوسرے گروہ یعنی ماتریدیہ نے جو علم الکلام میں حنفی مکتب فکر کی ترجمانی کرتا ہے اس رائے میں تھوڑی سی ترمیم کی اور واضح کیا کہ "صفات باری نہ عین ذات ہیں اور نہ غیر ذات"۔ عین ذات ان معنوں میں نہیں کہ "ذات وجود" سے باہر ان کا کوئی وجود نہ ہو، اور غیر ذات اس لحاظ سے نہیں کہ انھیں ذات سے باہر بھی کسی قدر استقلال اور انفرادیت حاصل ہے۔ اس طرح یہ نظریہ "لا عین ولا غیر" پر مبنی ہے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اہل سنت کے قدیم حلقوں میں صفات کی من وجہ "نہی عینیت اور اثبات غیریت" پر اتفاق رائے پایا جاتا ہے۔ علمائے ظاہر کے بالمقابل علمائے متصوفین میں بھی اس مسئلے پر دو آرا کھل کر سامنے آئیں۔ مشہور صوفی اور تصور وحدۃ الوجود کے خالق ابن عربی (م ۶۳۸ھ / ۱۲۴۰ء) کے ہاں چونکہ تمام کائنات "ہمہ اوست" کی مظہر ہے، اس لیے انھوں نے ذات و صفات میں یکتائی و لزوم کا نظریہ پیش کیا جو مسلم فرقوں میں سے معتزل افکار کے زیادہ مشابہ ہے۔ علاوہ ازیں ابن عربی کی یہ عینیت مشہور جرمن فلسفی سیگل (Hegel) کے نظریہ "مطلق عینیت" کے بھی مشابہ ہے، البتہ ابن عربی اور نوافلٹونیت کے نظریات میں کچھ فرق ہے، ابن عربی کے ہاں حقیقت مطلقہ کا محرک ایک دائرے کی صورت میں واقع ہوتا ہے۔ مگر نوافلٹونیت کے نزدیک یہ محرک ایک سیدھے خط مستقیم پر آگے بڑھتا ہے۔

اس کے بالمقابل حضرت مجدد الف ثانی نے جب وحدۃ الشہود کا نظریہ پیش کیا تو انھوں نے اہل سنت کے پرانے مکاتب فکر کی ترجمانی کرتے ہوئے، جہاں "ہمہ اوست" کے بجائے "ہمہ ازوست" پر اپنے فکر کی اساس رکھی، وہاں خدا کی ذات و صفات میں عینیت کے تصور کی بھی نفی کی اور ثابت کیا کہ خدا تعالیٰ کی صفات اس کی ذات سے باہر بھی،

۲۷ دیکھیے التفتازانی، شرح عقائد النسفیہ، بحث صفات باری، مطبوعہ لکھنؤ،

ص ۳۲ تا ۴۵

۲۸ ابوالعلاء عقیفی، مقالہ ابن العربی، درار ودائرة معارف اسلامیہ، بذیل مادہ -

من وجہ، حیثیت اور وجود رکھتی ہیں۔^{۲۲} حضرت مجددؒ کے اس نظریے میں چونکہ جمہور مسلمین کی زیادہ بہتر ترجمانی ہوتی ہے، اسی بنا پر خود قاضی صاحب اس نظریے کی حمایت کرتے ہوئے اسے "مقتضیٰ دین متین اور عقیدہ کافہ مسلمین" ^{۲۳} قرار دیتے ہیں،

حضرت محمد فرخ شاہ صاحب نے، جو ممتاز مجددی بزرگوں میں سے ہیں، اسی مجددی نظریے کی وضاحت کے لیے مذکورہ کتاب لکھی تھی، جس کی تردید میں "سید شرف الدین محمد" نے "قول فصل" تصنیف فرمائی تھی۔ چنانچہ قاضی صاحب نے اول الذکر کی حمایت و دفاع اور مؤخر الذکر تردید و ابطال کے لیے زیر نظر کتاب مرتب فرمائی۔

نام اور وجہ تسمیہ

قاضی صاحبؒ کی زیر نظر کتاب کا نام "فصل الخطاب فی نصیحتہ اولی الالباب" ہے۔ چونکہ شرف الدین محمد مذکور کی کتاب کا نام "قول فصل" تھا، اس لیے قاضی صاحبؒ نے زیر نظر کتاب کے نام کے ابتدائی حصے میں لفظ "فصل" کا اضافہ کیا جو مذکورہ کتاب کے نام کی طرف اشارہ ہے۔ جب کہ "اولی الالباب" نام کی حکمت یہ ہے کہ اس میں اولی الالباب یعنی اہل عقل و بصیرت کو خطاب کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ اس کتاب کے مضامین کو سمجھنا ہر کس و ناکس کے بس کا روگ نہیں، اس کے مضامین اور محتویات سے صرف اعلیٰ درجے کے اہل بصیرت ہی استفادہ کر سکتے ہیں۔

زیر نظر کتاب کے دو مخطوطوں کا پتا چلتا ہے۔ ایک مخطوطہ مخزونہ کتاب خانہ خانقاہ مظہری، دہلی (مولانا ابوالحسن زید) ^{۲۴} ہے اور دوسرا مخزونہ کتاب خانہ خانقاہ موسیٰ زنی شریف، ضلع ڈیرہ اسماعیل خاں ہے۔ راقم الحروف نے موسیٰ زنی شریف کے دوسرے سفر (مورخہ ۲۹، ۳۰ اگست ۱۹۸۵ء) میں مذکورہ نسخے کا بالاستیعاب مطالعہ کیا اور معلومات

^{۲۲} فصل الخطاب، قلمی، ص ۱ تا ۶ (مقدمہ)

^{۲۳} ایضاً ص ۲۳۱، عدد ۸۔

^{۲۴} تشریحات مکتوب مظہر، ص ۲۳۱، عدد ۸۔

حاصل کیں۔

یہ قلمی نسخہ کل ۱۵ اوراق (تقریباً ۲۹ صفحات) پر مشتمل ہے، صفحے کا سائز متوسط
 ر یعنی تقریباً ۶ × ۸ کے قریب ہے، ہر صفحہ ۱۵ سطور کا ہے۔ اس کی کتابت سیاہ (اور
 کسی کسی جگہ سُرخ) روشنائی سے خوب صورت خط نستعلیق میں کی گئی ہے۔ اس کے ترقیمہ
 سے پتا چلتا ہے کہ اسے محمد عیسیٰ نامی کاتب نے حضرت مصنفؒ کے اپنے ہاتھ سے
 لکھے ہوئے قلمی نسخے سے ۱۲۸۰ھ میں کتابت کیا تھا۔ مذکورہ ترقیمہ کی عبارت حسب ذیل ہے۔
 رسالہ فصل الخطاب جس کے مصنف قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی ہیں، ختم ہوا، یہ
 نقل اس نسخے سے کی گئی ہے جو قاضی صاحب نے اپنے بابرکت ہاتھوں سے تحریر کیا تھا
 کاتب الحروف نے جو اہل صفا درویشوں کے پاؤں کی خاک محمد عیسیٰ ہے۔
 مولانا مولوی الثقلین مولوی رحیم بخش صاحب کہ جن کا فیضان سائیکین کے سروں پر ہمیشہ ہے
 بتاریخ ۱۵ شوال ۱۲۸۰ھ، کو لکھا۔

مضامین و محتویات

بنیادی طور پر زیر نظر کتاب سید شرف الدینؒ کی مذکورہ کتاب کے رد میں لکھی گئی ہے،
 مگر فاضل مؤلفؒ نے قاری کو پس منظر اور پیش منظر سے آگاہ کرنے کے لیے کتاب کی ابتدا
 میں ۴ اوراق پر مشتمل ایک مفصل اور مدلل ابتدائیہ لکھا ہے، جس میں خاص طور پر حسب
 ذیل امور پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ ذات و صفات۔

ب۔ تعلیمات مجددی کے تحت قرب خداوندی، ولایت صفرائی و کبرای اور ظلال اسماء

الہیہ اور دوائر وغیرہ۔

اس تمہید کے بعد فاضل مؤلفؒ نے سید شرف الدین کے اشکالات کا ایک ایک
 کر کے جواب دیا ہے، چونکہ سید صاحب مذکور کی کتاب ایک مقدمہ اور دس "دقائق" پر
 مشتمل تھی، اسی لیے قاضی صاحبؒ نے بھی اپنی کتاب کو انہی موضوعات اور عنوانات تک

محدود رکھا ہے۔

عموماً فاضل مؤلفؒ سب سے پہلے سید صاحب کی عبارت "گفتہ" کے عنوان سے بڑے اختصار کے ساتھ نقل فرماتے ہیں۔ لہٰذا جس کے بعد قاضی صاحب اپنا جواب تحریر فرماتے ہیں۔ پوری کتاب میں یہی اسلوب تحریر چلتا ہے۔

یہ کتاب بھی سابقہ کتب کی طرح ابواب اور فصول کی "قیود" سے آزاد ہے، البتہ مقدمے میں "تحقیق" کے عنوان سے، بعض مباحث رقم کیے گئے ہیں۔

زیر نظر کتاب سے فاضل مصنف کی مجددی بزرگوں اور مجددی فلسفے سے عقیدت و محبت کا بخوبی اظہار ہوتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ سے محبت و عقیدت کا ذکر تو اس سے قبل بھی کیا جا چکا ہے دیگر مجددی بزرگوں سے اس کتاب میں عقیدت کا پتا چلتا ہے، چنانچہ قاضی صاحبؒ حضرت مجددؒ کے پیروں اور مجددی بزرگ حضرت محمد فرخ شاہؒ کے متعلق فرماتے ہیں:

حضرت استاد شریعت، شیخ طریقت، وارث نبی کریم، برگزیدہ عزیز الحکیم حضرت محمد فرخ شاہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ لہٰذا

قاضی صاحب کی انصاف پسندی

تاہم محبت و عقیدت کے غلو میں انصاف پسندی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا، اسی کتاب میں حضرت مجددؒ کی ایک تعبیر کو تسامح قرار دیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"حضرت مجددؒ کا واجب الوجود کے ظلال اسما کو آئینہ عدم میں جلوہ گر قرار دینا از قبیل تسامح ہے، کیونکہ عدم تو کچھ بھی ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔" لہٰذا

اسی طرح کی انصاف پسندی فریق مخالف یعنی سید شرف الدین محمد کے سلسلے میں بھی

۴۵ فصل الخطاب، ورق ۵/۱۔ حاشیہ (جس میں زیر بحث معاملے کی صراحت کی گئی ہے)

۴۶ فصل الخطاب، قلمی، و ۱/۲۔

۴۷ ایضاً، بجمل مذکور، ورق ۲/رب

نمایاں ہے، فاضل مؤلف "ابتدائے کتاب میں ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ سید صاحب نے یقیناً یہ کتاب (قول فصل) خلوص نیت سے لکھی اور اس بات کا بھی یقین ہے کہ ان کا یہ کتاب لکھنا "طلب حق" کے لیے ہے؛ لہٰذا چنانچہ انہوں نے پوری کتاب ان کے اس جذبے کو مد نظر رکھتے ہوئے لکھی ہے اور انہیں نہایت ادب و احترام یعنی "سیدی صاحب" سے مخاطب کیا ہے۔ بعض مقامات پر انہیں "آن مرد بزرگ" سے بھی یاد کیا گیا ہے۔ اس طرح بحث و مناظرے میں مخالف کے ادب و احترام اور "انصاف پسندی" کی ایک عمدہ مثال دیکھنے میں آتی ہے۔

نتیجہ خیز بحث

عام طور پر بحث و مناظرے میں "بحث برائے بحث" کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے، مگر زیر نظر کتاب اس سے مستثنیٰ ہے، فاضل مؤلف "ابتدائے کتاب" ہی فرماتے ہیں :
چونکہ ان بزرگوار کا یہ کلام مجھے یقین ہے کہ طلب حق کے لیے ہے کیونکہ مناظرے کا یہی مفہوم ہے اس لیے دین تو دوسروں کی خیر خواہی کا نام ہے۔ لہٰذا میں نے ان بزرگوار کے شبہات کے حل کے لیے چند باتیں لکھ دی ہیں۔^{۱۵۷}
چنانچہ انہوں نے پوری کتاب میں اسی مقصد کو پیش نظر رکھا ہے، کتاب کے آخری پیراگراف میں فرماتے ہیں :

رسالہ قول فیصل میں سیدی صاحب نے جو تازہ معانی بتائے ہیں وہی وجود منبع و مرکز ہے اور تمام جوابات اور تحقیقات کا مدار اسی پر ہے۔ اسی کو کبھی واجب الوجود کہتے ہیں، کبھی افراد میں سے کسی ایک فرد کی مانند شمار کرتے ہیں، کبھی اس کو وجود مصدری کا منتہائے انتزاع قرار دیتے ہیں اور کبھی اس کی نسبت ممکنات مجہول الکیف کے ساتھ قرار دیتے ہیں اور کبھی اس کی نسبت معروضی عوارض کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور چونکہ ان تمام متضاد امور کا اجتماع

۱۵۸ ایضاً، ورق ۱/۲
۱۵۹ ایضاً، ورق ۱/۵
۱۶۰ ایضاً، ورق ۱/۲
۱۶۱ فصل الخطاب، قلمی، ورق ۱/۲

ایک شی میں ممکن نہیں لہذا حضرت شاہ صاحب (محمد فرخ) پر تمام اعتراضات باطل ٹھہرتے ہیں۔ حق آگیا اور باطل چلا گیا، باطل تو ہے ہی جانے والا، اس کے بعد ہر اعتراض کا جواب تفصیل سے لکھنے کی ضرورت نہیں۔^{۵۲} الغرض زیر نظر کتاب اپنے اس موضوع پر منفرد ہونے کے علاوہ بہترین ادبی و علمی روایت کی امین ہے۔

الشہاب الثاقب بطر والشیطان المارود (قلمی)

یہاں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ مغلوں کے دربار میں بہت مدت سے دو واضح الگ الگ گروپ ایرانیوں اور تورانی امرا کے چلے آتے تھے، جب تک حکمرانوں میں دست و بازو کی قوت قائم رہی اس وقت تک تو یہ دونوں طبقے حکومت کے رزم و بزم کے ہنگاموں میں ایک دوسرے کی مذہبی حالت کو فراموش کیے رہے، مگر جب حکمرانوں کے اپنے اندر کوئی طاقت اور قوت باقی نہ رہی تو اس وقت فوراً ہی یہ گروپ آپس میں جھگڑنے لگے۔ چنانچہ سلطان اورنگ زیب عالمگیر کی وفات (۱۷۰۷ء) کے بعد ہندوستان کے مسلمانوں کو جس پر آشوب حالت سے گزرنا پڑا، اس کی سنگینی آپس کی ان ناچاقیوں کے باعث اور زیادہ بڑھ گئی اور مسلمانوں کی اصل قوت انہی باہمی خانہ جنگیوں اور معرکہ آرائیوں کی نذر ہو گئی۔

قاضی صاحب کے زمانے میں یہ کشمکش اور تیز ہو گئی۔ ان حالات سے عام معاشرتی اور علمی حالت بھی متاثر ہوئی اور دونوں فرقوں کے درمیان بحث و تمحیص کا لامتناہی سلسلہ چل پڑا۔ دہلی کے حلقے میں اسی زمانے میں متعدد بزرگوں نے اس موضوع پر لکھا، ان حضرات میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ عید العزیز اور قاضی صاحب جیسے اکابر کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

زیر نظر تصنیف (الشہاب الثاقب) لکھنے کا پس منظر یہ ہے کہ جب قاضی صاحب نے السیف المسلول (قبل از ۱۱۹۵ھ/۱۷۸۰ء) مرتب کی تو اس کی تائید میں ملا حسین کشمیری^{۵۳} نامی

^{۵۲} ایضاً، ورق ۱۵/۱

^{۵۳} قاضی صاحب کے زمانے میں اس نام کے متعدد علما و فضلا موجود تھے (مثلاً دیکھئے نزہتہ الخواطر، ۲۲۲، نیز ج ۶) یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ ان سے کون سے ملا حسین کا کشمیری مراد ہیں۔

ایک عالم دین نے ایک کتاب لکھی، جس کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ اس کتاب کی تردید میں ایک شیعہ عالم عبدالرحیم ملتانی نے کتاب لکھی، اس کتاب کا نام بھی معلوم نہیں ہو سکا۔ قاضی صاحب نے یہ کتاب پڑھی تو اس کے جواب میں "الشہاب الثاقب" تصنیف کی۔ اس کا قلمی نسخہ مولانا ایف اللہ عثمانی کی ملکیت میں ہے۔ اور فوٹو کاپی راقم الحروف کی مملوکہ ہے۔

زیر نظر کتاب بھی ابھی تک مخطوطے کی صورت میں ہے، اس کے دو قلمی نسخوں کا پتہ چل سکا ہے۔ ایک نسخہ کتاب خانہ منظریہ دہلی میں ہے جو مولانا ابوالحسن زید کے کتب خانے میں موجود ہے۔ دوسرا نسخہ مولانا ایف اللہ عثمانی (سرگودھا) کی لائبریری میں محفوظ ہے۔

اس مخطوطے کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ یہ نسخہ حضرت مؤلفؒ کی حیات مبارکہ میں ہی نواح ۱۳۱۲ھ میں ان کے ہاتھ سے لکھے ہوئے اصل نسخے سے کتابت کیا گیا۔ کتابت معیاری تو نہیں ہے البتہ قابل مطالعہ ہے۔ یہ نسخہ مولانا عثمانیؒ کے ایک جد امجد شیخ محمد ولد شیخ فضل علی پیر زادہ کی ملکیت رہا ہے۔ صفحے کا سائز درمیانہ یعنی تقریباً ۹ x ۶ ہے، اور ہر صفحے میں کل ۱۷ سطور ہیں۔ کل کتاب کے تقریباً ۳۲ اوراق ہیں۔

ہمارے خیال میں قاضی صاحبؒ کی زیر نظر کتاب مناظر اتی اعتبار سے اس موضوع کی اہم کتاب ہے، ایک تو اس میں مسئلے کی نوعیت زیادہ گہری اور بسیط ہے۔ دوسرے اس کے مضامین و ابواب عوامی احساسات و خیالات کے زیادہ قریب ہیں اور اس میں مشکل استعارے اور پیچیدہ ترکیبیں یا منطقی و فلسفیانہ اصطلاحوں کی کثرت نظر نہیں آتی، ایک "عامی" بھی اسے اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔ اس کتاب میں عام مضامین کو حسب ذیل تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

- ۱۔ عبدالرحیم ملتانی کے دعاوی و استدلالات۔
- ۲۔ ملا حسین کشمیری کا استدلال۔
- ۳۔ فاضل مؤلفؒ کا اپنا موقف۔

کتب سیر و تذکرہ

تقدیس والدی المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

زیر نظر رسالہ قاضی صاحبؒ نے علامہ جلال الدین سیوطی کی بعض کتب کے زیر اثر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین جناب عبداللہ و سیدہ آمنہ بنت وہب کی تقدیس اور ان کے مشرف باسلام ہونے سے متعلق تحریر فرمایا ہے، تفسیر منظہری میں اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”اور شیخ اجل جلال الدین سیوطی رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آبا کے اسلام پر متعدد رسائل لکھے ہیں، میں نے بھی ان رسالوں میں سے کچھ باتیں اخذ کر کے ایک رسالہ تصنیف کیا ہے، جس میں ان کے اسلام کا اثبات کیا گیا ہے اور اس کے خلاف جو شبہات پیدا ہوتے ہیں ان کا شافی جواب لکھا ہے۔ ساری حمد و ثنا اللہ ہی کے لیے ہے۔“

اس رسالے میں انھوں نے تاریخ اور روایات کے حوالے سے اپنے موضوع کو مدلل کر کے پیش کیا ہے، تاہم بنیادی طور پر یہ کتاب علامہ سیوطی کی کتاب کا خلاصہ اور فارسی ترجمہ ہے۔ اس رسالے کا واحد قلمی نسخہ دہلی میں مولانا ابوالحسن زید کی ملکیت ہے۔

رسالہ در ذکر نسب اطہر و ازواج مبارکہ و اولاد عالی گہر سرورد و عالم صلی اللہ علیہ وسلم

اس رسالے میں قاضی صاحبؒ نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب نامہ اور

۱۔ تفسیر منظہری، ۱: ۱۲۱

۲۔ عبد الرزاق قریشی، تشریحات مکتوبات مرزا مظہر، ص ۲۳۱، عدد ۷۔

آپ کی ازواج و اولاد (ذکور و اثاث) کا مختصر حال بیان کیا ہے، اس رسالے کے ذریعے قاضی صاحب "سیرت نگاروں کی فہرست میں شامل ہو چکے ہیں۔ اس کا بھی واحد قلمی نسخہ دہلی میں مولانا ابوالحسن زید دہلوی کی ملکیت ہے۔ ۳

رسالہ در بیان اولاد امام ربانی

"اس رسالے میں جو چند اوراق پر مشتمل ہے۔ قاضی صاحب نے حضرت مجدد الف ثانی کی اولاد و احفاد کا مختصر سا تذکرہ کیا ہے۔

اس رسالے کا قلمی نسخہ دہلی کے علاوہ ۴ کتاب خانہ و خانقاہ موسیٰ زئی شریف میں بھی ہے۔ راقم نے خانقاہ مذکورہ کے پہلے سفر کے دوران (دسمبر ۱۹۸۴ء میں) اس رسالے کی زیارت کی تھی، مگر دوسرے سفر (۲۹ و ۳۰ اگست ۱۹۸۵ء) میں تلاش بسیار کے باوجود کتاب خانہ سے یہ رسالہ دریافت نہ ہو سکا۔ اس لیے اس کی مزید تفصیلات نہ دی جاسکیں۔

زیر نظر کتاب اگرچہ تاہنوز قلمی حالت میں ہے، مگر اس کی علمی اہمیت اور افادیت کا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ بعض اہم کتب سیر و تذکرہ میں اس سے استفادہ کیا گیا ہے۔ ۵

مختہ گفتار در مناقب انصار

زیر نظر رسالہ قاضی صاحب نے انصار کی شان میں تصنیف فرمایا تھا کیونکہ مادری رشتے سے قاضی صاحب بھی انہی کی اولاد میں سے ہیں۔ اس کا قلمی نسخہ دہلی میں مولانا زید کی تولیت میں ہے۔ ۶

اس رسالے میں قاضی صاحب نے لکھا ہے کہ اسلام میں انصار کا بڑا رتبہ ہے اور

۳ ایضاً، ص ۲۳۲ ۴ ایضاً، ص ۲۳۲، عدد ۱۱۔

۵ عبدالحی لکھنوی، نزہۃ الخواطر، ۶: ۲۳۳ (ذکر فرخ شاہ سرہندی): کھانی تذکرۃ

الانساب - للقاضی ثنا اللہ

۶ عبدالرزاق قریشی، کتاب مذکور، ص ۲۳۲، عدد ۲۷۔

تمام مسلمانوں پر ان کا بڑا حق ہے ، بعد ازاں وفاتِ نبویؐ سے پیدا ہونے والے خلا کا اور انصارِ مدینہ کی جانب سے خلفائے راشدین کے ساتھ تعاون کرنے کا مفصل ذکر کیا ہے ۔
الغرض معلومات اور موضوع کے اعتبار سے یہ ایک منفرد رسالہ ہے ۔

تذکرۃ العلوم والمعارف

یہ رسالہ بھی ابھی تک قلمی صورت میں ہے ، جس کا واحد قلمی نسخہ دہلی میں مولانا ابوالحسن زید کی ملکیت ہے ۔ اس رسالے میں قاضی صاحب نے علم و علما کی فضیلت ، علما کے درجات ، علمائے ربانی کی فضیلت ، علمائے اہل کتاب کی حالت ، علمائے فرائض ، علمائے سو ، بہتر اور بدتر علما کا ذکر کر کے ، علوم غیر مستفاد ، مثلاً موسیقی وغیرہ کا ذکر کیا ہے ، الغرض یہ رسالہ بھی قاضی صاحب کے اجتہادی اسلوب کا منظر ہے ۔

۷ ان معلومات کے لیے راقم الحروف ڈاکٹر ساجدہ علوی کامرہون منت ہے ۔

تلخیص و ترجمہ

تذکرۃ الموتی والقبور

موضوعی اہمیت:

قاضی صاحبؒ کی محولہ بالا دونوں ابتدائی کتب امورِ آخرت سے متعلق ہیں، ان میں مزید فرق یہ ہے کہ اول الذکر (زیر بحث) کتاب موت اور عالم برزخ کے احوال پر مشتمل ہے اور موخر الذکر میں "قیامت اور مابعد قیامت" کی روایات و آثار جمع کیے گئے ہیں۔

مذہبی اعتبار سے مرنے کے بعد کی زندگی (Life after Life) کا موضوع بے حد اہم ہے، اس کا تھوڑا بہت تصور تو قریب قریب دنیا کے ہر مذہب میں پایا جاتا ہے، گو ہر ایک کی تعبیرات مختلف ہیں۔ ان میں سے اسلام اور دیگر آسمانی مذاہب میں قیامت اور جنت و دوزخ کا ذکر "قدر مشترک" کے طور پر ملتا ہے، البتہ مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں سے اس عنوان پر سب سے زیادہ اور سب سے بہتر معلومات اسلام نے ہی فراہم کی ہیں۔

اسلام کے بنیادی عقائد میں "بعث بعد الموت" کا عقیدہ بھی شامل ہے، یہی وجہ ہے کہ اس نکتے پر قرآن و حدیث میں بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔ اسلامی فکر کے ان دونوں سرچشموں میں تذکیر و موعظت کا بیشتر کام اسی عنوان پر فراہم کردہ تفصیلات سے لیا گیا ہے۔ اس موضوع پر یہ معلومات قرآن و حدیث میں جا بجا بکھری ہوئی ہیں، جنہیں موضوع کی اساسی اہمیت کے پیش نظر بہت ابتدائی زمانے میں ہی مربوط طریقے پر پیش کرنے کی کوششیں شروع ہو گئی تھیں۔ ابتدائی کتب حدیث میں اس قسم کی روایات "کتاب الرقاق" ۱۱

۱۱ مشال کے طور پر دیکھیے صحیح بخاری، کتاب الرقاق، مطبوعہ لائڈن، (۴/۸۱، ۱۴: ۲۱۰ تا ۲۵۰)

کے عنوان سے لکھا جاتا تھیں۔ بعد ازاں انہی روایات و آثار کو "الترغیب والترہیب" کے عنوان سے قلم بند کیا جانے لگا، اس سلسلے میں ابو موسیٰ المدینی، ابن زنجویہ، حمید بن قتیبہ الازدی وغیرہم نے مستقل کتابیں لکھ کر نام پیدا کیا۔ تاہم شہرت اور مقبولیت کے لحاظ سے الاصفہانی اور المنذری کی اسی عنوان سے کتابیں سرفہرست ہیں۔

نام اور وجہ تسمیہ

زیر نظر کتاب کا نام "تذکرہ الموتی والقبور" یعنی مردوں اور قبروں کے احوال کا ذکر۔ اس موضوع سے متعلق سیوطی کی کتاب شرح الصدور فی شرح حال الموتی والقبور، جسے کتاب الروح بھی کہا جاتا ہے، کا نہایت عمدہ اختصار ہے، نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں:

"اس رسالہ رادر زبان فارسی در احوال موت و اموات و قبور از کلام جلال الدین تلخیص کردہ و بسیار خوب انتخاب کردہ"۔

علاوہ ازیں یہ تلخیص فارسی زبان میں ہونے کی بنا پر، سیوطی کی کتاب کے فارسی ترجمے کی ضرورت کو بھی پورا کرتی ہے۔ اس طرح یہ کتاب فارسی (اور اردو ترجمے کی مدد سے اردو) کے قاری کو اس موضوع پر بہترین معلومات بہم پہنچاتی ہے۔ اس مقصد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے، قاضی صاحب "ابتدائیہ میں فرماتے ہیں:

"حمد و صلوات کے بعد فقیر محمد ثناء اللہ پانی پتی عرض پر داڑھے کہ موت کا آنا لازمی ہے، جس سے کسی کو مفر نہیں، موت کا ذکر اور اس کے حالات سے واقفیت پیدا کرنا عقلیت کے دور کرنے اور حصول برکات کا ذریعہ ہے۔ اس لیے یہ کتاب فارسی زبان میں موت اور قبور کے حالات میں بہ استفادہ کلام علامہ جلال الدین سیوطی پیش ہے، تاکہ فیض عام جاری رہے۔

اس کتاب کے دو عدد قلمی نسخے ملتے ہیں۔ ایک مملوکہ مولانا ایف اللہ عثمانی سرگودھا اور دوسرا مملوکہ مولانا ابوالحسن زید — دہلی۔

۱۰۰:۱ تا ۲۰۱

۳۹ اتحاف النبلا، ص ۳۹

اس کے کل صفحات ۹۴ ہیں، (علاوہ مقدمہ وغیرہ) ہر صفحے کا سائز چھوٹا (۱۸ × ۱۰ ۱/۲ سم) ہے، اور اس میں بمشکل ۱۵ سطور ہیں؛ اس کے برخلاف السیوطی کی شرح الصدور (اردو ترجمہ) (علاوہ مقدمہ) تقریباً تین صد صفحات پر مشتمل ہے، صفحے کی تقطیع بڑی ہے اور ۲۵ سطور پر مشتمل ہے۔ اس طرح مؤخر الذکر کے ہر صفحے میں اول الذکر کی نسبت دو گنا مواد آتا ہے، یوں دونوں میں حجم اور طوالت کا تناسب ایک چھ سے ایک سات کے مابین متعین ہوتا ہے۔

مضامین کتاب

اس درجہ مختصر ہونے کے باوجود زیر نظر کتاب السیوطی کی محولہ بالا کتاب کے تقریباً جملہ مضامین کا استیعاب کرتی ہے، دونوں کے مضامین پر ایک نظر ڈالنے سے بخوبی اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ بہر حال "تذکرۃ الموتی والقبور" میں حسب ذیل عنوانات پر روشنی ڈالی گئی ہے:

"آغاز موت، موت کی دُعا، ما لگنا جائزہ ہے، علامات خاتمہ بالخیر، سوہ خاتمہ کی نشانیاں، مومن اور کافر کی تکالیف میں فرق، مرنے والے کے آخری الفاظ اور ان کی اہمیت، ملک الموت اور ان کے مددگار فرشتوں کی آمد، نیز ان کا میت سے ہم کلام ہونا۔ ان فرشتوں کا مومن اور کافر سے سلوک، حسابِ قبر، عذابِ قبر، قبر میں جنت کی خوشبو آنا، روح کا آسمان کی طرف جانا، مختلف اعمال کی قبر میں حاضری، سوال منکر نیکر از میت فاسق، قبر کی تنگی اور ضغطہ قبر، فصل در حق شہداء، ارواحِ مؤمنین کی دوسری ارواح سے ملاقات، مسلمان کی موت پر زمین کا اشکبار ہونا، صلحا کے حواریں میں دفن ہونے کے فائدے، قبر میں گلے کی تلقین، صالحین کو قبر کی تنگی ہونے یا نہ ہونے کی بحث، قبر کی میت سے گفتگو، سوال منکرین کے وقت روح کے جسم میں داخل ہونے یا داخل نہ ہونے کا ذکر، عذابِ قبر سے مستثنیٰ لوگ، مسلمان کی قبر میں حالت، مشایعتِ جنازہ، اسباب نورانیت و ظلمتِ قبر، حسابِ قبر کے دیگر پہلو، قبر میں بعض لوگوں کے چہروں کا قبلہ رخ سے از خود پھر جانا، اندرونِ قبر اہل اللہ کی مصروفیات، زیارتِ قبور اور اس کا طریقہ، ارواحِ مؤمنین کے رہنے کی جگہ، ناجی مسلمانوں

کی اقسام، مقروض کے قرضوں کا معاف نہ ہونا، علیین اور سجدین کی بحث، مرنے کے بعد روح کے جسم انسانی سے اتصال کی نوعیت، مردوں کو فائدہ پہنچانے والے امور، میت کو ثواب پہنچنے یا نہ پہنچنے کی بحث، موت کے اچھے اوقات اور ایسا اور شہداء کے اجسام قبروں میں محفوظ رہنے کی بحث۔ قریب قریب یہی موضوعات ہیں، جن پر سیوطی نے تفصیل سے روایات جمع کی ہیں۔

امتیازات

تاہم یہ سمجھنا بھی درست نہ ہوگا کہ زیر نظر کتاب محض سیوطی کی مذکورہ بالا کتاب کی تلخیص پر مشتمل ہے بلکہ قاضی صاحب نے اس میں بعض اضافے بھی کیے ہیں۔ مثلاً اس زمانے میں عام طور پر اہل قلم اپنے کلام کو بر محل اشعار سے آراستہ کرتے تھے، فاضل مولف نے بھی اس کتاب کو عربی (مثلاً اشعار الشیخ الشعراوی) اور فارسی (مثلاً اشعار شیخ بوعلی قلندر پانی پتی) سے جا بجا آراستہ کیا ہے۔ علاوہ ازیں ان اشعار سے مشصوفانہ نقطہ نظر سمجھنے میں بھی مدد ملتی ہے۔

اسی طرح فاضل مولف نے زیر نظر کتاب میں متعدد مقامات پر مستقل مباحث کا اضافہ بھی کیا ہے، اس سلسلے میں "شہداء کی فضیلت و اہمیت پر مستقل فصل" کے علاوہ قبر میں روح کے جسم انسانی سے اتصال و ارتباط وغیرہ کا ذکر کیا ہے، علیٰ ہذا القیاس التواذی عذاب قبر کے متعلق بھی مفید اضافے کیے گئے ہیں؛

سیوطی نے ایک مقام پر عذاب قبر سے مستثنیٰ لوگوں کے متعلق چند روایات نقل کی ہیں، جن کا خلاصہ تذکرہ الموتی میں بھی نقل کیا گیا ہے، مگر فاضل مولف نے بعض دیگر روایات سے اس پر یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ عذاب قبر سے ان لوگوں کو بھی محفوظ رکھا جائے گا جو ایک نماز پڑھ کر دوسری نماز کے انتظار کے لیے مسجد میں بیٹھے رہتے ہیں،

سیوطی نے "شرح الصدور میں" الدر المنثور کی طرح روایات جمع کرنے پر زور رکھا ہے، ان پر نقد و تبصرہ کرنے کی بہت کم ضرورت محسوس کی ہے، اس لیے زیر نظر موضوعات پر

طرح طرح کی روایات تو جمع شدہ مل جاتی ہیں، مگر مصنف کے نقطہ نظر اور اس کے طبعی رجحان کا کوئی پتا نہیں چلتا، اس کے برخلاف قاضی صاحب نے ایک ثقہ اور ذی رائے عالم کی طرح ان روایات کے متعلق ذاتی آرا بھی ساتھ ساتھ دی ہیں، جس سے قاری کو صحیح نقطہ نظر تک پہنچنے میں مدد ملتی ہے، چنانچہ فاضل مؤلف نے اس مقصد کے لیے کسی مقام پر تو جمع بین الروایات کیا ہے، وہ کسی جگہ روایات سے مفید نکات اخذ کر کے بیان کیے ہیں، جب کہ بعض موقعوں پر زیر نظر مواد پر دوسرے پہلوؤں سے گفتگو کی ہے، الغرض ہر جگہ نقد و تبصرہ سے کتاب کے علمی مباحث کو مفید بنایا ہے۔

اسی طرح السیوطی کی کتاب "متصوفانہ نقطہ نگاہ" سے بھی تہی دامن ہے، مگر قاضی صاحب نے اپنی کتاب کو تصوف کی معلومات کے ساتھ مربوط کر کے پیش کیا ہے، مثال کے طور پر ایک مقام پر قبر میں دی جانے والی نعمتوں کا تذکرہ آیا تو فاضل مؤلف شیخ الشعراوی کے حوالے سے بعض صوفیوں کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ بعض اہل اللہ ان نعمتوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں گے کیونکہ ان کو دیدار الہی ہی مطلوب و مقصود ہوگا، فاضل مؤلف حضرت مجدد کے حوالے سے اس قسم کے اقوال کو صوفیا کے سکر پر محمول کرتے ہیں۔

اسی طرح ایک مقام پر قبر میں "روح و جسم" کے اتصال میں مشہور صوفی بزرگ شیخ شفیق بلخی کا قول نقل کر کے متصوفانہ نقطہ نظر بیان کیا ہے، اسی عنوان پر ایک دوسری جگہ حضرت مجدد کے حوالے سے اس تمام بحث کا محاکمہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "اللہ تعالیٰ بعض لوگوں (اولیاء) کو جسم موصوب عطا کرتے ہیں، جس کے ذریعے وہ نقل و حرکت کر سکتے ہیں۔ الغرض کتاب میں جا بجا "متصوفانہ نکات" کا اضافہ کر کے کتاب کو ہلکا سا تصوف کا رنگ دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

دونوں کے انداز بیان میں بھی بڑا فرق ہے، السیوطی کا انداز بیان محدثانہ کم

۵ ایضاً، ص ۹-۱۲ ۶ ایضاً، ص ۵۲-۵۳

۷ ایضاً، ص ۵۰-۵۲ ۸ ایضاً، ص ۳۳-۳۶

۹ تذکرۃ الموتی والقبور، ص ۵۰ ۱۰ ایضاً، ص ۸۱-۸۲

ترمو رخانہ ہے، وہ جو بات کرتے ہیں روایات کے ذریعے سے کرتے ہیں، جب کہ قاضی صاحب کا اندازہ تحریر محدثانہ ہونے کے ساتھ ساتھ محققانہ بھی ہے، جس سے ہر باب سے نتائج اخذ کرنے میں قاری کو سہولت رہتی ہے، اس اعتبار سے بلاشبہ زیر نظر کتاب سیوطی کی بہترین تلخیص ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مستقل کتاب کی خصوصیات کی حامل ہے۔

اس کا واحد اردو ترجمہ اقبال الدین احمد خان نے کیا ہے جو کراچی سے ۱۹۶۷ء میں شائع ہو چکا ہے، یہ ترجمہ جدید اردو زبان میں ہے، ترجمے کی عبارت رواں دواں اور سلیس ہے، ابتدا میں فاضل مترجم نے تین صفحات پر مشتمل قاضی صاحب کے حالات زندگی لکھے ہیں، جس میں چند تسامحات ہیں۔ مثال کے طور پر لکھا ہے کہ قاضی صاحب کو دوران تدریس شاہ ولی اللہ محدث دہلوی "بیہقی" کہا کرتے تھے، تکمیل علوم کے بعد شاہ صاحب نے انھیں "امام بیہقی" کا خطاب دیا تھا۔ یہ درست نہیں، قاضی صاحب کو "بیہقی وقت" کا لقب شاہ عبدالعزیز نے دیا تھا، جو ان کے دوست اور معاصر تھے۔

اسی اردو ترجمے پر اقبال الدین احمد خاں صاحب نے اپنی حبیہ حبیہ حواشی لکھے ہیں، جس میں زیادہ تر حکیم مسیح الدین احمد خاں صاحب (م ۱۹۲۸ء) کی "سیر اولیا" سے بعض اضافات کیے گئے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ حاشیہ صحیح معنوں میں حاشیے کی ضرورت کو پورا نہیں کرتا۔ لہذا اس پر ایک مفید اور ذیق حاشیے کی ضرورت ہے۔

تذکرۃ المعاد (تلخیص البدو والسافرہ فی امور الآخرة للسیوطی)

سابقہ کتاب کی طرح زیر نظر کتاب بھی السیوطی کی مذکورہ کتاب کی تلخیص پر مشتمل ہے۔ سابقہ کتاب میں عالم برزخ (قبر وغیرہ) کے احوال و مناظر کا ذکر تھا جب کہ زیر نظر کتاب قیامت، حشر و نشر، جنت و دوزخ اور اس طرح کے دیگر معاملات کے متعلق تحریر کی گئی ہے، قرآن و حدیث اور اسلامی ادب میں اس موضوع کو ہمیشہ نمایاں اور اولین اہمیت حاصل رہی ہے کیونکہ اس کے بغیر مذہبی اور اخلاقی زندگی کا تصور پیدا نہیں ہو سکتا۔ فاضل مؤلف اس کے تصنیفی پس منظر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”حمد و صلوة کے بعد فقیر حقیق محمد ثنا اللہ پانی پتی عثمانی مجددی لکھتا ہے۔ کہ فقیر نے اسی لیے اس باب میں چند اوراق فارسی زبان میں شیخ جلال الدین السیوطی بن شیخ کمال الدین بن ابی بکر السیوطی کی کتاب سے انتخاب کر کے لکھے ہیں تاکہ عام مسلمان اس سے مستفید ہوں اور اس گنہگار کو اپنی دعائیں، اس کے حسنِ خاتمہ اور گناہوں کی مغفرت میں امداد و اعانت فرمائیں۔“ ۱۱

علامہ سیوطی کی جس کتاب کا فاضل مؤلف نے ملخص پیش کیا ہے، درحقیقت ”شرح الصدور“ کا ایک لحاظ سے تتمہ ہے کیونکہ علامہ سیوطی نے شرح الصدور کے دیباچے میں لکھا تھا۔

”اگر اللہ تعالیٰ نے عمر میں برکت دی تو ارادہ ہے کہ اس کے ساتھ ایک اور کتاب شامل کر دوں گا، جس میں علاماتِ قیامت کا ذکر ہو اور ایک ایسی کتاب جس میں بعث (بعد الموت)، قیامت اور جنت و دوزخ کا مکمل بیان ہو۔“ ۱۲

چنانچہ سیوطی نے اپنا یہ وعدہ ۸۸۴ھ / ۱۴۷۹ء میں ”البدور السافرہ“ لکھ کر پورا کیا جس کے ابتدائیہ میں وہ فرماتے ہیں۔

انھوں نے اپنی کتاب ”البرزخ“ کے خطبے میں (جو علومِ آخرت سے متعلق ہے اور جس میں احوالِ قیامت مثلاً نفعِ صور، بعثت اور جنت و دوزخ وغیرہ کا بیان ہے اور اس ضمن میں آیات، احادیث اور اقوال صحابہ وغیرہ مروی ہیں) جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کر دیا ہے۔ ۱۳

سیوطی کی زیر نظر کتاب بھی سابقہ کتاب کی طرح بہت مقبول ہوئی اور متعدد بار زیور طباعت سے آراستہ ہوئی، تاہم طوالت اور بے جا تکرار مضامین کے باعث عام قاری کے

۱۱ تذکرۃ المعاد، مطبوعہ نظامی کاپنور، ۱۲۸۰ھ، ص ۲ ۱۲ شرح الصدور، ص ۹۔

۱۳ البدور السافرہ، ص ۲، مطبوعہ لاہور ۱۳۱۱ھ، نیز کشف الظنون، ۱، ۲۳۲۔

۱۴ لاہور سے ۱۳۱۱ھ میں طبع ہوئی، اس کے علاوہ دُنیا کے متعدد کتب خانوں میں اس کے قلمی نسخے موجود ہیں (دیکھیے برد کلیمان، اشاریہ، ج ۳)۔

یہ اس سے استفادہ کرنا مشکل تھا۔ اسی بنا پر قاضی صاحب نے اس کا خلاصہ "تذکرۃ المعاد" کے عنوان سے مرتب کیا، جس سے تلخیص کے علاوہ فارسی ترجمے کی آسانی بھی پائی جاتی ہے۔ قاضی صاحب نے زیر نظر کتاب کا نام "تذکرۃ المعاد" (عالم آخرت کا ذکر) رکھا ہے، جس میں بڑی معنویت پائی جاتی ہے، خود قرآن حکیم (سورۃ القصص: ۸۵) میں یہ لفظ اتنی معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ "معاد" کے لفظی معنی "لوٹ کر جانے کی جگہ" کے ہیں، مقصد یہ ہے کہ لوگ مائیں یا نہ مائیں انھیں بہر حال لوٹ کر اسی جگہ جانا ہے۔ اس کتاب کے دو قلمی نسخوں کا پتہ چلا ہے۔ ایک نسخہ مولانا ابوالحسن زید (دہلی) کے پاس ہے اور ایک مولانا ایف اللہ عثمانی (سرگودھا) کے کتب خانے میں ہے۔

یہ کتاب پہلی مرتبہ مطبع نظامی لکھنؤ سے (۱۲۹۹ھ / ۱۸۸۲ء میں) شائع ہوئی تھی جو ۵۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اب اس کا یہ فارسی ایڈیشن نادر الوجود ہے، تلاش بسیار کے باوجود لاہور میں اس کا صرف ایک مطبوعہ نسخہ دریافت ہو سکا جو پنجاب پبلک لائبریری میں موجود ہے۔

اس کتاب کے ۱۹۲ ابواب ہیں، جس سے اصل کتاب کی طوالت کا اندازہ ہوتا ہے۔ قاضی صاحب نے اس کا خلاصہ کل چار ابواب میں مرتب کیا ہے، جس پر ایک باب کا اضافہ کر کے ابواب کی کل تعداد پانچ کر دی ہے، تفصیل حسب ذیل ہے: باب اول علامات قیامت، باب دوم روز بعث و نشور، باب سوم جہنم کی صفت اور عذاب کفار، باب چہارم گنہگار مسلمانوں کی تعذیب، باب پنجم جنت کی نعمتیں۔

اول الذکر باب سیوطی کی مذکورہ کتاب میں موجود نہیں ہے، اس طرح یہ باب سیوطی کی تلخیص پر ایک مفید اضافہ ہے۔

تلخیص کی خصوصیات

سیوطی بیارنویس مصنف ہیں، وہ اپنے زمانے کے مامور محدث تھے۔ مگر انہوں نے اپنی کتاب میں، جس میں ہر طرح کی ضعیف اور کمزور

۱۵ عبدالرزاق قریشی: تشریحات، مکاتیب مظہر، ص ۲۳۱، عدد ۵۔

روایات جمع کر دی ہیں؛ اسی طرح امور آخرت پر ان کی زیر نظر کتاب (البدور السافره) بھی اسی سلسلے کا حصہ ہے، اس میں بھی انھوں نے موقوف، منقطع اور ضعیف وغیرہ ہر قسم کی روایات جمع کر دی ہیں؛ اس سے کتاب کا حجم تو بڑھ گیا ہے، مگر تحقیقی نقطہ نظر سے یہ مجموعہ اپنے حجم کے مطابق کار آمد نہیں ہے۔ اسی بنا پر اس کی علمی طریقے پر تلخیص کی اشد ضرورت تھی جو کسی اعلیٰ درجے کے محقق و عالم ہی کا کام تھا، چنانچہ قاضی صاحب نے یہ علمی ضرورت پوری کر دی۔ نواب صدیق حسن خاں اس کی بابت فرماتے ہیں:

”وایں رسالہ را از تالیفات شیخ جلال الدین انتخاب نموده۔“^{۱۶}

اس تلخیص سے دونوں کے حجم و ضخامت میں جو فرق واقع ہوا ہے، اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ سیوطی کی کتاب کی بڑی تقطیع (۲۵ سطوری صفحہ) کے کل تقریباً ۳۸۶ صفحات ہیں، جب کہ تذکرۃ المعاد کل ۵۸ صفحات پر مشتمل ہے، جب کہ ابتدائی باب مکمل طور پر اضافہ شدہ ہے۔

السیوطی کی کتاب میں طوالت کے باوجود علامات قیامت کا ذکر نہیں ہے، حالانکہ ان علامات کا ذکر واقعہ قیامت کا اہم ترین حصہ ہے۔ قاضی صاحب نے کتاب میں ایک باب کا اضافہ کر کے یہ کمی پوری کر دی ہے۔

اس باب کی ترتیب و تدوین قاضی صاحب نے السیوطی کے نسق پر کی ہے، اس باب میں اور دیگر ابواب میں قطعاً کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا۔ بنیادی طور پر اس باب میں قرآن مجید کے علاوہ صحاح ستہ میں سے کتب اربعہ (بخاری و مسلم، ترمذی اور ابوداؤد) اور مسند احمد بن حنبل و نیز ابن الجوزی (کتاب غالباً الوفا) کو پیش نظر رکھا گیا ہے، جس سے اس بات کے استنادی اور علمی و تحقیقی پایے کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

اس باب میں قرآن و حدیث کے مستند حوالوں سے قریب قریب تمام اہم علامات قیامت کا ذکر آ گیا ہے۔ مثال کے طور پر ظہور مہدی، خروج دجال، ظہور عیسیٰ، خروج یاجوج و ماجوج اور اس کے علاوہ تمام اہم (مجموعی طور پر کل دس) علامتوں کا تذکرہ کیا گیا

ہے۔

اسی موضوع پر بعد میں شاہ رفیع الدین دہلویؒ نے آثارِ قیامت لکھی جو دہلی اور بمبئی وغیرہ میں چھپی اور بہت مقبول ہوئی۔ شاہ صاحبؒ نے اس میں بہت سی ضعیف روایات بھی جمع کر دی ہیں، تاہم دونوں کے مضامین اور ذخیرہ روایات میں مماثلت کی بنا پر یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ شاہ صاحبؒ نے قاضی صاحبؒ کی کتاب کے (باب اول) سے بھی استفادہ کیا ہوگا۔

قاضی صاحب نے مختلف مقامات پر عبارت میں مزید تاثر پیدا کرنے کے لیے اپنی عبارت کو جابجا مختلف شاعروں کے کلام سے بھی آراستہ کیا ہے، مثال کے طور پر ایک جگہ باب دوم میں حسب ذیل شعر نقل فرمایا ہے:

یروز حشر شود ہچو روز معلومت کہ باکہ باختہ عشق در شبِ دیجور
اسی طرح ایک اور مقام پر مولانا روم کے اشعار نقل کیے گئے ہیں۔

تجزیہ و محاکمہ

تذکرۃ المعاد کی ایک اہم ترین خصوصیت اس کے تجزیاتی مباحث ہیں، چنانچہ قاضی صاحب کسی مقام پر مختلف روایات میں تطبیق پیدا کرتے ہیں، جیسا کہ باب اول میں وقوع قیامت سے متعلق مختلف روایات میں مطابقت پیدا کی گئی ہے، کچھ کسی جگہ کسی خاص نکتے کی اس طرح تحقیق کرتے ہیں کہ جس سے تمام شکوک و شبہات کا ازالہ ہو جاتا ہے، مثال کے طور پر اہل اعراف کے متعلق علما کے حلقوں میں خاصا اختلاف ہے کہ یہ کون لوگ ہوں گے، قاضی صاحب نے باب دوم میں مکمل طور پر اس کی تحقیق پیش کی ہے۔^{۱۵}

اعراف کے متعلق معتزلہ کا یہ گمان تھا کہ وہ "منزلتہ بین المنزلتین" ہے، قاضی صاحب نے اس کی تردید کی ہے۔ اسی طرح باب چہارم (گناہگار مسلمانوں کی تعذیب) میں بھی متعدد تحقیقی مباحث شامل کیے گئے ہیں۔^{۱۹}

۱۵ تذکرۃ المعاد، ص ۹۰۸ ۱۶ تذکرۃ المعاد، ص ۱۰-۱۵

۱۹ ایضاً ص ۳۵-۴۰ (فارسی متن)

متصوفانہ نقطہ نظر

اس کے علاوہ اس کتاب کی ایک اور نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ قاضی صاحب نے اس میں متصوفانہ نقطہ نظر بھی بیان فرمایا ہے۔ جس کے شواہد متعدد مقامات پر ملتے ہیں مثال کے طور پر ایک مقام پر قیامت کے مختلف مناظر (مثلاً لوگوں کا مختلف شکلوں میں خدا کے سامنے حاضر ہونے وغیرہ) کا ذکر آیا تو اس پر قاضی صاحب نے اصحاب کشف کے حوالے سے اس پر یہ اضافہ فرماتے ہیں کہ ان کے نزدیک یہ تمام روایات "صُورِ مثالیہ" پر محمول ہیں، لہٰذا اسی طرح حساب اور شفاعت وغیرہ کے مباحث میں بھی صوفیاء کے نقطہ نظر کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ تذکرہ المعاد اپنی گونا گوں خصوصیات کی بنا پر سیوطی کی محولہ بالا کتاب کی تلخیص معلوم نہیں ہوتا بلکہ اس پر ایک مستقل کتاب کا گمان ہوتا ہے۔

اس کتاب کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے جو ابوالریان محمد رمضان (فاضل حزب الاحناف لاہور) نے کیا ہے جو نوری کتب خانہ بازار داتا صاحب لاہور کی طرف سے ۱۹۶۱ء میں چھپا تھا۔ یہ ترجمہ ۱۳۱ صفحات پر مشتمل ہے۔ اردو ترجمے کی زبان سہل اور رواں ہے، تاہم اس میں بالخصوص عربی ترکیبوں کی کثرت ہے، ترجمے پر مولوی محمد اعجاز صاحب اور مولانا ابوالبرکات قادری نے تقاریظ لکھی ہیں۔

تلخیص ہوامع (للشاه ولی اللہ محدث دہلوی)

قاضی صاحب کے استاد مکرم شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے شیخ ابوالحسن شاذلی (۱۲۵۸/۱۶۵۶ء) کی جانب منسوب مشہور المامی دعا "حزب البحر" کی شرح ہوامع (جمع ہامع: بسنے والے آنسو) کے عنوان سے لکھی تھی، جس میں انھوں نے "حزب البحر" کے متعلق اپنے ذاتی تاثرات بیان کیے ہیں اور بتایا ہے کہ انھوں نے یہ کتاب عظیم القدر بزرگ

۲۰ تذکرہ المعاد (اردو ترجمہ)، ص ۳۰

۲۱ دیکھیے احمد بن محمد عباد: کتاب المفاخر العلیہ فی آثار الشاذلیہ، قاہرہ طبع مصطفیٰ یابی

ابوالحسن شاذلی کی حزب البحر کی شرح میں لکھی ہے۔

شاہ صاحبؒ کی یہ اہم کتاب بدرالدین بمیرہ مولوی سید ناصر الدین نواسہ شاہ رفیع الدین نے سطعات کے ساتھ ۱۸۶۰ء میں مطبع احمدی سے حسن حال کے اہتمام سے شائع کی تھی۔

شاہ صاحبؒ کی کتاب قدرے طویل ہے، لہذا اس کے پڑھنے اور سمجھنے کے لیے بڑا غور و خوض کرنا پڑتا ہے۔ اس خیال کے تحت شاہ صاحب کے نامور شاگرد قاضی صاحبؒ نے اس کی تلخیص "تلخیص ہوامع" کے عنوان سے مرتب فرمائی۔

ابتداء میں قاضی صاحب نے بتایا ہے کہ دعائے حزب البحر قاضی صاحب کے معمولات میں شامل تھی۔ اتفاق سے حضرت شاہ صاحب کی شرح ان کی نظر سے گزری، اس پر انہوں نے یہ سوچا کہ شاہ صاحب کی اس کتاب کی جو خالص علمی انداز اور دقیق عبارت میں لکھی گئی ہے تلخیص کر دی جائے اور عام فہم زبان میں اس کی مختصر شرح بھی لکھ دی جائے، چنانچہ انہوں نے یہ خدمت سرانجام دی۔

اس کتاب کا واحد قلمی نسخہ مولانا ابوالحسن زید دہلوی کی ملکیت ہے؛ یہ کتاب فارسی متن کے ساتھ فقط ایک بار کانپور سے "ابوالخیر محمد عبد المجید" کی ترتیب و تصحیح کے ساتھ ۱۲۹۴ھ میں طبع ہوئی تھی، اب نایاب ہے۔^{۲۳} البتہ اس کا اردو ترجمہ حال ہی میں سید احمد سعید ہمدانی نے جوہر آباد سے شائع کیا ہے جو دستیاب ہے۔ راقم نے اسی سے استفادہ کیا ہے۔

قاضی صاحبؒ کی اس کتاب میں پہلے تو "حزب البحر" کے عربی الفاظ و حروف کا فارسی ترجمہ دیا گیا ہے، بعد ازاں "شرح" کے عنوان سے "شاہ ولی اللہ محدث دہلوی" کی نگارشات کا ملخص پیش کیا گیا ہے، اس اعتبار سے اس کتاب کے بیشتر مضامین تشریحی اور توضیحی نوعیت کے ہیں، جنہیں فاضل مؤلفؒ نے بڑی عمدگی سے مرتب اور ملخص فرمایا ہے۔

۲۲۔ تشریحات مکاتیب مرزا مظہر، ص ۲۳۲، عدد ۲۱

۲۳۔ دیکھیے دعائے حزب البحر، طبع سید احمد سعید ہمدانی، جوہر آباد، ۱۴۰۱ھ، ص ۱۲۔

زیر نظر کتاب حسب ذیل خصوصیات کی حامل ہے۔

۱۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی مذکورہ کتاب کافی مفصل تھی، قاضی صاحبؒ نے سابقہ دونوں کتب کی طرح اس کی بھی عمدہ اور معتد بہ تلخیص تیار فرمائی جس میں "اصل کتاب" کی تمام بنیادی اور مرکزی باتوں کو اپنے الفاظ میں مرتب کیا ہے، اس طرح پڑھنے اور استفادہ کرتے میں بہت سہولت رہتی ہے۔

ب۔ شاہ صاحبؒ کی کتاب میں ہر طرح کے نکات جمع ہیں، مگر قاضی صاحب نے ان میں سے فقط ان حصوں کی تلخیص فرمائی ہے جو ان کے نزدیک مذکورہ دعا کے فہم کے لیے ضروری سمجھے تھے، اسی لیے مرتبین نے قاضی صاحبؒ کی ان عبارتوں کو "شرح حزب البحر" سمجھا ہے، ^{۲۴} جو درحقیقت غلط فہمی کا نتیجہ ہے، بہر حال قاضی صاحبؒ کی عبارات سے دعائے حزب البحر کو سمجھنے میں اساسی مدد ملتی ہے۔

ج۔ علاوہ ازیں قاضی صاحبؒ نے اس دعا کے مختلف حصوں کی روحانی تاثیرات پر بھی توجہ مبذول فرمائی ہے۔ چنانچہ اس تلخیص سے قارئین کو دعا کے مختلف اجزا کی روحانی تاثیرات کا بھی پتا چلتا ہے ^{۲۵}

الغرض مختصر ہونے کے باوجود کتاب بہت سے علمی اور روحانی فوائد کے بیان پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب ۱۲۹۴ھ میں جب ابوالخیر محمد عبدالمجید نے مطبع نظامی کانپور سے شائع کی تو اس پر ضروری حواشی بھی لکھے تھے، چنانچہ انھوں نے شاہ صاحبؒ کی کتاب "ہوامع" سے اس پر کچھ مفید اضافات بھی کیے تھے۔ بعد ازاں جب اسے سعید ہمدانی صاحب نے اردو کے قالب میں منتقل کیا تو ان حواشی کے ساتھ کچھ اور اضافات بھی بعنوان "اشارات" کتاب میں درج کر دیے تھے۔ یہ اشارات جو ہدیری محمد دین صاحبؒ نے رقم کیے ہیں، اس

^{۲۴} دیکھیے دعائے حزب البحر، مطبوعہ جوہر آباد، ص ۱۲، ۱۵، ۱۶ وغیرہ

^{۲۵} ایضاً، ص ۲۱-۲۲

^{۲۶} جو ہدیری محمد دین صاحبؒ پر عبدالحق (خلیفہ مولانا اشرف علی تھانویؒ) کے مرید تھے، اس لیے انھوں نے مولانا تھانویؒ کے نوادہ بھی نقل کیے ہیں۔

طرح اب زیر نظر کتاب بہت سے فوائد کی متفق ہے۔

اللباب (عربی)

یہ کتاب سیرۃ النبی کے موضوع پر ہے اور مشہور و معروف سیرت نگار "شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن یوسف الصالحی (م ۹۲۲ھ / ۷۱۵۳۵) کی مشہور و معروف کتاب "سبل الہدیٰ والرشاد" کے جلد سوم کے خلاصہ ہے۔ اس کو قاضی صاحب نے حضرت مرزا مظہر رحمانی جاناں شہید کی فرمائش اور ہدایت پر تیار کیا تھا، اس میں حسب ذیل موضوعات زیر بحث آئے ہیں:

اخلاق حسنة، عقیدہ توحید، عبادات، معاملات، تحفے تحائف دینا، نکاح اور بیویوں کے مابین مساوات، قربانی و شکار، غزوات، طریقہ تعلیم۔ آیات قرآنی کی تفسیر، فیصلے، عشق خدا، شاعری سے متعلق آنحضرت کی رائے۔ آپ کی جانب سے عطلے خطابات، بچوں اور عورتوں سے مہربانی و مروت کا سلوک، صفت درگزر، ایفائے عہد، تواضع و انکساری وغیرہ۔

اس کا قلمی نسخہ بھی ہندوستان میں موجود ہے۔

۲۷۰۔ امشامی کی کتاب قاہرہ سے ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۵ء میں استاد عبدالعزیز عبدالحق حلیمی کی تحقیق کے ساتھ طبع ہو چکی ہے۔

۲۷۱۔ جلد سوم سے مراد موجودہ مطبوعہ نسخے کی جلد سوم نہیں ہے بلکہ قلمی نسخے کی جلد سوم ہے جو اس وقت قاضی صاحب کی ملکیت میں تھا۔

متفرقات

قاضی صاحبؒ کی حسب ذیل کتابیں متفرقات کے تحت آتی ہیں :

رسالہ وصیت نامہ

قاضی صاحبؒ نے اپنی وفات سے کچھ عرصہ پہلے اپنا باقاعدہ وصیت نامہ مرتب فرمایا تھا جو دو حصوں پر مشتمل ہے۔ حصہ اول خانگی اور حصہ دوم عمومی ”وصایا“ سے متعلق ہے۔

قاضی صاحبؒ کے وصیت نامے اور اس کے مضامین پر اس سے پہلے تفصیلی بحث ہو چکی ہے۔ یہاں اس کے اعادے کی ضرورت نہیں، بہر حال ان کا یہ وصیت نامہ، علمی اور تاریخی طور پر اہمیت کا حامل ہے۔ متعدد بزرگوں کے وصیت ناموں کے ساتھ یہ ہندوستان اور پاکستان میں شائع ہو چکا ہے۔

اس کا مخطوطہ کسی مقام سے بھی تلاش نہیں کیا جاسکا، البتہ وہ کلمات طبیات اور مالا بدمنہ کے ساتھ کئی مرتبہ چھپ چکا ہے۔ اس کا اردو ترجمہ بھی دستیاب ہے۔

فی النصیحة والوصیة

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ایک وصیت نامہ مرتب فرمایا تھا۔ قاضی صاحبؒ نے اس پر حاشیہ لکھا تھا، جس کے مختلف کتابوں میں حوالے ملتے ہیں۔ اس میں پیری مریدی،

۱ کلمات طبیات، مطبوعہ دہلی، ص ۱۵۲ تا ۱۵۸

۲ مالا بدمنہ، مطبوعہ ملتان، ص ۱۳۷ تا ۱۴۷

۳ مثلاً دیکھیے نعیم اللہ بہرائچی، معمولات مظہریہ، لاہور، ص ۲۵۔

فتاویٰ بقا، صحابہ کرام اور اہل بیت سے محبت، نکاح بیوہ، مراسم شادی و موت، اور دینی علوم کے حصول کی تلقین کی گئی ہے۔ یہ وصیت نامہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی کی وصایا اربعہ میں چھپ چکا ہے۔

خطبات کا مجموعہ

بہرائچ میں سید نعیم اللہ بہرائچی کے ذخیرہ کتب میں قاضی صاحب کے تین خطبات جمع بھی ہیں۔ یہ خطبے مختصر مگر فصیح عربی زبان میں ہیں، جنہیں آیات قرآنی اور احادیث نبویہ سے آراستہ کیا گیا ہے۔

کتاب در وعظ و نصیحت

اس کتاب میں قاضی صاحب نے تصوف کے بعض مسائل پر بحث کی ہے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

لازمہ قرب الی اللہ، حقیقت عشق و محبت، کیفیات بے خودی و سرمستی، اس کے بعد چار مکتوبات ہیں۔ جن میں سے تین شیخ محمد قاضی کرانہ اور ایک شاہ غلام علی دہلوی کے نام ہے۔ یہ چاروں مکتوبات کلمات طیبات میں شامل ہیں۔

مکتوبات

قاضی صاحبؒ کے مکتوبات کو تدوین کے اعتبار سے تین واضح حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے :

- ۱۔ صوفیانہ مکتوبات مشمولہ درکلمات طیبات (کل آٹھ مکتوبات)۔
- ۲۔ صوفیانہ مکتوبات مشمولہ درلوائح خالقاہ مظہریہ (رسالہ اردو سہ ماہی)، نیز معارف را اعظم گڑھ)۔

۳۔ قلمی مکتوبات (ازبشارات مظہریہ)

مکتوبات مشمولہ درکلمات طیبات

ادبیات کی ایک نمایاں قسم، جو ضرورت ابلاغ (Communication) کے تحت وجود میں آئی، مکتوب نگاری بھی ہے۔ یہ صنف ادب شخصی و نجی افکار و خیالات اور بالغانہ فکر و نظر کے اظہار و ابلاغ کے لیے سب سے بہتر ذریعہ خیال کی جاتی ہے بلکہ

اہل علم و عرفان میں مکتوبات کے ذریعے اظہار خیال کا یہ طریقہ بہت قدیم ہے۔ تاہم یہ مسئلہ بحث طلب ہے کہ کس نابغہ روزگار شخصیت نے سب سے پہلے مکتوبات کو صوفیانہ خیالات و افکار کی ترویج و اشاعت کے لیے ذریعہ ابلاغ کے طور پر منتخب فرمایا۔ یوں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے راشدین کے مکتوبات بھی محفوظ ہیں بلکہ لیکن یہ خطوط زیادہ تر لمکاری

۱۔ ڈاکٹر سید عبداللہ، میر امن سے عبدالحق تک، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۵ء، ص ۲۲۴ - ۲۰۵

۲۔ دیکھیے ڈاکٹر محمد جمید اللہ، الوثائق السیاسیہ۔

نوعیت کے ہیں۔

قدیم صوفیاء میں سے جن بزرگوں کے مکتوبات سے زمانہ "روشناس" ہے، ان میں امام ابو حامد الغزالی (م ۵۰۵ھ / ۲۱۱۱) ، محی الدین شیخ عبدالقادر الجیلانی (م ۵۶۱ھ / ۲۱۱۵) ، شیخ معین الدین چشتی (م ۶۲۳ھ / ۲۱۲۳) ، شیخ حمید الدین ناگوری (م ۶۲۳ھ / ۲۱۲۳) ، شیخ جلال الدین رومی (م ۶۴۲ھ / ۲۱۳۳) ، شیخ بوعلی قلندر (م ۶۴۲ھ / ۲۱۳۲) اور شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ مزیری (م ۶۸۲ھ / ۲۱۳۸) وغیرہ شامل ہیں۔^۳ بعد میں یہ سلسلہ خوب نکلا اور قریب قریب ہر مشہور صوفی بزرگ کے مکتوبات مرتب کیے گئے۔

متاخر دور میں اس صنف ادبیات سے سب سے وسعت اور جامعیت کے ساتھ فائدہ مجددی بزرگوں نے اٹھایا، چنانچہ متعدد مجددی بزرگوں مثلاً حضرت مجدد الف ثانی (م ۸۰۸ھ / ۱۴۱۲) ، خواجہ محمد معصوم سرہندی (م ۸۰۸ھ / ۱۴۱۲) ، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۸۰۸ھ / ۱۴۱۲) اور حضرت منظر جان جاناں خمید نے اپنے اپنے خیالات و افکار کی ترویج و اشاعت کے لیے بڑی وسعت اور نقاست کے ساتھ "مکتوبات" کا استعمال کیا، چنانچہ ان بزرگوں کے مکتوبات اس امر کا واضح ثبوت پیش کرتے ہیں۔

قاضی صاحب (م ۸۰۸ھ / ۱۴۱۲) کے مکتوبات بھی اسی سلسلے کا ایک انتہائی اہم حصہ ہیں، قاضی صاحب نے جس وسیع پیمانے پر اپنے خطوط میں نقشبندی اور مجددی معارف پر قلم اٹھایا ہے، اس نے قاضی صاحب کے ان خطوط کو حیات جاوداں عطا کر دی ہے۔

زیر نظر حصے میں قاضی صاحب کے کل آٹھ مکتوبات شامل ہیں، جن میں سے اول الذکر تین مکتوب شاہ غلام علی دہلوی (م ۸۰۸ھ / ۱۴۱۲) اور تین شیخ محمد قاضی کرانی (م ۸۰۸ھ / ۱۴۱۲) کے نام ہیں، جب کہ ساتواں مکتوب سید نعیم اللہ بہرائچی (م ۸۰۸ھ / ۱۴۱۲) کے نام اور آٹھواں مکتوب "عزیز سے از سادات" کو لکھا گیا۔ اول الذکر

^۳ محمود الحسن عارف، مقالہ مکتوبات (صوفیہ) : در اردو دائرۃ معارف اسلامیہ، ج ۲۱، بذیل مادہ۔

^۴ کلمات طیبات، مطبوعہ مجتہبانی دہلی، بتصحیح شاہ فضل رحمان گنج مراد آبادی، ص ۹۷ تا ۱۲۱۔

^۵ ایضاً، ص ۱۲۱ تا ۱۴۱۔ ایضاً، ص ۱۴۱ تا ۱۴۸۔

^۶ ایضاً، ص ۱۴۸-۱۵۳۔

مکتوب کے سوا تمام مکتوبات ان بزرگوں کے استفسار پر رقم کیے گئے۔

مضامین و محتویات

کلمات طیبات کے مرتب مولانا ابوالخیر محمد بن احمد مراد آبادی (مرید شاہ فضل رحمان گنج مراد آبادی، م ۱۳۱۳ھ / ۱۸۹۵ء) نے جب کلمات طیبات کو مرتب کیا تو اس میں قاضی صاحبؒ کے وہی خطوط منتخب فرمائے جن میں قاضی صاحبؒ نے اعلیٰ تر معارف و مسائل پر بحث فرمائی تھی، اسی لیے قاضی صاحبؒ کے زیر بحث خطوط اپنے مضامین کے اعتبار سے بڑی افادیت کے حامل ہیں۔ مزید تفصیل حسب ذیل ہے۔

مکتوب اول بنام شاہ غلام علی دہلوی؛ اس مکتوب میں تمہیدی الفاظ کے بعد واجب الوجود اور ممکن الوجود میں ذات ممکن کے اپنے وجود و بقا میں واجب تعالیٰ کا محتاج ہونے، ممکن کی طرح واجب الوجود کا ادراک بدیہی کیوں نہ ہونے کے ضمن میں صوفیہ وجودیہ کے مفالطے، حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ادراک صحیح، "توحید شہودی" میں صفات باری کا ذات باری کے عین اور غیر ہونے، حضرت مجدد الف ثانیؒ کے کلام پر ایک اعتراض اور اس کے جواب، آیت نور (۳۵) کی مستوفانہ تشریح، مسئلہ جبر و قدر اور شریعت و طریقت کے باہمی تلازم پر بحث کی گئی ہے۔

مکتوب دوم شاہ غلام علی دہلویؒ؟ اس مکتوب میں تمہیدی کلمات کے بعد عنانِ عشرہ سے انسان کی ترکیب، روح سفلی اور روح علوی کے باہمی تعلق، سیر آفاقی، سیر انفسی اور سفر در وطن کی تشریح، وحدت و احدیت، تنزلاتِ خمسہ و حضرات، خمسہ، تعینِ روحی، مثالی و جدی، شیونات و عکوس، ہمہ اوست اور ہمہ ازوست (ایضاً)، عالم مثال اور اس کی کیفیات، دائرہ ظلال کی تشریح، اسما و صفات الہیہ کے دو اعتبارات ظہور و بطون، نیز ولایت صفری و کبریٰ، سورہ واقعہ کی دو اصطلاحوں (مقربین اور اصحاب الیمین) کے متعلق ایک نادر توجیہ، حقیقتِ کعبہ، حقیقتِ صلوات اور حقیقتِ قرآن کی تشریح، ولایت ابراہیمی،

۱۰ کلمات طیبات کی مذکورہ طباعت کے اعتبار سے (صفحات ۱۱۰ تا ۱۱۱)

۱۱ مکتوبات۔ در کلمات طیبات۔ ص ۱۰۶ تا ۱۱۴

ولایت موسوی، ولایت محمدی اور ولایت احمدی میں فرق، سیر در تعین حُبّی و جودی، حقیقت صوم، سابقہ تقریر پر چند شبہات کا جواب، لاعین ولا غیر، لاتعین، معنی ضمنیت صغریٰ و کبریٰ اور قاضی صاحبؒ کی حضرت مظہرؒ سے ضمنیت وغیرہ پر مدلل بحث کی گئی ہے۔

مکتوب سوم بنام شاہ صاحبؒ ایضاً: اس مکتوب میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کی بعض عبارتوں پر اعتراضات کے ذاتی حوالے سے جوابات، ایک اشکال جو خواجہ محمد معصومؒ کے مکتوبات سے بھی حل نہیں ہوتا اور قاضی صاحبؒ کا ملحم شدہ جواب، شاہ غلام علی دہلویؒ اور شاہ رفیع الدینؒ کے جواب پر عدم اطمینان، قرب خداوندی حاصل کرنے کے دو طریقے سلوک و جذب - چشتیہ و قادریہ میں سلوک کی تقدیم، مگر نقشبندیہ میں جذب کا تقدم، مجذوب سالک اور سالک مجذوب میں فرق اور افضلیت نبوت و ولایت کی بحث وغیرہ کے مسائل زیر بحث آئے ہیں۔

مکتوب چہارم بنام شیخ محمد قاضی کرانہ، اس مکتوب میں تمہیدی الفاظ، علم کی دو اقسام: حصولی و حضوری نیز ان کی تشریح، علم حصولی، جو قرآن و حدیث سے حاصل ہو، اس پر توقف کرنا ضروری ہے، خدا کے قرب کے درجات، علم لدنی و عرفان، و جذب (ایضاً)، استقامت بر شریعت علم حضوری و علم لدنی کے لیے ضروری، عالم مثال اور اس کی توضیح عالم ظل و ظلال کا ذکر، صاحبان سکرو صحو اور ان کی کیفیات میں فرق، صوفیاء کے بظاہر خلاف شرع اقوال، صوفیاء کے کلام میں "مشابہات" شب معراج میں آنحضرتؐ کو زیارت باری تعالیٰ ہونے یا نہیں، سورۃ الزلزال، آیت صمّ یلمّ عمی۔۔۔ اور الیوم نختم کی صوفیانہ تشریحات کی اساس، کیا ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ اعمال کے جزو ایمان ہونے کی بحث اور احناف کا مسلک، صوفیاء کے قول کہ "اگر کلمہ طیبہ ان کے طریقے کے مطابق پڑھا گیا تو مفید ہوگا" کا مفہوم وغیرہ قسم کے مباحث پر مشتمل ہے۔

مکتوب پنجم بنام قاضی صاحب مذکور: اس مکتوب میں صوفیہ و جودیہ کے بعض اقوال

۱۱۵ تا ۱۲۱ - لہ ایضاً، ص ۱۲۱ تا ۱۳۱

۱۲۱ تا ۱۳۲ - کلمات طیبات - ص ۱۳۱ تا ۱۳۲ -

کے قسم میں احتیاط کی ضرورت، ذات باری کے متعلق یمن سوال اور ان کے جوابات، سوفسطائیہ اور عام صوفیہ بالخصوص وجودیہ میں فرق، استدلال کا علم حصول سے حاصل ہو سکتا، نہ کہ علم حضوری ہے۔ ہمہ اوست کے نظریے کا تمام تر تکلف پر مبنی ہونا، صوفیہ وجودیہ کا مہتمائے مقصود، صوفیہ شہودیہ کے نزدیک وجود ممکنات کے "قل" کے ساتھ موجود ہونے کے معنی، اور بعض اولیا کا اپنی ولایت سے بے خبر ہونے وغیرہ پر بحث کی گئی ہے۔

مکتوب ششم بنام شیخ محمد مذکور در بیان شریعت و طریقت: اس مکتوب میں تمہیدی کلمات کے بعد شریعت و طریقت میں تضاد بیانی ثابت کرنے والوں کا دونوں کے معانی سے ناواقف ہونا، شریعت و طریقت کا ماخذ قرآن و حدیث سے ہونا، مومن ہونے کے باوجود متوجہ الی اللہ نہ ہونے کی محض کامومن نہ ہونا، حقیقت شریعت، شریعت سے اصل مقصود حقیقت کا ہونا، ابن سینا کے ادب جاننے اور نہ کرنے کا واقعہ، اعمال جوارح کی حقیقت اور اس کا مفہوم، افعال عباد کے مخلوق ہونے کی بحث، صوفیہ کے قول: کل حقیقۃ ردتہ، الشریعۃ فہی زندقۃ کے معنی، حقیقت کشف، ہر کشف کو قرآن و حدیث پر پیش کرنے کی ضرورت، خلاف شرع کشف کا واجب الرد ہونا، تحصیل "مقام حقیقت" کی ضرورت، قرون اول کے مسلمانوں کے نفوس قدسیہ، بالخصوص صحابہ کرامؓ اور ان کے واسطے سے تابعین پر صحبت نبوی کے اثرات، ریاضت اور مجاہدات کے بغیر نفوس کا جگمگا اٹھنا، دور تابعین کے بعد باطنی اثرات کا ماند پڑنا اور نظام تربیت کی ضرورت کا احساس، طریقت کا حقیقت، شریعت اور کمالات باطن ہونا، احادیث مبارکہ میں تصوف کے بنیادی تصورات کا ذکر، عارف رومیؒ کے کلام میں نفس کے مردہ یا اڑھا ہونے کی بحث، متقدمین میں صاحبان کمال کا کم اور متاخرین میں زیادہ ہونا، مولانا رومؒ کے ایک شعر میں "تے" اور "آتش" کا مصداق، نفس کے ساتھ جہاد کا جہاد اکبر ہونا، علم ظاہر و باطن میں تلازم کے پس منظر میں منصور اور عین القضاة کے قتل کا واقعہ، منصور کے دعوائے انا الحق کا یا اتفاق علمائے ظاہر و باطن نامناسب اور غلط ہوتا۔ خرق عادات (کرامتوں) کی حقیقت، معجزات اور کرامتوں میں

ظہور کے لحاظ سے فرق وغیرہ پر بحث کی گئی ہے۔

مکتوب ہفتم بنام سید نعیم اللہ بڑا پچی در تحقیق معنی قیومیت و شرح معنی عشق باقواند دیگر، تمہیدی کلمات کے بعد، بی بی صاحبہ (صبیہ شریفہ) بنت شیخ محمد عابد ستامی کا ذکر خیر کیا گیا ہے۔ جس کے بعد حقیقت محمدی و حقیقت احمدی کے مفہوم، تمام عالم کے صفات باری تعالیٰ کے دائرہ طلال ہونے کے معنی، قیومیت کے معنی و تشریح، خداوند تعالیٰ کے حصول قرب کا اس کی جانب سے عظیم الشان احسان ہونا، خداوند تعالیٰ کے مالک بہ کرم ہونے اور انسان کے تغافل، "المراع من احب" کے مفہوم، مجددیہ کے ہفت مراقبے (مراقبہ ذات، ان اللہ علی کل شیء قدیر، سميع و بصیر، معیت، اقربیت، محبت اور مراقبہ ذات بحت) اور احسان (تصوف) کی حقیقت وغیرہ پر مبسوط بحث کی گئی ہے۔ اس کے بعد محبت کی تعریف، ۱۔ مومن کی خدا سے اور خداوند تعالیٰ کی بندہ سے محبت میں فرق، محبت اور فرط محبت کے معنی و مفہوم، صوفیا کے قول "العشق نار تحرق ما سوا لمحبوب" کا مفہوم فرط محبت اور عشق میں فرق، محبت میں حوصلے کی تنگی اور اس کے مظاہر، انبیا کا ذات باری سے محبت و عشق، امام غزالی کا محبت کی تعریف اور عشق پر تنقید کا نزاع لفظی ہوتا، روز قیامت میں امتثال امر خداوندی کا ایک روح پرور نظارہ، اس ضمن میں رابعہ بصیرہ کے قول اور محبت کے بے شمار مراتب و درجات وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی کے معارف و مسائل کو سمجھنے کے لیے قاضی صاحب کے یہ مکتوبات بڑی اہمیت اور افادیت کے حامل ہیں۔ ان خطوط کی خصوصیات حسب ذیل ہیں۔

(۱) ظاہری خصوصیات: قاضی صاحب کے ان مکتوبات کی عبارت پر شکوہ، الفاظ و تراکیب موزوں اور معانی پر شوکت ہیں۔ اکثر مکتوبات کی عبارت فارسی زبان کی رواں دواں انشا پرداز کا خوب صورت نمونہ ہے، ذخیرۃ الفاظ میں بہ کثرت عربی الفاظ، عربی ترکیبیں اور عربی عبارتیں نظر آتی ہیں۔ اس اعتبار سے قاضی صاحب کے یہ مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور حضرت مظہر جانناں کے مکتوبات سے گہرے تاثر کی غمازی کرتے ہیں۔

۱۲ کلمات طیبات، (ص ۱۴۱ تا ۱۴۵)

شواہد، استدلال اور توضیح کے لیے بہ کثرت عربی عبارتوں کے علاوہ عربی، فارسی اور
ریختہ (اردو) کے اشعار نقل فرماتے ہیں، اس اعتبار سے ان خطوط میں ایک اچھا ادبی ذوق رواں
دواں نظر آتا ہے۔

اپنے مخاطب کو آغاز میں خطابات و القاب کے علاوہ درمیان کلام میں بھی طرح طرح
کے القاب سے مخاطب فرماتے ہیں، مثلاً شاہ غلام علی دہلویؒ کو محذوما اور مشفق من کے
القاب سے، اور شیخ محمد قاضی کرانہ کو اے برادر، اور صاحب من وغیرہ کے عنوانات سے
مخاطب کیا گیا ہے۔

خطوط پر معلمانہ انداز غالب ہے، یہی وجہ ہے کہ ان میں سوال و جواب کی کثرت نظر آتی
ہے، از خود ہی سوال پیدا فرماتے ہیں اور خود ہی اس کا جواب مرحمت فرماتے ہیں۔

علاوہ ازیں مکتوبات میں علمی وجدان کے ساتھ ساتھ بعض مقامات پر کشفی و الہامی رنگ،
جسے بقول ان کے مجتہدانہ انداز (نتائج فکر) بھی کہا جاسکتا ہے، نظر آتا ہے۔
(۲) معارف مجددیہ پر خصوصی تبصرہ: قاضی صاحبؒ کے قریب قریب تمام مکتوبات (ایک
آدھ کے سوا) معارف مجددیہ کے سلسلے میں تحریر کیے گئے ہیں، ان سے قاضی صاحبؒ کے
زیر بحث عنوان پر خصوصی تبصرہ کا پتا چلتا ہے۔

(۳) معاصرین کا استفسار و استفتاء: اس موضوع پر فاضل مؤلف کے نابلقہ علمی ہونے
کا اس امر سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے بہت سے نامور معاصرین ان کی ذات کو سند
تسلیم کرتے ہوئے ان مسائل میں ان سے استفسار فرماتے تھے اور ان کی تحقیقات پر اعتماد
کرتے تھے، مثلاً زیر نظر مجموعے میں سے مکتوب دوم و سوم شاہ غلام علی دہلویؒ، مکتوب چہارم تا
ششم شیخ محمد قاضیؒ کرانہ اور مکتوب ہفتم سید نعیم اللہ بیڑا پٹی کے استفسارات کے جواب میں
تحریر کیے گئے ہیں، اس سے آپ کی اس موضوع پر ثقاہت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

(۴) موضوع کا وسیع مطالعہ: ان مکتوبات سے اس موضوع پر قاضی صاحبؒ کے
وسعت مطالعہ کا پتا چلتا ہے کیونکہ ایک طرف تو آپ بکثرت مجددی کتب کے حوالے دیتے
ہیں تو دوسری طرف اپنے مخاطب کو یہ بھی بتلاتے ہیں کہ اسے یہ مسئلہ کہاں سے مل سکتا ہے اور

کہاں سے نہیں مل سکتا، چنانچہ شاہ غلام علی دہلویؒ کے نام اپنے دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں:

”اچھے از مکتوبات قدسی آیات حضرت مجددؒ و حضرت ایشاں عروۃ الوثقی و از رسالہ شواہد التجدید حضرت دلیل اللہ الصمد عبد الاحدؒ ظاہری شود و ہم در مقام سلوک از جناب ایشاں شہیدؒ استفادہ نمودہ شد“ ۱۵

ایک اور مقام پر شاہ صاحبؒ ہی کو لکھتے ہیں:

”در ضمن نوشتن این خط در جواب آل مہربان فقیر ہمیں تقریب کنز الہدایہ مطالعہ کردم، ازاں معلوم شد کہ سابق ہمیں اعتراض را اصحاب حضرت ایشاں عروۃ الوثقیؒ در جناب ایشاںؒ معروض داشتہ اند و دو مکتوب آل جناب در جواب این صادر شدہ“ ۱۶

شاہ صاحبؒ کے نام اسی خط میں آگے چل کر آپؒ فرماتے ہیں:

”عاشا و کلا و آنچه شاہد این کلام حضرت مجددؒ طلبیدہ اند اگر شاہد این در کلام آنحضرتؐ می بودند من این جواب را نسبت بخود نمی کردم“ ۱۷

(۵) اجتماد و استنباط: معارف مجددیہ پر قاضی صاحب کو جو خاص شرف و تقدم حاصل تھا، اس کا مزید اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ قاضی صاحبؒ اس موضوع پر بھی پھیلی نظائر کو سامنے رکھ کر اجتماد و استنباط کرنے کی اہلیت رکھتے تھے، چنانچہ مکتوبات سے اس کی متعدد مثالیں مل سکتی ہیں، مثال کے طور پر شاہ غلام علی دہلویؒ نے قاضی صاحبؒ سے چند ایسے مسائل کے متعلق استفسار کیا تھا جن کی حضرت مجددؒ اور دوسرے بزرگوں کے کلام سے وضاحت نہیں ہوتی، قاضی صاحبؒ نے ان کو جو جوابات لکھے ہیں، ان کے آغاز میں فرماتے ہیں:

”بہر حال جوابی کہ از میں ہمہ اشکالات تفسی بخشد فقیر بدان ملہم شدہ خواہ از الہام غیبی باشد یا نتیجہ قوت فکر آل ہمانست کہ بخدمت سامی معروض داشتہ بودم، اگر آل حق و صواب است فمن اللہ و اگر خطا است فمن نفسی“ ۱۸۔ اعتقاد کردن صاحبان براں واجب نیست و فقیر مدعی کمال نیست، مجادلہ و مکابرہ منظور نیست“ ۱۹

۱۵ کلمات طیبات، ص ۱۱۸

۱۶ ایضاً، ص ۱۰۹

یہ اس فلسفے کے بنیادی نکات کو آسان اور تشریحی انداز میں بیان فرمایا ہے تاکہ پتا چلے کہ شہودی فلسفہ محض ایک نظریہ ہی نہیں بلکہ ایک کامیاب اور مربوط نظام فکر کا آئینہ دار بھی ہے۔
۲۔ شریعت و طریقت میں ارتباط: حضرت مجددؑ کو اپنے زمانے میں جن دوسرے مسائل کے خلاف نبرد آزما ہونا پڑا، ان میں جاہل صوفیوں کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیاں بھی تھیں، بطور خاص شریعت و طریقت میں اختلاف ثابت کرنے کے خلاف آپ نے کھل کر لکھا، چنانچہ حضرت مجددؑ نے اپنے مکتوبات میں مکمل طور پر اس غلط فہمی کا ازالہ فرمایا۔ قاضی صاحبؒ نے اپنے مکتوبات میں متعدد جگہ اس مغالطے کا جواب تحریر فرمایا ہے، خاص طور پر چھٹا مکتوب اسی موضوع کے لیے وقف کیا ہے، اس مکتوب کے آغاز میں فرماتے ہیں:

”و آنچه جمال میگویند که در میان شریعت و طریقت یا شریعت و حقیقت تضاد است این از غلط فہمی آتہا است، معنی شریعت و طریقت نفہمدہ اند۔“^{۲۱}

چنانچہ اس تمام مکتوب میں منابع شریعت یعنی قرآن و حدیث سے شریعت و طریقت اور حقیقت کے معانی بیان کیے گئے ہیں۔ آخر میں اس تمام بحث کا خلاصہ یوں بیان فرمایا ہے: ”ازیں تقریر واضح می شود کہ شریعت محمدی کہ ہماں شریعت سائر انبیا است ہماں است کہ آزا فقر اطلب میکنند و حاصل می سازند و آزاد در اصطلاح حقیقت میگویند یعنی حقیقت شریعت است نہ چیزی دیگر کہ آزا جمال ضد شریعت میداند۔“^{۲۲}

۳۔ مکاشفات کی حیثیت: اسی طرح کا ایک مسئلہ صوفیوں کے مکاشفات کے متعلق ہے، قاضی صاحبؒ نے تعلیقات مجددیہ کی روشنی میں مکاشفات و الہامات کے متعلق انتہائی معتدل نقطہ نظر اپنایا ہے، یوں تو یہ مسئلہ مکتوبات میں متعدد جگہ زیر بحث آیا ہے،^{۲۳} مگر مکتوب ششم میں اس عنوان پر زیادہ مبسوط انداز میں بحث کی گئی ہے، چنانچہ اس مقام پر لکھتے ہیں:

”در رویت عالم مثال کہ آزا صوفیہ بکشف تعبیر میکنند از قبیل او یا در مقام است۔۔۔“

^{۲۱} کلمات طیبات، ص ۱۳۴ ^{۲۲} ایضاً، ص ۱۳۵

^{۲۳} ایضاً، ص ۱۰۴

واجباتاً در مرآة خیال بسبب عوارض انکواری می شود لهذا در کشف غلطی افتد و گاہی در فہم و تعبیر آن غلطی افتد لهذا اولیا اللہ گفتہ اند کہ آنچه بکشف معلوم شود آنرا بمعیار شرع باید فہمید اگر موافق شرع است قبول باید کرد و آنچه مخالف شرع باشد آزار دہ باید کرد و زندقہ باید دانست^{۲۳}

۴۔ مولانا روم کے اشعار کے شارح: قاضی صاحب کے زیر نظر مکتوبات سلسلے امر کا پتا بھی چلتا ہے کہ وہ مولانا روم کے "خاص شارح" تھے، چنانچہ ان مکتوبات میں مولانا روم کے بکثرت اشعار نقل کیے گئے ہیں، نیز ان کے معاصرین "مثنوی رومی" کے نام میں ان کی جانب رجوع کیا کرتے تھے، چنانچہ شیخ "محمد قاضی کرانہ نے اپنے مکتوب (بنام قاضی صاحب) میں مولانا روم کے دو اشعار کے متعلق استفسار کیا تھا کہ ان اشعار کے کیا معنی ہیں، چنانچہ قاضی صاحب نے اپنے خطوط میں ان اشعار کی شرح لکھی ہے^{۲۴}

۵۔ بعض تاریخی تسامحات: قاضی صاحب نے "عزیزی از سادات" کے نام ایک مکتوب تحریر فرمایا ہے۔ اس میں یزید کے متعلق چند باتیں لکھی ہیں، اس میں لکھا ہے کہ عبد اللہ بن زبیرؓ کو، جو نواسہ ابو بکرؓ تھے، یزید نے قتل کروایا^{۲۵} حالانکہ ابن زبیرؓ کا قتل مروان اموی کے بیٹے عبد الملک کے زمانے میں جمادی الاولیٰ یا جمادی الآخرہ ۳، ھ (۴ اکتوبر یا ۳ نومبر ۶۹۲ء) میں ہوا^{۲۶} اس وقت یزید کے انتقال پر ۹ سال گزر چکے تھے۔ اسی طرح اسی مکتوب میں حجاج بن یوسف کو یزید کا عامل اعد والی قرار دیا گیا ہے،^{۲۷} جو قطعاً درست نہیں، حجاج اس منصب پر عبد الملک بن مروان کے دور میں پہنچا تھا۔ یزید کے زمانے میں اسے کوئی عمدہ نہیں دیا گیا تھا۔^{۲۸}

بائیں ہمہ زیر نظر مکتوبات بہت سے مفید مطالب و مضامین پر مشتمل ہیں۔

۲۳ کلمات طیبات، ص ۱۳۶، ۶۴۔ ۲۵ ایضاً، ص ۱۳۸-۱۳۹، ۶۴۔

۲۶ ایضاً، ص ۱۵۲، ۸۴۔

۲۷ دیکھیے، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۱۲: ۸۱، (بذیل عبد اللہ بن الزبیر)

۲۸ کلمات طیبات، ص ۱۵۲، ۸۴۔

۲۹ دیکھیے اردو دائرہ معارف اسلامیہ، بذیل مادہ۔

صوقیانہ و ذاتی مکتوبات مشمولہ در لوائح خانقاہ مظہریہ (رسالہ سہ ماہی اردو) و

معارف اعظم گڑھ

زیر نظر حصے میں قاضی صاحبؒ کے کل گیارہ مکتوبات شامل ہیں، جن کی تفصیل حسب

ذیل ہے:

(۱) لوائح خانقاہ مظہریہ میں کل نو مکتوبات (مکتوب نمبر ۱۱ تا ۱۵ و ۱۳ تا ۱۷، ص ۴۹ تا ۵۷ و ۲۳۶ تا ۲۴۱)۔ ان میں سے مؤخر الذکر چار مکتوبات رسالہ سہ ماہی اردو (بابت ماہ اکتوبر ۱۹۶۷ء) میں طبع ہو چکے ہیں۔ یہ تمام مکتوبات ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب (سابق چیئرمین شعبہ اردو، سندھ یونیورسٹی) نے مولانا حنیف اللہ صدیقی، برادر حکیم صاحب زادہ محمد میر آغا جان صاحب (سابق سجادہ نشین خانقاہ اخوندزادہ ملا نسیم، نور محل ادرج - ریاست دیر) کے توسط سے دریافت کیے اور بعد ازاں انھیں "لوائح خانقاہ مظہریہ" کے عنوان سے طبع کر دیا۔

ب۔ دو بقیہ مکتوبات رسالہ معارف (اعظم گڑھ) میں ۱۹۲۹ء میں، مولانا محمد فاروق بہرائچی (ازخاندان سید نعیم اللہ بہرائچی) نے اپنے مضمون "سلسلہ مجددیہ اور علم حدیث (جلد ۲۳، شمارہ ۶) میں "مکتوبات قلمی" کے عنوان سے درج کیے ہیں۔ یہ مکتوبات مولانا محمد فاروق بہرائچی کو سید نعیم اللہ بہرائچی کے گھر سے ملے تھے۔

یہ مکتوبات حسب ذیل تین افراد کے نام تحریر فرمائے گئے ہیں۔

۱۔ حضرت مظہر جانجاناں شہیدؒ کے نام، "لوائح" میں قاضی صاحبؒ کے پانچ مکتوب ملتے ہیں۔ یہ مکتوبات اس لحاظ سے بے حد اہم ہیں کہ یہ قاضی صاحبؒ نے اپنے پیر و مرشد حضرت مظہرؒ کی خدمت میں تحریر فرمائے تھے، چنانچہ ان خطوط کی اس اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں لکھتے ہیں۔

"حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کے نام حضرت مظہرؒ کے سات مکتوبات کلماتِ ہیبات میں اور ۱۲۹ مکتوبات محترم عبدالرزاق قریشی کے مرتبہ مجموعے میں شامل ہیں، لیکن اب تک خود قاضی صاحبؒ کا کوئی مکتوب بنام حضرت مظہرؒ سامنے نہیں آیا تھا۔" لنگہ ان

مکتوبات سے پتا چلتا ہے کہ قاضی صاحبؒ کے حضرت مظہرؒ کے ساتھ نہایت گہرے مراسم تھے، دونوں کے درمیان خطوط کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ قاضی صاحب اور حضرت مظہرؒ کے درمیان "مرید اور مرشد" ہونے کا جو سلسلہ قائم تھا، ان خطوط سے بخوبی اس کا اظہار ہوتا ہے۔

قاضی صاحبؒ ان خطوط میں حضرت مظہرؒ کو "قبلہ گاہی" اور "ذات قدسی صفات" سے مخاطب کرتے ہیں، جب کہ خود اپنے آپ کو "کمترین غلامان جناب محمد ثنا اللہ" تحریر فرماتے ہیں؛ علاوہ ازیں درمیان میں جہاں کہیں اپنا ذکر آتا ہے تو لفظ "غلام" سے کرتے ہیں جس سے پتا چلتا ہے کہ قاضی صاحبؒ کے دل میں اپنے پیر و مرشد کا کتنا ادب و احترام پایا جاتا تھا۔ (ب) اخوندزادہ ملا نسیمؒ کو جو ان کے فیض یافتہ بھی تھے، اپنے خطوط میں ایسے ہی "القاب" سے مخاطب کرتے ہیں، جن سے باہمی تعلقات کی نوعیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ زیر نظر خطوط میں ان کو "مولوی صاحب مشفق مہربان سلمۃ اللہ تعالیٰ سے مخاطب کیا گیا ہے۔ بعض مقامات پر انھیں "بہجت آیات کثیر البرکات" لکھا گیا ہے، ایک جگہ انھیں مخاطب کر کے لکھتے ہیں:

"الحمد للہ کہ فقیر بخیریت است و خیریت سامی مدام مطلوب، حق تعالیٰ انما سلامت دارد و بہ مسند ارشاد متمکن دارد۔" ۳۳

اس سے دونوں کے مابین پُر خلوص اور پُر محبت تعلقات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ (ج) قاضی صاحبؒ اپنے گہرے دوست اور ساتھی سید نعیم اللہ بیڑا پچیؒ کو اپنے خطوط میں بڑی اہمیت دیتے تھے۔ ان کے ساتھ تعلقات جس درجہ خلوص و الفت پر استوار تھے، زیر نظر خطوط کے القاب و خطابات سے اس کا بخوبی اظہار ہوتا ہے۔ ان کے نام زیر نظر

۳۱ ایضاً، ص ۴۹، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۵، م ۱۱ تا ۱۵

۳۲ ایضاً

۳۳ ایضاً، ص ۲۳۶-۲۴۱، م ۱۴۳-۱۴۶

۳۴ ایضاً، ص ۳۴، م ۱۴۶۔

حصے میں دو خطوط میں سے ایک خط کا آغاز یوں کیا گیا ہے۔
 "تتانی اللہ بقابلہ حقائق ومعارف آگاہ مولوی معنوی شیخ المشائخ عالم باعمل درویش
 کامل بلکہ مکمل۔"

اس سے پتا چلتا ہے کہ قاضی صاحب کے دل میں "اپنے رفیق" کا کتنا احترام پایا جاتا تھا۔

نسائین و مندرجات

ریزنڈنٹوں پہلے حصے کے برعکس خالصتاً آری اور نئی و نیت کے ہیں، یہی
 ان خطوط سے قاضی صاحب کے حالات، سیرت اور متعلقین کے بارے میں بہت سی
 معلومات حاصل ہوتی ہیں، جن کا ازیں قبل ذکر کیا جا چکا ہے۔ ان خطوط کو ان کے مخاطبین
 کے لحاظ سے حسب بالاتین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

حضرت مظہرؒ جاجاناں کے نام ۵ مکتوبات

یہ تمام مکتوبات، بقول ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب^{۳۵}، ۱۱/۱۳/۶۱۷ یا اس کے
 لگ بھگ زمانے میں تحریر کیے گئے۔ ان مکتوبات میں تو اتر اور تسلسل کے ساتھ، چند مسائل
 کا ذکر ہے، جس سے پتا چلتا ہے کہ خطوط کا یہ مجموعہ تھوڑے تھوڑے دنوں کے بعد لکھا گیا۔

مکتوب اول: وسط رجب میں لکھا گیا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مظہر اس سال
 اوائل رجب جمادی الاولیٰ میں سنبھل پہنچے تھے^{۳۶}، جہاں سے انھوں نے قاضی صاحبؒ کو تحریر
 فرمایا تھا کہ وہ براستہ پانی پت اواخر شعبان میں شاہجہاں آباد (دہلی پہنچیں گے، مگر خلاف معمول
 وہ اس مرتبہ وقت مقررہ سے پہلے یعنی اوائل رجب میں ہی دہلی جا پہنچے۔ قاضی صاحبؒ حضرت
 مظہرؒ کے پانی پت تشریف نہ لانے پر نرم الفاظ میں ان سے گلہ کرتے ہیں اور پھر اس توقع کا
 اظہار کرتے ہیں کہ حضرت مظہرؒ حسب وعدہ اواخر شعبان میں پانی پت تشریف لے آئیں گے
 اور رمضان المبارک وہیں گزاریں گے۔ اگر کسی وجہ سے ان کا آنا ممکن نہیں تو قاضی صاحبؒ

^{۳۵} لولخ خانقاہ مظہر یہ، ص ۲۷

^{۳۶} حضرت مظہر پانی پت اور سنبھل میں اکثر تشریف لے جاتے رہتے تھے (مکاتیب مظہر، قریشی،
 پیش لفظ)۔

خود دہلی پہنچ جائیں گے۔

حضرت مظہرؒ نے قاضی صاحبؒ کو ان کی اہلیہ کی جانب سے چار بیگہ زمین خریدنے کا ارادہ ظاہر فرمایا تھا، قاضی صاحبؒ اس سلسلے میں حضرت مظہرؒ سے رقم ارسال کرنے کا ذکر فرماتے ہیں (فی بیگہ ۱۱ روپے)، اس کے علاوہ حضرت مظہرؒ کی اہلیہ اپنے قطعہ اراضی میں ایک کنواں لگوانا چاہتی تھیں، قاضی صاحبؒ دونوں کے سلسلے میں مبلغ ستوا روپیہ بھیجنے کی درخواست کرتے ہیں اس کے علاوہ سولہ بیگہ زمین جو معرض شراہ میں تھی، اس کی بابت بھی تحریر فرماتے ہیں کہ اگر مناسب سمجھتے ہیں تو اسے بھی خرید کر لیا جائے۔ آخر میں بہرام بخش کی جانب سے حضرت مظہرؒ کو سلام لکھا گیا ہے۔

مکتوب دوم: دوسرے مکتوب میں بھی حضرت مظہرؒ سے پانی پت تشریف لانے کی درخواست کی گئی ہے۔ نیز قاضی صاحبؒ اپنے ایک مرید علی رضا خان کو حضرت مظہرؒ کے پاس دہلی بغرض توجہ بھیجنے کا ذکر فرماتے ہیں، اس کے علاوہ حضرت مظہرؒ نے قاضی صاحبؒ کے نام ایک خط میں سید عبدالعلی پسر مولوی محمد یونس کی "موضع ہرتاری" کے سلسلے میں سفارش کی تھی، قاضی صاحبؒ اس کا جواب دیتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ موضع ہرتاری کا آج کل ان سے تعلق نہیں، تاہم ان سے جو کچھ ہوا، اس سلسلے میں ضرور کریں گے۔ آخر میں اہلیہ حضرت مظہرؒ کی خدمت میں سلام لکھا گیا ہے۔

مکتوب سوم۔ یہ خط قاضی صاحبؒ کے ذاتی حالات کے سلسلے میں بے حد اہم ہے، اس خط سے اس سازش کا حال معلوم ہوتا ہے جو قاضی صاحبؒ کے خلاف ان کے زمانہ تفتاب میں چند مفسدوں نے برپا کی تھی۔

"آپ لکھتے ہیں کہ شاہ دہانی امسال تنبیہ سکھاں پر متوجہ ہے۔ اور وہ آگے آگے بھاگ

۳۷ قریشی (مرتب) ، مکاتیب مظہرؒ ، م ۱۱۔

۳۸ لوائح ، ص ۲۹ - ۵۱ ، م ۱۱۔

۳۹ عبد الرزاق قریشی : مکاتیب مظہرؒ ،

۴۰ لوائح خاتقاہ مظہرؒ ، ص ۵۱ - ۵۲ ، م ۱۲

رہے ہیں، بعد ازاں آپ موضع "ہرتاری" میں تبدیلی عمال کا ذکر کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ ان کی جگہ صدر الصدور دہلی کی طرف سے رحمت اللہ نامی شخص مقرر کیا گیا ہے، چونکہ گزشتہ سال بارش نہ ہونے کے باعث فصل کی پیداوار اچھی نہ ہوئی تھی، لہذا اس قصبے کے لوگوں سے ابھی کچھ محصولات بطور قرض وصول کرنا تھے کہ یہ تبدیلی واقع ہو گئی۔ عبد الجلیل نامی شخص چونکہ قاضی صاحبؒ سے عداوت رکھتا تھا، اس نے رحمت اللہ نامی عامل کو بھی بہکایا، اس طرح نواب نجیب اللہ کے ہاں آپ کی شکایات پہنچانی گئیں، جو مسموع نہ ہوئیں، چنانچہ اب یہ "گروہ" نواب افضل الدولہ کے لشکر کا رخ کر رہا ہے، لہذا قاضی صاحبؒ نواب مذکور کے پیش امام کے نام سفارشی رقعہ لکھنے کی درخواست کرتے ہیں۔ آخر میں بہرام بخش کی جانب سے سلام لکھا گیا ہے۔" اللہ

مکتوب چہارم۔ یہ مکتوب بھی اسی قصبے کے سلسلے میں لکھا گیا ہے۔ "اس خط میں بھی موضع ہرتاری" کے قصبے کا ذکر کر کے نواب افضل الدولہ کے رفقا میں سے کسی کے نام سفارشی خط لکھنے کی درخواست کی گئی ہے؛ مزید برآں حضرت مظہرؒ کی اہلیہ متفرق مقامات پر جو سات بیگہ زمین رکھتی تھیں، اسے بیچ کر بیگاسات بیگہ زمین خریدنے کی اجازت طلب کی گئی ہے۔" مکتوب پنجم۔ قاضی صاحبؒ کا یہ مکتوب اس سلسلے کے تمام خطوط میں زیادہ اہمیت کا حامل ہے، کیونکہ ایک طرف تو اس میں حضرت مظہرؒ کے سخت ترین مکتوب کا جواب تحریر کیا گیا ہے، تو دوسری جانب اس مکتوب میں اس سازش کے تمام چھپے ہوئے گوشے بے نقاب کیے گئے ہیں۔

(ب) اخوندزادہ ملا نسیمؒ کے نام چار خطوط:

اخوندزادہ ملا نسیمؒ قاضی صاحبؒ کے ارشد تلامذہ اور مستفیدین میں سے تھے، قاضی صاحبؒ کو ان سے اور انھیں قاضی صاحبؒ سے غایت درجے کی محبت تھی۔ ان کے نام قاضی صاحبؒ کے زیر نظر چاروں مکتوبات ۱۲۱۷ھ سے ۱۲۱۶ھ کے زمانے کے ہیں،

۱۳۱ لوائح، ص ۵۲ - ۵۳، م ۱۳

۱۳۲ ایضاً، ص ۵۳ - ۵۴، م ۱۴

ان خطوط سے بھی قاضی صاحبؒ (اور اخوندزادہؒ) کی نجی زندگی کے بہت سے پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔ مزید تفصیل حسب ذیل ہے:

مکتوب اول۔ اس مکتوب میں تمبیدی کلمات اور حسن خاتمہ کی دعا کے بعد ذکر ہے کہ ملا نسیمؒ کی جانب سے مرسلہ ایک عدد تسبیح اور نافہ مشک موصول ہو گئے ہیں، قاضی صاحبؒ نے انھیں بسر و چشم قبول کیا اور ملا نسیمؒ کا شکریہ ادا کیا ہے۔ آخر میں اپنی طرف سے ملا نسیمؒ کے صاحب زادگان محمد خیر اور غلام محمد اور ان کی "والدات" کو سلام لکھا ہے اور جنت معلیٰ میں ملاقات ہونے کی دعا کی ہے۔

مکتوب دوم۔ دوسرے مکتوب سے قاضی صاحبؒ کی حیات مبارکہ کے آخری دور کے متعدد واقعات منظر عام پر آتے ہیں:

تمبیدی کلمات کے بعد آپؒ بیان فرماتے ہیں کہ مولوی دلیل اللہ اور محمد صفوۃ اللہ (بن احمد اللہ) خیریت سے ہیں، جب کہ مولوی احمد اللہؒ اور صبغت اللہؒ عرصہ ہوا انتقال کر گئے ہیں۔ مردم محلؒ (اہلیہ حضرت مظہرؒ) چند سال سے پانی پت میں تھیں، اب چھ مہینوں سے دہلی میں ہیں؛ مرزا شاہ علیؒ مدت ہوئی انتقال کر گئے ہیں۔ ان کا ایک بیٹا میاں مداری پانی پت میں اور دوسرا میاں نظامی اپنی والدہ سمیت اپنے ماموں کے پاس عظیم آباد، پٹنہ میں ہے۔ بی بی امینہ بنت شاہ علیؒ کی مدت ہوئی شادی کر دی گئی ہے۔ یاران حلقہ میں سے میاں محمد مرادؒ، مولوی غلام علیؒ، میاں عبدالباقیؒ دہلی میں اور میاں محمد احسان رام پور میں خیریت سے ہیں۔ شاہ غلام علیؒ دہلی میں مستدار شاد پر متمکن ہیں اور ایک جہان ان سے مستفید ہو رہا ہے۔ ملا محمد حنیفؒ، ملا سردار خان اور ملا زبردست خاں (اخوندزادہؒ) کے فرستادگان، خیریت سے پہنچ گئے ہیں اور خطرہ بھنچا دیا ہے، یہ جان کر بہت مسرت ہوئی کہ ایک دنیا آپ سے مستفید ہو رہی ہے۔ نیکر کو دعائے حسن خاتمہ کے ساتھ یاد رکھیں۔ چار بیٹوں، تین لڑکیوں اور دو بیویوں کا بھی پتا چلا۔ ملا محمد حنیف اور ملا زبردست خان پانی پت سے رام پور کی طرف روانہ ہو گئے ہیں۔ چونکہ دہلی کا راستہ غیر محفوظ تھا اسی لیے اس طرف

نہیں گئے۔ مردم محل کے لیے جو تحائف اور خط لائے تھے وہ یہیں چھوڑ گئے ہیں، جو نہی کوئی معتبر شخص ملے گا، انھیں دہلی ارسال کر دیا جائے گا۔ مولوی محمد سردار پانی پت میں ہیں، محمد دلیل اللہ اور محمد صفوۃ اللہ کی طرف سے سلام۔^{۲۳۸}

مکتوب سوم۔ سیاسی حالات پر تبصرہ: قاضی صاحب کا یہ مکتوب سیاسی اعتبار سے بہت اہم ہے، اس سے پتا چلتا ہے کہ قاضی صاحب کی حالات زمانہ پر کتنی گہری نظر تھی اور آپ مسلمانوں کی زبوں حالی پر کتنے پریشان رہا کرتے تھے، اس خط کے مندرجات پر ازیں قبل گفتگو ہو چکی ہے۔^{۲۳۹}

مکتوب چہارم: ملا سردار کی واپسی: اس خط کے ساتھ ہی ملا نسیم کے نام خطوط کا یہ سلسلہ ختم ہو جاتا ہے، غالباً اس سلسلے میں قاضی صاحب کا ملا نسیم کے نام یہ آخری خط ہے۔ اس خط میں تمہیدی کلمات کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

”دو سال قبل ملا سردار وغیرہ تین آدمی آئے تھے، جن میں سے دو رام پور کی طرف چلے گئے تھے، مگر ملا سردار دو سال سے یہاں ہیں۔ تحصیل نسبت باطنی کے علاوہ کتب شریعت میں سے شرح وقایہ اور ہدایہ و مشکوٰۃ^{۲۴۰} کا کچھ حصہ مولوی دلیل اللہ سے پڑھتے رہے ہیں۔ وہ بہت لچھے آدمی ہیں، فقیروں کو ان سے بڑی راحت رہی۔ کشف و شہود سے بھی ان کو مناسبت ہے۔ بہر حال ان کا یہ وقت ضائع نہیں ہوا۔ اب شوقِ وطن غالب آ رہا ہے تو آپ کی خدمت میں پہنچیں گے، سنت نکاح ادا کرنے کے علاوہ ان کی نسبت باطنی کی تکمیل کی بھی کوشش کریں۔ اگر زندگی رہی تو وہ دوبارہ فقیر سے ملنے آئیں گے۔ آخر میں حسنِ خاتمہ کے لیے دعا کی درخواست:۔^{۲۴۱}

اس طرح مکتوبات کا یہ سلسلہ بہت سی معلومات پر مشتمل ہے۔

^{۲۳۸} نواحِ خانقاہ مظہریہ، ص ۲۳۷، ۲۳۸، م ۱۷۲۔

^{۲۳۹} ایضاً، ص ۲۳۸ - ۲۳۹، م ۱۷۵۔

^{۲۴۰} ان کتب کی تفصیل پہلے آچکی ہے۔ دیکھیے کتاب ہذا ”نصاب درس“

^{۲۴۱} نواح، ص ۲۲۰ - ۲۲۱، م ۱۷۶۔

سید نعیم اللہ بہرٹراچی کے نام دو خط

مولوی محمد فاروق بہرٹراچی نے مولوی نعیم اللہ بہرٹراچی کے نام "معارف" میں قاضی صاحبؒ کے دو خطوط شائع کیے ہیں، یہ خطوط بھی ذاتی اور نجی نوعیت کے ہیں، ان سے بھی قاضی صاحبؒ کے ذاتی حالات پر روشنی پڑتی ہے۔

مکتوب اول: تفسیر مظہری کی تکمیل؛ "معارف" میں مطبوعہ خطوط میں سے قاضی صاحبؒ کا پہلا خط جو انہوں نے ۱۲۰۸ھ / ۱۹۳۷ء کے بعد سید نعیم اللہ بہرٹراچی کو تحریر فرمایا تھا تکمیل تدوین تفسیر مظہری کی "خوشخبری" پر مشتمل ہے۔ اس میں اپنے مہربان دوست کو یہ خبر سناتے ہیں کہ "تفسیر مظہری بفضلہ تعالیٰ کسوۃ احتتام پوشیدہ" اور پھر اس تفسیر کی وہ خصوصیات بیان کی ہیں جن کا انہوں نے تفسیر مظہری کی تصنیف و تدوین میں بطور خاص التزم رکھا ہے، چنانچہ اس فہرست میں "فقہ، مسائل کلام، مسائل تصوف، سیر و معازی اور اختلاف قراءت" کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے؛ فاضل مفسر اس کی تصنیف کو حضرت مظہرؒ کا فیض کرامت قرار دیتے ہیں، بعد ازاں اس کی ضخامت کا ذکر کیا گیا ہے ۷۸

مکتوب دوم: سفر لکھنؤ سے واپسی؛ قاضی صاحبؒ کا دوسرا خط اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ اس میں اپنے سفر لکھنؤ کی یادوں کو تازہ کیا ہے، یہ سفر اپنے دوست سید نعیم اللہ بہرٹراچیؒ کی پر خلوص دعوت پر کیا تھا۔ لکھنؤ میں انہوں نے کئی روز قیام فرمایا تھا اور مختلف لوگوں کو اپنے فیوض و برکات سے مستفید کیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے، اس موقع پر ان کی پذیرائی میں "غزبانے لکھنؤ" پیش پیش تھے، کیونکہ اس خط میں خاص طور پر "غزبانے لکھنؤ" کا شکریہ ادا کیا گیا ہے، اور پھر لکھنؤ کے مختلف محلوں کے ساکنان کو سلام لکھنے کے بعد "ہمہ آشنایاں ساکنان لکھنؤ" کو سلام لکھا ہے ۷۹

مؤخر الذکر مکتوب اصل میں خاصا طویل تھا؛ محمد فاروق بہرٹراچی (مقالہ نگار معارف)

۷۸ دیکھیے معارف (اعظم گڑھ)، ۲۳/۶: ۲۷۵۔

۷۹ ایضاً، ص ۲۷۹ - ۲۵۰۔

نے اس کا مختصر حصہ نقل کیا ہے اور کچھ حصے کی تفصیلات اپنے مقالے میں بیان کی ہیں۔

قاضی صاحب کے ذاتی قلمی مکتوبات

قاضی صاحبؒ کے زیر نظر چھ مکتوبات ان کے دوست اور رفیق سید نعیم اللہ بہرائچیؒ نے اپنی کتاب "بشارات مظہر" میں درج فرمائے ہیں اور ابھی تک قلمی حالت میں ہیں۔ یہ مکتوبات ۱۱۹۵ھ/۱۸۰۰ء سے ۱۲۰۲ھ/۱۸۰۷ء تک کے درمیانی عرصے میں تحریر کیے گئے ہیں اور بنی اور ذاتی نوعیت کے ہیں جن سے ان کی خانگی زندگی کے ساتھ ساتھ معاشرتی، سماجی اور تصنیفی زندگی پر بھی روشنی پڑتی ہے، اس کے علاوہ بعض "حالات و مسائل حاضرہ" بھی زیر بحث آئے ہیں۔

یہ تمام مکتوبات سید صاحبؒ ہی کے نام ہیں، تاہم مکتوب چہارم سید صاحبؒ اور شاہ غلام علی دہلویؒ کے نام مشترکہ طور پر لکھا گیا ہے، اسی بنا پر اس خط کے اختتام پر فرماتے ہیں:

"برای تنگی وقت و کم فرصتی رقعہ علمدہ بخدمت مولوی نعیم اللہ صاحب نوشتہ معاف فرماید الفقرا کنفس واحدۃ۔ مقتفی ہمیں است کہ بریک رقعہ اکتفا کردہ شود"۔
سید صاحبؒ نے ماسوائے مکتوب سوم کے سب خطوط کے ابتدائی اور تمہیدی کلمات (مشتمل بر خطبہ و القاب مخاطب) حذف فرمادیے ہیں تاہم ان خطوط سے محوہ بالا تینوں بزرگوں میں جو باہمی الفت و محبت کا تعلق استوار تھا، اس پر بخوبی روشنی پڑتی ہے۔ ان خطوط کی اساسی اہمیت کے پیش نظر، راقم الحروف نے ان سے اس کتاب میں بے حد استفادہ کیا ہے۔

ان خطوط اور سابقہ خطوط کے اندازِ تحریر میں چنداں فرق نہیں ہے؛ اسلوبِ تحریر نہایت شستہ اور آسان ہے، عربی عبارتوں اور فارسی و عربی نیز ہندی کے اشعار سے کلام میں جاذبیت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے، البتہ ان خطوط میں حزن و یاس کا رنگ غالب نظر

نہہ بشارات مظہر، قلمی، ورق ۱۶۶/۱

۱۔ ان خطوط کو راقم الحروف نے اپنے تحقیقی مقالے (مجزوہ پنجاب یونیورسٹی) کے ساتھ

آتا ہے، جس کی وجہ اس زمانے کے وہ ساخات تھے جو پے درپے پیش آئے اور جنہوں نے آپ کے دل و دماغ میں دنیا کی محبت کی جگہ آخرت کا شوق پیدا کر دیا تھا۔ ان ساخات کی تفصیل پہلے بیان کی جا چکی ہے۔

مضامین و مندرجات

مکتوب اول: قاضی صاحب نے سید نعیم اللہ میٹر اپنی "کے حضرت مظہر" کی وفات پر لکھے گئے تعزیتی خط کے جواب میں تحریر فرمایا ہے، آپ فرماتے ہیں کہ حضرت مظہر کی وفات حسرت آیات کی مصیبت فقط "حضرت" کے بندگانِ مخصوص تک محدود نہیں بلکہ یہ صدمہ "کافہ" نام کے لیے ہے، پھر اپنے خصوصی تعلق خاطر کا ذکر فرماتے ہیں کہ جب سے انہوں نے ہوش سنبھالا تھا حضرت مظہر ہی کو اپنا بجائے استاد، مرثی، شیخ اور والد و دادا پایا، گویا ان کا یہ تعلق بہت وسیع اور پہلو دار تھا، پھر لکھتے ہیں کہ حضرت مظہر سن طبعی میں بھی بڑھاپے کی انتہا کو پہنچے ہوئے تھے، اس پر یہ کیا کم ہے کہ انہیں اس عمر میں درجہ شہادت حاصل ہو گیا۔ اپنے ایک خواب کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں کہ حضرت مظہر کا تعلق اپنے فیض یافتہ لوگوں کے ساتھ شہادت کے بعد بھی بجا ہے، آخر میں سید صاحب کا اپنی نسبت حسن ظن پر شکر یہ ادا کیا ہے اور حسن خاتمہ کی دعا اور سلام پر خط مکمل کیا ہے۔

مکتوب دوم: انہی کے نام دوسرے خط میں قاضی صاحب نے تمہیدی کلمات کے بعد سید صاحب کی شادی خانہ آبادی پر انہیں مبارکباد دی ہے، پھر اپنے متعلق سید صاحب کے کلمات خیر کے جواب میں اپنے سے زیادہ سید صاحب کو ان کا مستحق قرار دیا ہے، بعد ازاں انہیں طالبانِ سلوک کی تعلیم و تربیت کے سلسلے میں کچھ ہدایات دی ہیں۔

اسی خط میں اپنے دو صاحب زادوں مولوی احمد اللہ اور صفت اللہ کی وفات کا ذکر اور اپنی قلبی کیفیت کا بیان ہے۔ آخر میں دعائے خیر میں یاد رکھنے کے علاوہ اوقاتِ تہجد میں اپنی طرف متوجہ ہو کر مراقبہ کرنے کی درخواست کی ہے۔

۱۵ دیکھیے بشارات مظہر یہ، قلمی، ورق ۱/۱۶۱ و ۱/۱۶۲ و ۱۵۲ ایضاً، ورق ۱/۱۶۲ و ۱/۱۶۳

مکتوب سوم: اس حصے کے مکتوبات میں زیر نظر مکتوب سب سے زیادہ طویل اور مفصل ہے۔ اس میں تمہیدی کلمات کے بعد سید صاحبؒ کی طرف سے نامہ گرامی کے آنے اور شکایت عدم مراسلت کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ میں نے چند روز پہلے آپ کو خط لکھا تھا، جو غالباً گم ہو گیا ہوگا۔ اسی خط میں یہ بھی ذکر ہے کہ مولوی دلیل اللہ ہدایہ مکمل کر کے عرصے سے فارغ ہے، شاید حضرت مظہرؒ کی اس کے حق میں توجہات مستقبل میں اثر انداز ہو سکیں۔ اسی مکتوب میں بار دیگر اوقات تہجد میں باہم دیگر متوجہ فی المراقبہ ہونے کا ذکر کیا گیا ہے اور پھر یہ لکھا ہے کہ حضرت مظہر نے قاضی صاحبؒ کو جو بشارتیں دی تھیں، وہ اپنی جگہ صحیح ہیں مگر خود قاضی صاحبؒ اپنے آپ کو ان سے فرود خیال کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں دو ہندی کے اشعار نقل کر کے ان کا فارسی ترجمہ دیا گیا ہے۔ بعد ازاں اپنے ”سلسلہ طریقت“ کی کم مقبولیت کا اور اس میں اپنی ”بے بضاعتی“ کا ذکر کیا ہے، نیز لکھا ہے کہ اسی بنا پر وہ آج کل تفسیر مظہری لکھنے میں مشغول رہتے ہیں، آخر میں دعا کی درخواست اور سلام و دعا پر مکتوب مکمل کیا ہے۔

خالقہ مظہری کی تعمیر: چوتھا مکتوب خاص طور پر اس لیے زیادہ اہم ہے کہ اس سے حضرت مظہرؒ کے خلفا کی ان کوششوں کا پتا چلتا ہے جو انھوں نے خالقہ مظہری (دہلی) کی تعمیر کے سلسلے میں کیں۔ یہ حویلی اس سے پہلے حضرت ”مردم محل“ کی ملکیت تھی جو ان دنوں قاضی صاحبؒ کے ہاں پانی پت میں مقیم تھیں، اس موقع پر شاہ غلام علی دہلویؒ نے قاضی صاحبؒ کی وساطت سے انھیں اس مضمون کا خط لکھا تھا کہ وہ اس حویلی کو ”خالقہ مظہریہ“ کے لیے وقف کر دیں، قاضی صاحبؒ نے جب یہ مراسلہ اپنے برخوردار محمد دلیل اللہ کے ذریعے ان کی خدمت میں بھجوایا تو پہلے تو انھوں نے شاہ صاحبؒ اور سید نعیم اللہ بہراچی کی شان میں نامناسب کلمات کہے۔ مگر بالآخر قاضی صاحبؒ کی مداخلت پر انھوں نے اپنی حویلی وقف کرنے پر مشتمل تحریر لکھ کر فراہم کر دی، جسے قاضی صاحبؒ نے اسی مکتوب کے ساتھ دہلی ارسال کر دیا۔

نقشہ خالقہ کے سلسلے میں بھی اس مضمون سے اہم اطلاعات ملتی ہیں اور پتا چلتا ہے

کہ اس کی تجویز تو یارانِ دہلی کی جانب سے ہوئی تھی، تاہم باقی حضرات (بشمول قاضی صاحب) نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ اس خط میں قاضی صاحب "یارانِ دہلی" اور سید نعیم اللہ بہرائچی کو اتفاق و باہمی تعاون سے کام کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ نیز سید نعیم اللہ بہرائچی کو تاکید فرماتے ہیں کہ کام کی تکمیل کے بغیر لکھنؤ واپس نہ جائیں۔ ۵۴

تکمیل تعمیر

مکتوب پنجم سے خانقاہ کی تعمیر مکمل ہونے پر روشنی پڑتی ہے۔ اس خط کے ابتدائیں قاضی صاحب، شاہ صاحب اور سید صاحب کو اس کے مکمل ہونے اور ہر خاص و عام کو اس کے پسند آنے پر مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

اس خط سے پتا چلتا ہے کہ خانقاہ کی تعمیر کے وقت ان دونوں میں جزوی اختلافات پیدا ہو گئے تھے، قاضی صاحب دونوں حضرات کے اس اختلاف کو حسن نیت پر محمول کرتے ہوئے اسے مجتہدین کے اختلاف سے مشابہ قرار دیتے ہیں۔ پھر بقیہ کام کی تکمیل مولوی غلام علی خورد کے سپرد کر دینے کی ہدایت کرتے ہیں اور لکھتے ہیں وہ بقیہ کام تیس روپے میں مکمل کر لیں گے۔ سید نعیم اللہ بہرائچی، جو تعمیر خانقاہ کے لیے یہاں ٹھہرے ہوئے تھے، اپنے وطن واپس جانے کے لیے حضرت مظہر کے "خلیفہ اعظم" کی اجازت کے منتظر تھے اسی خط میں قاضی صاحب کی جانب سے انھیں لکھنؤ جانے کی اجازت دی گئی ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ تعمیر خانقاہ پر محولہ بالا دونوں حضرات کی جانب سے قاضی صاحب کو "خانقاہ مظہر" میں حضرت مظہر کی جانشینی کرنے کی دعوت دی گئی تھی، قاضی صاحب اس موقع پر اظہارِ تواضع کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ اس منصب کے اہل نہیں، البتہ آپ دونوں حضرات کو اگر حضرت مظہر کا جانشین کہا جائے تو گنجائش نکل سکتی ہے۔ ۵۵

مکتوب ششم میں خانقاہ مظہر کی تعمیر اور ان دونوں حضرات (قاضی صاحب و شاہ صاحب)

۵۴ بشارات مظہر، قلمی، ورق ۱/۱۶۵ تا ۱/۱۶۶

۵۵ ایضاً، ورق ۱/۱۶۶ تا ۱/۱۶۷

کے مابین تعلقات کی جو کیفیت تھی، اس پر مزید روشنی پڑتی ہے۔

حضرت مظہرؒ کی وفات کے وقت مردم محل کی حویلی جس میں ان کی رہائش تھی کچھ قرظی کے عوض ایک ہندو ساہوکار (بخشی رام) کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی، بعد ازاں حضرت مظہرؒ کی مرضی کے خلاف جب انھیں اس حویلی میں دفن کر دیا گیا تو اس حویلی کے ساتھ حضرت مظہرؒ کے متوسلین کو ایک گونہ عقیدت ہو گئی، مگر جلد ہی ہندو ساہوکار نے ”مریدین“ کو یہاں آنے جانے سے روکنا اور اپنے قرظی کی واپسی کا مطالبہ کرنا شروع کر دیا۔ اس موقع پر شاہ غلام علی دہلویؒ نے حضرت مظہرؒ کے مریدین کو اسی مضمون کے خطوط ارسال کیے جن میں ”رقوم“ کی فراہمی کا تقاضا کیا گیا تھا۔

اس ضمن میں ایک خط قاضی صاحبؒ کو بھی لکھا گیا جو انھیں رمضان المبارک میں موصول ہوا۔ قاضی صاحبؒ نے قدرے تاخیر سے اس کا جواب دہلی بھیجا، مگر شاہ صاحبؒ پر قاضی صاحبؒ اور سید نعیم اللہ بیڑا پچیؒ کی یہ تاخیر سخت ناگوار گذری، چنانچہ انھوں نے قاضی صاحبؒ کو ایک اور خط ارسال کیا جسے ”دل اللہ“ نامی تاحصدا پانی پت لے کر گیا۔ اس مکتوب میں شاہ صاحبؒ نے بطور خاص دو باتوں کا شکوہ کیا تھا۔

ایک یہ کہ سید نعیم اللہ بیڑا پچیؒ نے جواب دینے میں تساہل کیا ہے۔ اس پر قاضی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اب تک سید صاحبؒ بذات خود آپ کی خدمت میں پہنچ گئے ہوں گے لہذا وہی اس کا صحیح جواب بھی دے سکتے ہیں تاہم شاہ صاحبؒ کو اپنے دوستوں کے متعلق حسن ظن سے کام لینا چاہیے، ممکن ہے کہ انھیں نامہ بر میسر نہ آیا ہو یا ان کا خط راستے میں ضائع ہو گیا ہو۔

دوسرا مسئلہ ”میاں محمد مراد“ (حضرت مظہرؒ کے خادم خاص) کے خطوط میں شاہ صاحبؒ کو سلام و دعا نہ لکھنا ہے، قاضی صاحبؒ اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ میاں محمد مرادؒ سے میرا تعلق کاروباری نوعیت کا بھی ہے، لہذا میں انھیں بعض ذاتی کاموں کے لیے زحمت دیتا رہتا ہوں۔ اس سلسلے میں میرے خطوط ان کے نام بہ کثرت آتے جاتے رہتے ہیں، ان حالات میں، میں یہ مناسب نہیں سمجھتا کہ ہر خط میں انھیں سلام و دعا پہنچانے کی

زحمت دوں ۱۵۶

بہر حال قاضی صاحب کے یہ خطوط بعض اہم معلومات پر مشتمل ہیں۔

قاضی صاحب کے دیگر مکتوبات

ان دریافت شدہ مکاتیب کے علاوہ بہر اراچ میں حافظ اعزاز الحسن صاحب کے پاس قاضی صاحب کے پندرہ خطوط محفوظ ہیں، جن میں سے دس خطوط سید نعیم اللہ بہرائچی کے نام ہیں۔ تین سید نعیم اللہ کی وفات کے بعد ان کی اہلیہ محترمہ کے نام۔ ایک خط شاہ غلام علی دہلوی اور ایک شاہ حسام الدین احمد کے نام ہے۔ ان خطوط میں بھی تصوفانہ اور ذاتی مسائل زیر بحث آئے ہیں۔

اختتام

قاضی صاحب حقیقت میں ایک عبقری شخصیت کے مالک اور ایک انتہائی پاکیزہ اور اعلیٰ خیالات والے بزرگ تھے۔ ہم نے ان کے حالات زندگی اور تصانیف کے تجزیے اور ان کی تحقیق و بحث میں جس طرح ممکن تھی، کوشش کی ہے۔ لیکن پھر بھی اگر کوئی کوتاہی رہ گئی ہو تو وہ یقیناً راقم الحروف کے قصور علمی کی بنا پر ہوگی۔ اللہ تعالیٰ قاضی صاحب کو اپنی قبر میں آسودہ فرمائے اور ان کے افکار و خیالات کو قبول عام نصیب فرمائے۔ آمین۔

۱۵۶ بشارات مظہریہ، قلمی، ورق ۱۴۶/ب تا ۱۴۷/ا۔

